مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ أَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ

نہیں کرتے وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

جو اُن کو دیکھ لیتے ہم تو پھر کیا زندہ رہ جاتے
نگاہِ اولیں اے دل نگاہِ واپسیں ہوتی

دیدارِ الٰہی کا شوق

مؤلّف

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہ العالی
خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا پیر ذو الفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر

الامداد چیریٹیبل ٹرسٹ

مادھوپور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، وایہ رُونّی سید پور، ضلع سیتامڑھی، بہار

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب ...... دیدارالٰہی کا شوق

مؤلف ...... حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ العالی

صفحات 680

تزئین ...... شکیل کمپوزنگ سنٹر حیدر آباد-۵۹، الہند

+91-04065871440, 7207164256, e-mail: aishoffset@gmail.com

سن اشاعت ...... دسمبر 2017ء

ناشر ...... محمد صہیب اشرف، چیئرمین الامداد چیریٹیبل ٹرسٹ

مادھو پور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، وایہ رُونّی سید پور، ضلع سیتامڑھی، بہار

+91-7999999869

ملنے کے پتے

- منزل الامام، الجستو ربلڈنگ، بردبئ، دبئ، متحدہ عرب امارات-سیل: 971557886188 +
- آفس ''الامداد چیریٹیبل ٹرسٹ''

  مادھو پور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، وایہ رُونّی سید پور، ضلع سیتامڑھی، بہار-سیل: 91-7999999869 +
- ''ادارہ دعوۃ الحق'' - مادھو پور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، وایہ رُونّی سید پور، ضلع سیتامڑھی، بہار، الہند
- مولانا مفتی محمد عارف باللہ القاسمی، جامعہ عائشہ نسوان، حیدر آباد-الہند
- محمد نفیس اشرف، علی گڑھ، الہند-سیل: +91-9557482696
- مولانا ابوخطیب نقیب اشرف ندوی، رأس الخیمہ، متحدہ عرب امارات، سیل: 971557556248 +

فہرستِ مضامین

❁	کلام - عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ	27
❁	دیدارِ الٰہی پر منتخب کلام	28
❁	تقریظ - ۱ : سیدی حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب مدظلہ العالی	37
❁	تقریظ - ۲ : شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ العالی	40
❁	تقریظ - ۳ : پیر طریقت حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ العالی	42
❁	تقریظ - ۴ : حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم	46
❁	تقریظ - ۵ : حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم	48
❁	تقریظ - ۶ : حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم	53
❁	تقریظ - ۷ : حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم	55
❁	تقریظ - ۸ : حضرت مولانا مفتی محمد عارف باللہ القاسمی	61
❁	تقریظ - ۹ : حضرت مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب مدظلہ	66
❁	شوق دیدارِ حق : قاری فطین اشرف صدیقی	70
❁	**تعارفی کلمات:** ابوانیس محمد نفیس اشرف	73
❁	**تعارفی کلمات:** مولانا ابوخطیب محمد نقیب اشرف ندوی	75
❁	**تعارفی کلمات:** ابوشکیب محمد صہیب اشرف	79
❁	**عرضِ مرتب وسببِ تالیف کتاب**	82
❁	اہل اللہ کیلئے دنیا میں مشاہدۂ جمال حق کی دو صورتیں ہیں	87
❁	حجاب دور کرنے کا طریقہ	92
❁	بنی اسرائیل کا گستاخانہ سوال اور اس کی سزاء	93
❁	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی	94
❁	بنی اسرائیل کا گستاخانہ سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مودبانہ التجاء	95

❁	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے دیدارِ الٰہی کی درخواست	96
❁	تجلی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر تیز ہوگئی	96
❁	حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر طرف سے کلامِ الٰہی سُن رہے تھے	96
❁	دنیا میں دیدارِ الٰہی ممتنع ہے	97
❁	پہاڑ بھی جھلک برداشت نہیں کرسکتا	98
❁	پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا	98
❁	نورِ تجلی کی ہلکی مقدار کا ظہور ہوا تھا	99
❁	تجلی کے ظہور کا منظر	99
❁	عظمتِ نور کی وجہ سے پہاڑ منقسم ہوگیا	102
❁	خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیدار ولقاء کے لئے خوبصورت تعبیر	103
❁	معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیتِ باری ہوئی	104
❁	امام احمدؒ رؤیتِ عینی کے قائل تھے	105
❁	رؤیتِ باری تعالیٰ کا ثبوت	105
❁	کلامِ باری تعالیٰ بلا واسطہ کا ثبوت	106
❁	شبِ معراج میں رؤیتِ عینی کے قائلین علماء عارفین	107
❁	امام ابوالحسن الاشعریؒ کی رائے	108
❁	اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رؤیت کا وقوع اللہ کے دکھلانے سے ہے	108
❁	علّامہ آلوسی صاحب روح المعانی کی رائے	109
❁	قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی رائے	109
❁	محدث سہیلیؒ کی رائے	110
❁	حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ کے ارشادات	110
❁	محدث ملا علی قاری حنفی شارحِ مشکوٰۃ کی تحقیق	111
❁	حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد	112
❁	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد	113

❁	صاحب تفسیر مظہری کی تحقیق	113
❁	صاحبِ معراج کا حق تعالیٰ سے دُنُو یعنی قریب اور تدلّی یعنی نزدیک تر ہونا	115
❁	حضرت الاستاذ العلام شاہ صاحبؒ کی تحقیق !	115
❁	اللہ رب العزت کے دیدار کے بیان میں	123
❁	صدق ولقائے جمال باری تعالیٰ کی تمنّا	127
❁	حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرہندیؒ	137
❁	دنیا میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العزت کو احسن صورت میں دیکھا ہے	142
❁	کفّارات و درجات میں فرشتوں کا تحیّر	143
❁	کفارات و درجات کیا ہیں؟	144
❁	حق جل مجدہٗ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا تو حقیقتِ اشیاء مجھ پر منکشف ہوگئیں	145
❁	ظاہر حدیث پر ایمان لانا واجب ہے	148
❁	سلف اور خلف کا مسلک	148
❁	شریعت کے علوم و معارف	149
❁	تجلیاتِ الٰہیہ کی رؤیت	149
❁	خواب میں حق تعالیٰ کا دیدار ائمہ و اولیاء کو نصیب ہوا	155
❁	بشر حافی اور اللہ رب العزت کے نام کا ادب	165
❁	حق تعالیٰ کی معرفت کیلئے اسمائے الٰہیہ بتائے گئے	166
❁	قرآن مجید کی آیات بینات میں لقاء رحمن	170
❁	استعانت کے دو طریقے ہیں	170
❁	حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال کا ربّانی علاج	171
❁	صبر و نماز کے ذریعہ مدد چاہنا خاشعین کا طریقہ ہے	172
❁	ایمان کے دو حصے اور ایمانی صحت کا نسخہ	172
❁	دیدار الٰہی کے اشتیاق سے اعمال صالحہ آسان ہوجاتے ہیں	173
❁	استحضار لقاء اللہ سے باطل کے خلاف قوتِ ربانی کا ظہور ہوتا ہے	174

۞	تمام انبیاء ورسل پر شرائع شرح وبسط کے ساتھ نازل کیا گیا تاکہ اعتقادِ لقاءاللہ میں پختگی ہو	176
۞	اعتقادِ لقاءاللہ سے احکام بجالانا سہل وآسان ہو جاتا ہے	177
۞	امت مسلمہ کو ہدایت ورحمت کے ساتھ مبارک بنایا گیا	177
۞	لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت اور لقاءاللہ کو بھول جاؤ	178
۞	اسلام کا مزاج تقدس وطہارت	179
۞	خلوت وقربت کے وقت دیدارِ الٰہی کا ذوقی لطیفہ	180
۞	کتاب اللہ اور رسول اللہ حق ہیں	182
۞	اعتقادِ لقاءاللہ ایمان وایقان کی بنیاد ہے	183
۞	خالق تبارک وتعالیٰ کا تعارف تاکہ لقاءِ رب کا یقین مستحکم ہو	184
۞	جس کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا حاضر کئے جانے کا خوف ہو کچھ بھلے کام کر جائے	185
۞	جس کو شوق لقاءِ رحمن ہو اعمال صالحہ اختیار کرے	186
۞	حق جل مجدہ کی ملاقات کا وقت معین آنے والا ہے	187
۞	رجاء کا مفہوم	188
۞	اہلِ ایمان کو تسلی کے ساتھ لقاءِ رب کی دعوت وتشفی	190
۞	اعتقاد بعنوان رجاء	191
۞	مومن کی دل جمعی کا سامان	192
۞	اللہ ہمیں شوق لقاء بدرجہ اتم واکمل عطا فرمائے	192
۞	میں غریب مؤمنوں کو دھتکار نہیں سکتا	193
۞	غربت کوئی عیب نہیں	194
۞	جاہ ومال کا نشہ حق کو قبول کرنے سے روک دیتا ہے	194
۞	کمینہ اور ذلیل کون ہے؟	195
۞	رجوع الی اللہ اور لقاءاللہ	197
۞	رجوع الی اللہ	198
۞	اے انسان بہرحال تیری ملاقات رب سے ہونی ہے	200

۞	دل جس سے زندہ ہے وہ تم ہی تو ہو	200
۞	لقاء اللہ کے منکرین کا انجام	202
۞	سب سے بڑی بدبختی	203
۞	لقاء اللہ سے انکار بڑی شقاوت و بدبختی ہے	203
۞	اسلام کے تین بنیادی اصول	203
۞	قبر میں بُرے عمل بُری شکل میں آئیں گے	204
۞	نیک و بُرے عمل کی سواری	205
۞	کسی کی زمین غصب کرنا	205
۞	نیکی و بدی کی بروز قیامت شکلیں	206
۞	حق تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں حجت تمام ہو چکی	206
۞	وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے	207
۞	دارالجزاء کو فراموش کرنا خود کو فراموش کرنا ہے	208
۞	آخرت کی ملاقات کو جھٹلانا تمام محنتوں کو اکارت و برباد کر دیتا ہے	209
۞	ایمان کے بغیر کوئی نیکی کام نہ دے گی	209
۞	لقاء اللہ کی تکذیب ہدایت سے محرومی کی دلیل ہے	210
۞	قیامت آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی	210
۞	کوئی کچھ مدد نہ کر سکے گا	211
۞	لقاء اللہ کو جھٹلانا خسران ہے	212
۞	آخرت کی ملاقات کو جھٹلانے کے باوجود منجانب اللہ دنیاوی عیش و آرام ملنا	212
۞	لقاء اللہ کے منکر کے لئے رحمت الٰہی سے مایوسی	213
۞	تخلیق کائنات کا مقصد یہ ہے کہ لقاء رب کا حتمی یقین حاصل ہو	214
۞	یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالمِ بقاء قائم ہوگا	214
۞	اپنے آپ میں غور و خوض کی دعوت و ترغیب	215
۞	غور و فکر کا حاصل	216

❁	نعمتوں کے ذریعہ خالقِ کائنات کی شناخت و معرفت	216
❁	بعث بعد الموت کا انکار در حقیقت لقاء رب کا انکار ہے	217
❁	عالمِ بقاء میں لقاء رب کی ڈھارس ایمان والوں کا سرمایہ ہے	218
❁	لقاء اللہ کے منکر کی آخرت میں رحمت سے محرومی	219
❁	لقاء اللہ کے منکر کی تین علامتیں	220
❁	پہلی علامت محض دنیا کی زندگی پر راضی رہنا	220
❁	دوسری علامت فانی زندگی پر مطمئن ہونا	221
❁	لقاء اللہ کے منکر کی تیسری علامت قدرت کے خاموش دلائل سے غفلت	222
❁	لقاء اللہ کے منکر کے عذاب چاہنے کے باوجود تاخیر کی حکمت و مصلحت	223
❁	منکرین نبوت و رسالت کی مخالفت پر عذاب کیوں نہیں آتا	223
❁	اولاد یا عزیزوں کے حق میں بددُعا	225
❁	لقاء اللہ سے انکار و انحراف ہی سرکشی کا عذاب ہے	226
❁	صاحبِ تفسیر مظہری لکھتے ہیں دیدار الٰہی بڑا ثواب ہے	226
❁	لقاء اللہ کے منکر کی ایک بیہودہ فرمائش کی تردید	227
❁	قرآن کلام اللہ ہے، نبیؐ اللہ کا کلام نہیں، لقاء اللہ کی دعوت دیتا ہے	228
❁	کلام اللہ میں تغیّر و تبدّل کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سخت جسارت ہے	228
❁	قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا	229
❁	رسول اللہ صادق و امین ہیں تو کلام اللہ کو کیسے بدل سکتے ہیں	230
❁	لقاء اللہ سے انحراف تمام خامیوں کی اصل ہے	231
❁	سب سے زیادہ خسارے والے	232
❁	کافروں کی نیکیاں مردہ ہیں جن کا وزن نہ ہوگا	232
❁	عقائد فاسدہ سے اعمال برباد ہوجاتے ہیں	232
❁	صاحب تفسیر مظہری کی رائے	233
❁	عقلمند آدمی کی پہچان	234

❁	بے اعتبار و بے وزن عمل	234
❁	ہر شخص کے اعمال کا وزن ضروری نہیں	235
❁	منکرین لقاء اللہ و آخرت کی بیہودہ گوئی	236
❁	فکر آخرت نہ ہو تو بے جا سوالات میں مشغولیت	236
❁	جدید تعلیم کے اثر سے شکوک و شبہات	236
❁	متکبرین کا حق تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال نبوت و رسالت کے انکار پر مبنی تھا	236
❁	لقاء اللہ کے منکر کا معاندانہ اور گستاخانہ کلام	237
❁	ایمان باللہ اور لقاء اللہ ادب و سلامتی کا راستہ ہے	238
❁	شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی	239
❁	لقاء اللہ کے منکر کی ذلت و رسوائی	240
❁	جہنم کے سات دروازے	241
❁	جنت کے آٹھ دروازے	241
❁	حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور قرآن کی صداقت پر دلیل مکمل ہو چکی ہے	242
❁	سر بسجود ہو کر شوق دیدار الٰہی کا سفر طے کر لو	243
❁	قدرت کی خاموش حجت و دلیل	244
❁	شوق یا خوف	245
❁	آخرت کے منکر کا کوئی مددگار نہ ہو گا	246
❁	شوق سے نہیں تو خوف سے آخرت کو سنوار لو	246
❁	معائدین و منکرین لِقاء و رؤیت آخر کس دن کا انتظار کر رہے ہیں	248
❁	صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح رائے	248
❁	بادل کے سائبانوں میں آنے کا مطلب	249
❁	علّامہ سیوطیؒ کی رائے	249
❁	ذوق ایں می نشاسی بخدا تا بخشی	250
❁	بادل کی دو قسمیں	250

۞	اللہ تعالیٰ کا قہر و مہر سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا	251
۞	ابن کثیر کی رائے	251
۞	علماء وسلف کا مسلک	253
۞	حضرات صوفیہ کرامؒ یہ فرماتے ہیں	253
۞	قیامت کے دن بدبخت دیدار الٰہی سے محروم رکھے جائیں گے	254
۞	دیدار الٰہی سے محرومی	254
۞	مومن کو دیدار ہوگا	254
۞	بداعمالیوں کا حجاب	255
۞	حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی عارفانہ باتیں	255
۞	ہر شئی کا کمال ظلِ کمال ربّانی ہے	257
۞	عشق کمال سے ہوتا ہے	258
۞	عاشق پر معشوق کے کیا حقوق ہیں	258
۞	اہلِ ایمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے	259
۞	حالت قبض کے ایام پُراز تجلیات ہوتے ہیں	260
۞	ایک حدیث قدسی کی عرفانی تشریح	262
۞	حق تعالیٰ کی ملاقات کی محبوبیت	264
۞	علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے	264
۞	ابن اثیر کی رائے	264
۞	امام نوویؒ کی رائے	265
۞	حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عارفانہ تحقیق	266
۞	شوقِ لقاء سے عقلی شوق مراد ہے	268
۞	حق تعالیٰ سے ملنے کا شوق مومن کی زندگی کی متاع ہے	269
۞	سنبھل کر زندگی گزارنا شوقِ لقاء کی دلیل ہے	271
۞	موت کے وقت امیدوارِ رحمت رہنے کی حکمت	272

❁	موت کی تمنا کیوں ممنوع ہے؟	274
❁	موت کی آرزو اور دعا کرنا دو وجہ سے ممنوع ہے	275
❁	حکیم الامت حضرت تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کی انوکھی تحقیق	276
❁	موت کی تمنا اور موت سے وحشت	276
❁	اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِن کی عجیب مثال	278
❁	موت سے کراہت طبعی مذموم نہیں	279
❁	کراہت کی دو قسمیں	280
❁	موت کے وقت کراہت طبعی نہ ہونا مقبولیت کی علامت ہے	280
❁	احتمال کے دو درجے	282
❁	حسن ظن کی مثال	282
❁	اعمالِ حسنہ کا خاصہ	283
❁	صبر باللہ اشد ہے	283
❁	اسباب کو مؤثر سمجھنا غلط ہے	284
❁	موت کے وقت مؤمن کا حال	284
❁	زندگی طبعاً ہر ایک کو عزیز ہے	286
❁	بشارت کا خاصہ ہے اشتیاقِ لقاء اللہ	287
❁	طاعون کے منافع آجلہ	290
❁	ملاقات کا شوقِ طلب مانگنا مطلوبِ نبوت ہے	290
❁	ایک جامع ترین دعاء	292
❁	زندگی بھی خیر ہو اور موت بھی خیر ہو	293
❁	وفات سے خیر کو وابستہ رکھنا کمالِ قدرت ربانی ہے	295
❁	خلوت وجلوت کی حضوری	297
❁	خشیت کی حد معصیت سے دوری ہے	298
❁	خشیت ایسی ہو گویا کہ اللہ رب العزت کو دیکھتا ہو	301

❁	تقویٰ سے سعادت اور معصیت سے شقاوت پیدا ہوتی ہے	303
❁	حاصل حدیث	304
❁	خشیت کے بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کی سیرابی	304
❁	آنسو کی قدر و قیمت	306
❁	ہر آنسو انمول ہے	307
❁	علماءِ دین میں خشیت کیسی ہو؟	308
❁	مناجات میں تعلیم امت اور اسلوبِ حکمت	310
❁	عیش و طیش میں اخلاص کا سوال	313
❁	تنگی و کشادگی میں میانہ روی و اعتدال	314
❁	دائمی نعمت کا سوال	316
❁	آنکھ کی ٹھنڈک اولاد و ازواج اور نماز	317
❁	رضا بالقضاء کا سوال	318
❁	موت کے بعد خوش عیشی	320
❁	حق جل مجدہ کے دیدار کی لذت و سیرابی	321
❁	دیدارِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں	322
❁	یوم المزید اور دیدار کے مختلف درجات	322
❁	اچانک حق جل مجدہ کی تجلی کی جلوہ نمائی	323
❁	رب العزت کا دیدار جنت میں انہیں آنکھوں سے ہوگا	323
❁	حجاب اٹھ جانے کے بعد دیدار الٰہی کی لذت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں	324
❁	حاصل کلام	326
❁	علامہ طیبیؒ کی رائے	327
❁	لقاء و وصالِ حق کی تڑپ	327
❁	مشاہدۂ حق کا منظر کشی	329
❁	یا اللہ آزار سدِ شوقِ لقاء نہ ہوں	330

❁	گمراہ کرنے والی بلا یا وبال سے حفاظت	332
❁	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی انمول تحقیق	335
❁	باطنی احوال و مقامات کی حدود	335
❁	شوق کی حد	336
❁	غلبہ شوق کے دواثر	337
❁	غلبہ شوق کی روحانی خرابی	337
❁	خوفِ الٰہی کے حدود	338
❁	باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں	339
❁	حضرت مولانا شاہ محمد احمد رحمۃ اللہ پرتاب گڑھی فرماتے تھے	340
❁	زینتِ ایمان کی درخواست	341
❁	ایمان کی صورت اور اُس کی حقیقت	341
❁	ایمان کے وجودی مراتب	344
❁	ایمان کی زینت سے باطن کی آراستگی	346
❁	علّامہ عبدالرؤف المناویؒ نے ایک اور بھی مفہوم بیان کیا	349
❁	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا	350
❁	موت کے وقت حجت ایمان کی درخواست	351
❁	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جامع دعا	351
❁	یا اللہ ہمیں راہ نما راہ یاب بنادے	353
❁	شوقِ ملاقات باری میں اشیاء سے فنائیت	354
❁	حق جل مجدہ کی محبت کی محبوبیت و مرغوبیت	355
❁	ایمان کا مقتضیٰ	356
❁	سچی اور حقیقی محبت وہی ہے جو مومن اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں	356
❁	حق تعالیٰ کی سچی محبت کا امتحان	357
❁	حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال	358

❁	یا اللہ فتنہ کے وقت سے پہلے اپنے پاس بلا لینا	361
❁	یا اللہ ہمیں کافروں کے لئے تختہ مشق نہ بنا	362
❁	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے	363
❁	مسلمانوں کے لئے موحد اعظم کے نقش قدم پر فوز وفلاح	364
❁	حق تعالیٰ پر توکل واعتماد فتنہ سے نجات کی کلید ہے	365
❁	خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء میں شان جامعیت	367
❁	مقرّبینِ بارگاہ الٰہی کی محبت کا سوال	369
❁	اعمالِ قرب الٰہی کا سوال	370
❁	حضرت داؤد علیہ السلام نے پسندیدہ اعمال کا سوال کیا	371
❁	حق جل مجدہ کی محبت خاصان حق کی علامت ہے	372
❁	حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک موقع پر فرمایا	373
❁	ایک موقع پر نبی امی فداہ وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے	376
❁	دیدار الٰہی کے شوق کو غالب کر کے دنیاوی حاجتوں کو مٹا دے	378
❁	شوق لقاء اللہ کی لذت ابدی وسرمدی ہے	380
❁	یا اللہ میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ	382
❁	یا اللہ میرا بہترین دن وہ ہو جس میں تجھ سے ملوں وملاقات ہو	383
❁	باعثِ عبرت عمر اور سامان عبرت سفید بال	384
❁	آخری عمل بہترین عمل ہو	385
❁	بہترین ملاقات کا دن	386
❁	وَلِیَّ الْاِسْلَامِ اپنی ملاقات تک ثابت قدم رکھ	387
❁	آٹھ نورانی دعائیں	392
❁	ھدایت یافتہ لوگوں جیسی توفیق	393
❁	عمل اہلِ یقین جیسا	394
❁	اخلاص اہلِ توبہ جیسی	394

❁	ہمت اہلِ صبر جیسی	395
❁	اہلِ عزم کا مقام	397
❁	کوشش اہلِ خشیت جیسی	397
❁	طلب اہلِ شوق جیسی	398
❁	عبادت اہلِ ورع و تقویٰ جیسی	398
❁	معرفت الٰہی کا آخری مقام لقاءِ حق ہے	399
❁	نفسِ مطمئنہ اور دیدارِ الٰہی کا یقین	400
❁	نفس کی قسمیں	401
❁	نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ	402
❁	صوفیاء کی رائے	403
❁	نفس کی مثال	403
❁	نفس اور روح	403
❁	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نفسِ مطمئنہ مانگا ہے	404
❁	نفسِ مطمئنہ کی لقاءِ حق	404
❁	رضا بالقضاء یعنی مقدر کی وجہ سے مکدر نہ ہونا	405
❁	قناعت نقد خوشی ہے	405
❁	لقاء کی تمنا مومن کا سرمایہ حیات ہے	406
❁	حق تعالیٰ کی نگاہِ ربوبیت میں حفاظت و حراست طلب کرنا	406
❁	الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود بدہ	407
❁	یا اللہ اپنا راز دار بنا لے	407
❁	حق تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے پیشی سے ڈرنا	409
❁	لقاء و وصال کی تمنا و آرزو	409
❁	توبہ نصوح یعنی سچی و پکی توبہ	410
❁	توبہ کے چھ ارکان	411

❁	حسن بصریؒ کا قول	411
❁	صاف دل کی توبہ	411
❁	توبہ کے بیان میں	412
❁	سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں	412
❁	دشمن کے خوش کرنے کے بیان میں	418
❁	مقبول اعمال	430
❁	قابل قدر کوشش	431
❁	ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہو	431
❁	لسانِ نبوت سے دیدار الٰہی کے محبوبیت کی دعاء	432
❁	اللہ ورسول پر ایمان دیدار الٰہی کی بنیاد ہے	433
❁	ابن مسہرؒ کا قول	433
❁	دیدار الٰہی کی تیاری کا جذبہ	434
❁	قضاء وقدر کی آسانی	435
❁	مومن کو فانی اسباب کی قلت سے سعادت کی راہ استقامت ملتی ہے	436
❁	رویا فانی پر، عطا ہوا قرب ولقاء دارِ بقا	437
❁	اسباب شقاوت وبدبختی	438
❁	طینت کی طہارت کا غیبی نظام	440
❁	حرانیؒ کی رائے	441
❁	امام غزالیؒ کی حکیمانہ بات	441
❁	سعادت وشقاوت کا فرق	442
❁	حق تعالیٰ سے ملاقات کا پسند ہونا	443
❁	دو الگ چیزیں ہیں موت اور اللہ کی ملاقات	444
❁	ایک اشکال اور اس کا جواب	445
❁	حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق	445

❁	موت کی تمنا کیوں ممنوع ہے	446
❁	موت کی آرزو اور دعا کرنا دو وجہ سے ممنوع ہے	446
❁	کیا حق تعالیٰ کی ملاقات تم کو پسند و عزیز تر تھی؟	447
❁	مومن کی لقاء اَلْمُؤْمِنُ جل جلالہ سے دارِ بقاء میں ہوگی	448
❁	حق تعالیٰ کی ملاقات کو فراموش کرنا بڑا خسارہ ہے	449
❁	نیکوکار سے حق تعالیٰ ملنے کا مشتاق ہے	451
❁	اللہ، دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو	451
❁	هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	452
❁	سترہ انمول معرفت بھری حدیث ہے	454
❁	معرفت میرا راس المال ہے	458
❁	انسان کی اصلیت وحقیقت	459
❁	رب العزت کی معرفت وشناخت	460
❁	اسماء وصفات سے معرفت حق حاصل ہوتا ہے	461
❁	عارف اہلِ معرفت کی ہمت و پرواز	462
❁	عقل میرے دین کی اصل ہے	464
❁	وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ-محبت میری بنیاد ہے	466
❁	محبت کی ماہیت وحقیقتِ محبت	467
❁	محبت کے آثار ودرجات	468
❁	محبت کی قسمیں طبعی وعقلی	468
❁	محبت کے تین سبب	469
❁	طریقِ کار	472
❁	حق تعالیٰ سے محبت کامل پیدا کرنے کا طریقہ	473
❁	طریقِ تحصیل	474
❁	مراقبہ محبتِ حق	474

❁	اہلِ شوق	474
❁	شوق کی ماہیت	474
❁	شوق کسے کہتے ہیں؟	474
❁	اہلِ شوق کی تسلّی	475
❁	حقیقتِ شوق	475
❁	طریقِ تحصیل	476
❁	ذکراللہ میرا مونس ہے	476
❁	اللہ کی یاد سے اُنس کا سبب	477
❁	شیطانی حملہ سے بچنے کا طریقہ ذکراللہ ہے	469
❁	الٰہی رحم کن ایں عاشقان پاک طینت را	480
❁	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حالت میں ذکراللہ کرتے تھے	480
❁	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ باتیں	483
❁	مراتبِ ذکر	486
❁	طریق الی اللہ کا خلاصہ	494
❁	اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا میرا خزانہ ہے	494
❁	حزن میرا ساتھی ہے	498
❁	حزن کی تعریف	498
❁	خوف وخشیت اور وجل ورہبت اور حزن کی تعریف وفرق	499
❁	وجل کی تعریف وکیفیت	501
❁	رہبت کی تعریف	502
❁	حزن کیا ہے؟	503
❁	دنیاوی حزن وملال آخرت کی کلید ہے	503
❁	علم میرا ہتھیار ہے	505
❁	کمالاتِ علوم نبوت	506

❁	صحابہ کرام کے مختلف سوالات کا جواب مرحمت فرمانا	506
❁	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہود کے سوالات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب دینا	508
❁	رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہود کا روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب	512
❁	علمائے یہود سے معلوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اہلِ مکہ کا سوال کرنا اور جواب پانا	513
❁	علم نبوت کے ہتھیار نے حق و باطل کے اشتباہ کو ختم کر دیا	516
❁	ابنِ صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ اور اس کی عجیب و غریب صفات کا بیان	517
❁	ابن صیاّد کے سلسلہ میں علم نبوت کا الٰہی و ربانی ہتھیار	519
❁	صبر میری چادر ہے	521
❁	صبر کی ماہیت و تعریف	521
❁	صلوٰۃ و رحمت کا فرق	522
❁	فاروق اعظمؓ کا قول	523
❁	صبر کا بیان	523
❁	صبر کی حقیقت	524
❁	نعمت و مصیبت	526
❁	ضرورتِ صبر	528
❁	طریقِ کار	530
❁	طریقِ تحصیل	531
❁	رضا میری غنیمت ہے	531
❁	رضا کی ماہیت	531
❁	حضرت علی دقاّق نے فرمایا	531
❁	علاّمہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا	532
❁	رضا کی حقیقت	532
❁	طریقِ تحصیل	533
❁	میں راضی کہ اللہ میرا رب ہے	534

❁	دین اور اِسلام	535
❁	رضا کے تین درجات ہیں- پہلا : رضا باللہ تعالیٰ	536
❁	رضا کا دوسرا درجہ ہے **رَضَا عَنِ اللہِ تَعَالیٰ**	536
❁	تیسرا درجہ ہے- اللہ کی رضاء سے راضی رہنا	537
❁	تسبیح وتحمید رضاء باری کے شان کے مناسب	538
❁	حق تعالیٰ کی خوشنودی کے ذریعہ حق تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ کا سلیقہ	540
❁	کمالات نبوت کا انوکھا اسلوب وطریقہ	540
❁	رب العزت تیری رضا وخوشی ضروری ہے	541
❁	جنت میں رضا آخری عطا ہوگی	543
❁	مومنوں کے لئے جنت اور رضا کا وعدہ	543
❁	عاجزی میرا فخر ہے	544
❁	عاجزی کی حقیقت کمالِ عبدیت ہے	545
❁	عزت تو رب العزت کو زیب دیتی ہے	546
❁	عجز وتواضع کا حکم تو منجانب اللہ ہے	548
❁	نبوت کے ساتھ بندگی وعاجزی چاہتا ہوں	548
❁	بار امانت ملنے کا سبب عجز وبے مائیگی بنی	549
❁	**والزھد حرفتی**، زہد میرا پیشہ ہے	551
❁	زہد کی حقیقت	552
❁	زہد کی علامت	552
❁	زہد کی اصل وہ نور ہدایت اور علم ہے	553
❁	زہد کے درجے	553
❁	مزدورِ خوشدل کند کار بیش	554
❁	زہد، مہلکات سے بچنا اور منجیات کا حاصل کرنا ہے	554
❁	زہد کا ظہور وعلامتِ شرح صدر	555

❁	زہد شریعت، زہد طریقت، زہد حقیقت	556
❁	تین طرح کے زاہدین ہوتے ہیں	556
❁	بعض حکماء کا قول ہے	558
❁	ایک نکتہ غیبی	559
❁	کل کس نے دیکھا ہے ؟	560
❁	رزائل سے تخلی اور محاسن سے تحلی	560
❁	زہد کی دنیا میں آخری منزل	561
❁	زہد سے حکمت ملتی ہے	562
❁	وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، (اور یقین میری طاقت وقوت ہے)	563
❁	یقین کی تعریف	563
❁	علم کے تین درجے	564
❁	حضرت صاحب تفسیر مظہری کی رائے	564
❁	ایمان کی خوبی	564
❁	خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یقین کی نعمت اللہ تعالیٰ سے مانگا	565
❁	آدم علیہ السلام کے دعا کی اجابت کا ظہور	566
❁	یقین کا مفہوم شارحین کے نزدیک	566
❁	حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء	567
❁	تہجد کے وقت طویل دعا کا ایک جملہ	568
❁	ایک جگہ مناجات میں آیا ہے	568
❁	صدق میرا شفارشی وساتھی ہے	569
❁	صدق کا بیان	569
❁	حقیقتِ صدق اور افعال، اقوال، احوال کا صدق	570
❁	حقیقتِ صدیقیت سے راسخ فی الدین مراد ہیں	571
❁	طریقِ تحصیل	572

❁	صدق وسچائی صفات باری تعالیٰ ہے	572
❁	صدق وسچائی صفات خاتم النبیین ﷺ اور صفات امت رحمۃ للعالمین ہے	573
❁	آیت کا مصداق	574
❁	صادق و مُصدِّق کو عطاء باری	574
❁	حاصل صدق	575
❁	ذکر خیر آنے والوں میں	576
❁	صادقین کی معیت کا حکم باری ہے	577
❁	مُدْخَلِ صِدق اور مُخْرَجِ صِدق	577
❁	آیت کا مطلب	577
❁	اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدمِ صدق کی بشارت	578
❁	قدم صدق وسچائی	579
❁	متقین کے لئے مقعد صدق کی بشارت	579
❁	صدق وسچائی باطل کو ہلاک کر دیتی ہے	580
❁	سچائی حق کو باطل پر غالب رکھتی ہے	581
❁	طاعت میری عزت ہے	583
❁	جہاد میری خصلت ہے	585
❁	قتال کی علت ظلم کو روکنا ہے	586
❁	تمام مذاہب کی حفاظت کی ضمانت	587
❁	نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے	588
❁	نماز میں جو خلل ڈالنے والی تھی اس کو حرام کر دیا	591
❁	ناخلف لوگ نماز کو برباد کرنے والے	592
❁	نماز پر استقامت جواں مردوں کا کام ہے	592
❁	نماز سے ایمان وکفر کا فرق واضح ہوتا ہے	593
❁	نماز جنت کی کنجی ہے۔	594

❁	بے نمازی کے پاس دین نہیں	594
❁	معرفتِ حق اور لقاء حق	599
❁	معرفت حق کا صحیح سراغ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات میں ملتا ہے	600
❁	طہارتِ قلب کا وقت	601
❁	قوت یقین سے روحانی تربیت ہوتی ہے	602
❁	وعدۂ ربانی حق ہے	603
❁	علم وادراک کی حالت میں لقاء اللہ کا استحضار	604
❁	تعلیم کا انوکھا اسلوب	606
❁	لقاء خلیل اللہ	606
❁	شوق واختیارِ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام	607
❁	مصر کے ایک عابد کا شوق	608
❁	عبداللہ بن ابی زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا شوق الی اللہ	608
❁	حضرت ابراہیم صانع رحمۃ اللہ علیہ کو دیدار الٰہی کا شوق	609
❁	حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول	609
❁	جنت میں دیدار الٰہی کا عقیدہ علماء وفقہا کا اجماع ہے۔	610
❁	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ''فقہ اکبر'' میں ہے	611
❁	حق تعالیٰ کی رؤیت	612
❁	سکون وقرار کے ساتھ جمال حق کا نظارہ	613
❁	نمازوں کے اہتمام سے جمالِ حق کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے	613
❁	پہلا فائدہ	614
❁	دوسرا فائدہ	615
❁	تیسرا فائدہ	616
❁	چوتھا فائدہ	616
❁	پانچواں فائدہ	616

❁	چھٹا فائدہ	617
❁	ساتواں فائدہ	617
❁	آٹھواں فائدہ	617
❁	روزہ دار کے لئے دو مسرتیں	619
❁	روزہ دار کو دیدار الٰہی کی بشارت وخوشی	620
❁	نماز سے ثبوتی اور روزہ سے تنزیہی تجلی کا انعام	621
❁	ثبوتی وتنزیہی تجلی کا مفہوم	621
❁	ایک اصولی بات	623
❁	معزز حضرات کو صبح وشام جمالِ حق کا دیدار ہوگا	624
❁	اہل سعادت کو حسب مراتب زیارت کی نعمت میسر ہوگی	625
❁	قریب وبعید کو یکساں دیکھنا اور سننا نصیب ہوگا	626
❁	حسنیٰ وزیادہ	628
❁	جنت وزیارت	630
❁	دیدار الٰہی سے آنکھ کا قرار وابدی سیرابی	631
❁	حجاب اٹھا دیا جائے گا	632
❁	اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال وکمال کا حجاب	633
❁	صاحب ترجمان السنۃ کی رائے	634
❁	وہ نور تھا تو نظر جما کر کیسے دیکھتا	635
❁	ستر حجاب	636
❁	بندۂ مقرب کے لئے حجابات اٹھا دیئے گئے	637
❁	لقاء ورضاء باری	637
❁	دیدار الٰہی اور دائمی رضا کا تحفہ	638
❁	جنت رضائے الٰہی کا مقام ہے	638
❁	نور مطلق کا سلام ودیدار اور نور وبرکت کی دائمی بقا	639

❁	حق تعالیٰ کا سلام صرف اہلِ جنت کا حصہ ہے	640
❁	صوفیاء کا مقام	640
❁	حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ تحقیق	641
❁	دوامی دیدار کن کو ہو گا	642
❁	اللہ کی زیارت میں کوئی شبہ نہیں	643
❁	زیارت ربانی مرنے کے بعد ہی ہو گی	643
❁	قریب سے کون زیارت کریں گے	644
❁	اعلیٰ درجہ کا جنتی اللہ تعالیٰ کی صبح و شام زیارت کرے گا	644
❁	ادنیٰ جنتی کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کا حال	645
❁	زیارت کے وقت انبیاء صدیقین اور شہداء کا اعزاز	647
❁	اللہ تعالیٰ کی جنتیوں سے گفتگو	649
❁	نابینا بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے اندھے دیکھیں گے	650
❁	زیارت کے وقت جنت کی سب نعمتیں بھول جائیں گے	651
❁	ستر گنا حسن و جمال میں اضافہ	651
❁	جنتیوں پر تجلی فرما کر اللہ تعالیٰ کا مسکرانا	652
❁	کامل نعمت کیا ہے؟	652
❁	اللہ تعالیٰ کی زیارت کس طرح کی جنت میں ہو گی	652
❁	حضرت داؤد کی خوبصورت آواز، زیارتِ رب العزت اور مائدۃ الخلد	654
❁	اللہ تعالیٰ کو سب مسلمان دیکھیں گے	655
❁	زیارت میں ایک انعام یہ ہو گا کہ لڑکیاں خوبصورت آواز میں تلاوت کریں گی	655
❁	زیارت کی شان و شوکت اور انعامات کی بھرمار	656
❁	زیارت نہ ہونے سے بے ہوش ہونے والے حضرات	664
❁	روزانہ دو دفعہ دیکھنے والے کون ہوں گے	664
❁	کون سا مسلمان زیارت سے محروم ہو گا	664

❁	ریاکار بھی زیارت سے محروم	664
❁	حضرت ابوبکر کے لئے خصوصی زیارت	665
❁	اللہ تعالیٰ قرآن سنائیں گے	665
❁	اللہ تعالیٰ کی اور جنتیوں کی باہمی گفتگو	666
❁	اللہ تعالیٰ جنتیوں کو سلام کریں گے	666
❁	اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی	667
❁	حق تعالیٰ کا اہل جنت سے خطاب کرنا بڑی نعمت ہوگی	667
❁	زیارت باری تعالیٰ کسی نیک عمل کے بدلہ میں نہیں ہوگی	669
❁	اللہ تعالیٰ کی زیارت دنیا میں کیوں نہیں کرائی گئی	669
❁	فرشتے اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے؟	671
❁	فرشتے قیامت کے دن زیارت کریں گے	671
❁	جنت کے گھوڑے اور اونٹ	672
❁	اللہ کی زیارت کے لئے لے جانے والا گھوڑا	673
❁	خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ جل جلالہ سے ملاقات کی دُعا	674
❁	شوقِ دیدار الٰہی کے لئے سینے میں ایک گھر ہے (امام ابن قیمؒ)	675
❁	ابوعبیدہ خواص	676
❁	جنتیوں کو اللہ کا سلام	677

❁❁❁❁❁❁❁

کلام

حضرت مولانا عارف باللہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا
خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہوم قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا
اک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
ان کے سوا کوئی بھی وہاں راز داں نہ تھا
خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا
آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا
اُس بزم کا اِک عالمِ ھُو نام ہے اخترؔ
گویا سِوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

❁❁❁❁❁

دیدارِ الٰہی پر منتخب کلام

میری زندگی تو فراق ہے، وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دور ہیں، رگِ جاں سے لاکھ قریں سہی
ہمیں جان دینی ہے ایک دن، وہ کسی طرح ہو کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچئے دار پر، جو نہیں کوئی تو ہمیں سہی
سرِ طور ہو سرِ حشر ہو، ہمیں اِنتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی
نہ ہو ان پہ میرا جو بس نہیں، کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں انہیں کا تھا میں انہیں کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی
مجھے بیٹھنے کی جگہ ملے، میری آرزو کا بھرم رہے
تیری انجمن میں اگر نہیں، تیری انجمن کا قریں سہی
تیرا در تو ہم کو نہ مل سکا، تیری رہ گزر کی زمیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے، جو وہاں نہیں تو یہیں سہی
میری زندگی کا نصیب ہے، نہیں دور مجھ سے قریب ہے
مجھے اس کا غم تو نصیب ہے، وہ اگر نہیں تو نہیں سہی
جو ہو فیصلہ وہ سنائیے، اسے حشر پہ نہ اُٹھائیے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی
اسے دیکھنے کی جو لو لگی، تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

ہم بھی ہوں یار بھی ہو لطف ملاقات رہے
یہی دن ہوں یہی راتیں یہی برسات رہے

شب کو رندوں میں عجب لطفِ مساوات رہے
مختلف شکل میں سب تھے مگر اک ذات رہے

رات دن صحبت اغیار مبارک باشد
آپ دن کو بھی وہیں جائیں رات رہے

سخت جانی ہے ادھر پاس نزاکت رہے اُدھر
خنجر یار کی اللہ کرے بات رہے

کس کے پہلو میں رہے کیسے رہے یہ نہ کہو
مگر اتنا تو بتا دو کہ کہاں رات رہے

عمر سب حلقۂ رنداں میں بسر کی ہم نے
مر کے بھی خاک در پر خرابات رہے

میکدہ تیرا سلامت رہے اور تُو ساقی
تا ابد قبلۂ حاجات و مرادات رہے

منہ نہ موڑیں گے محبت میں وفا سے بیدمؔ
جان جاتی رہے کیا غم ہے مگر بات رہے

کاش مجھ پر ہی مجھے یار کا دھوکہ ہو جائے
دید کی دید تماشے کا تماشا ہو جائے

دیدۂ شوق کہیں راز نہ افشا ہو جائے
دیکھ ایسا نہ ہو اظہار تمنّا ہو جائے

آپ ٹھکراتے تو ہیں قبرِ شہیدانِ وفا
حشر سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جائے

آپ کا جلوہ بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ
جس کو آ جائے نظر وہ بھی تماشا ہو جائے

کم نہیں روزِ قیامت سے شبِ وصل اس کی
شام ہی سے جسے اندیشہ فردا ہو جائے

کیا ستم ہے ترے ہوتے ہوئے اے جذبۂ دل
میرا چاہا نہ ہو اور غیر کا چاہا ہو جائے

شرم اس کی ہے کہ کہلاتا ہوں کشتہ تیرا
زندہ عیسیٰ سے جو ہو جاؤں تو مرنا ہو جائے

میرا سامان مری بے سروسامانی ہے
مر بھی جاؤں تو کفن دامنِ صحرا ہو جائے

دور ہو جائیں جو آنکھوں سے حجاباتِ دوئی
پھر تو کچھ دوسری دنیا مری دنیا ہو جائے

اس کی کیا شرم نہ ہو گی تجھے اے شانِ کرم
تیرا بندہ جو ترے سامنے رسوا ہو جائے

تو اسے بھول گیا وہ تجھے کیونکر بھولے
کیسے ممکن ہے کہ بیدمؔ بھی تجھی سا ہو جائے

غش ہوئے جاتے ہو کیوں طور پہ موسیٰؑ دیکھو
کیوں نہیں دیکھتے اب یار کا جلوا دیکھو

مجھ سے دیدار کا کرتے تو ہو وعدہ دیکھو
حشر کے روز نہ کرنا کہیں پردا دیکھو

غش کے آثار ہیں پھر غش مجھے آیا دیکھو
پھر کوئی روزنِ دیوار سے جھانکا دیکھو

اُن کے ملنے کی تمنّا میں مٹا جاتا ہوں
نئی دنیا ہے مرے شوق کی دنیا دیکھو

طور پر ہی نہیں نظارۂ جاناں موقوف
دیکھنا ہو تو وہ موجود ہے ہر جا دیکھو

اثرِ نالۂ عاشق نہیں دیکھا تم نے
تھام لو دل کو سنبھل بیٹھو، اب اچھا دیکھو

طورِ مجنوں کی نگاہوں کے بتاتے ہیں ہمیں
اسی لیلیٰ میں ہے اک دوسری لیلیٰ دیکھو

پرتو مہر سے معمور ہے ذرہ ذرہ
لہریں لیتا ہے ہر اک قطرہ میں دریا دیکھو

دور ہو جائیں جو آنکھوں سے حجابات دوئی
پھر تو دل ہی میں دو عالم کا تماشا دیکھو

سب میں ڈھونڈا انہیں اور کی تو نہ کی دل میں تلاش
نظرِ شوق کہاں کھا آئی ہے دھوکا دیکھو

نہیں تھمتے نہیں تھمتے مرے آنسو بیدم
رازِ دل اُن پہ ہوا جاتا ہے افشا دیکھو

جس کو دیکھا یار تیرا عاشق نادیدہ ہے
مجھ پہ کیا موقوف اک عالم تیرا گرویدہ ہے
مبتلا ہے دل تو جان ناتواں گردیدہ ہے
دیدۂ دیدار جو تیرے لئے نم دیدہ ہے
اپنی ہستی کی خبر لے مردم دیدہ نہ بن
دوسروں کو دیکھتا ہے آپ سے نادیدہ ہے
دل ہی کیا وہ دل کہ جس دل میں نہ ہو الفت تری
وہ بھی کیا دیدہ جو تیری دید سے نادیدہ ہے
بے حجابی ہے کہ ہر ذرے میں ہے جلوہ گری
پھر حجاب ایسا کہ اپنے آپ سے پوشیدہ ہے
عاشق ناکام جلوے میں بھی ہے، حرماں نصیب
جسکو دیدہ سمجھا ہے اے دل وہی نادیدہ ہے
منتظر ہے آپکے جلوے کی نرگس باغ میں
گل گریباں چاک شبنم اک طرف نم دیدہ ہے
روح سے ہر دم یہ رہتا ہے تقاضائے ظہور
اب اتارو یہ قبائے عنصری بوسیدہ ہے
دیکھ کر تجھ کو پشیماں ہنس کے رحمت نے کہا
کون سا وہ جرم ہے بیدم جو بابخشیدہ ہے

دیدۂ دیدار جو ہر حال میں نادیدہ ہے
جس سے پوشیدہ نہیں تم ہم سے وہ پوشیدہ ہے
دیکھتا ہے سب کو لیکن سب سے خود پوشیدہ ہے
شرم سے آنکھوں کے پردوں میں وہ نورِ دیدہ ہے
چشمِ نابینا سے پردہ ہے تو کچھ بے جا نہیں
آنکھ والوں سے بھی وہ جانِ جہاں پوشیدہ ہے
لیے تیری بے حجابی راہ رے تیری نقاب
لفظ پوشیدہ میں معنی کی طرح پوشیدہ ہے
جس کو دیکھو ہر گھڑی پامال کرتا ہے مجھے
کیا مری کشتِ تمنّا سبزۂ روئیدہ ہے
ذرہ ذرہ ہے ترا آئینہ حسن و جمال
تُو ہی پوشیدہ نہ اب صورت تری نادیدہ ہے
جب بجز اک ذاتِ مطلق دوسرا پیدا نہیں
کون ہے پھر غیر اور کس سے کوئی پوشیدہ ہے
ہائے وہ کہنا کسی کا بزم میں پھیلا کے ہاتھ
آ گلے مل لیں بس اتنی بات پر رنجیدہ ہے
جستجو ہے اس کی بیدمؔ دل ہے جس کی جلوہ گاہ
وہ چھپا ہے ہم سے جو آنکھوں کا نورِ دیدہ ہے

بیان نظر ارباب مشاہدہ تجلی ذات سے

واں دگر را یک آئینہ دید   کہ خدا را دراں معائینہ دید

دید یک ذات در حدود جہات   متجلی شدہ بہ جملہ صفات

یک وجود است سر بسر عالم   جملہ اجزاش متصل باہم

کرہ مصمن است بے تجویف   جمع گشتہ درد لطیف و کثیف

نہ درآں فرجہ نہ فاصلہ   نہ خلا ہیچ طرف را کلمہ

امتیازات شاں زیک دیگر   ہست اعراض باصفات وصور

آں گراں مایہ جوہر قابل   کہ مرا عراض را بود حامل

ہست مرات ذات بے ہمتا   واں عوارض مجالشی اشیاء

ہر کہ خاطر بحال مر آتست   صورتش دیدن از محالاتست

ہر کہ را دیدہ است بدصورت   بیند آئینہ محو در صورت

چشم عارف کہ تیز بیں باشد   در شہود جہاں چنیں باشد

بیند اندر جہاں ہمہ یک ذات   جلوہ گر گشتہ با شیون و صفات

ہمچو آئینہ وصفت ذات جہاں   باشد از پیش چشم او پنہاں

از جہاں جز خدا معائنہ اش   غیر حق ہیچ جا نہ بیند ہیچ

شد جمال خدا معائنہ اش   محو مشہود گشتہ آئینہ اش

ہیچ ذاتے کہ ایں جلوہ گریست   آئینہ چیست اندر آئینہ کیست

آئینہ اوست اندر آئینہ ہیم   غایت از دیدہ او معائینہ ہم

اول آئینہ ماں برو آید   پس در آئینہ روئے بنماید

گر بتقلید بیند او را بند   نام نقشے جز آئینہ بند

او بتقلید یا بیش مطلق   اوست پیدا در آئنہ الحق

ابیاتِ رُخصتکی

اے ہستی صرف ذات و مطلق — موجود حقیقی تُو ہے الحق
تو ہست ہے ہم نیست ہیں بالذات — اور ہیں بھی تو تیرے اعتبارات
ہے غیر حقیقی تیرا معدوم — موجود تو ہی ہے ہم ہیں موہوم
ہم غیر نہیں ہیں تیرے باری — اور غیر بھی ہیں تو اعتباری
پھر ایسے کا اعتبار کیا — جو کہنے کو غیر اور سِوا ہے
فی الواقع ہے معتبر حقیقت — غیر اس کا عدم ہے در حقیقت
ہم غیر کو تیرے کیسے مانیں — تو آپ ہے یا ہیں تیری شاخیں
ان شاخوں کا نام خلق عالم — ان شاخوں میں ایک شاخ آدمؑ
پھر ان میں ہر ایک ایک شان ہے — مجموعہ شانہا جہان ہے
پس تیرا ہی جلوہ ہے جہاں میں — تو ہی ہے مکان و لامکاں میں
تو ہی تو عیاں ہے آب و گل میں — تو ہی تو پنہاں ہے جانو دل میں
تیری ہی تجلی آب و گل ہیں — تیری ہی تجلی جان و دل میں
جلوہ ہی تیرا نیا ہر بار — جلوے میں تیرے نہیں ہے تکرار
ہر آن میں تیری ہے نئی آن — ہر شان میں تیری ہے نئی شان

یعنی ہر آن میں تیری نئی شان ہے اوراس میں نئی ہر آن ہے۔یعنی ہر شان اور مرتبہ کا حکم اوراثر دوسرے سے الگ ہے۔اور ہر تجلی غیر مکرر ہے کیونکہ تجلی مکرر فعل عبث ہے۔

❁

تقریظ -۱

سیدی حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا وَمُصَلِّیًا

فاضل مؤلف قابل احترام مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب کی کتاب ہذا - دیدارِ الٰہی کا شوق-نورِ الٰہی کے معنی میں مشہور ہے جو صوفیاءِ کرام کا حصہ ہے۔شوق دیدار الٰہی ایسی دید کا مطالبہ ہے جس کا پورا ہونا اس دنیا میں محال ہے۔ یہ ایسی ودیعت ہے جو اللہ پاک کی طرف سے کسی خوش قسمت بندہ کو حاصل ہے۔

الہام، القاء، انشراح، انوار، تجلیات الٰہیہ انہی معنوں کی تعبیر وتفسیر کے مختلف الفاظ ہیں۔صوفیاءِ کرام انوار وتجلیات کے سینکڑوں، ہزاروں پردے کے اُٹھانے میں مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔مولانا موصوف اسی مفہوم ومطلب کو بڑے مؤثر انداز میں برملا لکھتے چلے گئے ہیں اور عبارت میں کہیں شتر گربگی اور آوُرد کا پتہ نہیں بلکہ لطافت کی رنگ آمیزی قاری کے ذہن کو شفافیت کا ذوق اور مطالعہ کا شوق پیدا کرتی ہے۔حق یہ ہے کہ وہ نورِ حقیقی قابل ادراک آنکھ کے نہیں ہے۔

آیت: لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾

تجلیات کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا مطالبہ پورا نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے رویئت کا مطالبہ کیا تھا۔ رویئت کا مطلب دیدِ بچشم سر ہے، قلب کی نگاہ نہیں، شئے کا ظہور ظل کہلاتا ہے اور مرتبہ شان یا ثالث نہیں ہوتا ہے یہ اللہ پاک کا ارادی فعل ہے جس چیز میں جس طرح چاہے وہ اپنی تجلی فرماتا رہتا ہے۔ فانی ذات پر اللہ پاک کی تجلی کوندیگی کہاں تاب وطاقت انساں کہ اسے برداشت کر سکے لیکن رویئت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی نے کہا ہے ؎

موسیٰؑ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

لیکن دوسری قسم وہ نور جو قابل ادراک بصر ہے وہ نور حق ہے جو مظاہر عالم میں چمک کر ارض وسماء کو منور کئے ہوے ہے اور صورت مثال کا نقاب اپنے روئے جمال پر ڈال کر قابل دید اور قابل احساس بن گیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ پر ذات کی تجلی نہیں صفات کی تجلی پڑی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذات کی تجلی دیکھی اور بچشم سر دیکھا اور مسکراتے رہے؛ یہ رویئت بصری تھی۔ ہدایت ایک امر وہبی ہے جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ، ثُمَّ أَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ يَوْمَئِذٍ، فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ نُورِهِ يَوْمَئِذٍ اهْتَدَى، وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ.

"اللہ پاک نے انسان کو ظلمت میں پیدا کیا اور اپنا نور اُن پر ڈال دیا؛ پس جس نے نور کو حاصل کیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے خطا کی وہ محروم وگمراہ ہوا"۔

(مسند احمد: ۱۱/ ۲۱۹)

وہ جو نور حقیقی سے اتصال نہیں رکھتا وہ ظلمت مخفی ہے نہ خود مدرک ہے نہ دوسروں کیلئے

آلہ ادراک ہے۔ پس نور حقیقی وہ نور مطلق ہے جو ذات مجمع الکمالات کا نور ہے، ان کو نور جمعیت اور حقیقت جامعہ اور برزخیہ کہتے ہیں۔ یہ احدیتِ مجردہ کے تحت ہوتا ہے اور وہ جملہ صفات کا فوق ہے۔

ان کا موضوع سخن عشق و عاشقی سے تعلق رکھتا ہے۔ عشق کی دنیا اور ہے، فکر کی دنیا اور۔ فکر میں انسان بہک سکتا ہے لیکن صوفیاء کرام کی زبان اور ان کے عشق کی شورش آتش ان کو بہکنے نہیں دیتی۔ حضرت مرزاؒ فرماتے ہیں ؎

براہل استقامت فیض نازل میشود مظہر
نمی بینی تجلی گرد کوہ طور می گردد

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔ اور بارگاہِ قدس میں شرفِ قبول اور نافع خلائق ہو۔
آمین

بِحُرْمَةِ جَدِّ الْحَسَنِ والْحُسَيْنِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَجْمَعِيْن

سیدی حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب مدظلہ العالی
۶ رفروری ۲۰۱۷ء
بقلم سعید احمد

تقریظ ۔ ۲

شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تصنیف ثمین مسمّٰی بہ ’’دیدار الٰہی کا شوق‘‘ کا جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ عنوانات بھی نظر نواز ہوئے۔ اسلئے اولاً یہ عرض ہے کہ خاص بلکہ اخص موضوع دیدار الٰہی ولقائے باری تعالیٰ کے سلسلہ میں اس قدر کثیر عنوانات قائم فرمانا۔ مضمون کی وسعت اور مولانا مکرم کی فقاہت وثقاہت پر بیّن ثبوت ہے...... مبارک ہو...... جو یقیناً ہمارے لئے ازدیاد بصیرت کا موجب ہے۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔

اس معرکۃ الآراء کی تصنیف جس کا ثمرہ ہے وہ ہم سب کیلئے قابل رشک وغبطہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا ولقاء کا جذبہ وداعیہ عنایت فرمائے۔ آمین

اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کیف روحانی کو پوری طرح وہی سمجھ سکتا ہے جو یک گونہ سہی اس کا ذوق رکھتا ہے، ورنہ تو مشہور مقولہ ہے: ’’**مَنۡ لَّمۡ یَذُقۡ لَمۡ یَدۡرِ**‘‘۔ یعنی جو کسی چیز کو نہ چکھا ہو، اس کو اس کی حقیقت ولذت کا ذائقہ کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ ان باطنی احوال وکیفیات سے ہم کو آشنا فرمائے اور آخرت میں اپنی رضا ولقاء سے مشرف فرمائے، آمین۔ میرا خیال ہے کہ اسی حال میں حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڑھی نور اللہ مرقدہٗ جو عشق ومحبت بلکہ نیستی وفنائیت

میں خاص مقام رکھتے تھے، وہ کسی شدید بیماری میں جب کہ آپ پر زندگی سے یاس و نا اُمیدی کی کیفیت طاری تھی؛ یہ شعر فرمایا کہ۔

نثار جان حزیں کردے شوق سے احمد
کھڑا ہے کون ذرا دیکھ تیرے سرہانے

اسی نا اُمیدی کی کیفیت میں منجانب اللہ حضرتؒ پر یہ شعر منجانب اللہ القا ہوا۔

احمد خستہ جان کیوں اتنا تُو بیقرار ہے
وہم و گماں سے ورے رحمت کردگار ہے

اس حقیر کا یہ حال ہے کہ حرمین شریفین میں بعض بزرگ کے یہ اشعار یاد آجاتے ہیں تو پڑھتا ہوں۔

مفلسانیم آمدہ در کُوئے تُو ...... شیئاً للہ از جمالِ روئے تُو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما ...... آفریں بردست و بر بازوئے تُو

اب اخیر میں عرض ہے کہ مولانا ثمین اشرف صاحب کی یہ تصنیف لطیف اہل دل حضرات کیلئے بڑا تحفہ ہے؛ بلکہ تمام ہی مسلمانوں کیلئے قابل قدر و شکر ہے۔ اللہ ہم سب کو اس مجموعہ علوم و معارف کو پڑھنے اور اس کے مطابق حال بنانے کی توفیق دیں اور اس کی برکت سے اللہ دنیا میں اپنی رضا اور آخرت میں اپنی لقاء و دیدار سے مشرف فرمائیں، آمین۔ اور اُمّت کیلئے مفید و نافع بنائیں۔ آمین

محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

۹؍ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ
المسجد النبوی علیہ السلام، المدینۃ المنورہ

تقریظ ۔ ۳

پیر طریقت حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہیں، ان کی نعمتیں انسانوں پر ہر گھڑی ہر آن بے حدوحساب برس رہی ہیں۔ ان نعمتوں کو تین بنیادی صورتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① حسب حال نعمتیں: یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان کا دنیا میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ صحت، رزق، علم وغیرہ کا تعلق انہیں نعمتوں سے ہے۔ ہر انسان ان نعمتوں کا محتاج ہے۔ مگر یہ سب کچھ ماسوا میں شامل ہے۔

② لازوال نعمتیں: یہ وہ نعمتیں ہیں جو مومن کو جنت میں ملیں گی اور کبھی زائل نہیں ہوں گی۔ ہر مومن ان نعمتوں کا بھی محتاج ہے اسی لئے حدیث مبارکہ میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے جنّت طلب کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الۡجَنَّۃَ۔ یہ بھی ماسوا ہے۔

③ بے مثال نعمتیں: یہ وہ نعمتیں ہیں جو جنّت میں مومن کو ملیں گی اور ان کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا جنتیوں کو قرآن مجید پڑھ کر سنانا۔ اپنی رضا کا اعلان کرنا، یہ وہ نعمتیں ہیں جن کی آرزو ہر مومن کے دل میں ہوتی

ہے۔اس کے انتظار میں مومن اپنی موت کے آنے سے محبت رکھتا ہے۔حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: **تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ**۔(موت مومن کا تحفہ ہے)۔

کسی عارف کا قول ہے :الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

روایت ہے کہ ایک بزرگ نے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا: کتنا اچھا مہمان آیا میں پچھلے بیس سال سے تمہارے انتظار میں تھا۔

ممشاد دینوری کی وفات ہونے لگی تو کسی نے دعا دی۔اے اللہ ممشاد کو جنّت کی نعمتیں عطا فرما۔انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جنّت اپنی پوری زیب و زینت کے ساتھ بیس سال تک میرے سامنے پیش ہوتی رہی مگر میں نے ایک مرتبہ بھی آنکھ اُٹھا کر اس کو نہیں دیکھا۔مجھے جنّت نہیں چاہئے ،مالک الملک کا دیدار چاہئے۔

نہ عزت نہ دولت ، نہ لذت نہ راحت
نہ دنیا نہ عقبیٰ ، کہ سب ماسوا ہے
یہ جنّت بھی مطلوب ہے اس لئے
کہ دار اللقاء ہے مقام رضا ہے

سید العاشقین ابن فارضؒ کو موت کے وقت جنّت کا نظارہ کروایا گیا، انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

''اے محبوب حقیقی -اگر آپ کی محبت کا انجام فقط اس باغ کا حاصل ہونا ہے تو میں نے پھر کیا پایا۔بس اپنی زندگی ضائع کر دی''۔

اللہ تعالیٰ نے سجدے کی ابتداء فرشتوں سے کروائی اور اس کی انتہاء قیامت کے دن

انسانوں پر ہوگی۔ مومنین اس دن شہود کا سجدہ کرنے کا لطف حاصل کریں گے۔ سبحان اللہ- حالت نماز میں پانچ دفعہ اس دیدار الٰہی کی مشق روزانہ کروائی جاتی ہے۔ قیامت کے دن دیدار کی لذت سے شرفیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوگی۔ ؎

بے خود کئے دیتے ہیں انداز حجابانہ
آ دل میں تجھے رکھ لوں اے جلوۂ جانانہ

جی چاہتا ہے بھیجوں تحفے میں انہیں آنکھیں
درشن کا تو درشن ہو نذرانے کا نذرانہ

اے اہل کرم اِتنا مجھ پہ بھی کرم کرنا
جب جان لبوں پر ہو تم سامنے آجانا

دُنیا میں مجھے تم نے اپنا تو بنایا ہے
محشر میں بھی کہہ دینا یہ ہے میرا دیوانہ

کیا لطف ہو محشر میں، مَیں شکوے کئے جاؤں
تم ہنس کے کہے جاؤ، دیوانہ ہے دیوانہ

حسن حقیقی کو دیکھنے کی یہ لذت خوش نصیبوں کے حصے میں آئے گی۔ ساری زندگی اسی انتظار میں گزر جائے تو سستا سودا ہے۔ ؎

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دور ہے رگ جاں سے لاکھ قریں سہی
تیرا در تو ہم کو نہ مل سکا تیری رہ گزر کی زمیں سہی

ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

اُنہیں دیکھنے کی جو لو لگی تو پھر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہوں وہ ہزار پردہ نشیں سہی

سرِ طور ہو سرِ حشر ہو ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں وہ کہیں ملیں وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی

ہمارے محترم ومکرم حضرت مفتی ثمین اشرف صاحب دامت برکاتہم نے دیدارِ الٰہی کے عنوان پر کتاب لکھ کر ہم مسکینوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

کتاب پڑھ کر دکھی دلوں کو راحت اور اداس دلوں کو تسلی مل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اُنہیں اس کا بدلہ اپنی شان کے مطابق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی
کان اللہ لہ عوضًا عن کل شیئ
۲۵/۵/۲۰۱۷ء
(حال مقیم دبئی)

تقریظ ۔۴

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم

مفتی دارالعلوم دیوبند، الہند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ أجمعین وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین

أَمَّا بَعْدُ!

اس میں دورائے نہیں ہے کہ مومن کیلئے دیدار الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ مومن جس کی زندگی خشیت الٰہی، اخلاص وللّٰہیت اور تواضع میں گزری ہو اس کو سب سے زیادہ شوق دیدار الٰہی کا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءہ یعنی جو شخص اللہ کی زیارت و ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ سید العاشقین شیخ ابن العارض رحمۃ اللہ علیہ جب اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے لگے تو ان کے نیک اعمال کی جزاء اللہ تعالیٰ نے جنّت دکھائی تو اس پر انہوں نے کیا ہی محبت الٰہی میں ڈوبا

ہوا شعر فرمایا:

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ماقد رأیت فقد ضیعت أیامی

یعنی اللہ کی جنت اور جنت کی تمام نعمتوں کو دیدارِ الٰہی کے مقابلہ میں کچھ نہیں گردانا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھے گا کچھ اور نعمت درکار ہے! جنتی لوگ کہیں گے اے اللہ جنت کی بیش بہا نعمتیں ہمارے لئے کافی اور وافی ہیں۔ ان نعمتوں کے بعد اب ہمیں کسی نعمت کی خواہش نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حجابِ کبریائی ہٹادیں گے اور تمام جنتیوں کو اپنا دیدار کرائیں گے۔ اس وقت جنتیوں کو سمجھ میں آئے گا کہ یہ دیدارِ الٰہی کی نعمت واقعی سب سے بڑی نعمت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جیسے چودھویں رات کا چاند دنیا میں دیکھتے ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور دیدارِ الٰہی پر قرآن وحدیث کی روشنی میں سیر حاصل بحث فرمائی۔ جگہ جگہ اللہ والوں کے واقعات ذکر کر کے اس کتاب میں روح پھونک دی ہے۔ بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ ہر بات مستند کتابوں کے حوالے سے لکھی ہے جس کی وجہ سے کتاب میں ثقاہت پیدا ہوگئی ہے۔

دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس روحانی کاوش کو قبول فرمائے۔ قارئین کیلئے مؤثر بنائے اور حضرت مولانا کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین

حبیب الرحمن خیرآبادی عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند...... ۱۸؍شعبان ۱۴۳۸ھ

تقریظ ۔ ۵

حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم

امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کا نظریہ ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ رب العزت کے دیدار سے سرفراز ہوں گے۔ یہ نظریہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چند دلائل پیش خدمت ہیں:

① -قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (سورۃ القیامۃ)

ترجمہ: اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پرور دگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ فخر الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی (ت ۶۰۶ھ) اس آیت کو اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف پر دلیل گردانتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلم أن جمهور أهل السنة يتمسكون بهذه الآية فی إثبات أن المؤمنين يرون اللّٰه تعالى يوم القيامة. (تفسیر الرازی: ج۳۰، ص۲۰۰)

ترجمہ: جان لیجئے کہ جمہور اہل السنۃ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین کو قیامت کے دن اللہ تعالی کا دیدار ہوگا۔

②-قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے:

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (سورۃ المطففین)

ترجمہ: (جنتی) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کررہے ہوں گے۔

حافظ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾) ای الی اللہ عزوجل

(تفسیر ابن کثیر، ج۸، ص: ۳۵۴)

ترجمہ: جنتی لوگ آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے۔

③-حدیث مبارکہ میں ہے:

جریر بن عبداللہ کنا عندالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ نظر الی القمر لیلة البدر فقال اما إنکم سترون ربکم کما ترون هذا لا تضامون اولا تضاهون فی رویته (صحیح البخاری: باب فضل صلاۃ الفجر، رقم: ۵۷۳)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے نور و جمال کو دیکھنے میں کوئی دشواری نہ آئے گی۔ یا یوں فرمایا: کوئی شبہ نہ ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی دیدار الٰہی کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

قد تواتر الأخبار عن أبی سعید وأبی هریرة وأنس وجریر، و صهیب وبلال وغیر واحد من الصحابة عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن

المومنین یرون اللّٰہ فی الدار الآخرۃ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص: ۳۰۹، تحت الآیۃ لاتدرکہ الابصار)

ترجمہ: حضرت ابوسعید الخذریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جریرؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور دیگر کئی صحابہؓ سے یہ حدیث تواتر سے مروی ہے کہ ایمان والوں کو آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

اور یہی نظریہ اکابرین امت کا بھی ہے۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

①- امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی (ت ۳۲۱ھ)

والرؤیۃ حق لأہل الجنۃ بغیر إحاطۃ ولا کیفیۃ (عقیدۃ الطحاویۃ: ۳۹۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کیلئے بغیر احاطہ کرنے کے اور بغیر کیفیت کے برحق ہے۔

②- حافظ کبیر امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی (ت ۴۵۸ھ)

آپ نے کئی آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے رویت باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے اور یہ باب قائم فرمایا:

"باب القول فی اثبات رؤیۃ اللہ عزوجل فی الآخرۃ"

(کتاب الاعتقاد: ص ۵۸)

③- علّامہ محمود بن محمد العینی (ت ۸۵۵)

آپ نے رؤیت باری تعالیٰ پر چار اقوال کا تذکرہ فرما کر اہل حق کا قول ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

قال أہل الحق یراہ المومنون یوم القیامۃ دون الکفار (عمدۃ القاری: باب قول اللہ تعالی وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ)

ترجمہ: اہل حق کا کہنا ہے کہ مومنین کو قیامت کے دن دیدار الٰہی نصیب ہوگا جبکہ یہ شرف کفار کو نہ ملے گا۔

④- شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (ت ۱۳۶۹ھ)

''قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالی کا دیدار ہوگا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں''۔
(تفسیر عثمانی: ج ۲، ص: ۸۳۴)

⑤- شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت ۱۳۹۴ھ)

''جنّت میں اہل ایمان کیلئے دیدار الٰہی برحق ہے۔ آخرت کی اس رؤیت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔ (عقیدۃ الاسلام، ص: ۳۸۹)

البتہ حدیث جبریلؑ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مومن کی آنکھ پر ''کَاَنَّ'' کی پٹی دنیا میں لگی ہے، آخرت میں ''کَاَنَّ'' کی یہ پٹی اتر جائے گی تو براہِ راست ''تَرَاہُ'' کی کیفیت پیدا ہوگی اس کی حقیقت اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔ پس بندہ مومن کو دنیا میں دیدار الٰہی کا شوق اور آخرت میں دیدار الٰہی کا یقین کامل ہونا چاہئے کہ حشر میں اس سے بڑی کوئی اور نعمت نہ ہوگی۔

دیدار الٰہی کے شوق کو بڑھانے کیلئے ہمارے نہایت محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف دامت برکاتہم نے بہت ہی عمدہ کتاب ''دیدار الٰہی کا شوق'' تحریر فرما کر نالائقوں پر بہت احسان فرمایا ہے۔ میری دبئ جب بھی آمد ہو تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ حضرت مفتی محمد ثمین اشرف دامت برکاتہم کی زیارت کروں اور دعا لوں۔ حضرت مفتی صاحب کی شفقتوں اور محبتوں سے خوب فیض یاب ہوتا ہوں۔

اس دفعہ جب اہلیہ کے ہمراہ حضرت مفتی صاحب کے گھر آنا ہوا تو حضرت کی اس کتاب کا مسودہ دیکھا تو بے حد خوشی ہوئی۔ حق تعالی اس کتاب کو خوب نافع بنائے۔ اور جن مقاصد حسنہ کیلئے تحریر فرمایا ہے اللہ تعالی وہ تمام پورے فرمائے۔ حضرت مفتی

صاحب کی عمر میں حق تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ جو مہمانوں کی آمد پر بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود خوب خدمت کا حق ادا فرماتی ہیں، کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے اور ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔

آمین بجاہ النّبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تقریظ - ۶

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی دامت برکاتہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی
أَمَّا بَعۡدُ!

خالق کائنات کی اپنی مخلوقات پر اس قدر نعمتیں اور احسانات ظاہری اور باطنی ہر لمحہ متوجہ ہیں کہ ان کا احصاء نہیں کیا جا سکتا۔ **وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا** - الٰہی فرمان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مالک کائنات نے اپنی مخلوقات کو نوازا ہی اس انداز سے ہے کہ ہر ہر قدم اور ہر ہر نوع اس کے انعامات اور کرم فرمائیوں کی بارش معلوم ہوتی ہے اور اللہ پاک کے خاص بندے اپنے اپنے ذوق و وجدان اور مرتبہ کے مطابق ان نوازشات کا ملاحظہ اور مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں، خصوصاً اولوا الالباب اور تفکر کرنے والے حضرات آیاتِ ربّانی میں غوطہ زن رہتے ہیں اور اس معبود حقیقی اور منعم و محسن کے جلوہ اور دیدار کے منتظر رہتے ہیں۔ جس کی عنایات اور نوازشات کا یہ سب کچھ نتیجہ ہے۔ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع الکلم کے ذریعہ سے اس حقیقت کا اعلان اپنے

اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود یوں فرمادیا ہے۔ سُبْحٰنَکَ مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ - اس سلسلہ میں آخری منزل اور خواہش بس یہ ہوسکتی ہے کہ اب بندہ اپنے خالق حقیقی کا دیدار طلب کرے اور واقعۃً مشتاقین اور عارفین کو حد درجہ اس کی جستجو رہتی ہے۔ کائناتِ ربّانی میں موجود نشانیوں مثلاً چاند میں پائے جانے والے جمال، سورج میں پائے جانے والے جلال، کلیوں اور پھولوں میں پائے جانے والے نکھار، اور لیل ونہار میں پائے جانے والے اختلاف میں غور وفکر کرتے ہوئے وہ اللہ پاک کی قدرت کاملہ کا اس دنیا میں نظارہ کرتا ہے، اس طرح سے آخرت میں جمال جہاں آراء کے دیدار کا یہ پیش خیمہ بنتا ہے۔ اسی موضوع اور عنوان پر ہمارے دوست مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی جو مشہور علمی، دینی دانش گاہ دار العلوم دیوبند میں اکابر علماء ومشائخ سے فیضیاب ہونے کی سعادت رکھتے ہیں، نیز ایک نہیں کئی حضرات اہل اللہ سے نسبت واجازت حاصل کر چکے ہیں، مزید برآں تجلیات قدسیہ، نفحاتِ قدسیہ جیسی تصانیف بھی ان کے قلم سے وجود میں آکر زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں -- نے قلم اُٹھایا ہے اور -''دیدارِ الٰہی کا شوق''- کے نام سے تازہ تصنیف تیار کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرما کر امت کو اس سے فیضیاب فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ ہم سب کو اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے، جس طرح بلاطلب اس دنیا میں ایمان سے سرفراز فرمایا ہے۔ آمین یارب العالمین۔

تقریظ ۔ ۷

حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی صاحب کشمیری دامت برکاتہم

خادم التدریس دار العلوم وقف وجامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡمُصۡطَفٰى

أَمَّا بَعۡدُ!

انسیت انسان کی گھٹی میں ہے، وہ جہاں کہیں بھی رہے، خویش واقارب اور دوست واحباب کی محبت اس کے نہاں خانۂ دل میں ہوگی۔ وہ اپنے اس فطرت کو بدل بھی نہیں سکتا۔ اس کے بغیر اس کی حیات کا ہر پل بلا ہے، مشقت ہے، عذاب ہے۔

غالب نے کہا تھا:

آتشِ دوزخ میں وہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

حاشیۂ جلالین پر **وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابو البشر خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کوئی پر کشش مخلوق ان کے ہم پہلو ہے، فوراً ہاتھ بڑھانا چاہا،

باری تعالیٰ نے منع کر دیا تو رک گئے؛ یہ پرکشش مخلوق ''حوّا'' تھیں، جو بعد میں ان کی شریکِ حیات ٹھہریں۔ حوّا کی طرف قلب ونظر کا یہ جھکاؤ اسی ''اُنس'' کا کرشمہ تھا، دیکھئے عربی میں شاعر کیا کہہ گیا ہے:

وما سمی الانسان الا لانسہ
وما القلب الا انہ یتقلب

شعراء وادبا نے اپنی تخلیقات میں انسانوں کے باہمی لگاؤ، محبت ومودت اور عشق و وارفتگی کی جو داستانیں رقم کی ہیں وہ زبان وادب کا حسین سرمایہ ہیں...... لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے ناقابلِ یقین قصوں سے کیا کیا نتائج اخذ نہ ہوئے!! مولائے روم نے اپنی شہرۂ آفاق تالیف ''مثنوی'' میں قیس ولیلیٰ کے واقعات سے گراں قدر ''نصیحتیں'' مستنبط کی ہیں جن سے قاری کے دل میں سوز وگداز، محبتِ رسول کی آتش افروزی، دخولِ جنّت کا شوق اور دیدارِ الٰہی کا اشتاق فراواں ہوتا ہے۔

کتبِ احادیث اُٹھایئے اوران کا مطالعہ کیجئے تو عقل دنگ رہ جائے گی۔ پیغمبرِ اسلام کے صحابہ اتنے دیوانے تھے کہ محبت وفدائیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے۔ صحرائے محبت کے ان سرگشتگان نے ان کی حیاتِ طیبہ کی ایک ایک ادا محفوظ کرڈالی۔ زلفِ مشکبار کا طول وعرض کیا تھا؟ بالِ مبارک کتنے سیاہ تھے اور کتنے سفید؟ قامتِ زیبا کی لمبائی کیا تھی اور چوڑائی کیا؟ شمعِ رسالت کے پروانوں نے کسی جزیئے کو نہیں چھوڑا۔ یہی متاعِ عشق تھا کہ صحابۂ کرام محبوبِ رب العالمین پر جان قربان کر دینا بھی اپنی سعادت تصور کرتے، حدتو یہ کہ میدانِ جنگ میں سخت زخمی ہیں، بے چینی کا عالم ہے، درد سے پریشان ہیں، جان حلقوم تک پہنچ گئی، مگر اس مشکل مرحلے میں بھی ان کی زبان سے جاری ہے: غدًا نلقی الاحبۃ، محمدا و صحبہٖ

حسنِ نبوت نے ان شیدائیوں کو اس درجہ مبہوت کر رکھا تھا کہ ''ماہِ کامل'' اور ''چہرۂ انور'' کے درمیان موازنے ہوتے، جس میں روئے انور کا حسن فائق و ارفع نظر آتا۔

ذرا سوچیئے!! ایک شخص بستر پر بیمار پڑا ہے، اپنے مرض سے عاجز اور چُور۔ رفتارِ زمانہ سے بے خبر۔ اچانک اس کا محبوب اور منتظر مطلوب نظر آ جاتا ہے تو یہ ''مرد بیمار'' بستر سے یوں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کوئی تکلیف اسے چھو کر نہیں گزری، ہشاش بشاش اور مکمل نشاط...... دہلی کے شاعر غالبؔ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ؎

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

یہ حال تو مخلوق سے مخلوق کی محبت کا ہے، جب خاکی حسن کا یہ عالم ہے تو فاطر کائنات کی جلوہ گری کا کیا عالم ہوگا! قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ (سورۃ القیامہ)

''قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، ان کی نگاہیں فاطر ہستی کے جلوے میں کھوئی ہوئی ہوں گی''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا مقصود خوشنودیٔ ربانی کے ساتھ حصولِ جنّت بھی ہے، مگر جنت سے بڑھ کر بھی ایک عظیم نعمت ہے، اسی ''الکتاب'' میں ہے:

''لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾'' (سورۂ ق)

''باغِ بہشت میں ''عیشِ دوام'' کے سوا ہمارے پاس ''کچھ اور بھی'' ہے؛ وہ ''مزید نعمت'' یہی دیدارِ الٰہی ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے قرطبی الامام نے یہی نقل کیا ہے۔

دیدارِ ربّانی کی لامثال نعمت کی خوشخبری ایک دوسری جگہ یوں بھی دی گئی ہے:

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط" (سورۂ یونس، آیت:۲۶)

"نیکو کاروں کیلئے جنت ہے اور "مزید برآں" بھی"۔

حضرت صہیبؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

"اذا دخل اهل الجنة الجنة نادی مناد: ان لكم عند الله موعدا، قالوا الم يبيض وجوهنا وينجنا من النار و يدخلنا الجنة قالوا بلی فيكشف الحجاب، قال: فوالله ما اعطاهم شيئًا احب اليهم من النظر إليه".

"جب جنّتی بہشت میں داخل ہوں گے، تو کوئی پکارنے والا آواز لگائے گا: تم سے کیا ہوا اللہ کا ایک وعدہ باقی ہے، تو اہلِ جنّت کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے؟ کیا اس نے دوزخ سے نکال کر جنّت میں داخل نہیں کر دیا؟ (اب کونسی نعمت ہے جو باقی رہ گئی؟) فرشتے کہیں گے کہ ہاں ہاں! کیوں نہیں؟ اتنے میں "حجابِ باری" اُٹھ جائے گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: واللہ حقجل مجدہٗ نے دیدارِ الٰہی سے بڑھ کر انہیں کوئی چیز نہیں دی"۔ (ترمذی شریف، جلد دوم)

ترمذی شریف ہی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:

"واكرمهم على الله من ينظر الى وجهه غدوة وعشية" (ایضاً)

"اللہ کی نظر میں سب سے معزز وہ شخص ہوگا جو اس کا رُوئے تاباں شام وسحر دیکھے گا"۔

اللہ جانے کہ دنیا کتنی صدیوں سے آباد ہے، دیکھنے والوں نے کیا کیا نعمتیں نہ دیکھیں!! کن کن نعمتوں سے وہ لطف اندوز ہوئے، مگر ایک نعمت ایسی بھی ہے جس کی خواہش وتمنا ساکنانِ ارضی کو بے قرار کئے رہی، پر پوری نہ ہوئی، پچھلے انبیاء کی اُمتیں بھی اس دیدار کو ترس چکی ہیں۔ پیغمبرِ جلیل حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے مطالبے پر اپنی خواہش ظاہر کی تو جواب یہی ملا: لَنْ تَرٰىنِيْ۔ "تم مجھے دیکھ ہی نہ پاؤ گے"۔ نتیجہ یہ کہ حضرت موسیٰؑ "کلیم اللہ" تو ضرور بنے، لیکن خالقِ کائنات کا رُوئے تاباں وہ بھی نہ دیکھ پائے۔ یہ

نصیبہ کسی کو ملا تو اسی پیغمبر کو، جس کے سر پر ختمِ نبوت کا تاج رکھا گیا۔ شبِ معراج میں ختم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اس بے ہمہ و باہمہ ہستی کی زیارت سے سرفراز ہوئیں۔

دیدارِ ربانی وہ عظیم ترین نعمت ہے کہ اس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ اور بونی ہیں، ہماری یہ آنکھیں عناصرِ اربعہ کی کثافت کی بنا پر ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے دیدار سے مشرف ہوسکیں۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ (سورۂ انعام: ۱۰۳)

لیکن یہی دیدے وہاں اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ جمالِ الٰہی کا دیکھنا ان کیلئے سہل ہو جائے گا، حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"ترونه کما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته"

''تم اسے اس طرح دیکھو گے جیسے چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو، اسے دیکھنے کیلئے دھکا مکی کی زحمت اُٹھانی نہیں پڑتی''۔

غور کی نظر ڈالئے تو ساری عبادات جمالِ الٰہی کے دیدار کی مشق و تمرین کیلئے معلوم ہوں گی۔ بخاری شریف کی حدیثِ جبرئیل ہی میں تو ہے کہ النبی الخاتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیلِ امین کے سوال "ما الاحسان" کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک"

''تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا فاطر کائنات تیری نگاہوں کے سامنے ہے، اگر یہ کیفیت تم میں پیدا نہ ہو تو اتنا تو معلوم ہی ہے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

یہاں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ اللہ کا دیدار ہر کسی کے حصے میں نہیں آئے گا بلکہ یہ سعادت اس نصیبہ ور کی جھولی میں جائے گی جسے ''اللہ سے ملاقات'' کے اشتیاق نے تڑپا کر رکھ دیا ہو۔ ترمذی شریف میں ہے:

"من احب لقاء الله احب الله لقاءہ و من کرہ لقاء الله کرہ الله لقاءہ"۔

یہ اور اس جیسی متعدد آیات واحادیث ہیں، جن سے دیدارِ الٰہی کا شوق اُجاگر کیا گیا ہے۔ دنیا مسلمانوں کیلئے مسافر خانہ ہے اور اصل گھر جنّت۔ کمالِ کیاست یہی ہے کہ تیاری اسی گھر کی ہو۔ یہ عالمِ آب وگِل فانی ہے، گزرتے گزرتے ایک دن یوں ہی گزر جائے گا۔

برادرِ مکرم ومحترم مولانا ثمین اشرف قاسمی صاحب زید مجدہم ان خوش نصیب اہلِ علم میں ہیں جن کا رشتہ لوح وقلم سے مستحکم تر رہا ہے۔ ان کی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں اور خراجِ تحسین وصول کر گئیں۔ ان کی مشہور تالیف ''احادیثِ قدسیہ'' پر تجلیاتِ قدسیہ (۶؍جلدیں)، نفحاتِ قدسیہ (۲؍جلدیں) ہیں جن میں انہوں نے اپنی علمی دسترس کا بھرپور ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کی ایک اور اہم علمی کتاب ''دیدارِ الٰہی کا شوق'' ہے۔ کاتب الحروف نے ان کا مطالعہ کیا اور بہت مستفید ہوا۔ کتاب میں ان آیات و احادیث کو جمع کر لیا گیا ہے جن میں ''دیدارِ الٰہی'' سے پیوستہ کوئی کلام موجود ہے۔ اس تصنیف میں ایسی بحثیں ہیں جن سے اعمالِ صالحہ کا ذوق اُبھرتا، اسلامی حمیت جلا پاتی اور زیارتِ ربّانی کا شوق پروان چڑھتا ہے۔ اس میں علمی مباحث بھی ہیں، اکابر کے واقعات بھی ہیں، اسلاف کے بیان کردہ اچھوتے نکات بھی ہیں۔ ان کے ساتھ ترتیب عمدہ، قلم شگفتہ اور مندرجات باوزن ہیں، راقم کی نظر سے اس موضوع پر ایسی مفید اور جامع کتاب نہیں گزری۔

احقر مصنف کو اس ثمین کاوش پر مبارک پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ ان کی یہ تصنیف اپنے مقصد میں صد فیصد کامیاب رہے۔ اور بارگاہِ قدس میں قبول ہو۔ آمین

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

خادم التدریس دار العلوم وقف

وجامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

۲۵؍اپریل ۲۰۱۷ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ - ۸

مولانا مفتی محمد عارف باللہ القاسمی صاحب مدظلہ
استاذِ حدیث جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد، الہند

دیدارِ الٰہی کا شوق پیدا کرنے کا مؤثر نسخہ

دنیا امتحان کی جگہ ہے اور آخرت انعام کی جگہ ہے، انسانی زندگی میں بھی اللہ جزوی طور پر انعام سے نوازتے ہیں، لیکن حقیقی انعام آخرت میں ہی عطا کیا جائے گا۔

اللہ کی طرف سے نیک بندوں کے لئے جن انعامات کو تیار کر کے رکھا گیا ہے اور جن کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں سے بعض کی اطلاع دی گئی ہے اور ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن ان انعامات کی حقیقی لذت کا حصول وتصور اس دنیا میں محال وناممکن ہے۔

اللہ نے اپنے متقین بندوں اور اہل ایمان کے لئے جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کی لذت سے وہ آخرت میں ہمکنار ہوں گے ان میں سے سب سے عظیم تر نعمت یہ ہے کہ اللہ اپنا دیدار کرائیں گے، یہ نعمت جنت کی نعمتوں میں سے سب سے عظیم ہوگی اور اس کی لذت تمام نعمتوں کی لذت پر غالب ہوگی، بلکہ اس کی لذت پانے کے بعد جنّتی، جنّت کی لذت کی تمام چیزوں اور ان کی لذتوں کو بھول جائیں گے۔ ایک روایت میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو منادی پکارے گا: جنت والو! اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے، جنتی کہیں گے: وہ کیا وعدہ ہے؟ کیا اللہ نے ہمارے نیک اعمال کو وزنی نہیں کیا؟ ہمارے چہروں کو روشن اور تابناک نہیں کیا؟ ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دے گا، لوگ اس کا دیدار کریں گے، اللہ کی قسم! اللہ کے عطیات میں سے کوئی بھی چیز ان کے نزدیک اس کے دیدار سے زیادہ محبوب اور ان کی نگاہ کو ٹھنڈی کرنے والی نہ ہوگی''۔ (سنن ابن ماجۃ: ۱۸۷، سنن ترمذی: ۲۵۵۲)

دنیا میں بیداری کی حالت میں تو نعمتِ دیدار کا حصول گرچہ ممکن ہے لیکن انسانی آنکھوں میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کے دیدار کی تاب لا سکے، اس لئے علماء کا اتفاق ہے کہ ممکن ہونے کے باوجود بحالتِ بیداری دیدار الٰہی کا وقوع نہیں ہوا ہے، علامہ نوویؒ، علامہ ملا علی قاریؒ نیز علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

وأما رؤية الله في الدنيا فممكنة، ولكن الجمهور من السلف والخلف من المتكلمين وغيرهم أنها لا تقع في الدنيا (شرح مسلم للنووی: ۱۵/۳، عمدة القاری: ۲۲۹/۱۸، مرقاة المفاتیح: ۳۲۰/۱۰)

''دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن تو ہے لیکن متکلمین میں سے جمہور سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ دنیا میں دیدار کا وقوع نہیں ہوا ہے''

ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ انسانی نگاہوں میں ذات باری کے مشاہدہ کی تاب لانے کی صلاحیت نہیں ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُنیا میں دیدار الٰہی کا سوال کیا تو جواب ملا: لَن تَرَانِي (مجھے نہیں دیکھ سکتے) البتہ سفر معراج میں بحالت بیداری جسمانی آنکھ سے اللہ کے دیدار کی عظیم سعادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی،

جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، زیر نظر کتاب میں بھی اس موضوع پر بڑی مفصل و مدلل گفتگو کی گئی ہے، اور اہل حق کا راجح نقطۂ نظر مدلل و مفصل بیان کیا گیا ہے۔

دوسری صورت خواب میں دیدار الٰہی کی ہے، تو قاضی عیاضؒ وغیرہ کی صراحت کے مطابق متفقہ طور پر تمام علماء اس بات کے قائل ہیں کہ دنیا میں خواب کی حالت میں اللہ کا دیدار ہوسکتا ہے، فرماتے ہیں:

لم يختلف العلماء في جواز صحة رؤية الله في المنام (اكمال المعلم:۲۲۰/۷)

''خواب میں اللہ کی رؤیت کی صحت کے جواز میں علماء اختلاف نہیں ہے''۔

علامہ محمد بن عربی تبانیؒ فرماتے ہیں:

رؤية الله تعالى في المنام جائزة باتفاق العلما

(تحذير العبقري من محاضرات الخضري:۱۳۹/۱)

''باتفاق علماء خواب میں اللہ کی رؤیت جائز ہے''۔

اس کی تصدیق ان واقعات سے بھی ہوتی ہے جو متعدد علماء کرام اور ائمہ عظام کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں خواب میں دیدار الٰہی کی سعادت نصیب ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

الحمدللہ اس موضوع کو بھی خال محترم جناب مفتی ثمین اشرف صاحب زید مجدہ نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے اور خواب میں دیدار الٰہی کی سعادت پانے والے اہل اللہ کے واقعات کو ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کی عنایت اپنے طالب و محب پر اس دنیا میں بھی متوجہ ہوتی ہے اور اللہ کے کامل کرم و عنایت کا ظہور دیدار کی شکل میں اس دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اور ہوا ہے، گویا مؤلف محترم نے ان واقعات کو بیان کر کے جہاں اہل حق کے نظریے کو مدلل و مبرہن کیا ہے وہیں دیدار الٰہی کے طالب میں شوق کی

چنگاری کو شعلہ زن کیا ہے کہ اس کے دیدار کے طالب بن جاؤ، تمہاری طلب اور تمہارا شوق آخرت کے دیدار سے پہلے دنیا ہی میں تمہیں نعمتِ دیدار سے سرفراز کرسکتا ہے۔

کتاب کے نام اور اس کے موضوع سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ موضوع بہت مختصر ہے اور اس پر چند صفحات سے زیادہ کچھ لکھنے کی گنجائش ممکن نہیں ہے، لیکن زیرِ نظر کتاب ''دیدار الٰہی کا شوق'' جتنے صفحات پر مشتمل ہے اور جن تفصیلات اور ''الہامی تشریحات'' کو خال محترم نے اس کتاب میں تحریر کیا ہے اور جن علمی گہرپاروں سے اس کتاب کو مزین کیا ہے اس سے بجاطور پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کتاب درحقیقت حقیقی شوق دیدار میں لکھی گئی ہے، اور مقدمہ میں ذکر کردہ مصنف کی یہ بات صد فیصد درست ہے کہ جو بھی تحریر کیا جائے آمد ہو آورد نہ ہو، اور دیدار الٰہی کے شوق کے ساتھ ہو۔ اس انوکھے عنوان پر لکھی گئی اس کتاب میں ذکر کردہ مضامین اس بات پر شاہد ہیں کہ اس میں ''آورد'' کے بجائے یقیناً ''آمد'' ہی ''آمد'' ہے:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

خال محترم کی تحریروں سے نیز کسی خاص موضوع پر محققانہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے ان کے دل کو اسرار شریعت کی فہم کیلئے کھول دیا ہے، بہت سی مجلسوں میں کسی علمی موضوع پر ایسی باتیں وہ بیان کرجاتے ہیں جنہیں سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے حاصل کرنا شاید بسااوقات مشکل ہو، ان کی تحریروں میں بہت سے وہ نکات بھی ملتے ہیں جو یا تو سینہ بہ سینہ منتقل ہورہے ہیں یا جنہیں صرف اللہ کی عطا و وہب ہی کہا جاسکتا ہے، زیرِ نظر کتاب میں بھی بہت سی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ **فللّٰہ درہ**۔

''دیدار الٰہی کا شوق'' صرف اس کتاب کا رسمی نام ہی نہیں بلکہ درحقیقت یہ کتاب

سب سے عظیم ترین نعمت ''دیدار الٰہی'' کا شوق پیدا کرنے کا ایک مؤثر نسخہ ہے جس کے ہر سطر سے پڑھنے والے میں یہ شوق ابھرتا ہے اور فزوں سے فزوں تر ہوتا چلا جاتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے ہر ہر لفظ کو مصنف نے شوق دیدار میں ڈوب کر اور اس کی طلب میں فنا ہو کر تحریر کیا ہے۔

اور اسی پر بس نہیں بلکہ ایمان ویقین کو راسخ کرنے والے اور اعمال کی حکمتوں اور اس کے فوائد سے اعمال کی رغبت دلانے اور اس پر استقامت پیدا کرنے والے مضامین نے اس کتاب کی عظمت کو اور دوبالا کر دیا ہے، گویا اس کتاب میں مصنف نے جہاں شوق دیدار کو جگایا اور پروان چڑھایا ہے وہیں اس سعادت کے حاصل کرنے کا راستہ بھی بتایا ہے، اور ایمان ویقین کے استحکام اور عملی استقامت کی راہ دکھا کر اور اس کی اہمیت کو بتا کر اس پر چلنے کے آداب سے بھی واقف کرایا ہے، نیز مختلف کمالات قدرت اور احوال زمانہ اور ان کے تغیرات میں کارفرما الٰہی حکمتوں کو بیان کر کے ایمان والوں کو مصنف نے یہ پیغام بھی دیا ہے:

کون سی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں   شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

اللہ اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے، مؤلف محترم کے لئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے، اور اس کے ذریعہ تمام قارئین کو حقیقی شوق دیدار عطا کرے۔ اور ہم سب سے راضی ہو کر ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل کرے جن کے بارے میں یہ اعلان ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وصلى الله على حبيبنا محمد وآله وصحبه اجمعين والحمد لله رب العالمين۔

محمد عارف باللہ القاسمی

استاذ حدیث جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد

تقریظ - ۸

حضرت مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی مدظلہ

نائب ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ

حرفِ چند

محبت ایک فطری چیز ہے، عبد و معبود کے تعلق کی ڈور اسی محبت سے بندھی ہوئی ہے اس کا آغاز لا الہ سے ہوتا ہے، بات نفی سے شروع ہو کر اثبات تک پہنچتی ہے، جب ساری خواہشات، تمناؤں سے رخصت ہو جاتی ہے اور انسان اپنے کو ایک ایسا بھی تنہا اور سو میں بھی اکیلا محسوس کرتا ہے تو ایسی خلوت میں محبت الٰہی پروان چڑھتی ہے۔ بندہ بال بچوں کے ساتھ رہتا ہے، گھر در کی فکر کرتا ہے، رونق مجلس ہوتا ہے احباب و رفقا کے ساتھ وقت گذارتا ہے لیکن خلوت در انجمن کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے، اس کی ہر سانس سے اللہ کی آواز نکلتی ہے اور یہ عبادت جو شروع میں اہل اللہ ریاضت کے طور پر کراتے ہیں عادت بن جاتی ہے، عبادت جب عادت بن جائے تو بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ تو بندہ کا ہر حال میں رہتا ہے، لیکن جب غلبہ ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے من کان للہ کان اللہ لہ۔

اس مقام میں جا کر بندہ اپنا سب کچھ فنا کر چکا ہوتا ہے، ہر وقت اللہ کی یاد اس کا تصور اور اس کے غیر مرئی وجود میں کھویا رہتا ہے، یہ خدفراموشی محبت کے پروان چڑھانے کے لئے اکسیر ہے، یہ محبت پروان چڑھتی ہے تو عشق کے مختلف مراحل طے ہوتے ہیں، عشق کا لفظ ہر دور میں سوقیانہ سمجھا جاتا رہا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں میری معلومات کی حد تک اس لفظ کا گذر نہیں ہوا، اور ساری توجہ محبت پر مرکوز رکھی گئی اس لئے محبت کے انتہائی مراحل میں بھی اس لفظ کے استعمال سے اجتناب میرے ذوق کا حصہ ہیں۔

محبت کی فراوانی اور جذبات کی وابستگی جس چیز سے ہو جاتی ہے بندہ فطری طور پر اس کو دیکھنا چاہتا ہے، چہرے کی آنکھوں سے نہ ممکن ہو تو خواب میں ہی سہی دیدار کی تمنا انگڑائی لیتی رہتی ہے۔ اس تمنا میں جو کیف اور لذت ہوتی ہے اس کے ذکر کے لئے الفاظ کا دامن خالی ہے کیونکہ جذبات واحساسات کی دنیا لامتناہی ہے اور الفاظ کا دامن تنگ۔

یہ تمنا پروان چڑھ کر انسانی زندگی کا مطلوب اور ذہن وتصورات کا شوق بن جاتا ہے، پھر بندہ کہہ اٹھتا ہے لا موجود الا اللہ کیونکہ وہ اس کیفیت سے دو چار ہے، اسے اور کچھ نظر نہیں آتا، یہ حقیقت کا ادراک واحساس ہے لوگوں نے اسے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے پیمانے پر ناپ کر جو فلسفیانہ بحث چھیڑی ہے وہ اس کا محل نہیں، یہ صرف ذوق کی بات ہے کھلی آنکھوں سے جڑی کیفیت نہیں، دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہے۔

اللہ رب العزت سے اس محبت کا تقاضہ ہے کہ بندہ پوری زندگی دیدار الٰہی کی تڑپ

لے کر زندگی گذارتا ہے اور شوق کے پاؤں سے نہیں پروں سے دیدار الٰہی کی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ پھر موت آجاتی، بندہ اس پل کو عبور کر لیتا ہے جو محبوب ومحب کے درمیان حائل تھا اور اب وہ قیامت میں کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کرے گا اور یہ سب سے قیمتی دولت ہوگی جو ایمان والوں کو اللہ کی طرف سے نصیب ہوگی۔

ہمارے کرم فرما حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب حفظہ اللہ اہل دل بھی ہیں، اہل حال وقال بھی، اللہ ان سے بڑا کام لے رہا ہے، مصلی الحتبو رجو اصطلاحی طور پر مسجد بھی نہیں، جماعت خانہ ہے، یہاں نماز بھی ہوتی ہے تزکیہ کی مجلس بھی لگتی ہے، درس قرآن کے حلقے بھی لگتے ہیں اور وعظ وتذکیر سے تصفیۂ قلب کا کام بھی ہوتا ہے، ان سب مشغولیات ومصروفیات کے ساتھ مفتی صاحب تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی بہتوں سے آگے نکل گئے ہیں، پھر موضوعات کا انتخاب بھی الہامی ہوتا ہے اور اس کے اثرات قلم سے نکل کر حروف کے واسطے سے سیدھے دلوں پر دستک دیتے ہیں اور دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور دماغ میں عرفان الٰہی کا ایسا مسکن بنتا ہے کہ سارے اعضا وجوارح سے ایسے اعمال ہی نکلتے ہیں جو شریعت کو محبوب اور اللہ ورسول کا مطلوب ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی اب تک جتنی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان میں تجلیات قدسیہ، نفحات قدسیہ، علامات ایمان، کیمیائے درویشاں، اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مجموعۃ وصایاء انبیاء واولیاء، تلاوت کلام اللہ سے قبل استعاذہ کی حکمت، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، قرآن وحدیث میں جن پر لعنت کی گئی ہے، علامات سعادت، درود وسلام کا مقبول تحفہ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دیدار الٰہی کا شوق حضرت مفتی صاحب کی انتہائی وقیع کتاب ہے جو واردات قلبی کا مظہر ہے، اس میں آمد ہی آمد ہے، آورد نہیں ہے، آمد نے اس کتاب کی تاثیر میں کئی گنا اضافہ کردیا ہے واقعہ یہ ہے کہ کتاب پر کچھ لکھنے کے بجائے سارا تعلق پڑھنے سے ہے، میں مفتی صاحب کو اس البیلی کتاب کی تصنیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے اندر بھی دیدار الٰہی کا ایسا شوق پیدا کردے کہ ہر پل ہر آن وہ زندگی کا مقصود بن جانے اور اس کے فیض سے دنیا وآخرت میں اللہ کی جانب سے فوز و فلاح اور صلاح وکامرانی مقدر ہو جائے اور آخرت میں دیدار الٰہی نعمت نصیب ہو جائے۔

محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

۲۸/اپریل ۲۰۱۸ء

نزیل بردبئ

شوقِ دیدارِ حق

از :-فطین اشرف صدیقی

میری کیا جرأت کہ تیری دید کی خواہش کروں
آرزوئے دیدِ حق ،دل میں لئے کب تک رہوں
موجزن جو شوق ہے دل میں بھلا کس سے کہوں
اب نہیں کچھ شوق اس کے ما سوا،دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

اپنی قدرت کے مظاہر سے ہے تو بیشک عیاں
دیدۂ عبرت کو کیا کم ہیں زمین و آسماں
ذات تیری ہاں مگر نظروں سے میری ہے نہاں
مظہرِ تخلیق سے اب ماورا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

خالق و مخلوق کا رشتہ،نیاز و ناز ہے
ربط باہم گر نہ ہو تو ،ساز بے آواز ہے
یہ نمودِ زیست،تیرے کُن ہی کا اعجاز ہے
شاہکاروں میں ہی کب تک، جا بجا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

کون ہے جس کو نہیں ہے شوق تیری دید کا
جاں فزا ہوتا ہے، نظّارہ ہلالِ عید کا
ماحصل اتنا فقط ہے، اس مری تمہید کا
ملتجی ہوں، اب بشوق التجا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

تیری ہی تسبیح کرتے ہیں ملائک، انس و جن
نغمۂ توحید پڑھتے، صبح و شام اور رات، دن
ہے یہی ایمان میرا کچھ نہیں ہے تیرے بن
غیب کے اسرار سے پردہ اٹھا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

تو ازل سے ایک سربستہ، سراپا راز ہے
عقدہ یہ کیسا ہے، کن اَسرار کا غمّاز ہے
اپنے ہی مشتاق سے پردہ، یہ کیا انداز ہے
دے مجھے ذوقِ نظر، عقدہ کشا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

ظاہر و باطن بھی تو ہے، غائب و حاضر ہے تو
دسترس ہر شے پہ تیری، منظر و ناظر ہے تو
کُن فکاں ہے شان جس کی، ایک وہ قادر ہے تو
رب مرے، ذوقِ بصیرت کر عطا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

راز افشا ہو سکا نہ چہرۂ مستور کا
ریزہ ریزہ ہو گیا جلوے سے تیرے طور کا
تاب ہے کس میں جو دیکھے عکس تیرے نور کا

طالبِ دیدار ہوں، کیسے بھلا دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

شوقِ دیدارِ الٰہی کا ہی شیدائی ہوں میں
اے خدا تیری تجلی کا ہی سودائی ہوں میں
جلوہ آراء عرش پر تو ہے، تماشائی ہوں میں

گر پڑوں سجدے میں، جب جلوہ نما دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

جب کہے گا تو، سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ
فضل سے تیرے ملے گی، جن کو جَنّٰتِ نَّعِیۡمٍ
نظرِ رحمت بندۂ عاجز پہ کرنا اے کریم

ہے مجھے لَا تَقۡنَطُوۡا کا آسرا، دیکھوں تجھے
دیکھ لی دُنیا تری، ربُّ العُلیٰ دیکھوں تجھے

از فطین اشرف صدیقی

صلالہ، عمان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارفی کلمات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ. اَمَّا بَعۡدُ !!

اللہ تعالیٰ کی بھی عجیب شانِ عطاء ہے، کون سی نعمت کس طرح عطا کریں گے اور کب کس کو کس راہ کہاں پہنچائیں گے۔ اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا سبب والد محترم پر ایک عارضہ بنا، اللہ تعالیٰ نے شفا دیا اور پھر ان کے دل میں ایک بات جو عارضہ کے وقت زبان سے اللہ تعالیٰ نے نکالی تھی اس کی طلب وجستجو بڑھی جس کا تذکرہ ابّا نے حضرت آبروئے نقشبند حضرت مولانا شمس الھدیٰ دامت برکاتہم سے کیا؛ اور جو کچھ لکھا تھا سنایا بھی؛ حضرت نے ابّا کو کیا کہا یہ تو انہوں نے چھپالیا، اللہ تعالیٰ والد کو نظر بد اور ہر فتنہ سے اپنی حفاظت وصیانت میں رکھے آمین۔ تاہم بزرگوں کی دعا وتوجہ سے وہ منزل کی طرف رواں دواں رہے اور راستہ میں کیا دقت پیش آتی رہی وہ بھی انہوں نے لکھ دیا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ کام تو اللہ پاک لیتے ہیں اور توفیق بھی وہی عطا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں جبکہ آنے جانے والوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے پھر بھی وہ انہماک کے ساتھ اپنی دھن میں کھو جاتے ہیں۔ آوا گون کا ان پر

کچھ اثر نہیں ہوتا۔کبھی اس بات کا انتظار نہیں کرتے کہ فراغت سے خلوت ملے۔وہ اپنے دھن کے پکے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے مسلک ومشرب پر کام کرنے کا جذبہ ہے کہ فراغت کا انتظار نہیں کرتے اور جو کرنا ہے اس کو کرنے کا دھن ان پر مسلط رہتا ہے اور کر گزرتے ہیں، اُن کے اساتذہ کو ایک موقع پر دیو بند میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایسا احترام واکرام کا معاملہ کیا کہ میں حیران رہ گیا اور سبھی نہایت شفقت کے ساتھ پیش آئے۔حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ دبئی میں والد محترم کے مصلی میں نماز جمعہ ان کے پیچھے ادا کی۔والد محترم نے خطبہ دیا، پھر حضرت کشمیریؒ نے والد صاحب کی تعریف میں ایسے کلمات کہے کہ حاضرین سن کر حیران رہ گئے۔

الغرض اس وقت آپ کے ہاتھ میں ''دیدار الٰہی کا شوق''، زیر مطالعہ ہے، یہ ایک نادر اور انوکھا موضوع ہے۔اللہ والوں کی آہوں، اور سسکیوں، نالوں اور زاروں میں سربسجود ہو کر بارگاہِ حق میں عاجزانہ شوقِ لقاء کی آرزو پیش کی جاتی ہے، یہ ایک عظیم نعمت ہے جو مؤمن کے دل میں پیدا ہو جائے۔اس کتاب میں ایسی تمام آیاتِ ربانیہ اور احادیث نبویہ اور مناجاتِ خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش کی گئی ہیں جن سے شوقِ دیدار الٰہی کا جذبہ دل میں جگہ پا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے ہمارے قلوب میں اپنی دیدار کا جذبہ موجزن فرمائے اور تمام امت کیلئے اس کتاب کو نافع بنائے۔آمین

ابو انیس محمد نفیس اشرف
علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تعارفی کلمات

دیدارِ الٰہی کا شوق

اللہ اللہ کتنا پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا اور جام ہے

قارئین یہ کتاب ''دیدارِ الٰہی کا شوق'' اپنے نام سے محتاجِ تعارف نہیں۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کا اصل سرمایہ آخرت کی فوز و فلاح ہے جیسا کہ علّامہ ابن جوزیؒ نے اپنے مناجات میں کہا ہے۔

''اِنَّمَا الْفَوْزُ وَالنَّعِیْمُ لِعَبْدٍ   جَاءَ فِی الْحَشْرِ آمِنًا مُسْتَرِیْحًا''

یقیناً ہر سعادت و کرامت کا دروازہ مومنین و صاحب ایمان کے لئے موت کے بعد کھلے گا اور اہل ایمان کے اندر آخرت کا دھیان یا جذبۂ خیر، شوقِ دیدارِ الٰہی سے ابھرتا ہے، یہ شوق جس قدر تیز ہوگا اعمالِ صالح بھی خلوص للّٰہیت کے ساتھ وجود میں آئیں گے اور استقامت کے ساتھ شوقِ دیدارِ الٰہی کے حصول کے لئے ہر ممکن جد و جہد ''بتوفیق رب العلمین'' کرے گا۔

آپ کے زیرِ مطالعہ کتاب کے اندر ’’دیدارِ الٰہی کا شوق‘‘ حصولِ رضاءِ الٰہی و اشتیاقِ لقاءِ رب کی بات کی گئی ہے۔ جس طرح سلفِ صالحین دن رات مالک حقیقی کے دیدار رب العٰلمین کی ملاقات کے شوق میں رہتے تھے۔ کہ کون سا ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے میری بصارت و بصیرت کو وہ روحانی قوت وہ طاقت فراہم ہو جائے جس سے قیامت کے دن اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دیدار کر سکوں، اور اللہ رب العزت کی تجلّیوں کا مشاہدہ کر سکوں چنانچہ حضرت مخدوم بہار شرف الدین یحییٰ منیری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

’’قیامت کے دن تمام مومنین و مومنات بہشت میں داخل ہونے کے بعد اللہ جل جلالہٗ کو دیکھیں گے‘‘

ایک حدیث شریف میں آیا ہے:

’’آقائے نامدار تاجدار مدینہ حضرت محمد صلی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص اللہ پاک کی ملاقات ناپسند کرتا ہے، اللہ پاک بھی اس کی ملاقات ناپسند کرتے ہیں‘‘۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دعاؤں میں اس بیش بہا نعمت کو اللہ جل جلالہ سے مانگا ہے۔ بلکہ یوں کہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کے ذہن کو اس طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

’’وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ‘‘

’’اے پاک رب اپنی ملاقات کے اشتیاق کو میرے رگ و ریشے میں پیوست کر دے‘‘

دوسری جگہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعاء مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ

’’اے اللہ ہم آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتے ہیں، اور ایسے شخص کی محبت جو آپ سے محبت کرتا ہو اور ہر اُس عمل کا سوال ہے جو آپ کی محبت تک مجھے پہنچا دے‘‘۔

جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ، لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا۔

چنانچہ اہلِ نقشبند قبل المراقبہ اس دعا کے پڑھنے کی ہدایت کرتے۔

(۱) اَللّٰهُمَّ حَرِّقْ قَلْبِيْ بِنَارِ عِشْقِكَ۔

(۲) اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ۔

الغرض اس پُرفتن دور میں ضرورت تھی ایک ایسے مدلّل کتاب کی جس میں اہلِ ایمان کو لقاءِ محبوب حقیقی کی طرف رغبت دلائی جائے۔ اور لوگوں کے ذہنوں کو مائل کرایا جائے۔ آج اکثر افراد اس سبق کو بھول چکے ہیں کہ اپنی شکل اللہ پاک کو دکھانی ہے، اللہ رب العزت کا دیدار کرنا ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ حضرت مرشدی ''باب جنت، والد ماجد، ''مصلح امت حضرت مفتی ثمین اشرف قاسمی ادام اللہ فیوضہم، نے اس موضوع پر مدلّل بحث کی ہے اور بھولا ہوا سبق یاد کرانے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مرشدی نے ''دیدارالٰہی کا شوق'' کتاب لکھ کر لوگوں کے ذہنوں کو اس طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک نہ ایک دن اللہ سے ملاقات ہونی ہے اور تجلیاتِ ربانی و دیدارِ یزدانی ولاثانی سے ہر صاحبِ ایمان و مسلمان کو مشرف ہونا ہے۔

دُعا ہے اللہ رب العزت حضرت مرشدی کی اس ترتیب و تحقیق کو اپنی پاک بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ **آمین ثم آمین**

ازل سے ان کی تجلی میری نگاہ میں ہے
یہ جانتا ہوں کہ بس ان کو جانتا ہوں میں

قصیدۃ فی الحمد ومدحِ النّبیّ ﷺ

اَللّٰہُ اَللّٰہ اَللّٰہ مَالِیْ رَبٌّ اِلَّا ھُوْ

یَفْنَی الْکُلُّ وَیَبْقٰی ھُو لَیْسَ الْبَاقِیْ اِلَّا ھُوْ

مَنْ کَانَ دُعَاؤُہٗ أن یَّاھُوْ ذٰاکَ حَمِیْدٌ عُقْبَاہُ

مَنْ کَانَ لِرَبِّیْ دُنْیَاہُ عَاشَ سَعِیْداً اُخْرَاہُ

مَنْ کُنتَ اِلٰھِیْ مَوْلَاہُ کُلُّ النَّاسِ تَوَلّٰہُ

مَنْ مَاتَ یَقُوْلُ اَللّٰہُ ذَاکَ الْخَالِدُ مَحیاہُ

رُسُلُ اللّٰہِ تَلَقَّاہُ اَبْشِرْ عَبْدُ بِحُسْنَاہُ

اَلرِّضْوَانُ لَہٗ نُزُلٌ جَنَّۃُ خُلدٍ مَأْوَاہُ

تَخْشَی النَّاسَ بِلَا جَدْوٰی ھَلَّا رَبَّکَ تَخْشَاہُ

اِبْغِ الْاَمْنَ لَدٰی رَبِّیْ اِنَّ الْاَمْنَ بِتَقْوَاہُ

تَنْسٰی رَبَّکَ یَافَانِیْ دُمْ اِنْ شِئْتَ بِذِکْرَاہُ

ازابوخطیب نقیب اشرف ندوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارفی کلمات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ.

اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر و احسان ہے کہ اہلِ ایمان خاندان اور دیندار گھرانے میں پیدا کیا۔ جب آنکھ کھلی تو ہر جانب اللہ و رسول کا ہی تذکرہ سنا اور دروازہ پر مسجد سے اللہ کی کبریائی اور رسالت کی شہادت کان میں پانچ وقت سنائی دیتی تھی۔ میرے دادا محترم نقشبندی صاحبِ نسبت اجازت یافتہ۔ حق تعالیٰ کی یاد میں کھوئے ہوئے تھے اور میرے نانا بھی صوفی حق گو باوقار آدمی تھے۔ سفید پوش، اور پاک وصاف طینت کے تھے۔

میرے دادا علیہ الرحمۃ کے لئے ان کی والدہ نے بیت اللہ میں دعا کی تھی جو حق تعالیٰ نے قبول کیا اور پھر دادا صاحبِ اولاد ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی کہ نصف درجن سے زاید لڑکے علماء وفضلاء اور مفتی ہوئے آج ان کی اولاد و ذریت میں درجن سے زاید علماء وفضلاء مفتیان اور محدث و مدرس اور مصنف ہیں اور اس طرح خاندان پھل پھول رہا ہے۔ ان کی دُعاء سے ''ادارہ دعوۃ الحق'' اور ''الامداد چیریٹیبل ٹرسٹ'' وجود میں آیا اور آج سینکڑوں امت کے نونہال حافظ اور علماء کی شکل میں دین کی خدمت کررہے ہیں یہ سب کی سب بیت اللہ میں غلاف کعبہ پکڑ کر جو دعا کی گئی تھی اس کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ ہیں۔ کتاب ''**دیدارِ الٰہی کا شوق**'' میرے

والدِ مشفق کی آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ کتاب وجود میں کیوں اور کیسے آئی وہ آپ انہی کی تحریر میں پڑھیں گے۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق آسان وسہل بات نہیں ہے اکثر لوگوں کا دل دہل جاتا ہے، کانپ اٹھتا ہے، مگر اللہ ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھنے والے اور محبت رکھنے والے بھی اس دنیا میں ہیں اور رہیں گے ان کی زندگی اسی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے کہ آدمی اپنے اندر صفائی وستھرائی اور گناہ سے پاکی ضرور حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے وہ پاک ہے اس کی شان کے مناسب اپنی کوشش کرے، بقیہ اللہ خود آسان کردے گا۔

ایک بار والد حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم سے ملنے گئے تو انہوں نے فرمایا مفتی صاحب آپ میرے ہمراہ شارجہ چلیں۔ حسن اتفاق احقر بھی دونوں صاحبِ دل وحال وقال کے ہمراہ گاڑی میں تھا، اس سفر میں بابا نے حضرت پیر صاحب کے سامنے لقاء ودیدارِ الٰہی کی ایک حدیث تلاوت کی اور چند سوالات کیئے۔ ہمراہ سیف اللہ صاحب اور طارق صاحب بھی تھے، سیف اللہ صاحب نے وہ ریکارڈ بھی کیا پیر صاحب نے کلام شروع کیا اور اس طرح سفر طے ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم شارجہ پہنچ گئے۔

میرا اپنا عالم یہ ہے کہ حضرت بابا کے بیان کے علاوہ کسی اور کا بیان دل کو نہیں چھوتا اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بابا دامت برکاتہم کے بیان سننے کے بعد میرا دل کانپ اُٹھتا ہے اور خوب دل بھر کر رونا آتا ہے اور رو پڑتا ہوں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ میں باہر کہیں دوست واحباب کے پاس سے آتا تو حضرت بابا مجھے متنبہ کرتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور یہ بات کیوں کہی؛ یہ کام تم نے کیوں کیا اور میرے سامنے ایسی بات کرتے کہ ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت بابا میرے

ساتھ اور ہمراہ تھے اور میرے لئے دعا کرتے اور مجھے قیمتی نصیحتوں سے نوازتے۔

بابا کی ہدایت ہے کہ بس ہر حال میں سچ کہوں سچ بولوں سچوں کے ساتھ رہوں تا کہ بابا کی دعاء ہمیں ملتی رہے۔

الغرض شوق دیدار الٰہی پر والد محترم سے قرآن کی آیات اور احادیثِ رسول اور مناجاتِ نبوی کو جمع کر کے قارئین وشوقِ دیدار کے شائقین کے لئے سہولت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ بابا کی کوشش کو قبول فرمائے اور تمام لوگوں کے لئے نفع بخش بنائے۔

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

شوکتِ سنجر وسیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب وجستجو، عشق، حضور و اضطراب

ابوشکیب محمد صہیب اشرف
چیئرمین ''الامداد چیریٹیبل ٹرسٹ، انڈیا
حال مقیم دبئی

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

عرضِ مرتب اور سببِ تالیفِ کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

اَمَّا بَعْدُ !!

بظاہر اس کا سبب یہ ہوا کہ ۵ نومبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ کو صبح ۹:۳۰ بجکر تیس منٹ پر دل کا دورہ پڑا۔ اور اس سے پہلے اس حقیر کو اس کا احساس بھی نہ تھا۔ جسم سے پسینہ نکلنے لگا اور ایک عجیب سی کیفیت ہونے لگی، ام صہیب نے جب دیکھا کہ میرا رنگ بدلا ہوا ہے اور میں پسینہ میں غرق ہوں تو انہوں نے پوچھا کیا ہو گیا یا کیا ہو رہا ہے۔ بلا ارادہ زبان سے اللہ تعالیٰ نے نکلوایا کہ یہ بات کرنے کا وقت نہیں ہے بس اگلے لمحہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے والی ہے اور کلمہ طیبہ ورِدِ زبان تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکرار زبان پر اللہ کے فضل سے ہونے لگی، اہلیہ نے کہا کہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھئے۔ ان کی دل جوئی اور دل بستگی کے خاطر پھر حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کا ورد شروع کر دیا۔ قصہ مختصر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صحت دی تو بار بار دل میں یہ بات آنے لگی کہ آخر زبان پر یہ کیوں آیا کہ بس اگلے لمحہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے والی ہے۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی اللہ کی توفیق سے قرآن مجید پڑھنے کی توفیق ہوئی تو، لقاء رحمن، یا لقاء رب کی جو آیتیں آتیں ان پر

نشان لگا دیتا یا جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں ان کی جستجو تیز ہوگئی اور پھر اس موضوع پر کچھ لکھنے کا ارادہ دن بدن دل میں گھر کرتا گیا۔ مگر یہ ایک نازک ترین موضوع اس کم مایہ وکم علم کے لئے سوالیہ نشان بھی بنتا گیا، اور مختلف سوالات بھی ذہن میں ابھرتے گئے جن کا ذکر قارئین کے لئے مناسب نہیں۔

اسی درمیان اپنے وطن جانا ہوا تو ایک روز حضرت آبروئے نقشبند حضرت مولانا مرشدی شمس الہدیٰ دامت برکاتہم سے تذکرہ کیا اور چند صفحات جو فضل الٰہی سے اس وقت تک صفحہ قرطاس پر لکھا تھا، سنایا تو حضرت نے کلماتِ خیر فرمائے۔ پھر ایک مقام پر سخت قبض کی کیفیت ہوگئی کئی دنوں تک کچھ نہ لکھ سکا اور بات نہ بن سکی کیوں کہ طبیعت میں وفور کی کیفیت مفقود تھی، اس دوران مرشدی کی صحبت میں حاضری کی توفیق ملی۔ خاص احباب کی مجلس تھی میں نے حضرت مجددؒ کے مکتوب نمبر ۲۶ جلد اول کی وضاحت چاہی تو حضرت مرشدی نے مکتوبات خواجہ معصومیہ کی طرف رہنمائی فرمائی اور مذکورہ مکتوب منگوائی گئیں اور حقیر نے پڑھا تو کچھ ایسی مجلس ہوئی کہ حقیر بے خودی کے عالم میں آہ وبکا میں تھا اور وردِ زبان تھا سُبحَانَکَ سُبحَانَکَ مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَکَ اور تمام احباب خاموش تھے اور یہ فقیرِ بے نوا، لرزاں وترساں تھا، حضرت مرشدی تشریف فرما تھے۔ فقیر کو نہیں معلوم کہ کیا ہوا اس طرح تمام احبابِ مجلس پر سکتہ طاری تھا۔

مکتوباتِ معصومیہ حقیر کے ہاتھ میں تھی، کبھی پڑھتا اور کبھی خاموشی ہوجاتی، اس طرح مکتوب شریف مکمل ہوا۔ پھر خاموش مجلس رہی، سبھی لوگ خاموش تھے۔ یہ سیہ کار اسی خموشی میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ نماز عشاء کا وقت آ گیا۔ حقیر، حضرت دامت برکاتہم سے اجازت لے کر رخصت ہوا کہ نماز پڑھانی تھی۔ اس طرح مجلس خاموشی کے ساتھ

اختتام پذیر ہوئی۔

پھر جب کبھی حضرت اطال اللہ بقاءہٗ سے ملاقات ہوتی تو بڑی شفقت ومحبت سے کام کی تفصیل معلوم کرتے، تو یہ فقیر و عاجز اس موضوع پر اپنی بے بضاعتی وکم علمی اور اس راہ کی دشواریوں کا تذکرہ کرتا اور دل پر ایک عدم فتح کی کیفیت کا اظہار کرتا۔ کیونکہ یہ فقیر کچھ لکھنے سے پہلے یہ چاہتا تھا کہ جو بھی تحریر کیا جائے آمد ہو آورد نہ ہو۔ اور جب تک شرح صدر نہ ہو سپرد قلم نہ کیا جائے، اور جو کچھ بھی ہو شوق وذوق اور وفور دیدار الٰہی کا آئینہ وترجمان ہو، لکھنے والا عاجز کم از کم دیدار الٰہی کے شوق سے سرشار ہو اور جذبہ دیدار الٰہی کے طلب میں کیف ووجد کا حال ہو۔ اس لئے بار بار قلم رک جاتا تھا اور بات نہیں بنتی تھی۔ جس کا اظہار کرتا تو حضرت شفقت سے کام کی تفصیل معلوم کرتے اور فرماتے کہ کام کیجئے اللہ آپ سے کام لے گا۔ جب بات اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالی ہے تو وہ ضرور تائید غیبی سے نصرت ومدد کرے گا، یہ فقیر عرض کرتا دعا کی درخواست ہے آپ فرماتے عاجز دعا ضرور کرے گا اللہ تعالیٰ آسان وسہل کردے، بات آپ کے دل پر کھول دے، فقیر کو یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ موضوع ایک کتاب کی شکل میں مرتب ہوجائے گا، نہ ہی اس طرح کا ارادہ، تھا تاہم جو ہوا وہ سب محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے **وَمَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ** بندہ کی کوشش اور پوری سعی توکل علی اللہ یہ ہوگی کہ قرآنی آیات جو لقاء ودیدار الٰہی کی ہیں ان کو پہلے ذکر کیا جائے، پھر منکرین ومعاندین جو اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتے، بدکتے اور بھاگتے ہیں ان کا بھی ذکر ہو اور ان کی عقوبت ونقمت کا بھی، تفصیلاً نہیں تو اِجمالاً سہی۔

قارئین کو اس بات کا پورا دھیان رکھنا ہے کہ **مَابَعْدَ الْمَوْتِ** یعنی موت کے بعد جو زندگی آنے والی ہے، جس کو برزخ آخرت، قیامت، حشر ونشر، محشر، میزان، پلصراط،

حوض کوثر کی سیرابی، شفاعت، دخول جنت برزخ منکرین ومعاندین کے لئے دخول جہنم، حق جل مجدہ کا دیدار اور رؤیت، شریعت کے عموم میں سبھی لقاء میں داخل ہے اور لقاء ورؤیت بھی اس میں ہوگی۔ اسی طرح منکرین لقاء ودیدار الٰہی، آخرت کے منکر اور مَابَعْدَ الْمَوْتِ، مرنے کے بعد والی زندگی کے منکر ہیں تو وہ بھی اللہ کے دیدار کے منکر ہیں۔ کیوں کہ آخرت کی تمام نعمتوں سے اَلَذُّ، وَاَطْیَبُ، دیدار الٰہی اور رؤیت باری ہے، اس لئے قرآن مجید نے مختلف مقام پر مختلف معنٰی میں لقاء کو بیان کیا ہے جس کا اعلیٰ وارفع معنٰی، دیدار وملاقات ہے اور دوسرے معنٰی بھی اس میں شامل ہیں...... اور بات کو سمجھنے کے لئے یا سمجھانے کے لئے ایک آسان تعبیر اور بھی اختیار کی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ دیدار الٰہی اور لقاء باری تعالیٰ بغیر موت کے اس دنیا میں نہیں ہے، اور دیدار الٰہی ولقاءِ رحمٰن کا پہلا مرحلہ ودروازہ موت سے شروع ہوتا ہے اور برزخ اور احوالِ برزخ سے ہوتا ہوا نشر وحشر کے بعد محشر سے گزرتا ہوا جس کے مراحل، پلصراط ومیزان بھی ہیں ان سب کو طے کرتے ہوئے شفاعت کبریٰ کے بعد دخول جنت ہوگا۔

الغرض جنت کے داخلہ کے بعد اہلِ جنت کو اَلَذّ و اَلْطَفُ نعمت جو ملے گی وہ رؤیت ودیدار باری تعالیٰ ہوگی اور ان پر نور مطلق کی تجلی ہوگی، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات دونوں ہی قدیم ہیں۔ اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن ماجہ میں ہے اور کتاب کے آخر میں انشاء اللہ آئے گی کہ حق تعالیٰ اہلِ جنت سے حجاب فرمائے گا یعنی دیدار ختم ہوجائے گا مگر حق تعالیٰ کی تجلی کا نور اور برکت ان کے ٹھکانوں ومکانوں میں باقی رہے گی۔ یعنی صفاتِ الٰہیہ کی برکت جنت میں دوامی ہوگی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا نور مطلق کی تجلی کا نور باقی رہے گا۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جنت میں اعلیٰ

سے ادنیٰ کی طرف نزول نہیں ہوگا اعلیٰ سے اعلیٰ تر اور بلند سے بلند تر ہی کی طرف عروج ہوگا، دارِ خلد میں رب العزت کی جس نعمت کا ظہور ہوگا وہ دوامی ہوگا، نورِ مطلق کی جو تجلی ہوگی وہ صفتِ بقاء سے دارِ بقاء میں باقی رہے گی۔ اور یہ جو خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: حَتّٰی یُحْجَبَ عَنْھُمْ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن سے حجاب فرمالے گا، یعنی حق تعالیٰ کی ہر آن نئی شأن ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نئی شأن میں ہوگا، جس کی تاب بندے میں نہیں ہوگی، کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَأْنٍ۔

اسی طرح حق تعالیٰ جب بھی دیدار کی لذت سے اھل جنت کو نوازنا چاہیں گے نوازتے رہیں گے اور نئی شأن کا حجاب بندوں پر ہوتا رہے گا۔ اس طرح بے نیاز ذات کی بے نیازی کا ظہور ہوتا رہے گا اور نیازمندانہ دیدار کی نیاز اہلِ جنت کو ملتی رہے گی، اور جب بھی دیدار کی نعمت میسر ہوگی ایک نئی لذتِ دید ہوگی اور ہر بار۔ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَاءِكَ کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوگا، اور مزید کی نعمت یعنی دیدار کی نعمت ہر بار نئی تجلی، نئی شان سے ہوتی رہے گی، اس طرح لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِكَ بھی ہوگا اور وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَاءِكَ بھی میسر ہوگا۔ اس کی حقیقت تو اُس عالم میں پہنچ کر منکشف ہوگی۔

بات دراصل واضح یہ کرنی تھی کہ رؤیت وملاقات اہلِ ایمان کو موت سے لے کر آخرت کے تمام مراحل سے گذرنے کے بعد ہوگی، اس لئے ملاقات ولقاء باری۔ یا دیدار الٰہی تمام منزلوں سے اونچی منزل و مرحلہ ہے لہٰذا مومن تمام مرحلوں و منزلوں پر ایمان لاتا ہے اور بے ایمان ان سب کا انکار کرتا ہے گویا کہ وہ اللہ کی ملاقات کا انکار کرتا ہے یہی دو بنیادی فرق ہے۔ ’’قرآن نے بھی ان تمام مراحل کو دیدار سے تعبیر کیا ہے‘‘۔

آخرت میں رؤیت باری کا ہونا تو تمام اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے، جو

تمام اہلِ ایمان اور ہر کلمہ گو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کو ہوگی۔ خواہ اُس کلمہ گو نے اس دنیا میں دیدارِ الٰہی کا تصور اور خیال رکھا ہو یا اس کا علم بھی اس کو نہ ہو۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کا عمومی حال ہے کہ اُن کو اس عظیم نعمتِ دیدارِ ربانی کا علم ہی نہیں ہے؟ اور نہ ہی اُن کے درمیان اللہ تعالیٰ کے دیدار کا تذکرہ کیا جاتا ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رؤیت و دیدار کا تذکرہ کیا، تو تعجب اور حیرانی کے ساتھ انہوں نے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تفصیل معلوم بھی کی اور مزہ سے سنا بھی جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آپ (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) پڑھیں گے۔

الغرض رؤیت و دیدار تو اہلِ ایمان کو ضرور ہوگی جس کا وعدہ ہے خواہ بلا طلب ہی ہو یا دنیا میں اُس بندہ کو اس کا علم بھی نہ رہا ہو کہ۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور آخرت میں نعمتِ ایمان کی بدولت فضلِ الٰہی سے دیدار ہو جائے، اس سے اونچی سطح اور کمالِ ایمان وایقان کے نتیجہ وثمرہ میں اگر کسی بندہ حق اور حق آگاہ کے دل میں دنیا میں آخرت کا شوقِ لقاءِ رحمن اور دیدارِ الٰہی کا اشتیاق پیدا ہو جائے اور وہ خود ہی حق تعالیٰ سے آخرت میں شوقِ لقاء کا طالب بن جائے اور پھر اس کو جب آخرت میں لقاء و دیدار کا شرف بخشا جائیگا تو ذوقی و وجدانی طور پر دونوں کے درمیان سرور و انبساط، کیف و احساسات، لطف وعنایات کا بڑا فرق ہوگا، ایک دید و رؤیت کے وقت محوِ تحیر ہوگا اور دوسرا محوِ دید و رؤیت کے وقت شوقِ ماضی کے لمحات کے آئینہ میں ذاتِ حق کی عظمت و ہیبت، جلال و جمال، قدرت وسطوت اور جملہ اسماءِ الٰہیہ کے مختلف شیون، یعنی بے کیف و بے رنگ حق تعالیٰ کے سبوحیت وقدوسیت کے مظاہر جو اہلِ ایمان کے وہم وگمان سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں اُن صفاتِ تنزیہی (یعنی جن سے رب العزت جل جلالہ پاک ہیں) اور صفاتِ تقدیسی (جو حق تعالیٰ کے لئے بدرجہ اتم ثابت ہیں) ان کے مشاہداتِ بے کیف

وجہت سے لطف اندوز ہوکر بول پڑے گا: سُبۡحَانَکَ مَاعَرَفۡنَاکَ حَقَّ مَعۡرِفَتِکَ وَمَا عَبَدۡنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ، تُو پاک ہے (اس خیال وگمان سے جو ہم نے تیری شان ورفعت کا گمان کیا تھا تو اس سے بہت بلند و بالا ہے) ہم تجھے نہ پہچان سکے جو پہچاننے کا حق تھا اور ہم سے تیری شانِ عظمت کے مطابق عبادت بھی نہ ہوسکی نہ کر سکے۔

شوق واشتیاق دیدارِ الٰہی میں زندگی کا لطف ہی اور ہے جس کو احاطہ قلم وزبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا اس کا تعلق ذوقیات ووجدانیات اور کیف ووجد سے ہے، حال ہے قال نہیں۔ یہ ایک لطیف ونازک ترین موضوع ہے، تائید ونصرت غیبی اگر شاملِ حال رہی تو جن کی دید ولقاء کی بات ہورہی ہے وہی مدد فرمادیں گے اور جتنا چاہیں گے منکشف کرکے لکھوادیں گے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ۔ یہ بھی اس کی ایک شانِ تنزیہی ہے۔

هُوَالۡاَوَّلُ قَبۡلَ كُلِّ شَيۡءٍ. وَهُوَالۡاٰخِرُ بَعۡدَ كُلِّ شَيۡءٍ وَهُوَ الظَّاهِرُ فَوۡقَ كُلِّ شَيۡءٍ، وَهُوَ الۡبَاطِنُ دُوۡنَ كُلِّ شَيۡءٍ، سُبۡحَانَهٗ سُبۡحَانَهٗ، وَعَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ.

اہل اللہ کیلئے دنیا میں مشاہدۂ جمال حق کی دوصورتیں ہیں

محققین فرماتے ہیں کہ مشاہدۂ جمال حق کی دوصورتیں ہیں ایک حضور بلاواسطہ (جو مقام فنا میں ہوا کرتا ہے) دوسرے حضور بواسطہ (جو مقام بقاء میں ہوتا ہے)۔ حضور بلاواسطہ تو یہ ہے کہ سوائے حق کے اور کسی چیز کی طرف اصلاً التفات نہ ہو ہردم اللہ تعالیٰ کی طرف بدون کسی واسطہ کے متوجہ رہے (مقام فنا میں حضور غالب ہوتا ہے) اور حضور بواسطہ یہ ہے کہ مخلوق کی طرف بھی توجہ والتفات ہو مگر مخلوق آئینہ بن جائے، رؤیتِ جمال الٰہی کے لئے (مقام بقا میں یہی صورت حضور ہوتی ہے) تو پہلی

صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص محبوب کو بدون کسی حجاب کے دیکھتا رہے، کہ اس کا چہرہ عاشق کے سامنے ہو۔

اور دوسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ محبوب عاشق سے کہہ دے کہ مجھ کو مت گھورو بلکہ سامنے جو آئینہ رکھا ہے اس میں سے میری صورت کو دیکھو، اس وقت بھی عاشق کی توجہ محبوب ہی کی طرف ہے، مگر رؤیت بواسطہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اس دیدار میں اور پہلے والے دیدار میں فرق ضرور ہے، جو بات بلاواسطہ دیکھنے میں ہے وہ آئینہ سے دیکھنے میں کہاں۔ اسی طرح حضور بلاواسطہ (جو مقام فنا میں ہوتا ہے) حضور بواسطہ سے (جو مقام بقا میں ہوتا ہے) اَکْمَلُ وَاَلَذّ ہے، سالک کو اس میں زیادہ لذت آتی ہے، کیوں کہ اس میں غیر کی طرف اصلاً التفات نہیں ہوتا، اور حضور بواسطہ میں گو اس کی نظر بالذات حضرت حق پر ہی ہوتی ہے مگر فی الجملہ واسطہ پر بھی نظر ہوتی ہے اور عاشق پر اتنا واسطہ بھی گراں ہے۔

عشق کی شان

حضرات انبیاء علیہم السلام واہلِ ارشاد کی طبیعت تو یہی چاہتی ہے کہ ہر وقت حضور بلاواسطہ رہے خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تعلق و محبت حق تعالیٰ سے ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ آپ ہر وقت بلاواسطہ مشاہدہ جمال حق میں مشغول رہیں، مگر آپ کو خدمتِ ارشاد میں رکھا گیا، مخلوق کو فیض پہنچانے کیلئے مامور کیا گیا جس میں گو نہ توجہ مخلوق پر بھی کرنا پڑتی ہے۔

گویا، توجہ الی الخلق، توجہ الی الخالق، سے آپ کے لئے مانع نہیں، کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنے جمال کا آئینہ بنادیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور آپ کی تو بڑی شان ہے، اہل اللہ کو جو آپ کے غلامانِ غلام ہیں یہ بات نصیب ہے کہ کوئی چیز ان کو محبوب

سے مشغول نہیں کرتی۔ یہ سب کچھ ہے۔ مگر عشق کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کو بلا واسطہ دیکھا جائے بیچ میں آئینہ کا واسطہ بھی کیوں ہو عشق کی شان تو یہ ہے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش رانیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

(مجھ کو آنکھ پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی اس کی باتیں نہ سننے دوں)۔

اسی گرانی کو آپ غین سے تعبیر فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ مخلوق کے واسطہ سے توجہ الی المحبوب کرنے میں میرے دل پر بادل سا چھا جاتا ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ بلا واسطہ مشاہدہ زیادہ لذیذ اور بے غبار ہوتا ہے۔ گو قرب زیادہ اسی میں ہے کہ مخلوق کے واسطہ سے مشاہدہ کیا جائے، کیوں کہ اس میں محبوب کی اطاعت ہے عاشق کا دل گو یہ چاہتا ہے کہ محبوب کو بدون کسی واسطہ کے دیکھوں، مگر جب محبوب کی مرضی یہ ہے کہ مجھ کو آئینہ میں سے دیکھو تو اس وقت اطاعت اسی میں ہے کہ آئینہ کی طرف منہ کرلیا جائے اور اس میں سے محبوب کی صورت دیکھی جائے گو آئینہ کی طرف منہ کرتے ہوئے عاشق کے دل پر نشتر لگتا ہے۔ مگر وہ یہ کہتا ہے۔

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

(میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اس) (محبوب) کا میلان فراق کی طرف ہے میں نے اپنی مراد کو چھوڑ دیا تا کہ محبوب کی مراد پوری ہو جائے)۔

وصال سے مراد حضور بلا واسطہ ہے اور فراق سے حضور بواسطہ اور عاشق کی طبیعت فطری طور پر پہلی صورت کو چاہتی ہے، مگر وہ رضائے محبوب کے لئے دوسری صورت کو اختیار کرتا ہے، اسی لئے مقام فنا سے مقام بقا کی طرف آنا سالک پر طبعاً گراں ہوتا

ہے، مگر امر الٰہی کی وجہ سے وہ اس کو خوشی سے قبول کرتا ہے اس کی دوسری مثال اس سے واضح تر ہے کہ ایک عاشق محبوب کے سامنے بیٹھا ہوا اس کے چہرہ کو دیکھ رہا ہو تھوڑی دیر کے بعد محبوب امر کرے کہ ذرا بازار سے ہمارے واسطے آم لے آؤ تو بازار جانے میں گو فی الجملہ غیبوبت ہوگی۔ مگر بتلائے قرب زیادہ کس صورت میں ہے آیا اطاعت و قرب اس میں ہے کہ فوراً اٹھ کر بازار چلا جائے اور آموں کی تلاش میں مارا مارا پھرے، یا یہ کہ وہیں بیٹھا رہے اور محبوب سے کہے کہ حضور مجھے تو اپنا جمال دیکھنے دیجئے یہ کام کسی اور سے لے لیجئے۔ یقیناً ہر عاقل کہے گا کہ اس وقت اس کا بازار جانا ہی موجب قرب ہے۔ اگر یہ عاشق صادق ہے تو اس غیبوبت کو گوارا کرے گا، گو طبعاً اس پر گراں ہے اور یہ کہے گا۔

اُرِیْدُ وِصَالَهُ وَیُرِیْدُ هَجْرِیْ ...... فَاَتْرُكُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ ھجر کا خواہاں سو میں نے اپنی خواہش کو اس کی خواہش کی وجہ سے ترک کر دیا۔ (خطبات حکیم الامت۔ ۲۳ / ۳۰۲)

الغرض حق تعالیٰ کے قرب کی لذت، وصل کی حلاوت اہل اللہ کو اس دار فانی میں حاصل ہے اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے اور آخرت میں قرب کی لذت، وصل کی حلاوت دیدار کی لذت اور رؤیت کی حلاوت میں تبدیل ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ قرب کو دیدار میں اور وصل کو رؤیت میں بدل دیں گے لقاء دار بقاء میں ہوگی اور ضرور ہوگی۔ قرب و وصل ربانی میں دراصل حجاب ہماری ہی جانب سے نفس پرستی۔ اور گناہ و معاصی کی کدورت وظلمت ہے۔ اس حجاب و پردہ کو ہٹا دیجئے اور وصل و قرب کی لذت کی چاشنی دیدۂ باطن میں محسوس کر لیجئے۔ ہم اپنا کام کریں، حق تعالیٰ کی عنایت کا پھر مشاہدہ کریں۔

ہم تو مائل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں کسے کوئی راہ رو منزل ہی نہیں

حجاب دور کرنے کا طریقہ

پس آپ ان حجابوں کو دور کر دیجئے حقیقت بالکل قریب ہے بلکہ حقیقۃ الحقائق جل وعلیٰ کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ- (ہم شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں)۔حضرت بایزید بسطامیؒ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یَارَبِّ دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ طُرُقٍ اِلَیْکَ، کہ اے اللہ مجھے آپ تک پہنچنے کا وہ رستہ بتلا دیجئے جو سب سے زیادہ قریب کا ہے سبحان اللہ کیسے سچے رہبر تھے کہ ہمارے لئے کتنا سہل رستہ تحقیق کر گئے یہ آج جو لوگ آسانی سے منزلیں طے کرتے چلے جا رہے ہیں انہیں حضرات کا طفیل ہے غرض خواب میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے قریب کا رستہ بتلا دیجئے ارشاد ہوا کہ یا بایزید دع نفسک و تعال، کہ پندار اور خود بینی کو چھوڑ دو پھر راستہ سیدھا ہے بے خطر چلے آؤ اس مضمون کا عارف شیرازیؒ نے ترجمہ کیا ہے فرماتے ہیں: ؎

میانِ عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

(عاشق اور معشوق کے درمیان میں کسی چیز کا پردہ نہیں ہے حافظ تو خود ہی پردہ بنا ہوا خودی کو چھوڑ اور آجا=خطبات حکیم الامت)

قرب ووصل ربّانی میں نفس اور خواہشات نفس ہی تو بڑا حجاب ہے۔ بندہ جب نفس پرستی اور خواہشات کی قربانی دیتا ہے تو اس کے عوض اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے وصل کی لذت نصیب ہوتی ہے اور وہ حق تعالیٰ کی جانب انابت اختیار کر لیتا ہے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم ایمان ہی نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔

یہ ایک گستاخانہ اور بے باکانہ سوال تھا؛ اللہ تعالیٰ نے اسکی گرفت کی اور بنی اسرائیل کو اس کی سزاء ملی۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شوقِ دیدار الٰہی کی طلب بھرپور دی اور محل رؤیت اور دیدار الٰہی کی جگہ آخرت کی اطلاع صادق ومصدوق حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دے دی امت نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر سر تسلیم خم کر دیا اور عبادت واطاعت سے لذتِ قرب اور حلاوتِ وصل کو پالیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة

امت کو سجدہ میں قرب کی لذت وکیفیت عنایت کی گئی اور نماز میں تکبیر تحریم سے تسلیم تک کَاَنَّکَ تَرَاهُ کا مشاہدہ عطا ہوا۔ نماز سے دیدار الٰہی کی بشارت ہے جو انشاء اللہ آپ کتاب میں پڑھیں گے۔

بنی اسرائیل کا گستاخانہ سوال اور اس کی سزاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۵ (البقرہ)

ترجمہ: اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہاں تک کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر سو (اس گستاخی پر) آپڑی تم پر کڑک وبجلی اور تم (اس کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ (تھانویؒ)

اس کا قصہ اس طرح ہوا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور سے توریت لاکر پیش کی، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو بے شک ہم کو یقین آئے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باذنِ الٰہی فرمایا کہ کوہِ طور پر چلو یہ بات بھی ہو جائے گی، بنی اسرائیل نے کلام الٰہی سننے کیلئے ستر (۷۰) آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے؛ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام اُن ستر(70) آدمیوں کو کوہِ طور پر کلام الٰہی سننے کی غرض سے لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوئی اور اے موسیٰ پردے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے، اللہ جانے کون بول رہا ہوگا، اگر اللہ کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں۔

چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا۔ حدیث میں ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا۔

تم جان لو اس وقت تک اپنے رب کی زیارت نہیں کر سکتے جب تک کہ تم وفات نہ پا لو۔

اسلئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آپڑی، اور سب ہلاک ہو گئے۔ (بے جا اور گستاخانہ قیل وقال، اگر مگر، ایچ و پیچ، اب تب، کیوں، کیا- ہمیشہ تباہی کے دَھانے لے جاتا ہے، ایمان تو محض تسلیم وتفویض ہے) بنی اسرائیل ایمان لاتی اور پھر عاجزانہ التجاء کرتی تو منجانب اللہ یہ سزا نہ ملتی اور لذت ونعمتِ دید کی کوئی چاشنی نصیب ہوتی۔ واللہ اعلم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں ستر(70) نیک وصالح لوگ منتخب کئے اور انہیں کہا کہ تم روزہ رکھو اور خوب نہا دھو کر پاک وصاف ہو جاؤ، اور پاکیزہ کپڑے پہنو، سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استدعا کی کہ آپ جناب باری تعالیٰ میں عرض کیجئے کہ ہمیں اپنا کلام پاک سنائے، جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو ایک ابر مثل ستون نمودار ہوا، اور سارے پہاڑ پر محیط ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ابر میں گھس گئے اور اپنی قوم سے کہہ دیا کہ جب تم اس ابر میں آؤ تو سجدہ میں گر پڑنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حق تعالیٰ سے کلام کرتے تو ان کے مبارک چہرہ پر ایک ایسا نور چمکتا تھا کہ کسی کو اس طرف دیکھنے کی تاب نہ ہوتی تھی، پھر ان میں اور نور باری تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب

پیدا ہو گیا؛ انہوں نے سنا کہ حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو امر و نہی فرماتا ہے، منجملہ ان کے یہ بھی گوش زد ہوا کہ:

بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں قاہر ہوں، میں نے تمہیں اپنی قوتِ شدیدہ سے مصر سے نکالا؛ تم میری ہی عبادت کرو اور کسی غیر کی عبادت نہ کرو۔

(تفسیر مظہری ۱/۱۴۳ گلدستہ-۱/۱۴۶)

بنی اسرائیل کا گستاخانہ سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مؤدبانہ التجاء

بنی اسرائیل اس موقعہ پر دو وجہ سے غضب الٰہی کے مورد بنے، اول تو اس کہنے کی وجہ سے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، یہی ایک گستاخی نزول عذاب کے لئے کافی تھی، اس لئے کہ اللہ کے نبی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور حسن ظن کے بجائے اس سے بدظن اور بدگمان ہونا یہ کچھ معمولی گستاخی نہیں، نبی پر اعتماد نہ کرنا صریح کفر ہے، نبی ہی کے اعتماد پر اللہ کی باتوں کو ماننا ایمان ہے اور جو شخص نبی پر اعتماد نہیں کرتا آخر وہ یہ تو سوچے کہ نبی کے بعد پھر کس پر اعتماد کرے گا۔

دوم یہ کہ گستاخانہ اور بے باکانہ طور پر یہ کہہ دینا کہ **حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** - کہ ہم موسیٰ کی تصدیق جب کریں گے- کہ جب اللہ کو علانیہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں، ہاں اگر ادب کے ساتھ یہ کہتے کہ اے موسیٰ ہم دیدار الٰہی کے مشتاق اور آرزومند ہیں تو موردِ غضب نہ بنتے؛ اس کا جواب تو یہ ہوتا کہ تم ابھی اس نعمت کے قابل نہیں۔ آخرت میں جب آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہو جاؤ گے تب دیکھو گے۔ غرض یہ کہ اس گستاخانہ اور بے باکانہ سوال کی وجہ سے عذاب الٰہی نے آگھیرا، اور موسیٰ علیہ السلام کا **رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ** - کہہ کر دیدار الٰہی کا سوال کرنا، سو اول تو وہ سوال تھا یعنی عاجزانہ اور مؤدبانہ ایک استدعاء اور درخواست تھی، مطالبہ نہ تھا، دوم یہ کہ وہ ایک والہانہ اور

عاشقانہ استدعاء نیاز تھی، جو سراسر محبت اور اشتیاق پر مبنی تھی، حاشا بنی اسرائیل کی طرح تعنت اور عناد اس کا منشاء نہ تھا۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ ۱/ ۱۸۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے دیدار الٰہی کی درخواست

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ (الاعراف ۱۴۳)

اور انکے رب نے ان سے (بہت ہی لطف وعنایت کی) باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ (تھانویؒ)

یعنی حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کسی مخصوص وممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا، اب اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے اور بے ساختہ درخواست کر دی:

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ

اے پروردگار میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور روحِ انور بے حجاب سامنے کر دیجئے، کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

تجلی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر تیز ہوگئی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو آپ کی نظر ایسی تیز ہوگئی کہ دس کوس کی مسافت سے تاریک رات میں بھی کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر طرف سے کلام الٰہی سُن رہے تھے

بیضاوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر طرف سے کلام الٰہی سُن رہے تھے، میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی جہت سے نہیں سن رہے

تھے۔ (یعنی وہ کلام کسی جہت کا محتاج نہیں تھا، تمام جہات واطراف کی قیود سے آزاد تھا) جس طرف رُخ کرتے تھے، وہی کلام بے جہت سنتے تھے، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کلام ربانی کا انکشاف ہو گیا، اور اس سے آگے دیدار کے مشاہدہ کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ اَرِنِیۡ۔ یعنی مجھے اپنا دیدار کراؤ۔ (مظہری)

دنیا میں دیدارالٰہی ممتنع ہے

قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ...... فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا۔

یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قوی اس ذوالجلال والاکرام، لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے، اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کو موت سے پہلے دیدارالٰہی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے، گو عقلاً ممکن ہو، کیوں کہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محالِ عقلی کی درخواست کرتے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رؤیت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَنۡ تَرٰىنِیۡ ...... (یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے)۔

اس میں اشارہ ہے کہ رؤیت ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالت موجودہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اگر رؤیت ممکن ہی نہ ہوتی تو۔ لَنۡ تَرٰىنِیۡ کے بجائے لَنۡ اُرٰی کہا جاتا کہ میری رؤیت نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر مظہری)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن تو ہے مگر اس آیت سے اس کا ممتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہی مذہب ہے جمہور اہلِ سنت کا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً ممتنع۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

لَنْ یَّرٰی اَحَدٌ مِّنْکُمْ رَبَّهٗ حَتّٰی یَمُوْتَ.

یعنی تم میں سے کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔

پہاڑ بھی جھلک برداشت نہیں کرسکتا

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ: اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالت موجودہ مخاطب رؤیتِ الٰہی کو برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلا دیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کرسکتا؛ انسان تو ضعیف الخلقت ہے وہ کیسے برداشت کرے۔
(مفتی اعظم معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ پائے گا نہ کوئی انسان دنیا میں میری طرف نگاہ کرسکتا ہے، جو شخص میری طرف دیکھے گا مر جائے گا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا الٰہی میں تیرا کلام سن کر تیرے دیدار کا مشتاق ہوا اگر میں تیری طرف دیکھ لوں اور مر جاؤں تو بغیر دیدار زندہ رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ (گلدستہ: ۲/ ۵۴۷)

پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا

حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے، پہاڑ پر تجلی ہوئی اس نے معاً پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے ان پر اس قربِ محل اور پہاڑ کے ہیبت ناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے، بلاتشبیہہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس پر گرتی ہے اسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کردیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں بسا اوقات انہیں بھی کم وبیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نور و تجلی کی ہلکی مقدار کا ظہور ہوا تھا

امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ چھنگلی کے آدھے پور کے برابر نورِ الٰہی کا ظہور ہوا تھا۔ حاکم کی صحیح حدیث میں یہی آیا ہے (تجلی ظاہر ہوئی، نمودار ہوئی، یعنی اس کا کچھ نور چمکا)۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا دوسرے درجہ پر ظہور (یعنی عکس اور پرتو کا ظہور) تجلی کہلاتا ہے جیسے آئینہ کے اندر کسی کی صورت کا ظہور حقیقت میں یہ جلوہ اندازی اور جلوہ بینی رؤیت ذات نہ تھی، کیوں کہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی استعداد و قوت پہاڑ سے بھی زاید تھی اور موسیٰ علیہ السلام کو دیدارِ ذات سے تاکید کے ساتھ روک دیا گیا؛ تو پہاڑ میں نورِ ذات کو برداشت کرنے کی صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نورِ قدسی پہاڑ پر نمودار ہوا تھا۔ ضحاکؒ کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پردے ہٹالئے تھے، اور بیل کی ناک کے سوراخ برابر نور کو ظاہر کردیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؓ نے فرمایا عظمتِ باری تعالیٰ کی جلوہ پاشی صرف سوئی کے ناکہ کی برابر ہوئی تھی کہ پہاڑ شق ہوگیا۔

سدیؒ نے کہا: چھنگلی کے برابر تجلی ہوئی تھی، اس کی تائید حضرت انسؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنگلی کے آخری جوڑ پر انگوٹھا رکھتے ہوئے یہ آیت: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (اعراف: ۱۴۳) تلاوت کی اور فرمایا، بس اتنی تجلی ہوئی تھی کہ پہاڑ آہستہ آہستہ چلا (یعنی لرزا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے)۔

تجلی کے ظہور کا منظر

وہب بن منبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا سوال

کیا تو کہر اور تاریکی چار چار فرسخ تک پہاڑ پر چھا گئیں۔ بجلیاں تڑپنے لگیں بادل گرجنے اور کڑکنے لگے اور اللہ نے آسمانوں کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کے سامنے آ جائیں، حسب الحکم اس نچلے آسمان کے ملائکہ بیلوں کی شکل میں بادل کی طرح گرجدار آواز میں اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے سامنے سے گزرے، پھر دوسرے آسمان کے ملائکہ بشکل شیر کے سامنے آئے، ان کے منہ سے بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس کی چیخیں نکل رہی تھیں، ضعیف، بندہ (موسیٰ) بن عمران اس منظر کو دیکھ کر اور ان آوازوں کو سن کر خوف زدہ ہو گیا، لرز گیا؛ بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا اب مجھے اپنی درخواست پر پشیمانی ہے، کاش کوئی چیز مجھے اس مقام سے الگ کر دیتی (کہ میں یہ منظر نہ دیکھتا)۔

اس پر ملائکہ کے سرگروہ نے جو سب کا بزرگ تھا کہا موسیٰ ابھی اپنے سوال پر قائم رہو، ابھی تو بہت میں سے تھوڑا تم نے دیکھا ہے۔ پھر تیسرے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے، ان کی شکلیں بھی شیروں جیسی تھیں، گرجیلی آوازوں سے متواتر تسبیح و تقدیس کا شور کر رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی لشکر کا مخلوط شور ہے۔ آگ کے شعلے کی طرح ان کا رنگ تھا، موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے، اور زندگی کی آس نہ رہی، سرگروہِ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ ٹھہرو، تمہارے سامنے تو ایسا منظر آئے گا کہ برداشت نہ کر سکو گے۔

پھر چوتھے آسمان کے ملائکہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے، پچھلے ملائکہ کی شکلوں جیسے ان کی صورتیں تھیں، رنگ تو شعلہ کی طرح تھا اور جسم برف کی طرح سفید تھا؛ ان کی تسبیح و تقدیس کی اونچی آوازیں ایسی تھیں کہ سابق فرشتوں کی آوازیں ان جیسی نہ تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوڑ جوڑ چٹکنے اور دل دھڑکنے لگا اور شدت کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا۔ سید الملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنے سوال پر ٹھہرو، کم دیکھا ہے زیادہ دیکھنا ہے۔

پھر پانچویں آسمان سے ملائکہ اتر کر موسیٰ کے سامنے آئے جن کے سات رنگ تھے، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے رہنے کی تاب نہ رہی، ایسی شکلیں تو انھوں نے پہلے نہیں دیکھی تھیں، نہ ایسی آوازیں سنی تھیں۔ دل بھر آیا، غم نے گھیر لیا اور خوب رونے لگے۔ سرگروہِ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ (یعنی اپنے سوال پر) صبر کئے رہو، ایسی چیزیں سامنے آئیں گی کہ صبر نہ کر سکو گے۔

پھر حسب الحکم چھٹے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے، ہر فرشتے کے ہاتھ میں سورج سے زیادہ روشن، درخت کھجور کی طرح لمبا، آگ کا ایک ڈنڈا تھا؛ سب کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا، ہر فرشتے کے ایک سر میں چار منہ تھے، گزشتہ فرشتوں کی مجموعی آواز کی طرح اونچی آواز سے تسبیح و تقدیس کر رہے تھے، انتہائی بلند آواز سے کہہ رہے تھے:

"سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَا يَمُوتُ"

موسیٰ علیہ السلام ان کی تسبیح کی آواز سن کر خود بھی تسبیح پڑھنے اور رونے لگے اور عرض کرنے لگے اے میرے رب مجھے یاد رکھنا اپنے بندے کو نظر انداز نہ کرنا، معلوم نہیں اس منظر سے میرا چھٹکارا ہوگا یا نہیں اگر میں (یہاں سے) نکلتا ہوں تو جل جاؤں گا اور رُکتا ہوں تو مر جاؤں گا۔ فرشتوں کے سرداروں نے کہا ابن عمران تیرا خوف تو حد سے بڑھ گیا اور تیرا دل نکل پڑتا ہے مگر جس چیز کا تُو نے سوال کیا ہے اس کے لئے صبر کر۔

اس کے بعد ساتویں آسمان کے ملائکہ کو عرشِ الٰہی اُٹھانے کا حکم ہوا، جونہی عرش نمودار ہوا، پہاڑ گھل گیا اور تمام فرشتوں نے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَا يَمُوتُ" کی آوازیں بلند کیں، پہاڑ میں لرزہ آیا اور جو درخت بھی وہاں تھا پھٹ گیا اور بندۂ ضعیف موسیٰ منہ کے بل بے ہوش ہو کر گر پڑا؛ پھر اللہ نے اپنی رحمت سے

اس کے پاس روح کو بھیجا اور روح موسیٰ پر سایہ فگن ہوگیا اور چھا گیا اور جس پتھر پر موسیٰ کھڑے ہوئے تھے اسی پتھر کو موسیٰ پر الٹ کر قبّہ کی طرح بنا دیا تا کہ موسیٰ جل نہ جائیں۔ کچھ دیر کے بعد روح نے اُن کو کھڑا کیا، موسیٰ علیہ السلام تسبیح پڑھتے اٹھ کھڑے ہوئے اور مناجات کرنے لگے۔

میرے مالک! میں تجھ پر ایمان لایا اور تصدیق کرتا ہوں کہ جو شخص بھی تجھے دیکھے گا زندہ نہ رہے گا، جو شخص تیرے فرشتوں کو بھی دیکھے گا اس کا دل (خوف سے) باہر نکلنے لگے گا، تیری عظمت بہت بڑی ہے، تُو سب کا رب اور معبودِ کل اور شہنشاہ ہے، تیرے مساوی اور مقابل کوئی شے نہیں ہے، اے میرے رب میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ حمد تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، تُو بڑی بزرگی والا ہے، تُو بڑی عظمت رکھتا ہے، تو رب العٰلمین ہے۔ (تفسیر مظہری، ۳/ ۲۵۰، گلدستہ: ۲/ ۵۴۸)

عظمتِ نور کی وجہ سے پہاڑ منقسم ہوگیا

بغوی نے لکھا ہے کہ عظمتِ نور کی وجہ سے وہ پہاڑ چھ پہاڑوں میں منقسم ہوگیا تین مدینہ منورہ میں آپڑے، احد، ورقان، رضوی اور تین مکّہ مکرمہ میں ثور، ثبیر، حراء، سعاف نے تخریج بیضاوی میں لکھا ہے کہ ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سنایا اور فرمایا: اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ - یہ واقعہ عرفہ کی شام کو ہوا، وہ پہاڑ جس پر تجلی ہوئی تھی، موقف حج میں تھا، تجلی پڑتے ہی اس کے سات ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا سامنے گر گیا، یہ ٹکڑا تو وہی ہے جس کے قریب امام موقف میں کھڑا ہوتا ہے۔ تین ٹکڑے مدینہ منورہ میں جا پڑے طیبہ، احد، رضوی اور طور سینا شام میں چلے گئے اس کو طور کہنے کی وجہ ہی یہ ہے یہ اُڑ کر شام میں جا پہنچا تھا۔ (تفسیر مظہری، گلدستہ: ۲/ ۵۴۹)

خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیدار ولقاء کیلئے خوبصورت تعبیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیۡٓ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ -فرمایا تو کیا جواب آیا اور پھر کیا ہوا جس کی تفصیل آپ نے پڑھ لی اور ہمارے خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے......

وَالشَّوۡقَ اِلٰی لِقَائِکَ مِنۡ غَیۡرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّۃٍ وَلَا فِتۡنَۃٍ مُضِلَّۃٍ

......ارشاد فرمایا جس کی تفصیل آپ آنے والے صفحات میں پڑھیں گے، کہ حضرت نے لقاء کا سوال کس حُسن وخوبی سے کیا ہے اور کتنی خوبصورت تعبیر اختیار کی ہے کہ لقاء تو ہو اور شوق سے ہو مگر ضرر رساں اور فتنہ نہ ہو۔ اس دعاء کی قبولیت کا راز شبِ معراج میں ظاہر ہوا کہ اُن کو اُس جہان میں بلایا گیا جہاں عینی دیدار ہوا، اور رؤیت ہوئی اور تمام ضرر رساں اور فتنہ سے محفوظ و مسرور اور محمود ہوئی۔ کیوں کہ وہ عالم اس عالمِ فانی کے تمام قانون وقیود سے پاک وصاف ہے، اور محض عالم شہادت ہے، اور اُن کو طلب کیا گیا اعزاز واکرام کے ساتھ بلایا گیا، ہم کلامی کا شرف بخشا گیا، اور دیدار کی عینی لذت سے شوقِ لقاء کی طلب کو سیرابی عطاء کی گئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنۡ رَأٰی رَبَّہٗ فِی الۡمِعۡرَاجِ وَسَلِّمۡ تَسۡلِیۡمًا

اور خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے: لَذَّۃَ النَّظۡرِ اِلٰی وَجۡھِکَ ، وَالشَّوۡقَ اِلٰی لِقَاءِکَ میں لذتِ نظر کے ساتھ ساتھ ملاقات ودیدار کا شوق بھی طلب کیا۔

اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے: مِنۡ غَیۡرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ وَلَا فِتۡنَۃٍ مُضِلَّۃٍ – کا نورانی کلمہ بارگاہِ ایزدی میں پیش کر کے دونوں نعمتوں کو مسرت وفرحت سکون وسرور، اطمینان وایقان اور تحمل وقرار کے ساتھ دامنِ ختم نبوت کی شانِ رحمت کے مناسب اتم واکمل شبِ معراج میں لطف اٹھایا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشنے کیلئے اُس جہان میں بلایا جہاں نہ ضرّآء مضرۃ اور نہ فتنہ مضلۃ کا ادنیٰ ربط و تعلق ہے۔ اور ہر ضرر اور فتنہ سے پاک ہے۔

سُبْحَانَہٗ، سُبْحَانَہٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ - لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے، دل دھڑکتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ ہمارے قلوب کو عظمتوں سے پُر رکھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی آرزو وتمنا، چاہت وطلب، جستجو وشوق کو کس اعجاز و نیاز کے ساتھ بے نیاز ذات کے سامنے پیش کیا ہے کہ دیدار کی لذت بھی نصیب ہو اور شوق وذوق سے ملاقات ہو، حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو ہوا تھا وہ وحیٔ ربّانی سے معلوم تھا اس لئے طلب بھی دیدار کی پیش کی اور ضرر و فتنہ سے عافیت مانگی، جو حق جل مجدہ نے عطا بھی کر دیا۔ تفصیل کے ساتھ یہ دعا کتاب میں آرہی ہے۔

قارئین حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شب معراج میں سر کے آنکھوں سے دیدار کی بھی علماء کی مختصر رائے آپ پڑھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مراتب میں یکتا و یگانہ شان دی ہے۔

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤیت باری ہوئی

علّامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا: احادیثِ مرفوعہ اور آثار سے ثابت ہے کہ دونوں قسم کی رؤیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی ہے، پہلی قلبی، دوسری عینی۔

جس طرح بعثت میں ہوا ہے کہ پہلے رؤیا کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی وروحانی تربیت کی گئی، پھر ظاہری طور سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ الخ

اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد صحت کو پہنچ گیا ہے کہ میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے مگر اس کا تعلق واقعہ اسراء سے نہیں ہے بلکہ مدینہ طیبہ کے زمانہ سے ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز میں صحابہ کرامؓ کے پاس دیر سے پہنچے تھے، پھر اُس رات میں ہونے والی خواب کی رؤیت سے ان کو خبر دار کیا تھا اور اسی پر بنا کر کے امام احمدؒ نے کہا ہے کہ ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق تعالیٰ کا دیدار ضرور کیا۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی حق ہوتے ہیں اور ضرور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے۔ الخ ...... (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ آگے کتاب میں آ رہی ہے۔ ثمین)

امام احمدؒ رؤیتِ عینی کے قائل تھے

اور یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کیوں کہ امام احمدؒ رؤیت کے بارے میں سوال کرنے والوں کو رَآہُ، رَآہُ (دیکھا دیکھا) اتنی بار فرمایا کرتے تھے جتنی ان کے سانس میں گنجائش ہو سکتی تھی، اگر وہ صرف رؤیتِ منامی وقلبی کے قائل تھے تو اتنی شدت وتاکید کی کیا ضرورت تھی؟ خواب یا دل کی رؤیت میں اشکال ہی کیا تھا؟ اور قلبی ومنامی رؤیت کا شرف تو بہت سے اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوا ہے۔ (انوار الباری باختصار: ۱۱/ ۵)

رؤیتِ باری تعالیٰ کا ثبوت

بعض شیوخ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درخواستِ تخفیف لے کر دربارِ ایزدی میں حاضر ہونے کی ہدایت کرنے میں یہ حکمت ظاہر کی ہے کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے (اپنے دورِ نبوت میں) دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کی درخواست کی تھی، جو نا منظور ہو گئی تھی، اور ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ نعمتِ عظیمہ وجلیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اب ملنے والی ہے، اس لئے قصد کیا کہ حضور بار بار لوٹ کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں اور بار بار اُن کو دیدار حاصل ہو، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کو

بار بار دیکھ کر اپنے قلب کو تسکین دیں، اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر انوار و برکاتِ قدسیہ الٰہیہ کا مشاہدہ کریں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

لَعَلِّیْ اَرَاھُمْ اَوْ اَرٰی مَنْ رَاٰھُمْ۔

(میری تمنا ہے کہ محبوب اور اس کے قبیلہ کے لوگوں کو دیکھوں، ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم ان لوگوں کو دیکھ کر اپنے دل کی تسکین کرلوں، جنہوں نے میرے محبوب اور اس کے متعلقین کو دیکھا ہے)۔ (انوار الباری:۱۱/ ۸۰، فتح الباری:۱/ ۳۱۶)

یہ امر کچھ مستبعد نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دیدار الٰہی کی نعمت حاصل ہونے کا علم ہو گیا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شبِ معراج میں ملاقات کے وقت فرمایا تھا کہ آج کی رات تم اپنے رب سے ملنے والے ہو، تمہاری امت بہت ضعیف ہے، اس کی فلاح و بہبودی کے لئے جتنی بھی زیادہ سے زیادہ مراعاتِ خسروانہ اس مبارک ترین موقع سے فائدہ اٹھا کر حاصل کرسکو بہتر ہوگا۔

بلا واسطہ کلامِ باری تعالیٰ کا ثبوت

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادَنِي مُنَادٍ اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِيْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِيْ۔

(حق تعالیٰ کے آخری و حتمی فیصلہ پر راضی برضا ہو کر جب میں لوٹنے لگا تو میری کانوں نے یہ ندا سنی، میں نے اپنا فریضہ جاری کردیا اور اپنے بندوں کا بوجھ بھی ہلکا کردیا) حافظ ابن حجر نے اس پر لکھا کہ یہ اس امر کے قوی دلائل میں سے ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شبِ معراج میں بلا واسطہ کلام فرمایا ہے۔

(الفتح الباری: ۷/ ۱۵۳؛ انوار الباری: ۱۱/ ۳۵)

شبِ معراج میں رؤیتِ عینی کے قائلین علماءِ عارفین

علّامہ نوویؒ - راجح اکثر علماء کے نزدیک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے شبِ معراج میں دیکھا ہے بوجہ حدیث حضرت ابن عباسؓ۔ (انوار: ۱۱/۷۴)

اور آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ میں تو ادراک سے مراد احاطہ ہے، ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ بے چون و بے چگون کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ لیکن نفی احاطہ نفی رؤیت کو مستلزم نہیں ہے اور آیت ما کان لِبَشَرٍ سے استنباط مذکور کو بھی بہت سے جوابات کے ذریعہ رد کیا گیا ہے۔ (نوویؒ: ۱/۹۷، انوار الباری: ۱۱/۷۴)

آیت: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کا مطلب یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نورِ خاص کی تجلی فرمائیں گے۔ تب اس کو دیکھنے کی کوئی نظر تاب نہیں لاسکتی۔ (اس کے علاوہ دیکھ سکتی ہے) چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار دو مرتبہ کیا ہے۔ حاصل حضرت ابن عباسؓ کا یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں نفی احاطہ بوقتِ رؤیت ہے، اصل رؤیت کی نفی مقصود نہیں ہے۔ (انوار الباری: ۱۱/ ۷۵)

قاضی عیاضؒ کی شفا میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے رؤیت عینی و قلبی دونوں قسم کی مختلف روایات نقل کر کے لکھا ہے کہ زیادہ مشہور ان سے یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کیا ہے، اور یہ بات ان سے بہ طرق متعددہ مروی ہے، لہٰذا جمع بین الروایات کی صورت یہی ہے کہ دیدار دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ قلب سے، دوسری مرتبہ آنکھوں سے، جیسا کہ محدث ابن خزیمہ نے کہا ہے اور اسی کی تصریح حضرت ابن عباسؓ سے روایت طبرانی میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

(انوار الباری، ۱۱/۷۶)

حافظ ابن حجر نے مَرَّتَین کے آگے کا جملہ نقل نہیں کیا لیکن علّامہ محدث زرقانیؒ نے اس کو پورا نقل کر دیا۔ مَرَّتَینِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَمَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ۔
(رواہ الطبرانی باسناد صحیح عن ابن عباس، شرح المواہب:۶/۱۱۱)

امام ابوالحسن الاشعریؒ کی رائے

قاضی عیاض مالکیؒ نے شفاء میں امام ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی نقل کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بینائی اور سر کی آنکھوں سے اللہ جل ذکرہ کا دیدار کیا ہے اور امام اشعریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جو معجزہ بھی انبیاء سابقین کو عطا ہوا تھا، اس جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ضرور دیا گیا ہے، اور ان سب سے زیادہ خصوصیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رؤیت کے ذریعہ دی گئی۔ یعنی رؤیت، لقاء اور درجہ علیا پر وصول شبِ معراج میں نصیب ہوا۔ (شرح الشفاء، انوار:۱۱/۷۸)

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رؤیت کا وقوع اللہ کے دکھلانے سے ہے

بعض طرقِ روایت، حاکم، نسائی، طبرانی میں رُؤْیَتُ الرَّبَّ بِالْعَیْنِ کی صراحت ہے، اور ان کی دلیل قول باری مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی، ہے کیوں کہ مراد یہی متعین ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا، اس کو دل نے نہیں جھٹلایا یہ نہیں کہا جاتا کہ جو کچھ دل نے دیکھا اس کو دل نے نہیں جھٹلایا، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ قلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رؤیت بصری کے خلاف کا یقین و اعتقاد نہیں کیا، خواہ مشاہدۂ رب اس طرح مانیں کہ دل میں ہی دیکھنے کی قوت رکھ دی گئی، یا آنکھوں سے دیکھا، اور دل کی قوت ان میں رکھ دی گئی کیوں کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ رؤیت کا وقوع اللہ کے دکھلانے سے ہے اپنی قدرت سے نہیں، اور راجح وہ ہے جو علّامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو شبِ معراج میں اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (انوار الباری،۱۱/۷۹)

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بواسطہ ضحاک، عکرمہ وحضرت ابن عباسؓ سے طویل حدیث نقل کی جس میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جب میرے رب نے اپنے دیدار کے ذریعہ میرا اِکرام کیا کہ میرے دیکھنے کی قوت میرے دل میں ثبت کردی جس سے میرے نور بصر کیلئے نور عرش کی روشنی ملنے لگی۔ (انوار الباری، ۱۱: ۸۰)

علّامہ آلوسی صاحبِ روح المعانی کی رائے

حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ جب حبیب سے غایتِ قرب حاصل ہوا اور اس کی وجہ سے حضور علیہ السلام پر غایتِ ہیبت طاری ہوگئی تو حق تعالیٰ نے غایتِ لطف کا معاملہ فرمایا، اور وحی خاص ومکالمۂ خصوصی کے ذریعہ اس وحشت کو اُنس سے بدل دیا گیا، اکثر صوفیہ کی بھی یہی رائے ہے، وہ بھی آپ سے **دُنُوّ** حق سبحانہ کے جیسا اس کی شان کے لائق ہے، اور حق تعالیٰ سے آپ کے **دُنُو وَقُرب** کے قائل ہیں، اور ایسے حضرات رؤیت کو بھی مانتے ہیں۔ الخ

آخر میں صاحبِ روح المعانی نے اپنی رائے لکھی کہ ظاہر نظم جلیل قرآنی کے اقتضاء کے بارے میں خواہ میری رائے صاحب کشف کے ساتھ ہو یا علامہ طیبی کے ساتھ، بہر حال، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت کا قائل ہوں اور حق سبحانہ سے آپ کے **دنو وقرب** کو بھی بوجہ لائق مانتا ہوں۔ (روح المعانی: ۲۷/ ۵۲)

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی رائے

آپ نے درس ترمذی شریف میں قَوْلُهَا فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرِيَةَ پر فرمایا:

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ دونوں کے مذہبوں میں جمع اس طرح کر سکتے ہیں کہ رؤیت کو قلبِ شریف کی قوت کے ذریعہ مانا جائے، جو اس وقت بصر میں بھی

حلول کرگئی، لہٰذا جس نے قلب کی رؤیت بتلائی اس نے بھی صحیح کہا، اور جس نے بصری رؤیت بتلائی اس نے بھی ٹھیک کہا۔ (الکوکب الدری: ۲۱۹)، (انوار الباری، ۱۱/ ۸۵)

محدث سہیلیؒ کی رائے

حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بھی اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی طرح ہے کہ حضور علیہ السلام کو رؤیت ہوئی ہے، اور ایک مرتبہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا تھا۔ کیا حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا تو فرمایا ہاں۔ حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباسؓ سے یہی سوال قاصد بھیج کر معلوم کرایا تھا تو انہوں نے بھی اِثبات میں جواب دیا تھا۔ حاصل ان سب اقوال کا یہ ہے واللہ اعلم کہ حضور علیہ السلام نے رؤیت باری کا شرف تو ضرور حاصل کیا، مگر اس درجہ کا اعلیٰ و اکمل نہیں جو آپ کو حظیرۃ القدس میں کرامتِ عظمیٰ و نعیم اکبر کے موقع پر حاصل ہوگا، یعنی اس کے لحاظ سے یہ کم ہی درجہ کا تھا، اور اس کی طرف آپ کا ارشاد۔ رَأَیْتُ نُوْرًا اور نُوْرَ انیٌ اَرَاہُ۔ اشارہ کر رہا ہے۔

(انوار الباری: ۱۱/ ۸۶)

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ یعنی حضور علیہ السلام کے افقِ قلب (آسمان روح) پر پہنچنے کی ابتداء سے لے کر افقِ اعلیٰ کے منتہٰی پر پہنچنے تک جو کہ روحِ مبین کے مقام کی انتہا ہے، جو کچھ بھی ہے وہ سب وحی الٰہی کا ہی سلسلہ ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آپکو پہنچتا رہا آپ کی تعلیم روح القدس نے کی جو شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْمِرَّۃٍ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اپنی ذاتی و اصلی صورت میں ظاہر ہوا، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف قرب و تدلی کے شرف سے مشرف ہوئے، اور مقام وحدت میں حق تعالیٰ نے بلا واسطہ جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف براہ راست اسرارِ الٰہیہ کی وحی فرمائی، مقام جمع میں جو کچھ

دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی، کیا تم ایسی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کو تم نہیں سمجھ سکتے، نہ اس کا تصور کر سکتے ہو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصل صورت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجوع عن الحق اور مقام روح کی طرف نزول کے وقت بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، جو مراتبِ جنت کا منتہیٰ تھا، یعنی حضور علیہ السلام جب فناءِ محض سے بقاء کی طرف لوٹے تو اُترتے ہوئے اس کے پاس حضرت جبرائیل سے ملے ہیں، اس وقت سدرہ کو بھی حق تعالیٰ کے جلال وعظمت اور اس کی تجلیوں نے ڈھانپ لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق کا مشاہدہ بھی اس حالت میں کیا۔ الخ (تفسیر الشیخ الاکبرؒ: ۲۷۱/ ۷)

محدث ملا علیؒ قاری حنفی شارحِ مشکوٰۃ کی تحقیق

آپ نے شرح الشفاء میں مستقل فصل متعلق رؤیتِ باری جل ذکرہٗ کے آخر میں لکھا: اس مسئلہ مشکلہ کے بارے میں جتنے دلائل مذکور ہوئے، ان کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ اثبات رؤیت کا تعلق تجلی صفات سے مانا جائے اور نفی کو تجلی ذات پر محمول کریں اس لئے کہ تجلی کا مطلب کشفِ حقیقت ہوتا ہے، جو ذاتِ حق تعالیٰ کے بارے میں محال ہے اس کا احاطہ ممکن نہیں، جس کی طرف لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اور لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، پھر وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور حدیث سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ سے مراد رؤیت باعتبار تجلیاتِ صفاتیہ ہی ہے، یعنی جو علمِ یقین ہمیں اس کی معرفت سے دُنیا میں حاصل ہو چکے گا وہی آخرت میں عین الیقین بن جائے گا، اور چونکہ حقیقتِ ذاتیہ الٰہیہ کا کشف کرنے والی تجلیاتِ صفاتیہ مقاماتِ ابدیت وسرمدیت میں لانہایت ہوں گی، لہٰذا سالک منتہی فی السیر

الی اللہ جنّت میں بھی سیر فی اللہ کے مدارج طے کرتا رہے گا، جس کو وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی میں بیان کیا گیا، پس اس کی آخریت کی بھی کوئی حد نہ ہوگی، جس طرح اوّلیت کی نہیں ہے۔

فَھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالْبَاطِنُ وَالظَّاھِرُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالظَّوَاھِرِ وَالضَّمَائِرِ وَمَا کَشَفَ لِلْعَارِفِیْنَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالسَّرَائِرِ.

(شرح الشفاء:۴۳۰)

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

فرمایا: جنت میں مومنوں کو جو حق تعالیٰ وسبحانہ کے دیدار کی دولت حاصل ہوگی وہ بعنوان بے چونی و بے چگونی ہوگی، کیوں کہ اس کا تعلق اس ذات بے چوں و بے چگوں سے ہوگا، بلکہ دیکھنے والوں کو بھی بے چونی کی صفت سے حظّ وافر حاصل ہوگا تا کہ اس بیچوں کو دیکھ سکیں لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ اب یہ معمہ اخص الخواص اولیاء اللہ کے لئے حل اور منکشف ہو گیا ہے، اور یہ دقیق و غامض مسئلہ ان بزرگانِ دین کے واسطے تحقیقی اور دوسروں کے لئے تقلیدی ہو گیا ہے، بجز اہل سنت کے کوئی بھی فرق مخالفین میں سے مسئلہ کا قائل نہیں ہے خواہ وہ (بظاہر) مومنوں میں سے ہوں یا کافروں میں سے، بلکہ وہ سب ان بزرگانِ دین کے سواء دیدار الٰہی کو محال خیال کرتے ہیں اِن مخالفوں کے استدلال کی بڑی بنیاد قیاسِ غائب پر شاہد ہے یعنی حق جل مجدہ کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں، جس کا بطلان وفساد ظاہر ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے باریک وغامض مسائل کے بارے میں ایمان ویقین حاصل ہونا بغیر نورِ متابعت سنتِ سنیہ نبویہ کے دشوار ومحال ہے عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ.

حضرتِ حق تعالیٰ کی نسبت بہشت اور ماوراءِ بہشت سب کے ساتھ یکساں ہے وہ

سب ہی اس کی مخلوق ہیں اور کسی میں بھی اس ذاتِ حق سبحانہ کا تمکن وحلول ممکن نہیں، لیکن بعض مخلوقات میں لیاقت وصلاحیت ظہورِ انوارِ واجبی کے لئے رکھ دی گئی ہے، بعض میں نہیں، جس طرح آئینہ میں لیاقت ظہورِ صور کی ہوتی ہے، اور پتھر وڈھیلے میں نہیں، لہٰذا وجہ تفاوت ادھر ہی سے ہے اُدھر سے نہیں، البتہ دنیا کے اندر دیدارِ الٰہی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ محل ومقام اس دولتِ رؤیت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھتا، یہ دولت اگر اسی جہان میں میسر ہوتی تو حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات بہ نسبت دوسروں کے اس کے زیادہ مستحق تھے اور ہمارے حضور علیہ السلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع بھی اس دنیا کے علاقہ میں نہیں ہوا ہے، بلکہ بہشتِ بریں میں تشریف لے گئے اور دیدارِ حق کیا، جو عالمِ آخرت سے ہے، یعنی دنیا میں رؤیت نہیں ہوئی، بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے، دنیا سے باہر جا کر آخرت سے ملحق ہو کر دیدار کیا ہے۔ الخ

(مکتوبات امام ربانی حصہ ہشتم دفتر سوم: ۳۱)

حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

فرمایا: صحیح یہ ہے کہ معراج میں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھا ہے، اور جہاں تک دل کی آنکھوں سے دیکھنے کا تعلق ہے، تو اُن سے تو آپ دیکھتے ہی رہتے تھے، معراج کی رات ہی کی اس میں کیا تخصیص ہے؟ بہرحال مختار قول وہی ہے کہ آپ نے معراج کی رات میں حق تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

(ترجمہ اردو تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان: ۲۱۲)

صاحب تفسیرِ مظہری کی تحقیق

حضرت العلامۃ المحدث قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى** کی تفسیر میں نجم کے بہت سے معانی ماثورہ بیان کئے اور لکھا کہ اگر اس سے مراد نجم قرآن اور اس کا نزول ہو یا حضورِ اکرم علیہ السلام اور ان کا نزول مراد ہو آسمان سے شبِ معراج میں، تو بے شک نزولِ قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نزول بھی

معراج کے بعد ہدایتِ خلق کے واسطے حق تعالیٰ کی طرف سے دونوں ہی بے نظیر نعمتِ عظیمہ وجلیلہ ہیں، اور اگر مسلم اور اس کا قبر میں دفن ہونا مراد ہو تو اس میں بھی شک نہیں کہ ایک مسلمان کا ایمان کی سلامتی اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا، اس کے حق میں کمال کے حصول اور زوالِ ایمان کے خطرہ سے مامون ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایسے ناقابلِ انکار حقائق کی قسم کے ساتھ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے صاحب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ حق کے راستہ کو چھوڑا، نہ باطل وگمراہی کے طریق کو اختیار کیا، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ اپنی نفسانی خواہش سے بھی نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے، ان کی تعلیم وتربیت (کسی اور نے نہیں بلکہ) نہایت زبردست قوتوں والے بااقتدار نے کی ہے، پھر ایسا ہوا کہ وہ شانِ استواء میں ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افقِ اعلیٰ پر تھے پھر وہ قریب ہوا اور نزدیک تر ہو کر صرف دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا، اس وقت اس نے اپنے (مقرب) بندے کی طرف (بلاواسطہ) وحی کی جو کچھ وحی کرنی تھی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت جو دیکھا، اس کی اُن کے دل نے بھی گواہی دی، کیا تم اس کی آنکھوں دیکھی چیزوں کے بارے میں جھگڑتے ہو یا شک وشبہ کرتے ہو، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو دوسری مرتبہ بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماوی ہے۔

اس وقت سدرۃ کو انوار وتجلیات ربانی نے ڈھانپ لیا تھا، دیکھنے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر محبوب حقیقی کے جمالِ جہاں آرا پر مرکوز تھی، دائیں بائیں، اِدھر اُدھر ادنیٰ التفات نہیں کیا (اس رات میں) اس نے اور بھی بڑی بڑی نشانیاں اپنے رب کی دیکھیں۔
(انوار الباری:۱۱/ ۸۳)

نَزْلَةً أُخْرٰى کے تحت آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیت متعدد بار واقع ہوئی ہے اور صرف دو بار میں انحصار نہیں ہے۔ لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہ وکعب رضی اللہ عنہ

سے جو دو بار کی روایت ہے وہ تعدد کا ادنیٰ درجہ بیان ہوا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اس آیت (**وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی**) میں شب معراج والی رؤیت کا بیان ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جس عینی رؤیت کا بیان حضرت ابن عباس ؓ، وکعب ؓ نے کیا ہے وہ یہی رؤیت ہے۔

(تفسیر مظہری: ۱۰۹، انوار الباری: ۱۱/ ۸۳)

صاحبِ معراج کا حق تعالیٰ سے دُنُو یعنی قریب اور تدلّی نزدیک تر ہونا

رہی **دُنُو وتدلّی** کی بات تو اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہونے میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے، جیسا کہ جامع صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اور اس روایتِ بخاری کی تقویت روایتِ ابن سنجر سے ہوجاتی ہے جو باسناد شریح بن عبیدہ مروی ہے۔ الخ (الروض الانف ۲۴۹)

حضرت الاستاذ العلام انور شاہ صاحب ؒ کی تحقیق!

فرمایا: شبِ معراج میں حضور علیہ السلام کو کچھ معاملات تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے ہیں اور کچھ حق تعالیٰ جل ذکرہٗ کے ساتھ، اور سورۂ نجم میں وہ دونوں قسم کے حالات جمع کردیئے گئے ہیں، اس لئے بیانِ رواۃ میں اختلاط ہوگیا ہے، پھر چونکہ رؤیت تجلیات کی تھی، اس لئے اس کے بارے میں بھی نفی واثبات دونوں آگئیں، کسی نے **نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ** روایت کیا کسی نے **نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ**۔ باقی یہ امر متحقق ہے کہ رؤیت بصری حقیقۃً واقع ہوئی ہے، مگر مادی کا مجرد کو دیکھنا اتنا ہی ممکن ہے جتنا اس کے مناسب حال ہو اس لئے الفاظ سے پوری طرح تعبیر نہیں ہوسکتی، اور نفی واثبات میں کشاکش ہوگئی، پس ہم اس رؤیت کو اس شعر کا مصداق سمجھتے ہیں۔

اشتقاقه فاذا بدا ...... اَطْرَقْتُ مِنْ اِجْلَالِہٖ

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں رؤیت تو ضرور ہوئی، مگر رؤیت دون رؤیت

تھی، جو شانِ حق کے لئے موزوں تھی، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔ میں ہے وہاں بھی نفی و اثبات جمع ہے، پس نفی و اثباتِ رؤیت کے اقوال میں تنافی و تضاد کچھ نہیں ہے دوسرے طریقہ پر سمجھو کہ وہ رؤیت تو حقیقۃً ہوئی، مگر جیسی ایک نہایت باادب مرتبہ شناس کو حاصل ہو سکتی ہے، اور ممکن ہے بے حجاب بھی ہوئی ہو مگر ظاہر ہے کبریائے الٰہی کے غیر معمولی رعب و جلال نے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے کا موقع نہیں دیا ہوگا، اور بظاہر اس کا نقشہ شاعر کے اس شعر سے سمجھ سکتے ہیں۔

فبدا الینظر کَیْفَ لَاحَ فَلَمْ یُطِقْ ...... نَظْرًا اِلَیْہِ وَرَدَّہٗ اَشْجَانُہٗ

لہٰذا امام احمدؒ کی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص من و فضل سے نوازا اور دیدار سے مشرف کیا، آپ نے دیکھا، ضرور دیکھا، مگر ایسا ہی جیسے ایک حبیب اپنے حبیب کی طرف دیکھتا ہے یا عبد اپنے مولیٰ کی طرف دیکھتا ہے، کہ نہ تو نظر بھر کر ہی دیکھ سکتا ہے اور نہ اس پر قادر ہوتا ہے کہ اُدھر سے نگاہ ہٹا سکے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی سے بھی اسی طرف اشارہ ہے، عدم زیغ سے اشارہ نگاہ نہ ہٹانے کی طرف ہے اور عدم طغیان سے حدودِ رؤیت و ادب سے تجاوز نہ کرنا مراد ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا: میں نے سورۂ نجم کی ایسی تفسیر کی ہے، جس سے ضمائر کا انتشار ختم ہو جاتا ہے، اور حدیثِ شریک بخاری پر جو دس اعتراضات کئے گئے ہیں، ان میں سے صرف دو اہم ہیں، باقی آٹھ غیر اہم و ناقابل التفات ہیں، ایک تو دَنَا فَتَدَلّٰی والا اور میرے نزدیک یہ معاملہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ہے، جیسا کہ بغوی نے قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی تک کہا ہے، اس کے بعد فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی سے حق تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کے مابین معاملات کا بیان ہے، یعنی شروع سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صادقِ رسالت اور

آپ پر وحیِ الٰہی لانے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے موثق ومکرم ہونے کا ذکر تھا، پھر شبِ معراج کی بلاواسطہ وحی کے اکرام خاص کا ذکر کیا گیا ہے، **فَأَوْحٰی** کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف نہیں، اسلئے کہ طبری کی روایت میں **فَأَوْحٰی اللّٰہُ إِلٰی مَا أَوْحٰی** ہے اور مسلم کی روایت (عن انس، فتح الملہم ۳۲۰) میں **فَأَوْحٰی إِلٰی مَا أَوْحٰی** ہے، اور بخاری کی حدیثِ شریک میں **فَأَوْحَی اللّٰہُ فِیْمَا أَوْحٰی خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً** ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسند احمد ۱۴۹ میں بھی ایسا ہی ہے اور پہلے سے اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر تھا تو یہ ضروری نہیں کہ فاوحی میں بھی ضمیر حضرت جبرائیل ہی کی طرف راجع ہو، اور نہ اس کے قریب حق تعالیٰ کا ذکر ضروری ہے کیوں کہ یہ وحی کا وصف تو اسی ذات کے ساتھ خاص ہے، پھر یہ کہ وحی تعلیم دو امر کا ذکر ہوا ہے، اور دونوں کے حالات الگ الگ بیان ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی رسالت ثابت کرنے کے بعد اب مرسِل نے اپنی وحی بلاواسطہ کا ذکر شروع کر دیا تو اس میں کیا اشکال ہے، جو مرسِل ہے وہی موحی ہے، جس طرح **أَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ** میں دونوں ایک ہیں۔

حضرت (انور شاہ کشمیریؒ) نے فرمایا: احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحیحہ سے دونوں رؤیت ثابت ہیں، قلبی بھی اور بصری بھی، اور شبِ معراج میں پہلے قلبی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رؤیت عینی کی طرف ترقی ہوئی، اور حضور علیہ السلام نے جو متعدد اوقات میں مختلف لوگوں کو حالاتِ معراج سُنائے ہیں اُن کے مطابق جو بات جس کے علم میں آئی، اسی کو اس نے بیان کر دیا ہے جیسا کہ مواہب میں مہدوی سے منقول ہے، اور حضرت عائشہؓ سے جو کچھ تفسیر آیات سورۂ نجم وغیرہ کی مروی ہے، وہ دوسروں کے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ شبِ معراج میں رؤیت جبرائیل علیہ السلام اور رؤیتِ حق تعالیٰ جل ذکرہ دونوں واقع وثابت ہوئی ہیں، اور جو محدثین نقل کرتے ہیں کہ حضرتِ عائشہؓ نے بعض آیات

سورۂ نجم کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استفسار کیا تھا اور حضور نے ان کا مصداق حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بتایا تھا تو اس سے کسی امر کا فیصلہ نہیں ہوسکتا کیوں کہ آپ نے شبِ معراج میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے بعض محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ بعض اوقات کسی ایک ہی بات پر ڈھل پڑتے ہیں اور دوسری بات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اگرچہ آیتِ قرآنی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے متعلق کیا اور حدیثِ شریک بخاری میں بھی دنا الجبار کو تقریباً وہم راوی قرار دیا ہے، لیکن رؤیتِ عینی حقیقۃً کا اثبات کیا ہے، جس کا اثبات مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى وغیرہ سے کیا ہے اور رؤیت کے لئے دنو و قرب ضروری ہے اس لئے بھی اس کا ثبوت ضمناً تسلیم کیا ہے، چنانچہ آپ نے مشکلات القرآن، ص: ۲۴۵ میں تحریر فرمایا کہ رؤیتِ الٰہی کا تحقق بغیر دنو الٰہی نہیں ہوسکتا، اور یہ ایسا ہے جیسے ثلثِ لیل اخیر میں حق تعالیٰ کا نزول آسمان دنیا کی طرف ثابت ہے یا اہل جنت پر متوجہ ہوکر سوال کریں گے هَلْ رَضِيتُمْ؟ کیا تم پوری طرح خوش ہوگئے؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ ترمذی میں فرمایا: ۔ایک روایت حسنہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان آیاتِ سورۂ انعام و نجم وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الخ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نہیں، اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کا تعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہے لیکن مقتضی نظم قرآن عزیز کا وہی ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔ (العرف الشذی: ۵۳۴)

حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ اشعار بھی اہل علم کیلئے مشکلات القرآن: ۲۶۰ سے پیش ہیں۔

رای ربه لما دنا بفواده
ومنه سری للعین ماذاغ لا یطغی
بحثنا فآل البحث اِثْبَاتُ رئویة
لحضر ته صَلّٰ علیه کما یَرْضٰی
کما اِخْتَارَهُ الْحِبْرُابْنُ عَمِّ نَبِیِّنَا
و احمد من بین الائمة قد قوی
نعم رؤیة الرب الجلیل حقیقة
یقال لها الرؤیا بالسقة الدنیا!

حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری تحقیق بابت اسراء ومعراج اور تفسیر آیات سورۂ نجم مشکلات القرآن میں اور مختصراً فتح الملہم: ۱/۳۳۵ میں لائق مطالعہ ہے ہم نے اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے اور یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ حدیث شریک بخاری پر جو کچھ اعتراضات بلحاظِ روایت ودرایت ہوئے، سب کے کافی وشافی جوابات حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دے دیے ہیں، وہ بھی قابل مطالعہ ہیں، اکثر محدثین نے حدیثِ شریک کی توثیق کی ہے، اور حافظ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک اس پر اعتماد کیا کہ اس کی وجہ سے دنو وتدلی حق تعالیٰ کے قائل ہوئے، جبکہ وہ سورۂ نجم کے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے متعلق مانتے ہیں، انہوں نے لکھا کہ سورۂ نجم میں جو دنو وتدلی ہے وہ اس دنو وتدلی سے مغایر ہے جو قصہ اسراء میں ہے، کیوں کہ سورۂ نجم والے کا تعلق حسبِ قول حضرتِ عائشہؓ وابن مسعودؓ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہے لیکن جس دنو وتدلی کا ذکر حدیث اسراء میں ہے، اس سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ وہ دنو وتدلی رب تبارک وتعالیٰ ہی کی ہے اور اس کی طرف سورۂ نجم میں تعرض نہیں کیا گیا ہے......الخ

(زاد المعاد برحاشیہ شرح المواہب ۳۰۳) (انوار الباری: ۱۱/۸۸)

قارئین کرام بات چونکہ ذوق شوق سے لذتِ رؤیت ودیدار الٰہی کی تھی اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات طویل ولمبی ہوگئی اور حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ظاہری آنکھوں سے حق جل مجدہ کی رؤیت ودیدار شبِ معراج میں حاصل ہوئی اور اہلِ ایمان کو جنت میں انشاء اللہ ضرور ہوگی۔

اور دیدار کرانے والا رب تبارک وتعالیٰ خود ہی دیدار کی قوت عطا کرائے گا اور اپنے بندوں کو دید کی لذت ونعمت سے سرفراز فرمائے گا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجۡهِكَ الۡكَرِيۡمِ وَالشَّوۡقَ اِلٰی لِقَاءِكَ بِفَضۡلِكَ الۡعَظِيۡمِ يَا ذَالۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ آمِيۡنِ يَا سَمِيۡعَ الدُّعَا يَا مُجِيۡبُ.

آخر میں بندۂ فقیر وعاجز اپنی بے بضاعتی وبے علمی وعملی کا صمیم قلب سے بارگاہ حق میں اعتراف کرتا ہے کہ یہ ایک بہت ہی بلند وبالا واعلیٰ موضوع تھا اور ہے اور اس کی رفعت وبلندی اس سے واضح ہے کہ اہلِ جنت کو یہ نعمت آخری ونہائی طور پر عطا ہوگی اور ہوتی رہے گی اور شؤونِ الٰہیہ کی تجلی کا مشاہدہ نت نئے انوارات سے ہوتا رہے گا۔ اس عاجز سے حق ادا نہ ہوا، شاید کسی مردانِ حق آگاہ کو فقیر کی کمی وکوتاہی وتقصیر پر ترس آجائے اور حق تعالیٰ کی شان تجلی جلالیہ وجمالیہ کی صفات وشؤون پر قلم اٹھانے کی ہمت بارگاہِ احدیت وصمدیت سے مدد ومعین ہو اور ظہورِ رحمت کا سبب بنکر دیدار ورؤیت پر حق تعالیٰ لکھوالے۔ فقیر کو اس کا بھی بخوبی اعتراف ہے کہ تعبیرات واسلوب کا جو حق تھا وہ ادا نہ ہوسکا اپنی بے علمی وبے بضاعتی کے سبب، اور بے شمار مقامات پر جو لکھنا چاہتا تھا اس کو ظاہر نہ کرسکا اس کے کئی اسباب تھے۔ منجملہ، تاکہ علماءِ راسخین وعارفین کے مسلک سے انحراف نہ ہو، اہلِ سنت والجماعت کے مختار مسلک سے انکار نہ ہو، صحابہ

وتابعین ائمہ ومجتہدین اور خود اپنے اکابر واسلاف کی راہ سے بھی اختلاف نہ ہوتا ہم اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ کی رؤیت اور دیدار کی طلب وجستجو، عبادت واطاعت کی راہ دیدار کی لذت کا شوق وجذبہ پیدا ہوجائے نیز برکت کو حاصل کرنے کے لئے حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری نوراللہ مرقدہ کے مکتوبات سے دو مکتوب کو کتاب شروع کرنے سے پہلے نقل کردیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی نوراللہ مرقدہ کے مکتوبات سے ایک مکتوب جو شوقِ دیدار کو اجاگر کرتا ہے نقل کردیا گیا ہے۔ بس جو کچھ بھی ہوا ہے وہ محض فضل الٰہی ہے۔ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کے قبیل سے ہے۔ جو بھی خوبی ہوگی وہ اللہ کی عطا اور ہمارے اکابر ومشائخ کی دعا کا نتیجہ ہے۔ اور جہاں کہیں بھی خامی وکوتاہی، تعبیر میں عدم روانی، اسلوب کا نقص ہے وہ اس عاجز کی سیئات ومعاصی کے آثار ہیں۔ انسان بہرحال انسان ہے، کہیں اگر جمہورِ امت سے ہٹ کر کوئی بات اجماعِ امت اور اہلِ سنت والجماعت سے الگ نظر آئے مطلع کردیں فوراً درست کردی جائے گی۔ انشاء اللہ

دُعا

تیری عظمتوں سے ہوں بے خبر — یہ میری نظر کا قصور ہے
تری رہ گزر میں قدم قدم — کہیں عرش ہے کہیں طور ہے
یہ بجا ہے مالکِ بندگی — میری بندگی میں قصور ہے
یہ خطا ہے میری خطا مگر — تیرا نام بھی تو غفور ہے
یہ بتا کہ تجھ سے ملوں کہاں — مجھے تجھ سے ملنا ضرور ہے
کہیں دل کی شرط نہ ڈالنا — ابھی دل نگاہوں سے دور ہے

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ عَدَدَ خَلْقِکَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِکَ وَزِنَۃَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ. مِثْلُ ذَالِکَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اَنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااَنْتَ وَاَسْتَغْفِرُکَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ، وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

العبد

محمد ثمین اشرف قاسمی

بروز پیر، ۱۱ رصفر ۱۴۳۲ھ، متوطن مادھوپور سلطانپور

ضلع سیتامڑھی بہار، حالِ مقیم دبئی

فون: 00971557886188

(مکتوب-۱۹۹)

مخدوم بہار شرف الدین یحییٰ منیری نور اللہ مرقدہٗ

اللہ ربُّ العزت کے دیدار کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اے بھائی جانو! قیامت کے دن تمام مومنین بہشت میں داخل ہونے کے بعد اللہ عزوجل کو بے چونی و چگونگی (یعنی بے مانند و مثل کے) دیکھیں گے۔ جس طرح انھوں نے دنیا میں اسے پہچانا ہے اور اس کی بیچگونگی پر ایمان لایا ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ دنیا میں چشم ظاہر سے یا دل سے دیکھنا درست ہے یا نہیں ہے۔

اَجْمَعُوْ عَلٰی اَنَّهٗ لَایُرٰی فِی الدُّنْیَا بِالْاَبْصَارِ

اس پر اجماع ہے کہ دنیا میں چشم ظاہر سے دیکھنا درست و روا نہیں ہے۔

وَلَا بِالْقُلُوْبِ اور نہ دل سے لیکن یقین کی رُو سے دیکھنا ہاں یہ درست ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار یعنی آنکھ سے اس دنیا میں دیکھنا جائز نہیں ہے، نہ آنکھ سے اور نہ دل سے اور یہ زور دے کر اس لئے کہا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کو جائز جانتے ہیں کہ بندہ اپنے اللہ کو اس جہاں میں عیاں دیکھتا ہے چشم ظاہر سے بھی اور دل سے بھی، ایسے لوگوں کے بارے میں تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ اس گروہ کے تمام لوگ گمراہ بدعتی اور کذّاب ہیں۔ مگر اس معنی سے کہ یقین دل سے رکھتے ہیں کہ وہ ہے اور جب بندہ کے لئے بندہ کا یہ یقین جائز ہوا تو یہ گویا ایسا ہی ہوا کہ دیدار ہوتا ہے۔ اور یہ عبارت شرح تعرف کی ہے۔ اور بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ رب العالمین کا دیدار دنیا میں ممتنعات سے ہے، قیامت میں جائزات سے

اور بہشت میں واجبات سے ہے اور یہ بہت بڑی خطا ہے یہ اس لئے کہ جو چیز اللہ رب العزت کی صفت میں ممتنع ہوگی وہ ہر وقت ہر جگہ ہر حال میں اور تمام احوال و اوقات میں ممتنع رہے گی، اللہ رب العزت کے دیدار میں ممتنع جائز، روا، ہرگز نہیں کہنا چاہیے۔

اللہ رب العزت کے وصف میں جو چیز تم نے ثابت کی ہے وہ ازل سے ابد تک ثابت رہے گی اگر تم ایسا کہتے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تم تغیر لاتے ہو اور تغیر مخلوقات کی صفات کی علامت ہے اللہ کی صفات میں نہیں اور یہ گمراہان کہتے ہیں کہ بہشتیان اللہ رب العزت کے دیدار سے اس وقت تک محجوب رہیں گے جب تک کہ ایک گنہگار بھی دوزخ میں رہے گا۔ ان کا قول ہے کہ دیدار کا وعدہ عمل سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ محض فضل پر موقوف ہے اور جب فضل پر ہے تو یقیناً سب یکساں اور ایک ساتھ دیکھیں گے یہ ان کی خطا ہے ہرگز یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ کوئی مطیع کسی گنہگار کی وجہ سے دیدار سے محجوب ومحروم رہے اگر کسی گنہگار مومن کا یہ مقام ہوتا کہ اس کے سبب سے انبیاء اور اَولیاء دیدار سے محجوب ہیں تو اس کیلئے اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ عذاب وسختیوں کو وہ اپنے آپ سے دور رکھتا۔

هٰذَا لَا يَجُوْزُ فِي الْحِكْمَةِ یہ اس کی حکمت میں جائز نہیں کہ گناہ کوئی کرے عقوبت اور حجاب کا عذاب دوسرے کو ہو اور جو کہتے ہیں کہ دیدار کا وعدہ عمل پر نہیں ہے یہ بھی خطا ہی ہے، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ یہ زیادت احسان ایمان وعمل ہے اور حُسنٰی بہشت کا نام ہے، زیادت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

(جس کو اپنے رب کے دیدار کی آرزو ہو وہ نیک عمل کرے) اعمال کی زیادتی کی وجہ سے دیدار فرق کے ساتھ ہوگا۔ عام مومنین ایک ہفتہ سے دوسرے ہفتہ کی مدت میں دیکھیں گے۔

تفسیر امام زاہد سے یہ نقل ہے کہ جب مومن کے حق میں اللہ رب العزت کا دیدار اس جہاں کے لئے ثابت ہو گیا تو جاننا چاہئے کہ اہل بہشت جیسا کہ دیدار کی نعمت تک پہنچے اس کے بعد بہشت کی اور نعمتوں کے ساتھ مشغول ہوں گے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیدار کی نعمت پانے کے بعد جو بہشت کی تمام نعمتوں سے افضل و عظیم ہے بہشت کی اور دوسری نعمتوں میں مشغول ہونا نیچے آنا ہے (یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف) اور یہ نقص و کمی ہوتی ہے اور یہ ثابت ہے کہ بہشت کی نعمت میں نقصان جائز نہیں ہے، وہ چیز جو بہشت کی اور نعمتوں سے بڑھ کر ہو تو یہ اور اولیٰ تر ہے کہ اس میں نقصان نہ ہو۔ یہ سوال بہت زیادہ توجہ طلب اور بہت مشکل ہے اس کے باوجود جواب ہونا چاہئے۔ نقل ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ جل شانہ کے دیدار کے بارے میں پوچھا گیا؛ ارشاد ہوا:

مِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى رَبِّهِ فِي شَهْرٍ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى رَبِّهِ بُكْرَةً وَعَشِيًا

(ان میں سے بعض وہ ہیں جو ہر ماہ میں ایک بار اپنے رب کی طرف نظر ڈالتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صبح و شام اپنے رب کا نظارہ کرتے ہیں)۔

دیدار کا یہ فرق کمالات کے تفاوت کے مطابق ہے کہ ہر شخص اپنے کمال کی مقدار کے موافق تجلی کا بار اٹھا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ دیکھنے والوں کے کمال کی مقدار میں تجلی ہوتی ہے اگر ان کے کمال کی زیادتی سے زیادہ تجلی ہو جائے تو وہ اس تجلی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے ہیں کہ:

فان بظھور الحق بنور الخلق سبحان اللّٰہ

حق کے ظہور سے مخلوق منور ہوتی ہے سبحان اللہ۔

پہاڑ جو عالم اجسام میں سب سے زیادہ بڑا، مضبوط، مستحکم ہے صرف ایک تجلی سے ریزہ ریزہ ہوگیا آدمی اپنی اس مختصر سی ہیت کے ساتھ تجلی کا وہ بار کیسے اُٹھائے تو معلوم ہوا کہ تجلی کا بار اپنے کمال کی مقدار میں اٹھا سکتے ہیں تو یہ نقصان نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ مقتضائے حکمت ہے اور آج اس دنیا میں اہل تصوف کے درمیان حکم بھی اسی پر ہے کہ تجلیاں مشاہدے اور انکشافات آدمی کے کمال اور قوت کی مقدار میں اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اس کے کمال وقوت سے زیادہ تجلی ہو تو وہ ہلاک ہو جائے۔

اِذَاالْخَلْقَ لَا بَقَاءَلَھُمْ مَعَ وُجُوْدِ الْحَقِّ

جب حق جلوہ افروز ہو تو مخلوق کا کہاں پتہ۔

اور دوسرے یہ کہ اللہ جل شانہ کی رؤیت ایک فضل محض ہے عمل کا بدلہ نہیں ہے اور فضل دینے والا فضل دینے میں مخیر صاحب اختیار ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں، جو چاہے، جیسے چاہے، جس کو چاہے دے اور یہ نقصان و کمی نہیں ہے۔ خواست فضل دینے والے کی ہوتی ہے۔

والسلام

فقیر شرف منیری

پینسٹھواں مکتوب:

صدق ولقائے جمال باری تعالیٰ کی تمنا

بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی عطا فرمائے۔

دیکھو حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

اَلصِّدْقُ سَيْفُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَاوُضِعَ عَلٰى شَيْءٍ اِلَّا قَطَعَهٗ

سچائی زمین پر اللہ کی تلوار ہے، جس پر پڑتی ہے کاٹ کر چھوڑتی ہے۔

صدق کا مطلب سبب کے مسبّب (یعنی سبب بنانے والے کو دیکھنا ہے نہ کہ سبب کا ثابت کرنا۔ سبب ثابت کرنے سے صدق کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ ایمان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کچھ نہ چاہے۔ جیسا کہ کہا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

اللہ ہی کی پرستش کرو اور کسی چیز کو بھی اسی کا شریک نہ بناؤ۔

جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو صدقِ ایمان حاصل ہے اُس نے مان لیا کہ بجز اللہ کے اُسے کسی سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ اس کے دعوے کی سچائی کی یہی دلیل ہے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی چیز دیکھے تو اس سے آنکھیں پھیرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ اپنے دعوے میں سراسر جھوٹا ہوگا۔

اسی معنی میں کہا ہے: رباعی

دل را طمعِ وصل، بلارا سپراست
جان دردمِ قہرِ ہجرِ او پر خطراست
بیرون ز وصال وہجر کارے دگراست
ہمت چو بلند شد ہمہ درد ِسراست

(دل میں اُس کے وصل کی خواہش ہونا بلاؤں کے لئے سپر ہے۔ اس کی جدائی کا عذاب جان کے لئے بڑا ہی خطرناک ہے اس کے وصال وفراق سے کہیں بڑھ کر ایک دوسرا ہی کام ہے۔ جب ہمت بلند ہوجاتی ہے تو یہ باتیں درد ِسر معلوم ہوتی ہیں)۔

ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس سے بغداد آرہے تھے، راستے میں دور سے ایک آدمی نظر آیا۔ ان کا جی چاہا کہ اس سے بات کریں جب قریب پہنچے تو دیکھا ایک بوڑھی عورت جبّہ پہنے اور عصا لیے چلی آرہی ہے۔ آپ نے پوچھا ''بڑی بی تم کہاں سے آرہی ہو؟'' وہ بولیں ''اللہ کے یہاں سے!'' ''گھر کہاں ہے؟'' بولیں ''اللہ کے یہاں؟'' پھر پوچھا۔ ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' جواب دیا ''اللہ کے یہاں کا!'' آپ نے اُن کو ایک اشرفی دینی چاہی۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر منع کیا۔ اور کہا۔ ''اے ذوالنون یہ کیا حالت ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ میں تو سارا کام اللہ ہی کے لئے کرتی ہوں، اور غیر اللہ سے کوئی چیز نہیں لیتی۔ نہ اس کے سوا کسی کو پوجتی ہوں نہ اُس کے سوا کچھ لے سکتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر غائب ہوگئی۔

مرید کی ہمت ایسی ہونی چاہئے۔ اسی راز کے متعلق کہا گیا ہے:

ہمت از انجا کہ نظر ہا کند خوار مدارش کہ اثر ہا کند

ہمت جس جگہ سے بھی نظر کرتی ہے اس کو معمولی نہ سمجھو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔

جس نے کہا میں اسی کے لئے کام کرتا ہوں یہ اس کی صداقت اور ہمت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ لوگوں کے معاملے دو طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ کرتا ہے یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اُس کے لئے کرتا ہوں۔ مگر وہ سارے دھندے اپنے لیے کرتا ہے۔ اگر چہ اس کی دلی خواہش کا اس میں دخل نہ ہو۔ اس جہان میں اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس جہان اور اس جہان کے ثواب و عذاب اور تمام معاملوں سے قطعی الگ ہوں۔ جو کچھ کریں محض فرمانِ الٰہی کی عظمت اور محبت کے جذبے کے ماتحت بجالائیں۔ یہی ہے جو کہا گیا ہے:

قطعہ

دنیا ست بلا خانہ و عقبٰی ہوس آباد
ما حاصلِ این ہر دو بیک جو نہ ستانیم
این فتنہ بہ دنیا شد و آن غرّہ بہ عقبٰی
ما فارِغ ازین ہر دو نہ اینیم نہ آنیم

دنیا بلاؤں کی جگہ ہے اور عقبٰی حرص و ہوس کی منزل ہم ان دونوں میں سے کسی کو ایک جَو کے بدلے بھی نہیں خریدتے۔ یہ دنیا کا فتنہ ہے اور وہ عقبٰی کا غرور۔ ہم ان دونوں سے آزاد ہیں نہ اہل دنیا ہیں اور نہ اہل عقبٰی۔

کہتے ہیں کہ طاعت کی وجہ سے طاعت کرنے والے کو اس سے کہیں زیادہ انعام وحصہ ملتا ہے جتنا کہ گناہگار کو گناہ سے کیوں کہ گناہ کے لطف اور مزے تو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہوجاتے ہیں۔ مگر طاعت کی راحتیں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ مخلوق کی طاعت ومجاہدہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ اس کو چھوڑنے سے اس کا کوئی نقصان یا گھاٹا ہے۔ اگر ساری دنیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت برتنے لگے تو اسی کی بہبودی وسعادت ہے اور اگر تمام جہان والے فرعون کے کذب کی پیروی کریں تو اس

میں انھیں کا نقصان ہے۔اس خوانِ پُرنعمت پر صدق خالص کی جگہ مقرر ہو چکی ہے کہ

اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ خَاصَۃً - اہلِ قرآن خاص اللہ والے ہیں۔

اُس کی پرورش اور غذا قرآن پاک کے نعمت خانے سے ہوا کرتی ہے۔

اَھْلُ الْجَنَّۃِ خَاصَۃً - (خاص جنت والے ہیں)

جنت کے خواہاں تو دوسرے لوگ ہیں، لیکن :اَھْلُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ......یعنی توحید والوں کی پاک روحیں اس اصل سے وجود میں آئی ہیں۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ - میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

اس گروہ کی روزی عالمِ قرآن سے ملا کرتی ہے جس کسی کو قرآن کے دستر خوان پر بٹھایا گیا وہ اس جہان کی کدورتیں جو فتنہ وفساد کی جڑ ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔آخر تنگ آ کر موت کی تمنا کرے اور منتظر رہے گا کہ یہ مبارک گھڑی کب آتی ہے کس دن حضرت عزرائیل کرم فرماتے ہیں تا کہ یہ کدورتیں رفع دفع ہو کر غم و درد کی طلب کی جھلک نظر آنے لگے اور قیامت تک محبوب کے مشاہدہ جمال میں محو رہیں۔طریقت کے پیشواؤں نے اس کی پہلی شناخت یہ بتائی ہے کہ موت کا عاشق بن جائے گا۔اور اس انتظار میں تڑپا کرے گا کہ جنابِ عزرائیلؑ کے قدم کدھر سے آتے ہیں تا کہ ان کا استقبال تپاک کے ساتھ کیا جائے۔ایسے حضرات کے پاس ملک الموت اس لئے آتے ہیں تا کہ اس کم بخت روڑے کو جس کا نام نفس ہے راستے سے ہٹا دیں جان نکالنا ان کا کام نہیں۔کیوں کہ وہ مرنے والا تو یہ بشارت رکھتا ہے کہ:

اَللّٰہُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ - اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے۔

جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَقَّ عَظْمِيْ وَاشْتَدَّ شَوْقِيْ اِلٰى لِقَاءِ رَبِّيْ - دردِ محبت سے میری ہڈیاں گھل گئیں، اور میرے پروردگار کے دیدار کا شوق بھڑک اٹھا۔

توحضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے:

''سرکار'' ذرا اپنا شوق ابھی کچھ روز دبائے رکھئے۔ مجھے اس کام کے لئے ربیع الاول میں حکم دیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اضطراب وشوق کی وجہ سے میں عدول حکمی کیسے کرسکتا ہوں''۔

اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

طرفہ سروکار نیست کہ بروعدہ معشوق

صابر نتوان بودو تقاضا نتوان کرد

عجب معاملہ آپڑا ہے کہ محبوب کے وعدے پر نہ صبر کرنے کی طاقت ہے اور نہ تقاضا کیا جاسکتا ہے۔

اے بھائی سچ ہے کہ زمانے میں کوئی دکھ درد لقائے جمالِ باری تعالیٰ کی تمنا کے دردوغم سے بڑھ کر نہیں۔ جیسا کہ ایک آرزومند نے کہا ہے:

قطعہ

منم وہزار حسرت کہ در آرزوے رؤیت

ہمہ عمر وغمت رفت ونرفت ہیچ کارم

اگر تو دست گیری پزیر انسیت دولت

واگرنہ رستخیری زہمہ جہان برآرم

مجھے نہایت حسرت وافسوس ہے کہ تیرے دیدار کی تمنا میں میری ساری زندگی گزر گئی، اور کچھ بھی کام نہ نکلا۔ اگر تو مدد کرے اور مجھ کو قبول کرلے تو یہ بڑی دولت ہے۔ نہیں تو زمانے میں قیامت اُٹھا کر ہی دم لوں گا۔

یہ وہ درد ہے کہ اگر ذرہ بھر بھی جہان میں اپنی چمک دکھائے تو رُوے زمین پر کسی بیماری کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی

ارادت کے ابتدائی دنوں میں ایک ویران شہر میں گھوم رہا تھا۔ جیسا کہ نئے نئے مریدوں اور مبتدیوں کی عادت ہوتی ہے، میں بھی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں گیا۔ یہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ خون کے آنسو رو رہا ہے، مسجد کی زمین اس کے لہو سے بھیگ گئی ہے۔ میں نے کہا:

یَا شَیْخُ اُرْفِقْ بِنَفْسِکَ . . . اے شیخ اپنے آپ پر رحم کیجئے۔

آخر آپ پر کون سی مصیبت پڑی ہے۔ وہ بولے اب مجھ میں طاقت باقی نہیں رہی اور اللہ کی طلب و تمنا میں زندگی بھی ختم ہوگئی۔ اسی راز کو کسی دل جلے نے یوں کہا ہے:

مردم در آرزوئے روزے نہ دید روئیت

حاجی براہ رفتہ وز کعبہ باز ماندہ

لوگ تیری تمنا میں گھلتے رہے لیکن کسی دن تیری صورت نہ دیکھی۔ حاجی نے راستے کی ہزار مشکلیں جھیلیں لیکن کعبہ حقیقی سے محروم رہا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفات کے وقت یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ - اے اللہ موت کی سختیوں کے وقت میری مدد فرما۔

میری جان نکالنا ملک الموت کا کام نہیں۔ اے اللہ تو اعانت فرما تا کہ میں اس جان کے بکھیڑوں سے چھوٹ جاؤں۔

جانان فدائے دوستیِ لسّت جانِ من

عاشق بہ دوست زندہ بود جان چہ حاجت است

اے محبوب میری جان تیری محبت پر قربان ہے۔ عاشق تو دوست کی بدولت زندہ رہتا ہے اُسے جان کی کیا ضرورت ہے۔

اے بھائی! مدتیں گذر چکیں کہ یہ کہا گیا ہے کہ دوسروں کے قصّے سننا سوائے دردِ سر مول لینے کے کچھ نہیں۔ کسی بھوکے کے سامنے مزے دار کھانے کی تعریف کرنا حسرت و درد کے سوا اور کیا ہے۔ اگر تم سے ہوسکتا ہو تو قدم آگے بڑھاؤ۔ جان پر مصیبت اُٹھاؤ، اور سر کی بازی لگا دو۔

اسی لیے کہا ہے:

از گفتگو نیاید وصلش بسے محال است
بحرِ محیط ہرگز در ناودان نہ گنجد

اس کا وصل باتوں سے حاصل نہیں ہوتا یہ بہت دشوار بلکہ محال ہے۔ بھلا کہیں بحرِ ناپیدو کنار کوزے یا کسی نالی میں سما سکتا ہے۔

جس دل میں عشق اور موت کی دھن سمائی اُس پر سعادت کے دروازے کھل گئے اور نام و نمود کے بندوں کیلئے یہ راہ بند کردی گئی۔ یہ موت کے ڈر سے کُھلے جاتے ہیں۔

ایک بڑے میاں تھے جنھیں لوگ سید الاوتاد کہا کرتے تھے ان کا نام **کُلَیب** تھا۔ عربی زبان میں سگ کی تصغیر **کلیب** ہے۔ بدن بگڑا ہوا تھا اس پر تنگی معاش اتنی سخت تھی کہ شام سے صبح اور صبح سے شام ہوجاتی لیکن ایک لقمہ بھی ان کو میسر نہ ہوتا؛ خیر نسّاج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ان کے حجرے کے آس پاس پھر رہا تھا، ان کی مناجات کی آواز میرے کانوں میں آئی، وہ کہہ رہے تھے:

اِلٰهِیْ هٰذَا اِسْمِیْ کُلَیْبٌ وَهٰذَا جِسْمِیْ مَجْزُوْمٌ وَهٰذَا قِلَّتِی وَمَعَ هٰذَا اَیْنَ جِبْرِیْلُ حَتّٰی یَرٰی مُبَارِزَتِی۔

میرے اللہ میرا نام کتے کا پلّا ہے، میں کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوں، فقر و فاقہ کی مصیبت ہے، کہاں ہیں جبریل کہ وہ میری ان بلاؤں کے ساتھ جدو جہد کو دیکھیں۔

عرش روانے کی زتن رستہ اند
شہپرِ جبریلؑ فروبستہ اند

جن کی عرشی روحیں جسم کی قید سے آزاد ہو چکی ہیں اُن کی پرواز نے جبریلؑ کے پر باندھ دیے ہیں۔

اے بھائی! اللہ اکیلا ہے۔

وَالْمُؤمِنُ مُتَوَحِّدٌ......اور مومن بھی یگانہ ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ مومن بھی یگانہ ہو۔ اس امر پر کلمہ شہادت دلیل ہے کہ اس کا آدھا جز لَآ اِلٰہَ برأت وعلیحدگی چاہتا ہے اور دوسرا اِلَّا اللہ دوست اور گرویدگی کا مستحق ہے، جس قدر غیرِ حق سے علیحدگی ہوگی اتنی ہی حق کے ساتھ محبت اور وابستگی ہونا ضروری ہے۔ کسی نے اس طرح فریاد وفغاں کی ہے:

کو آتشے کہ بروے این خرقہ را بسوزم
کین خرقہ دربرِ من زنار می نماید

وہ آگ کہاں کہ اپنی اس گدڑی کو اس میں جلا ڈالوں۔ کیوں کہ یہ خرقہ میرے بدن پر زنار معلوم ہوتا ہے۔

جو شخص اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کو اپنے اسرار میں غور کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اگر غیرِ حق سے وہ گریزاں ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اگر غیرِ حق کی طرف اس کے اسرار مائل ہیں اور جو چیز حق تک پہنچانے والی ہے اس سے علیحدگی اور دوری ہے تو اس کو اپنے ایمان کا ماتم کرنا چاہیئے۔ اس کے دل سے نورِ ایمان چھین لیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے:

هنوز از کافِ کفر خود خبر نیست | حقایقهائے ایمان را چہ دانی

ابھی تو تجھے اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہے تو ایمان کی حقیقتوں کو کیا جان سکتا ہے

چنانچہ کسی بزرگ نے یہ کہا ہے کہ ساری دنیا محبت اور عاشقی کی دعوے دار ہے۔ مگران کے دعوے کو جب غور سے دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب خود اپنے ہی معشوق بنے ہوئے ہیں عاشقی سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیوں کہ جو شخص محبت کا مدعی ہوا اُس کے دعوے کی سچائی اس سے معلوم ہوگی کہ وہ اپنی مرادوں سے دامن جھاڑ کر باہر نکل آیا ہے یا نہیں۔ اگر مراد کی طلب اب بھی باقی ہے تو یہ محبوبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کو محب نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا دعویٰ سراسر جھوٹا اور لغو ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اس وقت تک محبت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ جب تک کہ محب کو محبوب کے سوا کونین کے ایک ذرے کی بھی ہوس باقی ہے۔ اربابِ نظر نے اس آیت کے متعلق کہا ہے:

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا - اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ۔

مومنوں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا ایمان پہلے ایمان کے علاوہ ہے۔ پہلا ایمان اللہ کی تصدیق اور اقرار ہے۔ اس اقرار و تصدیق کی حقیقت غیر اللہ کی طرف نظر نہ کرنا ہے پھر بھی اگر غیر حق پر آنکھ ڈالی تو پہلے قول و قرار سے ہٹ گیا۔ بندوں کی آنکھیں دیکھنے سے کب تک بند رہ سکتی ہیں۔ اس لئے فرمان ہوا کہ ایمان دوبارہ تازہ کرو۔ جب دیکھتے ہو تو ان نظر آنے والی اشیاء کو نہ دیکھو بلکہ ان کے صانع و خالق کو دیکھو۔ یہاں تک کہ کسی طرح کا خطرہ اور خدشہ دل میں پیدا نہ ہو ورنہ دوبارہ ایمان لانا ہوگا۔ ایمان تازہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جب جب غیر کا خیال آئے، اُس سے اعراض کر کے حق کی طرف رجوع کرے۔ اے بھائی اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ وہ کہے "اے مٹی کے پتلے تو دل کی صفائی کے ساتھ میرا ہو جا۔ اے پانی کے ناچیز قطرے سوا میرے کسی سے دل نہ لگا، اے خاک کے ٹھیکرے میرے وصال کے محل میں پاؤں رکھ۔

اس پیکرِ آب وگل کو اتنی بڑی دولت ملتی ہے کہ اپنے فضل وکرم سے حکم فرماتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے وصال کی خلوت میں داخل ہوکر معراجِ صلوٰۃ حاصل کیا کر۔ اور عالم میں پکار کر کہا کہ

قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ عَبۡدِیۡ۔

''نماز بانٹ دی گئی ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان''۔

اسی لیے کہا ہے:

این آب نہ بس مرا کہ بندت خوانند　　　خاکِ سر کوئے آستانت دانند

میری یہ آبرو کہاں کہ مجھ کو تیرا بندہ پکاریں۔ یہی عزت میرے لئے بہت ہے کہ تیری گلی کی خاک جانیں

موسیٰ علیہ السلام جو دربار کے کلیم تھے چالیس دنوں تک انھیں سخت انتظار میں رکھا گیا مگر تمہاری (امتِ محمدیہ کی) باری آئی تو ساقی لطف وکرم نے یہ کہہ کر ساغرِ وصل پلا دیا کہ

اَلصَّلٰوۃُ مِعۡرَاجُ الۡقُلُوۡبِ ......نماز دلوں کی معراج ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھو کہ اس امت کو پیغمبروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لیکن تم نے سنا ہوگا

مَنۡ کَانَ اَضۡعَفُ فَالرَّبُّ بِہٖ اَلۡطَفُ

جو زیادہ عاجز وناتوان ہے اس پر اللہ زیادہ مہربان ہے۔

اسی لئے کہا ہے:

دورِ تو زین دائرہ بیرون تراست　　　از دو جہان قدرِ تو افزون تراست

تیری گردش دائرہ کون ومکان سے باہر ہے۔ دونوں جہاں سے تیری قدر ومنزلت بہت زیادہ ہے۔

والسلام

مکتوباتِ صدی- مکتوب نمبر: ۶۵، ص: ۴۱۵، ص ۴۲۱۔

مکتوب-۲۶

حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

ابرار کا شوق میری ملاقات کیلئے بڑھ گیا

اس بیان میں شوق ابرار کو ہوتا ہے مقربین کو نہیں ہوتا، اور اس مقام کے مناسب علوم کے بیان میں شیخ العالم مولانا حاجی محمد لاہوری کی طرف ارسال فرمایا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے:

أَلا! طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ إِلٰى لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا.

یعنی آگاہ، ہوجاؤ ابرار (نیک بندوں) کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے شوق کی نسبت ابرار کے لئے ثابت فرمائی ہے کیوں کہ مقربینِ واصلین (یعنی جن کو وصال حاصل ہو چکا ہے) کو شوق باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ شوق مطلوب کے گم کرنے (حاصل نہ ہونے) کا متقاضی ہے اور مطلوب کا گم ہونا (حاصل نہ ہونا) اُن کے حق میں مفقود ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ بے حد محبت ہونے کے باوجود اپنے نفس کی طرف کوئی شوق نہیں رکھتا، کیوں کہ اپنے نفس کا

فقدان یعنی اپنے آپ کو گم کرنا اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔ پس صاحبِ وصال (واصل) مقرب جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا حال ایسا ہے جیسا کہ انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ ہے؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ ابرار ہی مشتاق ہوتے ہیں کیوں کہ مشتاق جس چیز کا شوق رکھتا ہے اس سے محبت کرتا ہے لیکن وہ چیز اس سے گم ہوتی ہے یعنی حاصل نہیں ہوئی ہوتی اور یہ ابرار کی صفت ہوتی ہے مقربین کی نہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے مطلوب کو گم کرنے والے محب ہیں، اور ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقربِ واصل (صاحب وصال) نہ ہو، خواہ وہ راہِ سلوک کی ابتداء میں ہو یا وسط میں، اگر چہ وہ وسط سے رائی کے دانہ کے برابر باقی رہ گیا ہو۔

کسی نے فارسی میں کیا اچھا کہا ہے:

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درونِ دیدہ گر نیم مواست بسیار است

نہیں ہے قابلِ برداشت ہجرِ یار تھوڑا بھی گوارا آنکھ کر سکتی نہیں ہے بال آدھا بھی

فراق دوست تھوڑا بھی بہت ہے حق میں عاشق کے
اگر ہو نیم مو جتنا بھی تو بھی سخت مشکل ہے

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک قاری کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اب ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ (چونکہ آپ واصلین مقربین میں سے ہو گئے تھے اس لئے شوق و وجد وغیرہ باقی نہیں رہا تھا۔ پس بظاہر آپ کے اس قول میں ذم کا پہلو نکلتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بھی آپ کی مدح کا مظہر ہے۔) آپ کا یہ فرمانا مدح بما یشبہ الذم (ایسی تعریف جو ندامت کے مشابہ ہو) کے طور پر ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ

''بے شک منتہی واصل بسا اوقات اس شوق وطلب کی تمنا کرتا ہے جو اس کو ابتدا میں
حاصل تھا''۔

اور شوق کے زائل ہونے کے لئے ایک اور مقام ہے جو پہلے مقام سے زیادہ کامل ومکمل ہے اور وہ ادراک (پانے) سے عجز و ناامیدی کا مقام ہے یہ عجز عن الادراک عوام الناس کے عجز کی مانند نہیں ہے بلکہ یہ وہ عجز ہے جو عین ادراک بلکہ کمالِ ادراک ہے۔ جیسا کہ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے:

ہر چہ بردے میرسی بروے اُیست | براد ربے نہایت در گہے ست
کیوں کہ شوق وہاں مقصود ہوتا ہے جہاں مطلوب کے حاصل ہونے کی توقع ہو، اور جہاں امید ہی نہ ہو وہاں شوق بھی نہیں ہوتا۔

اور جب ایسا کامل شخص جو انتہائے کمال تک پہنچ چکا ہو عالم (جہان) کی طرف واپس لوٹتا ہے تو عالم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے مطلوب کے گُم کرنے کے باوجود بھی شوق اس کی طرف عود نہیں کرتا (یعنی واپس نہیں لوٹتا) کیوں کہ اس کے شوق کا زائل ہونا مطلوب کا گم ہونا ثابت ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ناامیدی کے باعث تھا اور وہ ناامیدی رجوع کے بعد بھی موجود ہے بخلاف پہلے کامل کے کہ اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے وقت اس فقدان (گم شدگی) کے پیدا ہونے کے لئے جو پہلے زائل ہو گیا تھا شوق اس کی طرف لوٹ آتا ہے، پس جب اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے باعث مطلوب کا گم ہونا پایا گیا تو اس کو وہ شوق بھی حاصل ہو گیا جو اس کے زائل ہونے سے جاتا رہا تھا یہ نہیں کہا جائے گا کہ وصول الی اللہ کے مراتب ابد آلاباد تک کبھی ختم نہیں ہوتے پس ان مراتب میں سے بعض کی توقع کی جاتی ہے تو اس وقت (واصل مقرب کے حق میں بھی) شوق کا حاصل ہونا متصور ہو گا اس لئے کہ ہم کہتے ہیں،

کہ وصول الی اللہ کے مراتب کا منقطع نہ ہونا سیرِ تفصیلی پر مبنی ہے جو کہ اسماء وصفات وشیون واعتبارات میں واقع ہوتی ہے اور اس (تفصیلی سیر میں سیر کرنے والے) سالک کے حق میں وصول الی اللہ کی نہایت تک پہنچنا متصور نہیں ہے اور اس سے شوق کبھی بھی زائل نہیں ہوتا، اور ہم جس سالکِ واصل کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسا منتہی واصل ہے جس نے اجمالی طور پر ان مراتب کو طے کیا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اس کو کسی عبارت میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا پس وہاں توقع (امید) ہرگز متصور نہیں ہے لامحالہ شوق اور طلب اس سے زائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اولیاء اللہ سے خاص اولیاء کا حال ہے کیوں کہ یہ حضرات وہ ہیں جنھوں نے صفات کے تنگ کوچہ سے عروج کیا ہے اور حضرتِ ذات حق تعالیٰ وتقدس تک پہنچ گئے ہیں بخلاف ان حضرات کے جو صفاتِ الٰہیہ میں تفصیل کے طور پر سالک ہیں اور شیونات میں ترتیب وار سیر کرنے والے ہیں کیوں کہ یہ حضرات تجلیاتِ صفاتیہ میں ابدالآباد تک پابند مقید رہتے ہیں اور مراتبِ وصول کا حاصل ہونا۔

اُن کے حق میں صفات تک وصول کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ حضرتِ ذاتِ باری تعالیٰ تک عروج حاصل ہونا صفات واعتبارات میں اجمالی سیر حاصل ہونے کے سوا متصور نہیں اور جس کی سیر اسماء میں تفصیلی طور پر واقع ہوئی وہ صفات واعتبارات میں مقید ہو کر رہ گیا اور شوق وطلب اُس سے زائل نہ ہوا اور وجد وتواجد اُس سے جدا نہ ہوا۔ پس شوق وتواجد والے حضرات تجلیاتِ صفاتیہ والے لوگ ہیں، اور جب تک یہ حضرات شوق ووجد میں رہیں ان کو تجلیات ذاتیہ سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے شوق ہونے کے کیا معنی ہیں جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے تو کوئی چیز گُم نہیں ہوئی ہے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے شوق

کے لفظ کا استعمال یہاں پر صنعت مشاکلۃ کے طور پر ہو۔ اور اس حدیث میں شدت کا ذکر اس اعتبار سے ہوگا کہ جو کچھ عزیز و جبار حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

یہ جواب علمائے کرام کے طریقہ پر ہے اور اس ضعیف بندہ (حضرت مجدد قدس سرہ) کے نزدیک مذکورہ اشکال کے کئی جواب ہیں جو کہ صوفیائے کرام کے طریقے کے مناسب ہیں لیکن وہ جوابات ایک قسم کا سُکر چاہتے ہیں اور سُکر کے بغیر ان جوابات کا ذکر کرنا مستحسن (اچھا) نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں ہے، کیوں کہ سکر والے لوگ معذور ہیں اور حالتِ صحو (ہوش) والے پوچھے جائیں گے اس وقت میری حالت خالص اور محض صحو کی ہے، پس ان جوابات کا ذکر کرنا میرے حال کے مناسب و لائق نہیں ہے، بات یہی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا -

(اور اول و آخر) سب تعریف حق سبحانہ و تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے نبی کریم پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو)۔ (مکتوبات امام ربانی)

اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِيْ وَاَنَا اِلَيْهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا۔

علامہ مرادمکیؒ نے کہا کہ احیاء میں اس حدیث کو ان الفاظ سے ذکر کیا ہے:

لقد طال شوق الابرار ــــ إلى آخرہ۔

عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج میں کہا ہے کہ میں نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی، لیکن صاحب الفردوس نے اس کو حدیثِ ابوالدرداء سے ذکر کیا ہے اور ان کے صاحبزادے نے مسند الفردوس میں اس کی سند ذکر نہیں کی اور شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں کسی مقام پر کہا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لیکن اس کی صحت کا مجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف شوق رکھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی ذات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُن سے زیادہ ان کا مشتاق ہے۔ اور مجھے نہ کشف سے اس کا کچھ علم

ہوسکا اور نہ کسی صحیح روایت سے لیکن یہ مذکورہ حدیث مشہور ہے۔ انتھی ملخصًا لیکن اس مذکورہ روایت کے معنی صحیح ہیں جو اس حدیث کے مطابق ہیں:

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا۔

یعنی جو شخص میری طرف ایک بالشت قرب حاصل کرتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھ جاتا ہوں۔ (الحدیث)

اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق تعالیٰ کی رؤیت تجلی ہوئی ہے جو محدثین کے نزدیک دیدار اور رؤیت سے تعبیر کی جاتی ہے وہ پہلے سامنے آجائے۔ کیوں کہ دیدار الٰہی کا شوق اور لذتِ نظر کا تعلق آخرت اور مابعد الموت سے ہے جو اصل کتاب کا موضوع ہے۔ مگر ہمارے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بار دنیا میں ہی حق تعالیٰ کی رؤیت ہوئی، خواہ وہ جس شان سے ہوئی ہو، دکھلانے والے نے جس شان سے چاہا دیدار کرایا ہو، اور پھر ایک بار معراج میں بلا کر رؤیت عینی کرائی جو آپ مقدمہ میں پڑھ چکے ہیں اب حدیث میں رؤیت اور پھر رؤیت کے بعد عنایت باری کو پڑھیں۔

دُنیا میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رب العزت کو احسن صورت میں دیکھا ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ ’’أَتَانِی رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اللَّیْلَةَ فِی أَحْسَنِ صُوْرَةٍ أَحْسَبُهُ یَعْنِی فِی النَّوْمِ فَقَالَ: یَامُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاءُ الْأَعْلَی؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فَوَضَعَ یَدَهٗ بَیْنَ كَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ أَوْ قَالَ: نَحْرِی- فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ ثُمَّ قَالَ: یَا مُحَمَّدُ! هَلْ تَدْرِی فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَی؟

قَالَ:قُلْتُ: نَعَمْ. يَخْتَصِمُوْنَ فِى الْكَفَّارَاتِ وَالدَّرَجَاتِ؟ قَالَ: اَلْمَكْثُ فِى الْمَسَاجِدِ، وَالْمَشْىُ عَلَى الْأَقْدَامِ اِلَى الْجُمُعَاتِ وَاِبْلاَ غُ الْوُضُوْءِ فِى الْمَكَارِهِ، وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ وَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّيْتَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَاِذَا أَرَدتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً أَنْ تَقْبِضَنِىْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ - قَالَ: وَالدَّرَجَاتُ بَذْلُ الطَّعَامِ وَاِفْشَاءُ السَّلاَمِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ.

(صحیح اخرجہ احمد فی مسندہ، ج۵ / ۳۴۸۴)(تجلیات قدسیہ حدیث نمبر ۱۳۰، ۱۳۱ نفحات قدسیہ نمبر ۱۴۴)

کفّارات ودرجات میں فرشتوں کا تحیر

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: رات میں نے رب العالمین کو (راوی کا کہنا ہے: میرا گمان ہے کہ خواب میں) احسن صورت میں دیکھا، میرے پاس آتے ہوئے ارشاد فرمایا: یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ ملاءِ اعلیٰ یعنی آسمان میں کس چیز کے ثواب کے بارے میں جھگڑا ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں معلوم تو حق جل مجدہ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا جس کی خنکی و برودت میں نے اپنے دیدۂ باطن میں محسوس کی، معاً مجھے تمام زمین وآسمان کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ پھر ارشاد ہوا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا معلوم ہے کہ ملاءِ اعلیٰ میں کس عمل کے ثواب کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رب العالمین! گناہوں کے کفارات اور ترقی درجات کے بارے میں، ارشاد فرمایا: کفارات ودرجات کیا ہیں؟ فرمایا: کفارات تو یہ ہیں:

① مساجد میں نماز کے بعد بیٹھنا

②اور نماز جماعت کے لئے پیدل چلنا۔
③اور وضو میں جی نہ چاہنے کے باوجود خوب اہتمام کرنا (یعنی سردی کے دنوں میں خوب اچھی طرح وضو کرنا)۔حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا: آپ نے سچ کہا، اے محمد! جو اِن پر عمل پیرا رہا اس کی زندگی بھی خیر و بھلائی پر ہے اور اس کی موت بھی خیر و بھلائی سے ہوگی اور گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے کہ ابھی ابھی ماں کے پیٹ سے نکلا، اور حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا: اے محمد ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جایا کریں، تو ان کلمات کو پڑھ لیا کریں:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً اَنْ تَقْبِضَنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ"

اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں نیکی و بھلائی کے کام کی توفیق، اور برائی کو چھوڑنے کی توفیق اور مسکینوں سے محبت کی توفیق اور جب تو اپنے بندوں میں سے کسی کے ساتھ فتنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے سلامتی کے ساتھ اٹھا لے۔ اور فرمایا: ترقی درجات یہ ہیں: آپس میں سلام پھیلانا، لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات میں نماز پڑھنا جب لوگ خوب غفلت میں سو رہے ہوں۔ (مسند احمد/۳۴۸۴)

کفارات و درجات کیا ہیں؟

حدیث پاک میں تین اعمال کو کفارات کہا گیا ہے اور تین ہی کو درجات کی بلندی میں رکھا گیا ہے۔فرض نمازوں کے بعد مسجد میں ٹھہرنا، پاؤں پیدل مسجد میں نماز باجماعت کیلئے جانا اور اسباغ فی الوضوء یعنی سردیوں میں اہتمام کے ساتھ وضو کرنا۔ دراصل ان تینوں ہی اعمال کا تعلق نماز اور متعلقاتِ نماز سے ہے، کہ نماز تمام اوضاع عبودیت میں جامع اور غایت درجہ کی بندگی کی علامت ہے۔ اور نماز اسلامی شریعت میں سب عبادتوں پر درجہ تقدم و اولیت کا مقام رکھتی ہے کہ عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کی اعلیٰ ترین صورت اور بندہ کی اپنے خالق و مولیٰ سے سرگوشی کی اقرب ترین منزل ہے اور درجات

میں بھی تین چیزیں ہیں۔ السلام علیکم کو عام کرنا، کھانا کھلانا اور رات کی تاریکی میں جب لوگ سو رہے ہوں نماز میں مشغول رہنا۔

آج سلام کرنا لوگوں میں معیوب جانا جاتا ہے اور کھلانے کو مال ضائع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر یہ سلام جس کو آج لوگ محض تکبر و غرور سے نہیں کرتے ہیں، میں کیوں کروں، میں چھوٹا ہوں، یا اگلے سے کم ہوں؟ کل قیامت میں جب ترقی درجات ہوگی تو حسرت و افسوس ہوگا، بعض حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب لوگ صرف پہچان والوں کو سلام کریں گے جبکہ یہ اسلامی حق ہے۔ کھانا کھلانا بھی ترقی درجات کیلئے ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ اس سے بابِ محبت و الفت اور تعلق کی راہ استوار ہوتی ہے یعنی سلام سے محبت کی ابتداء اور کھانا کھانے پر اظہار مسرت کی انتہا اور رات میں نماز میں مشغولیت دلیل ہے اس بات کی کہ بندہ کو دن میں اللہ کی مخلوق سے محبت ہے اور رات میں حق جل مجدہ سے اپنے رابطہ اور تعلق کو استوار کر رہا ہے۔

اللہ پاک ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ **آمین**

حق جل مجدہٗ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا تو حقیقت اشیاء مجھ پر منکشف ہوگئی

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِحْتَسَبَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَىٰ عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثَوَّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ وَقَالَ لَنَا: "عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا اَنْتُمْ" ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ: "أَمَا اِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي

عَنْکُمُ الْغَدَاةَ۔ اِنِّی قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَا قَدَّرَ لِی فَنَعَسْتُ فِی صَلَاتِی حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا أَنَا بِرَبِّی تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ۔ قُلْتُ: لَبَّیْکَ رَبِّ! قَالَ: فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰی؟ قُلْتُ: لَا أَدْرِیْ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا۔ قَالَ: فَرَأَیْتُهُ وَضَعَ کَفَّهُ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِی کُلُّ شَیْئٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ۔ قُلْتُ: لَبَّیْکَ رَبِّ۔ قَالَ: فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰی؟ قُلْتُ: فِی الْکَفَّارَاتِ۔ قَالَ: وَمَا هُنَّ؟ قُلْتُ: مَشْیُ الْأَقْدَامِ اِلَی الْحَسَنَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْئِ حِیْنَ الْکَرِیْهَاتِ۔ قَالَ: فِیْمَ؟ قُلْتُ: اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِیْنُ الْکَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ۔ قَالَ: سَلْ، قُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ، وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِی وَتَرْحَمَنِی وَاِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ أَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ اِلٰی حُبِّکَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا" [صحیح] (للترمذی فی سننه ج۵/۳۲۳۵)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے (واقعہ تفصیلی ہے صرف قول رسول لیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو یہ نہ بتلاؤں کہ مجھے صبح آنے میں دیر کیوں ہوگئی تھی؟ میں بیدار ہوا، وضو کیا، اور نماز میں مشغول ہوگیا، تو اتنی پڑھی جتنی اللہ پاک نے مقدر کی تھی، نماز ہی کی حالت میں مجھ پر نیند سی کیفیت طاری ہوئی یہاں تک

کہ میں نے طبیعت پر ایک بوجھ سا محسوس کیا، اسی حالت و کیفیت میں، میں نے رب العالمین تبارک وتعالیٰ کو حسین ترین صورت میں دیکھا، ارشاد ہوا: اے محمد! میں نے کہا: لبیک یا ربی، حاضر ہوں، اے میرے رب! ارشاد ہوا: ملاءِ اعلیٰ میں کس موضوع پر بحث ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: مجھ کو معلوم نہیں، یہ سوال و جواب تین بار ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر دیکھا کہ اللہ پاک نے اپنا دست مبارک میرے سینہ مبارک پر رکھا جس سے میں نے حق جل مجدہ کی انگلی کی ٹھنڈک وخنکی اپنے سینہ میں محسوس کی، پس تمام حقیقتِ اشیاء مجھ پر منکشف اور واضح ہوگئی اور میں تمام باتوں کو پہچان گیا اور مخفی چیزوں کو جان گیا، ارشاد ہوا، یا محمد! میں نے کہا: حاضر ہوں، ارشاد ہوا: آسمان پر فرشتے کس موضوع پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: کفارات کے بارے میں، ارشاد ہوا: وہ کفارات کیا ہیں؟ میں نے کہا: نیکیوں کی طرف پاؤں پیدل جانا (یعنی نماز کے لئے پیدل مسجد جانا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرنا اور دل نہ چاہنے کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا (یعنی سردی کے دنوں میں خاص کر اچھی طرح وضو کرنا کے اعضاء خشک نہ رہ جائیں) ارشاد ہوا: اور کس بارے میں بحث ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا اور رات کو نماز میں مشغول رہنا، جب کہ لوگ سو رہے ہوں (یعنی ان تین چیزوں کے ثواب میں فرشتے بحث کرتے ہیں کہ کتنا لکھا جائے) ارشاد ہوا: مانگئے آپ کو دیا جائے گا، کہئے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ، اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلٰی حُبِّکَ"

اے اللہ میں نیکی کرنے کی، برائی سے بچنے اور مساکین سے محبت کی توفیق مانگتا ہوں اور یہ کہ آپ میری مغفرت کر دیں، مجھ پر رحم کر دیں اور جب کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو سلامتی کے ساتھ فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھالیں، اور میں آپ سے مانگتا

ہوں آپ کی محبت اور اس شخص کی محبت جو آپ سے محبت رکھتا ہے، اور ایسے محبوب عمل کی توفیق جو آپ کی محبت تک پہنچا دے۔ (آمین ثم آمین!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ یہ کلمات حق ہیں تم ان کو پڑھو اور دوسروں کو سکھلاؤ۔ (سنن ترمذی ۵/۳۲۳۵)

ظاہر حدیث پر ایمان لانا واجب ہے

اس حدیث کی شرح میں سلف کا مسلک یہ ہے کہ ظاہر حدیث پر ایمان لایا جائے اور مزید کیفیت صورۃ ورؤیت کو علم الٰہی کے سپرد کر دیا جائے کیوں کہ پروردگار عالم کی شان ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ نیز اس پر بھی امت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ حدیث کا ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں کیوں کہ ہماری تمام کی تمام تحقیق کے باوجود بھی اس کا کوئی معنی خاص متعین نہیں کیا جا سکتا اور یہاں بھی......

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

......پر عمل کیا جائے لیکن امت میں دو گروہ ہیں سلف اور خلف کے۔

سلف اور خلف کا مسلک

خلف امت اس کے تنزیہی اعتقاد کے باوجود تاویل کرتی ہے کہ اللہ رب العالمین کی رؤیت جو اس حدیث میں ہے کہ آتَانِيْ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ سے مراد صفات جمال وکمال ہیں جو ذات عز اسمہ کی شایان شان ہو اور انہیں صفات جمال وکمال کی تجلی کا ظہور مراد ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھی تھی۔ اور وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ سے مراد اور کنایہ ہے، علوم ومعارف کی طرف، جس کا افاضہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا تھا اور بَيْنَ كَتِفَيْهِ سے مراد قلب ہی ہے کیوں کہ درمیان میں واقع ہے اور بدن سے متصل ہے۔ نیز وجدت بردانامله بین ثدی، بھی اس پر دال

ہے اور اس برودت سے مراد اور مقصود ان علوم کا مملوء ہونا ہے قلب اطہر میں جس سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے کیوں کہ علوم و معارف کی بنیاد پر یقین اور پھر اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: **وَلٰكِنۡ لِيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ** تو اس کی تحقیق کے بعد اب حدیث کے الفاظ......

فَعَلِمۡتُ مَا فِى السَّمٰوَاتِ وَالۡاَرۡضِ یا فَعَلِمۡتُ مَابَیۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ یافتجَلّٰی لِیۡ کُلُّ شَیۡئٍ وَعَرَفۡتُ

......کا مطلب یہ ہوگا کہ جب فیاض عالم نے علوم و معارف کا کمند میرے قلب اطہر میں افاضہ فرمایا تو اس سوال کا جواب میں نے پالیا جو حق جل مجدہ نے پوچھا تھا کہ فِيۡمَ يَخۡتَصِمُ الۡمَلَأُ اَعۡلٰى۔

شریعت کے علوم و معارف

نیز یہاں (بے شمار) لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے جو علم غیب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ ورنہ **مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** سے مراد وہ علوم و معارف ہیں جن کا تعلق شریعت سے وابستہ ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ **مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** سے مراد وہ علوم ہیں جو رب العٰلمین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھلائے ہیں اور اس سے وسعتِ علم کی طرف اشارہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر کھولے گئے تھے۔

وَقَالَ الۡقَارِیۡ فَعَلِمۡتُ مَافِى السَّمٰوَاتِ وَالۡاَرۡضِ، یعنی مَا اَعۡلَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِمَّا فِيۡهِمَا مِنَ الۡمَلَائِكَةِ وَالۡاَشۡجَارِ وَغَيۡرِهَا۔ وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنۡ سَعَةِ عِلۡمِهِ الَّذِىۡ فَتَحَ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيۡهِ (کوکب، ج:۴،ص:۲۵۰)

تجلیاتِ الٰہیہ کی رؤیت

محققین کے نزدیک تجلیات الٰہیہ کی رؤیت کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے تعبیر کیا جاتا

ہے حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر ایک آگ ہی کی صورت دیکھی تھی، لیکن جو آواز اس آگ سے آئی وہ اَنَا رَبُّكَ کی آواز تھی اسی طرح خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت درحقیقت تجلیات الٰہیہ کی رؤیت ہوتی ہے۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے معاملہ کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آچکا تھا۔

آسمان وزمین کے عجائبات کا مشاہدہ خلیل اللہ کو بھی کرایا گیا تھا اُسی قسم کا ایک مشاہدہ یہاں حبیب اللہ کو بھی کرایا گیا ہے لیکن ان تمام مشاہدوں میں سوال وجواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مقصد ان علوم کا ہی افاضہ کرنا تھا جن کے لئے انبیاء مبعوث ہوتے ہیں، چنانچہ جب آپ سے سوال کیا گیا تو جیومیٹری اور الجبرا کے کسی فارمولے کا سوال نہ تھا اور نہ عالم تکوینیات کے کسی باریک مسئلہ کا سوال تھا، بلکہ اسی دائرہ کا سوال تھا جو انبیاءؑ سے متعلق ہیں۔

رب العزت نے جب ان علوم کا افاضہ چاہا تو اس کیلئے عالم رؤیا میں شفقت وکرم کی ایک نرالی صورت اختیار کی، اور اس کے بعد جب پھر سوال ہوا تو وہی پہلا سوال تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں متکلم ومخاطب دونوں کے درمیان جن علوم کا افادہ واستفادہ ہو رہا تھا وہ وہی علوم تھے جو منصب نبوت سے متعلق ہیں۔ جب بحث صرف الفاظ کے عموم وخصوص پر ختم کردی جائے، اور متکلم ومخاطب کا ماحول دماغ سے نکال دیا جائے تو کبھی صحیح مراد حاصل نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم میں بلقیس کے قصہ میں موجود ہے:

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ - اسے ہر چیز میں سے ایک حصہ ملا تھا۔

سیاق وسباق کی رعایت کرنا منظور ہے اور اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو خدم وحشم، ساز وسامان کسی بادشاہ کو درکار ہوتے ہیں وہ سب اس کو بھی حاصل تھے۔ لیکن اگر

صرف الفاظ کے عموم کو دیکھ کر یہ بحث شروع کردو کہ جب اس کو ہر چیز دی گئی تھی تو داڑھی بھی ضرور دی گئی ہوگی تو یقیناً نتیجہ غلط ہوگا۔ تورات کے متعلق ارشاد ہے:

تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ - اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

اب اگر یہاں صرف اس عموم پر ہی فیصلہ کرو تو پھر قرآن کی ضرورت کیا رہتی ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ

قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَقَامًا مَاتَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِہٖ لَکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مِنْ نَسِیَہٗ قَدْ عَلِمَہٗ اَصْحَابِیْ ھٰؤُلَاءِ وَاِنَّہٗ یَکُوْنُ مِنْہُ الشَّیْءَ قَدْ نَسِیْتُہٗ فَاَرَاہُ فَاَذْکُرُہٗ کَمَا یَذْکُرُ الرَّجُلُ وَجْہَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ مِنْہُ ثُمَّ اِذَا رَاٰہُ عَرَفَہٗ۔ متفق علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا اور قیامت تک جو حوادث شدنی تھے ان میں کوئی واقعہ نہیں چھوڑا جو بیان نہ کر دیا ہو جس نے یاد رکھا، یاد رکھا اور جو بھول گیا بھول گیا۔ یہ بات میرے سب رفقاء بھی جانتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ مجھے یاد نہیں آتا جب پیش آجاتا ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں تو اس طرح یاد آجاتا ہے، جیسے کوئی شخص کسی کو غائبانہ یاد کرے اور یاد نہ آئے جب دیکھے تو یاد آجائے اور پہچان لے۔ (بخاری)۔

اس حدیث کو اگر دنیا کے فتنوں پر محمول کیا جائے تو اس کا مضمون بالکل صاف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس وعظ میں آپ نے قبل از قیامت جو خاص خاص فتنے پیش آنے والے تھے سب بیان فرما دیئے، لیکن نبی اور صحابہ کے مخصوص ماحول کو چھوڑ کر لفظی عموم پر اتر آؤ اور ماترك شیئا کا مفہوم یہ لے لو کہ ہر چھوٹے بڑے واقعات خواہ وہ دنیا

کے کسی معاملہ سے متعلق ہوں آپ نے سب بیان کردیئے تھے تو پھر یہی حدیث عقل ونقل دونوں کے خلاف ہو جائے گی! کیونکہ ایک وعظ میں دنیا بھر کے صرف ایک گھنٹہ بلکہ ایک منٹ کے واقعات بھی تمام نہیں سما سکتے قیامت تک کے واقعات تو کجا اس قسم کی موشگافیاں اگر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں پیدا کردی جائیں تو یقیناً بات کرنا دوبھر ہو جائے، بلکہ نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ سوچیے اگر ایک ایسے شخص سے جو اگر لکچر میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرچکا ہے، آپ یہ دریافت کریں کہ کیا وہ تمام کتابیں پڑھ چکا ہے تو یقیناً اس کا جواب اثبات ہی میں ہوگا۔ اب اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ جب تو نے فلسفہ، علم الارض اور علم الاخلاق وغیرہ وغیرہ کی کتابیں نہیں پڑھی تو پھر تیرا 'تمام' کا لفظ کہنا جھوٹ ہے اس کا حاصل یہی ہوگا کہ اس پر آپ بات چیت کا دروازہ ہی بند کردیں، اس حدیث میں بھی نبی اور اللہ کے مابین تعلیم وتعلم کے ایک محفل کا ذکر ہے اس کے سیاق وسباق سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس مجلس کا خلاصہ ان علوم کا افاضہ تھا جو آسمانوں میں ایک اونچی سوسائٹی کے درمیان زیر بحث تھے۔

اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم وتکریم ان علوم کو براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سکھا دیا آپ نے یہ کرم فرمایا کہ ان کو صیغہ راز میں نہیں رکھا، بلکہ اپنی امت کو بھی پہنچا دیا اور اس طرح، نبی رحمت کی وجہ سے آپ کی امت نے بھی ان علوم کو حاصل کرلیا جن سے عام فرشتے بھی نا آشنا تھے، ہمیں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس حدیث میں جتنے امور بتائے گئے تھے بس وہ اتنے ہی تھے اور نہ اس حسابی ناپ تول کا ہمیں حق ہے، ممکن ہے کہ اور بھی بہت سے امور کا انکشاف ہوا ہو، لیکن جن علوم سے منصب نبوت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ان کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے اس سے زیادہ کی ہم نفی نہیں کرتے کسی دلیل صریح کے بغیر اس کے اثبات پر تم اصرار مت کرو۔

درحقیقت یہ ایک بڑی گستاخی ہے اور جہالت کی بات ہے کہ ایک حقیر مخلوق اللہ اور اس کے رسول کے علوم کا احتساب شروع کردے ہمیں ہرگز اس کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام علوم اٹھا کر نبی کے دامن میں ڈال دیں اور نہ اس کا کہ اپنی جانب سے کوئی ایسی صاف تقسیم کردیں جس کے بعد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم میں پورا پورا امتیاز ہوجائے، یہ سب مباحث تفریق بین المسلمین کی بنیاد ہیں ہمارے ایمان کیلئے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اس میں سے وہ جس رسول کو جتنا چاہے دے دیتا ہے اس غیب الغیب میں سے جتنے علوم اس نے ہمارے رسول کو بخشے اتنا حصہ اپنے رسولوں میں کسی کو نہیں بخشا، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ (ترجمان السنہ، ج ۱، ص: ۴۴۳ تا ۴۴۶)

حدیث میں ''ملا اعلیٰ'' سے مراد سکّان السمٰوات، کرسی عرش حافین العرش ہیں۔ خصم ونزاع سے یا تو ثواب لکھنے میں سبقت مراد ہے کہ ہر فرشتے ان اوصاف کے حاملین کے ثواب لکھنے میں سبقت کرتے ہیں، یا اس سے مراد کمیت ثواب کا نزاع ہے کہ کتنا ثواب لکھا جائے بعض کم بعض زیادہ ثواب لکھتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ فرشتے اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ ہم بھی ساکنین ارض ہوتے تاکہ ہم ان اعمال میں سبقت لے جاتے کیوں کہ فرشتوں کو ثواب و جزاء معلوم ہے واللہ اعلم۔

وہ اعمال جن کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں لَا اَدْرِیْ فرمایا اور پھر وہ تمام غیبی حجابات مکشوف و بے حجاب کرکے بتلائے گئے آخر تھے کیا؟

① مسجد میں نماز کے بعد کا ٹھہرنا، ظاہری بات ہے کہ جب نماز ہوگئی تو پھر مسجد میں ٹھہرنے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے اس کی وضاحت ابن ماجہ کی حدیث جو نفحات قدسیہ میں

نمبر ۱۴۵ پر درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسرے نماز کے لئے انتظار کرنا مقصود ہے اور یہی انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ کفارہ بن جاتے ہیں کیوں کہ مسجد تمام کرہ ارض میں بہترین جگہ ہے ایک تو مسجد کے قیام کی فضیلت دوسرے انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ حکم میں نماز ہی کے ہے جب تک کہ لغو ولہو سے بچتا رہے اور حدود مسجد کی نگہداشت رکھے۔

② دوسری فضیلت جس سلسلہ میں ملاء اعلیٰ میں جھگڑا ہوتا ہے وہ یہ ہے پاپیادہ جماعت کی نماز کے لئے مسجد تک جانا۔ حدیث میں پا پیادہ مسجد میں نماز کے لئے جانے کی بے حد فضیلت آئی ہے۔ روایتوں میں ہے کہ ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور ایک ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔

③ تیسری جو چیز ملاء اعلیٰ میں باعث نزاع ہے وہ ہے اِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِہِ - اس سے مراد ہے وضو میں اتباع سنت کی رعایت رکھتے ہوئے اعضاء وضو کو کامل اور مکمل دھونا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ وہ ہاتھ بغل تک اور پاؤں گھٹنے تک دھویا کرتے تھے، سائل نے سوال کیا کہ ایسا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک تم جنت میں زیور پہننا چاہتے ہو وہاں تک دھویا کرو۔ (مفہوم روایت)

اسباغ فی الوضوء سے مراد یہ بھی ہے کہ اہتمام کے ساتھ اعضاء وضوء کو دھویا جائے تا کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے تیز سردی کے دنوں میں پانی کا استعمال طبیعت پر گراں گزرتا ہے اس لئے طبیعت کی ناگواری کے باوجود اہتمام فی الوضوء کیا جائے۔

بعض روایتوں میں اِطْعَامُ الطَّعَامِ یعنی مسکینوں کو کھانا کھلانا اور لِيْنُ الْكَلَامِ تکلم ولہجہ میں خطاب نرم اختیار کرنا اور وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ - جب تمام عالم

محوِ خواب ہو تو آپ اس کی عدالت میں کھڑے ہوں جس کی شان ہے لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ - جس کو نہ اونگھ اور نہ نیند آتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں بے حد شوار گزار ہیں اور خاص کر رات کی نماز، قرآن کریم میں خاص طور پر رات کے نماز کی اہمیت بیان کی گئی ہے سورۃ الفرقان کا آخری رکوع دیکھیں۔ واللہ اعلم۔

فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
درد بن کر دلِ بے درد میں گھر پیدا کر

تفصیل کے لئے نفحاتِ قدسیہ حدیث نمبر ۱۴۴ دیکھ لیں۔

خواب میں حق تعالیٰ کا دیدار ائمہ و اولیا کو نصیب ہوا

اس دنیا میں آنکھ میں صلاحیت و قدرت نہیں کہ رب العزت کو دیکھ سکے۔ آخرت میں حق تعالیٰ قوت و قدرت عطا کریں گے اور اپنا دیدار کرائیں گے۔ کیونکہ اہل اصول علماء کا اتفاق ہے کہ **رؤیۃ اللہ تعالیٰ فی المنام جائزۃ باتفاق العلماء**۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں بالاتفاق علماء اسلام کے نزدیک جائز ہے۔ ہمارے علماء متقدمین میں قاضی عیاض صاحب شفاء عارفین و کاملین میں ہیں۔ اہل ذوق و شوق اور صاحبِ قال نہیں صاحبِ حال و وجد ہیں۔ شعور و آگہی میں خوب نورِ بصیرت رکھتے ہیں۔ بات با وزن نورِ ایمان و ایقان سے فرماتے ہیں۔ خواب میں دیدار الٰہی کے جواز میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ابھی آپ نے حدیث تفصیل کے ساتھ پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ کو احسن صورت خواب میں دیکھا اور درجات و کفارات کے عقدہ کو حل کیا۔ اور حسنات کی تفصیل سے امت کو باخبر کر دیا اور کفارات کی نشاندہی کر دی۔ اس طرح عالم غیب میں امت کے اعمال کی قدر و قیمت کا ایک باب کھل کر سامنے آ گیا۔ رحمن و رحیم بروز قیامت اور کیا کیا انمول و قیمتی ثمرات و حسنات کو

کھولے گا جو غیب میں چھپا رکھا ہے۔ واللہ اعلم

نیز یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح حبیبؐ کو اللہ رب العزت نے **رؤیت فی المنام** کی نعمت سے نوازا، امت کے اولیاء ربانیین پر بھی فضل فرمائے گا اور جن صلحاء واتقیاء کو اپنے رسولِ اعظمؐ سے فکر ونظر میں موانست ومصاحبت اور مناسب ومجالست اور فیض نبوت سے باطن کی یگانگت ومقارنت ہوگی وہ اسی مناسب ونسبت کے زیر اثر رؤیت باری کی نعمت سے نوازا جاتا ہے اور یہ انتخاب محض فضل باری ہے۔ جس پر اس سیہ کار کو کلام کی گنجائش نہیں۔

واللہ ذوالفضل العظیم۔ بات سب فضل کی ہے

ہے مجھے **لاتقنطوا** کا آسرا، دیکھوں تجھے

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا

(ا) اس کائنات عالم میں باکمال اولیاء وائمہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس دارِفانی میں ہی رب ذوالجلال، نورِ مطلق کو دیکھا بھی اور ہم کلامی یعنی سوال بھی اپنی خیرخواہی اور حصولِ قرب ورضا کی پیش کردی اور سمیع وعلیم نے اپنے بندۂ خاص کی تمنا وآرزو کو سنی بھی اور مجیب وقریب نے جواب سے بندہ کو نوازا بھی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ آمین

اُن مقربین ومکرمین میں نہ معلوم کتنے ہی اہل رضاء ہوں گے جن کو اسی دُنیا میں خواب میں شرفِ لقاء نصیب ہوا ہوگا۔ اور اہل وفا آج بھی اس نعمتِ لامثالی سے نوازے جاتے ہیں۔ انہی میمون ومسعود اور بانصیب ومنتخب من اللہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کو ایک سو بار اللہ رب العزت کی زیارت خواب میں ہوئی

اور نورِ مطلق کی تجلی کا دیدار ہوا۔

جب سوویں مرتبہ حق جل مجدہ کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے عرض کیا اے رب، عزت پا گیا تیرا پروسی اور تیری شان بلند و بالا ہے تیرا نام پاک ہے تیرے عذاب سے تیرے بندے قیامت کے دن کیسے نجات پائیں گے (یعنی قیامت کے دن تیرے عذاب سے نجات کی کیا تدبیر ہے تاکہ تیرے بندے عذاب سے نجات پا جائیں) تو حق جل مجدہ نے فرمایا جو صبح و شام ذیل کی تسبیح کے کلمات پڑھے گا اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔

امام اعظمؒ نے خواب میں قربِ الٰہی کا نسخہ حق تعالیٰ سے معلوم کیا

مجیب و قریب حق تعالیٰ نے ذیل کی دعا خواب میں امام اعظمؒ کو تلقین کی اور بتلائی:

سُبْحَانَ الْأَبَدِيِّ الْأَبَدِ،

پاکی ہے اس ذات کیلئے جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے

سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ،

پاکی ہے اس ذات کے لئے جو ایک اور یکتا ہے

سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدِ،

پاکی ہے اس ذات کیلئے جو تنہا اور بے نیاز ہے

سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَاءِ بِلَا عَمَدٍ،

پاکی ہے اس ذات کے لئے جو آسمانکو بغیر ستون کے بلند کرنے والا ہے

سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْأَرْضَ عَلَى مَاءٍ جَمَدٍ،

پاکی ہے اس ذات کے لئے جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جمے ہوئے پانی پر

سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَأَحْصَاهُمْ عَدَدًا،

پاکی ہے اس ذات پاک کیلئے جس نے پیدا کیا مخلوق کو، پس ضبط کیا اور خوب جان لیا ان کو گن کر

سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ وَلَمْ يَنْسَ أَحَدً،

پاکی ہے اس ذات پاک کیلئے جس نے روزی تقسیم کی اور کسی کو نہ بھولا

سُبْحَانَ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدً،

پاکی ہے اس پاک ذات کیلئے جس نے نہ بیوی اپنائی نہ بچے

سُبْحَانَ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

پاکی ہے اس ذات پاک کیلئے جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، اور نہیں ہے اسکے جوڑ کا کوئی۔

شامی، ج ۱،ص ۱۱۴ مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند۔ فتاوی رحیمیہ، ج ۷، ص ۱۰۶، ۱۰۷،

امام احمد بن حنبلؒ نے تقرب الی اللہ کا سوال کیا

(۲) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ جل مجدہ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب ہو کیا چیز ہے؟

ارشاد ہوا کہ احمد میرا کلام ہے، میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے دونوں طرح موجب تقریب ہے۔ (مختصر منہاج القاصدین ص ۵۱ فضائل قرآن ص ۳۵)

حیاۃ الحیوان دمیری میں ہے کہ انہوں نے رب العزت سے سوال کیا کہ

یارب بماذا ینجوا العباد یوم القیامۃ (حیاۃ الحیوان دمیری، ج ۱، ص ۵۸)

قیامت کے دن لوگ نجات کیسے پائیں گے۔ جواب ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت۔

(۳) سریج بن یونس بغداد کے عظیم زاہد و عابد اور سنت میں لوگوں کے مقتدا، اور پیشوا ہونے کے ساتھ ائمہ حدیث میں عبادت و صلاح اور اوصافِ کمال سے نمایاں مقام ہے۔ ان کے متعلق عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ میں نے سریج بن یونس سے سنا ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا ہے تو اُن سے حق جل مجدہ نے

سوال کیا یا سریج تجھے کیا چاہئے مجھ سے مانگ۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر۔ج ۳،ص ۴۵۸)

(۴) عبداللہ بن ابراھیم بن واضح، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خواب میں دومرتبہ اللہ رب العزت کو دیکھا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲۵،ص ۳۵۰،تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲۶،ص ۶۵۰)

(۵) صالح بن یونس۔انہوں نے خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا اور پیدل چل کر ستر حج بیت اللہ کیا ہے اور انکی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲۱،ص ۱۹۴)

(۶) یعلی بن موسی ابر بری صوفی نے اللہ تعالیٰ کوخواب میں دیکھا۔

تاریخ الاسلام للذھبی ۔ ج ۲۶ ص ۶۵۰

(۷) ابوالمظفر منصور ابن محمد بن عبدالجبار بن احمد التمیمی السمعانی المروزیؒ الحنفی ثم الشافعی فرماتے ہیں میں حج بیت اللہ کے لئے جارہا تھا تو جب مقام سمیرا میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ابوالمظفر میری طرف لوٹ کر آجا۔

تاریخ الاسلام ۔ص ۳۳،ص ۳۲۱

(۸) ابوعلی القومسانیؒ فرماتے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کوخواب میں دیکھا تو حق تعالیٰ نے مجھے دو پیالہ عطا کیا تو میں نے دونوں سے پی لیا اور پیتے وقت قرآن کی آیت:

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا

ترجمہ: اوران کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا، تلاوت کر رہا تھا۔

اور ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔اے ابوعلی تم پریشان خاطر نہ ہو (یعنی اس ظاہری قحط سالی میں دل تنگ نہ ہو کہ گزربسر کس طرح ہوگا) اس لئے کہ تم میرے عیال ہو اور تیرے عیال بھی میرے عیال ہیں اور تیرے مہمان بھی میرے عیال ہیں۔ تاریخ الاسلام للذھبی ۔ ج ۲۷،ص ۱۳۴

(۹) ابوالقاسم القشیریؒ نے فرمایا کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا تو وہ مجھ سے ہم کلام تھا اور میں حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوا۔ اسی درمیان حق جل مجدہ نے فرمایا صالح آدمی آرہے ہیں تو میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ احمد الثعلبی تشریف لارہے ہیں۔ جن کی تفسیر ثعلبی ہے۔ معجم الادباء للحموی۔ ج ۳، جز ۵، ص ۳۶ ۔ تاریخ الاسلام للذھبی۔ ج ۲۹، ص ۱۸۵

(۱۰) ابوحامد احمد بن خضرویہ خراسان کے کبار مشائخ میں ہیں اور سلوک واحسان اور تصوف میں بلند رتبہ ومقام کے ساتھ امام اھل سنت والجماعت کے بڑے بلند پایہ علماء میں سے ہیں۔ زاھد کبیر اور مشہور ربانی صفات سے متصف ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا۔

تو حق تعالیٰ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ۔ **کل الناس یطلون منی**۔ پوری دنیا کے لوگ مجھ سے اپنی اپنی ضرورت کا سوال کرتے ہیں۔ **وابو یزید البسطامی یطلبنی**۔ اور بایزید بسطامی میرا طالب ہے۔ یعنی سب لوگ اللہ سے دنیا وآخرت کی چیزوں اور نعمتوں کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ سے غیر اللہ کو مانگتے ہیں اور بایزید اللہ سے اللہ ہی کو مانگتے ہیں۔ مختصر منہاج القاصدین، ۳۶۳۔ صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی جزء ۳ و ۴، ص ۳۵۶

(۱۱) حضرت بایزید بسطامیؒ نے خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا۔

صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی جزء ۳ و ۴، ص ۳۵۵

حضرت بایزید بسطامیؒ نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا تو حق تعالیٰ سے سوال کیا **کیف الطریق الیک**؟ یا اللہ آپ تک وصول کا کیا طریقہ ہے؟ جواب ملا۔ **اُترك نفسك وتعال**۔ نفس کو چھوڑ دو اور آ جاؤ۔ سچ یہ ہے کہ نفس کی خواہشات وصول الی اللہ میں بڑا حجاب ہیں۔ نفس کی خواہشات سے جو بفضل الٰہی نجات پا گیا اس کو حق تعالیٰ تک رسائی ہوگئی۔ **ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی**

الماوی۔ الاعتصام للشاطبی۔ ج ا،ص ۲۶۰

(۱۲) ابراھیم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے کھڑا کردیا گیا۔ صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی۔ جزء ۳و۴،ص ۳۸۸

(۱۳) یوسف بن موسیٰ القطانؒ فرماتے ہیں کہ۔ ابوعمر الاوزاعی نے فرمایا کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی۔ جزء ۳و۴،ص ۴۶۸

(۱۴) مصر کے صالحین میں ابوھادون الخرقیؒ گزرے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا۔

یاربی انت ترانی۔ اے رب آپ کی ذاتِ پاک مجھے دیکھتی

وتسمع کلامی۔ اور میری بات کو سنتی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے جواب دیا

نعم۔ ہاں ضرور۔

یہ ایک حضورِ حق کی کیفیت جو مناجات کی لذت کو دوبالا کرتی ہے۔ اور یہ کیفیت اجابتِ دعا کیلئے۔ فتح بابِ رحمت کا کام دیتی ہے اھل اللہ۔ یا خاصانِ حق اسی شان سے محوِ مناجات ہوتے ہیں۔ مذکورہ بزرگ نے بے نیاز ذات کے سامنے اپنے ربط و حضور کو بطور شکر پیش کردیا ہے اور حق تعالیٰ نے بھی بندہ کے نیاز کی قدر کرکے نعم سے جواب دیدیا۔

سبحان من لاتری العیون و ترانی وتسمع کلامی۔ سبحانہ۔

سبحانہ۔ المواعظ للمقریزی۔ ج۲،ص۲۵۵

(۱۵) حضرت رقبہؒ فرماتے ہیں میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ تو حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور سلیمان التیمی کو اچھا ٹھکانہ وجائے پناہ دونگا۔ شعب الایمان للبیہقی۔ ج ۳،ص ۱۶۴

(۱۶)ابن البرالبھاریؒ فرماتے ہیں میں نے فتح بن شخرف ابونصرالکشیؒ جو بہت بلند مرتبہ زاھداور بغداد کے کبار مشائخ صوفیہ میں سے ہیں فرماتے تھے کہ میں نے اللہ رب العزت کوخواب میں دیکھا توحق جل مجدہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے فتح بچو(یعنی معاصی ومنکرات اور ظاہروباطن کوتمام سیئات کی ظلمت وکدورت اورگناہ کی نحوست و نجاست سے خوب بچاؤ)اور جوگناہ بےخبری وبےشعوری میں ہوجائے،میں اس پر مواخذہ نہیں کرونگا۔صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی،ص ۶۴۳

(۱۷)شیرویہ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عبیدان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر دیکھی ہے کہ انہوں نے رب العزت کوخواب میں دیکھا توعرض کیا یااللہ آپ نے زمین کو پیدا کیااورمخلوق کو پیدا کیا پھران کوہلاک کیا(عتاب وعذاب دے کر۔یا پھر عام طبعی موت کے ذریعہ وفات دے کر)پھراس کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا(یعنی ایک قوم کی ہلاکت ووفات بھی تیرے کمالِ قدرت کی دلیل ہےاور پھرایک قوم کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگوں کی تخلیق بھی تیری سطوت وقوت اورکمالِ قدرت کی دلیل ہے) بارگاہِ قدس میں میرا یہ اعتراف مجھے ایسامحسوس ہوا کہ اللہ رب العزت میری اس بات سے خوش ہوگیا جواللہ تعالیٰ کی شان میں میں نے کمالِ قدرت کی مدح وتعریف کی تھی۔ اس کے جواب میں بارگاہِ قدس سے مجھے ایسی بات کہی گئی جس سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کومتنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں میرے مزاج میں اس بات پر کہ اللہ کومیری بات پسند آئی فخر وافتخار کا خیال وجذبہ نہ پیدا ہوجائے۔(حدیث میں آیا کہ جنت کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں اس پر فخر نہیں کرتا حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔اور میں اس پر فخر نہیں کرتا وغیرہ۔بات دراصل یوں ہے کہ اگر کوئی نعمت بارگاہِ قدس سے ملی

ہے تو اس پر حمد ہونی چاہئے نہ کہ فخر۔اس جگہ عبداللہ بن عیدان نے جو بھی اللہ کو دیکھنے کے بعد عرض کیا اور وہ حق تعالیٰ کو پسند بھی آیا ممکن ہے بعد میں اِس پسندیدگی پر ان کے مزاج وخیال میں اس پر کوئی ایسی فخر اور اپنے قرب وتقرب کی بات مزاج میں آ سکتی تھی جو حق تعالیٰ کی جناب میں ناپسند ہوتی۔اللہ رب العزت سرائر وضمائر کو جانتے ہیں قبل از وقت ہی عبداللہ بن عیدان کو باخبر کر دیا گیا کہ تم نے جو میرے کمالِ قدرت وقوت کی بات کی ہے اور میں نے خوشی کا اظہار کیا یہ محض میرا فضل ہے کہ تمھاری زبان سے میں نے کمال قدرت کے الفاظ نکالے اور میں نے قبول بھی کئے اس پر تم فخر نہ کرنا فضل الٰہی پر فخر نہیں۔حمد تیرے نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت واسوہ ہے۔سچ ہے:

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

(اللہ اپنے اولیاء کی تربیت کرتا ہے یہ اس قسم کی تربیت الٰہی کا انوکھا انداز ہے)

سبحان من يتولى الصالحين اللهم اجعلنا منهم بفضلك العظيم۔ آمين

(۱۸) بعض ملاح تھے دریائے نیل کے جنہوں نے بیان کیا کہ ایک روز مقام زورق میں تھے کہ ایک نورانی باوجاہت شکل وصورت کے آدمی کو دیکھا۔انہوں نے ملاح سے کہا کہ میں تم کو ایک امانت سپرد کرنا چاہتا ہوں؟ تو ملاح نے کہا کہ وہ امانت کیا ہے؟ تو اس وجیہہ وبارونق انسان نے کہا کہ کل تم مجھے ظہر کے وقت اس درخت کے نیچے مردہ پاؤ گے۔اور مجھے معلوم ہے کہ تم اس میری اطلاع کے باوجود مجھے بھول جاؤ گے۔ جب تم کو اللہ یاد دلائے گا تو تم میرے پاس آنا، غسل دینا، اور مجھے سر کے نیچے جو کفن ہوگا اس میں کفنا دینا۔(ان کو اس ملاح نے ایسا ہی کیا یعنی بھول کر چلے گئے پھر جب یاد آیا آ کر اُن کو کفن ودفن کیا) پھر ان کو نیند آ گئی تو خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا

تو حق جل مجدہ نے اس ملاح سے فرمایا۔اے میرے بندے کیا تجھ پر بھاری ہو گیا تھا کہ میرے ایک گنہگار بندے کے پاس واپس آ کر احسان کرتا۔(کیوں کہ وفات پانے والے نے پہلے ہی اطلاع دیدی تھی کہ کل میں وفات پا جاؤنگا، اس درخت کے نیچے مگر تو بھول جائے گا اسی کی طرف اللہ نے بھی خواب میں اشارہ کیا ہے۔

المستطرف للابشیھی۔ج ۱، ص ۱۴۷

(۱۹)ابوالحسن بن سالم البصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر محمد بن مجاہد المقری (قاری) کو فرماتے سنا کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا تو میں نے دو ختم قرآن رب العزت کے سامنے تلاوت کی جس میں دو مقام پر میں نے لحن اختیار کیا تو اس کا مجھ کو غم ہوا کہ میں نے لحن کیوں کیا۔تو حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا۔اے مجاہد، الکمال لی۔ الکمال لی۔ کمال تمام تر میرے لئے ہے۔کمال تمام تر میرے لئے ہے۔تم اس پر غم نہ کرو کہ لحن اختیار کرنے سے جو نقص پیدا ہو گیا وہ کیوں کیا۔کمال تو رب ذوالجلال کی صفات میں سے ہے، بندہ میں نقص ہی نقص ہے۔

(۲۰)اسحق بن ابراھیم الجیلی فرماتے ہیں کہ میں نے سریج بن یونس کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ گویا کہ اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہیں اور میں پہلی صف کے آخر کنارہ پر کھڑا ہوں اور ہم سبھی رب العزت کے حکم کے منتظر ہیں کہ ارشاد ہوا تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ تمام مجمع ساکت وخاموش ہے تو میں صف اول سے آگے گیا، تو حق تعالیٰ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا بھید کو بھید ہی رکھئے۔(یعنی میرے پوشیدہ عیوب وخامیوں کو پوشیدہ ہی رہنے دیجئے۔راز فاش نہ کیجئے۔ستاری کا ستر ہی رکھئے) تو حق تعالیٰ نے فرمایا ہاں میں نے تم کو پیدا کیا تھا

تو اب عذاب نہیں دونگا پھر حق جل مجدہ نے آسمان میں کبریائی کی تجلی کا حجاب ڈال کر پردہ کرلیا۔ صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی۔ جزء ۱/ ۲/ ص ۶۱۸۔ تاریخ الاسلام للذھبی ، ج ۱۸، ص ۱۶۹

(۲۱) ابوعبدالرحمن جو رفیق و دوست ہیں بشر بن الحارث کے۔ ان کے ایک ساتھی نے حضرت بشر کے وفات سے تھوڑی دیر قبل خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بشر بن الحارث کو کہہ دو کہ اگر وہ آگ کے انگارے پر بھی میرے لئے سجدہ کرتے تو بھی میری اِس نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا جو میں نے اُن کا نام لوگوں میں بھلائی و خوبی کے ساتھ پھیلا دیا ہے۔ مختصر تاریخ دمشق۔ ج ۳و ۴، ص ۳۵۵

بشر حافی اور اللہ رب العزت کے نام کا ادب

حضرت بشر بن حافی سے پوچھا گیا کہ آپ کی اللہ کے یہاں مقبولیت کا کیا سبب ہے؟ اس لئے کہ آپ کا نام لوگوں میں اس طرح مشہور ہے جیسے کسی نبی کا نام ہوتا ہے۔ فرمانے لگے: یہ محض اللہ رب العزت کا فضل ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ میں ایک گنہگار اور عیاش طبیعت کا آدمی تھا، ایک مرتبہ راستے سے گزرتے ہوئے ایک کاغذ پر نظر پڑی میں نے وہ کاغذ اُٹھا کر دیکھا تو اس میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کاغذ کو صاف کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ میرے پاس اس وقت صرف دو درہم تھے، اور ان دو درہموں کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک نہیں تھا، میں عطر فروش کی دکان پر گیا اور ان دو درہموں سے میں نے "غالیہ" خوشبو خریدی۔ (غالیہ ایک خوشبو ہے جو مشک، عنبر، عود اور دہن سے ملا کر بنائی جاتی ہے) اور وہ خوشبو اس کاغذ میں مل دی۔ اس رات جب میں سویا تو خواب میں مَیں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"یا بشر بن الحارث رفعت اسمنا عن الطریق وطیبته لاطیبن اسمک فی الدنیا والآخرۃ"۔

''اے بشر بن حارث، تُو نے ہمارے نام کو راستے سے اُٹھا کر صاف کر کے معطر کیا ہے، ہم تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔ (کتاب التوابین، علامہ مقدسی:۲۲۶)

اللہ تعالیٰ کا نام ادب سے لینا چاہئے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں تو ''تبارک و تعالیٰ'' یا ''تعالیٰ'' یا ''رب العزت'' یا ''جل جلالہ وعم نوالہٗ'' ضرور لگائیں، لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی۔

حق تعالیٰ کی معرفت کیلئے اسمائے الٰہیہ بتائے گئے

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ابھی بہت سے وہ بھی ہیں جو ہمیں بتلائے نہیں گئے، حدیث کے الفاظ **او استاثرت بها فی علم الغیب عندك یا او علمته احدا من خلقك** سے اسی طرف اشارہ نکلتا ہے (یعنی وہ اسماء جو تو نے صرف اپنے ہی علم کیلئے مخصوص رکھے ہیں یا وہ جن کو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو بتلائے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات کے تعارف کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ خود یا اس کی صفات، عالم امکاں میں مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اس لئے یہاں مشاہدۂ ذات تو ممکن نہ ہوا اور حضرت موسیٰؑ علیہ السلام جیسے اولوالعزم کو بھی آخر لَنْ تَرَانِیْ کا زخم کھانا ہی پڑا، اسی لئے صورت صرف اسماء وصفات کے ذریعہ تعارف کی باقی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اسماء الٰہیہ بتلا دیئے جائیں اور اتنے بتلا دیئے جائیں کہ ایک معرفت ذات کا متلاشی اس راہ سے گزر کر در مقصود تک بسہولت رسائی حاصل کر لے، اسی لئے قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ جگہ جگہ اسماء صفاتی استعمال کرتا ہے پھر اپنے ماقبل و مابعد میں ان صفات کے مظاہر بطریق استشہاد پیش کرتا جاتا ہے تاکہ پہلے ان صفات کی عظمت ذہن نشین ہو اور انسانی

تصور ادراک والفاظ کی وجہ سے ان کے بلند حقائق فہمی میں جو کوتاہی وخامی باقی رہ جائے وہ ان کے مظاہر دیکھ کر پوری ہوتی رہے اگر وہ اس کی عزت وقہر کا تذکرہ کرتا ہے تو بتلا دیتا ہے کہ یہ وہ عزت وقہر نہیں ہیں جس کی اس کے تصور میں سمائی ہو یا اگر جود ومہر کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ سمجھا دیتا ہے کہ یہ اس نوع کا جود ومہر نہیں کہ وہاں تک عقل کی رسائی ہو اس کے اسماء وصفات اصل مقاصد نہیں بلکہ ذات کی معرفت کا صرف ایک راستہ ہیں جن میں سے گزر کر ذات پاک کی جھلک نظر آتی رہتی ہے۔ اگر ان اسماء و صفات کا توسط نہ ہوتا تو داغ مہجوری عالم امکان کیلئے ہمیشہ نقدِ وقت رہتا ذات پاک اپنے بے نیازی میں اور ممکن اپنے ادراک کے عجز وقصور میں ہمیشہ سرگرداں نظر آتا یہ ذات اقدس کی بڑی فیاضی تھی کہ اس نے اپنی معرفت کیلئے حجاب صفات ڈال دیا ہے کہ جو مشتاق اس ذات مجتمع جمیع صفات کا نظارہ کرنا چاہے وہ اس حجاب میں آج بھی نظارہ کرسکتا ہے

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

سورۂ ملک کو پڑھئے، اس کی ابتدا تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز سے ہوتی ہے، اس میں ربّانی ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کی وسعت کے وہ حدود بتلائے گئے ہیں جو انسانی دست رس سے وراء الورا ہیں۔ اس ضمن میں ایک ملک والے کیلئے جو اسماء وصفات درکار ہیں ان کو موقعہ بموقعہ ایسا چسپاں کیا گیا ہے کہ گویا وہ آیت اسی اسم کی حقیقت کی تشریح وتفہیم کیلئے اتری ہے اسی لئے علماء معانی نے اعجاز آیات کو قرآن کا ایک اعجاز قرار دیا ہے۔

بہرحال اگر اس تخیل واستحضار کے ساتھ آپ سورۂ ملک پڑھیں تو ابھی آپ آخر

سورت تک پہنچنے نہیں پائیں کہ الٰہی جبروت وملکوت کا ایک قاہرانہ تسلط آپ کے دل و دماغ پر مستولی ہو جائے گا، استواء علی العرش اور سبع سماوات وارض عرش وکرسی کا تذکرہ بھی اس لئے نہیں ہے کہ ربانی کیلئے کسی بڑے مکان کا تصور قائم کیا جائے بلکہ اس لئے ہے کہ ایک عاجز مخلوق کو ایک نادیدہ ذات کا تعارف ہو تو کیسے ہو اس لئے اس کی پرواز کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند تخیل کو اس کے سامنے رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کی عظمت وجلال کی بلند سے بلند رفعتوں کو عبور کرنے کے قابل ہو جائے یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ بلا مصداق ہیں یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے، ہرگز نہیں۔ قرآن شاعرانہ خیال بندی سے بہت دور ہے وہ اسی لئے شعر کی مذمت کرتا ہے کہ اس میں حقیقت نہیں ہوتی اور یہاں صرف حقیقت ہی حقیقت ہے بلکہ عالم قدس نے درحقیقت ان اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی حقیقیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ذات پاک کا تصور پھر اس سے وراء الوراء ہے یہاں شیخ اکبرؒ کے الفاظ کس قدر قیمتی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

ذلک لان صور المعتقدات والمعقولات هی جسور یعبر علیها بالعلم ای یعلم ان وراء هذه المظاهر امرا لایصح ان یعلم ولایشهد ولیس وراء ذلک المعلوم الذی لایشهد ولایعلم حقیقت مایعلم۔ اصلا۔ (الیواقیت والجواهر، ج ۱، ص: ۴۹)

''معتقدات اور اور معقولات کی صورتوں میں الٰہی تجلیات اسلئے ہوتی ہیں کہ وہ علم انسانی کی رسائی کیلئے ایک گزرگاہ اور پل بن سکیں جن سے عبور کر کے یہ علم حاصل ہو جائے کہ ان ''تجلیات'' کے پس پردہ کوئی ایسی باکمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطہ علم ومشاہدہ سے وراء الوراء ہے بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے''۔

کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے نار یا نور دیکھا اور حقیقۃً ''اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ

نَعْلَیْكَ" کی آواز سنی اور حقیقۃً سنی، مگر یہ سب سماء اس لئے باندھا گیا تھا کہ موسیٰؑ کو اس ذریعہ سے یہ فطری علم حاصل ہو جائے کہ اس نار کے پس پردہ کوئی نورِ اعظم ہے۔ اور حقیقۃً ہے جس کیلئے یہ نار اس وقت تجلی گاہ بن رہی ہے جیسا کہ ایک انسان خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ آج رات میں نے حقیقۃً اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ یہاں بھی دراصل اس کے معتقدات کی صورت ہی ہوتی ہے جس میں سے گزر کر اس کے دماغ میں صرف ایک علم آجاتا ہے کہ اس نے اللہ کو دیکھا ہے۔ ورنہ خود وہ صورت ''اللہ'' نہیں ہوتی۔

احادیث میں جہاں جہاں محشر میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر ہے وہ بھی تجلیات ہیں جو ہر ہر محل کے مناسب اہل محشر کے سامنے ہوں گی مشاہدہ تجلیات کا ہوگا اور اس ضمن میں علم، اور تجلیات کا ہوتا رہے گا اور یہ علم اسی طرح حدسی و فطری ہوگا جیسا کہ ایک ناواقف شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھتا اور کہتا ہے کہ میں نے آج شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے حالانکہ بسا اوقات جو صورت وہ دکھتا ہے وہ حلیہ مبارک سے مطابقت بھی نہیں رکھتی۔ پس جس طرح عالم رویا کی یہ صورتیں کسی ذات کی معرفت کیلئے جسور (پل اور راستہ) بن جاتی ہیں، اسی طرح تجلیات ربانی معرفت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو مشہود ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور معلوم ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ اس لئے نہ ان الفاظ میں تاویل کی ضرورت ہے اور نہ ذات پاک کیلئے تجسیم و تشبیہ کی حاجت۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها
قلل الجبال ودونهن حتوف

''سعاد (محبوبہ کا نام ہے) تک رسائی ہو تو کیسے ہو کہ اس سے پہلے بلند پہاڑیاں ہیں اور ان سے پہلے ایک موت نہیں بہت سی موتیں ہیں (نہ ان سے گزرنا ممکن نہ وصل سعاد ممکن)''۔ (ترجمان السنۃ)

قرآن مجید کی آیاتِ بینات میں لقاءِ رحمن

قرآن مجید نے مختلف مقامات اور سورتوں میں حق جل مجدہ کی ملاقات و دیدار کا پُراسرار و عمدہ اسلوب و طریقوں سے تذکرہ کیا ہے۔ کہیں اعمال کی جزاء اور حسنہ و طاعت کی قبولیت کا ثمرہ و تحفہ لینے کیلئے دیدار لقاء ہوگی تو کہیں سزاء اور سیۂ و معصیت کی نحوست کے عذاب و عقاب کیلئے پیشی ہوگی۔ کبھی محض حساب و کتاب کیلئے روبرو جانا ہوگا۔ قرآن مجید میں دو درجن سے زائد مقامات پر لقاء و دیدار کا حق تعالیٰ نے تذکرہ کیا ہے۔

سورۂ انعام آیت نمبر ۳۱، ۳۰، ۱۵۴۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۱، ۱۴۷۔ سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۰۵، ۱۱۰۔ سورۃ الرعد آیت نمبر ۳۳۔ سورۃ الزمر آیت نمبر ۷۱، فصلت آیت نمبر ۵۴، الجاثیہ آیت نمبر ۳۴، سورۂ یونس آیت نمبر ۷، ۱۱، ۱۵، ۴۵، سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۵، ۲۳ وغیر ذلک۔

حق جل مجدہ کے روبرو ہونے کا استحضار خشوع پیدا کرتا ہے

اللہ رب العزت نے سورۃ البقرۃ آیت ۴۵ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ

ترجمہ: اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

ترجمہ: اور جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

استعانت کے دو طریقے ہیں

پہلی آیت میں رب العزت نے استعانت کا طریقہ بتلایا ہے کہ وہ صبر و تحمل ہے اور دوسرے عملی طور پر نماز میں مشغول ہونا ہے سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت میں علماء اہل کتاب

کو خطاب خاص کیا گیا ہے کہ جو حق کے واضح ہونے کے بعد بھی قبول حق اور راہ ہدایت اور خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے جس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتلا دیا کہ صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت و تذلل آجائے گا اور حب جاہ کم ہوگی۔

حب جاہ اور حب مال کا ربانی علاج

حق اور ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی قبولیت اور تسلیم کی راہ میں حب جاہ و منصب، سیادت و قیادت کا خمارِ بے جا بہت ہی سنگین و مہیب رکاوٹ ہے۔ دوسرے حق و ہدایت کو قبول کرنے میں انسان کو غلبہ مال کی وجہ سے دشواریاں معلوم ہوتی ہیں تو اس کا علاج صبر و تحمل ہے کہ بندہ کو مال اسی وجہ سے مطلوب و محبوب ہے کہ وہ ذریعہ ہے لذت و شہوات کو پورا کرنے کا۔ جب ان لذات و شہوات کی مطلق العنانی چھوڑنے پر ہمت باندھ لوگے تو پھر مال کی فراوانی کی ضرورت نہ رہے گی، نہ اس کی محبت ایسی غالب آئے گی کہ اپنے نفع و نقصان سے اندھا کر دے۔

الغرض مال کی بے جا طلب اور حرص کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیش و عشرت اور غلبۂ شہوت کے وقت معصیت و گناہ میں دھکیل دیتا ہے۔ اس طرح صبر سے حب مال گھٹ جائے گی کہ صبر و تحمل سے غیر ضروری خواہشات اور شہوات کا ترک کرنا مراد ہے کیونکہ اگر غیر ضروری خواہشات کے ترک کرنے پر انسان ہمت باندھ لے تو چند روز کے بعد طبعی تقاضا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی دشواری نہیں رہتی گویا شریعت نے ہر دور کا وٹوں کا حل بتلا دیا۔ تاکہ مال بھی راہ حق کے قبول کرنے میں اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ دوسرے نماز حب جاہ و منصب کی رکاوٹ کو ختم کرنے کا حتمی علاج شافی ہے۔ نماز سے حب جاہ کم ہو جائیگی کیونکہ نماز میں ظاہری و باطنی ہر طرح کی پستی اور عاجزی

بھی ہے۔ جب نماز کوصحیح صحیح ادا کرنے کی عادت ہوجائیگی تو حب جاہ ومنصب اور تکبر وغرور گھٹے گا۔ تو اصل مادۂ فساد جس کے سبب حق وصداقت، ایمان وہدایت کوقبول کرنا دشوار تھا۔ یہی مال وجاہ کی محبت تھی۔ جب رب العزت کی عظمت وہیبت آئے گی تو جاہ ومنصب کی محبت ختم ہوگی۔ الغرض نماز کا اہتمام تمام شرائط کی پابندی کے ساتھ پنج وقتہ خاص کر اوقات کی پابندی کے ساتھ بندہ کے اندر عجز وتواضع اور حق جل مجدہ کی حضوری اور حالت نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت خود ہی معین ومددگار ہے۔

صبر ونماز کے ذریعہ مدد چاہنا خاشعین کا طریقہ ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ جونسخہ تجویز کیا گیا ہے کہ وہ دشوار ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ جن کے دلوں میں خشوع وخضوع اور حق جل مجدہ کی جناب میں روبرو اور لقاء حق کا جذبہ موجزن ہو، ان کے لئے نماز دشوار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضری کا ذریعہ ہے اس طرح نماز کوسہل وآسان اور استعانت کے لئے آسان کردیا، اور نماز خاشعین کیلئے آسان ہوگئی۔ نیز جن کے دلوں میں خشوع ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے اور ہم ان کے پاس لوٹ کر جائیں گے ان کے لئے نماز ذریعہ شوق لقاء کا سبب ہے اور مدد واستعانت رب العزت سے طلب کرنا آسان وسہل ہے۔

ایمان کے دوحصے اور ایمانی صحت کانسخہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے دوحصے ہیں۔ ایک صبر اور دوسرا شکر، یعنی ایمان کی صحت وسلامتی دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک صبر پر، یعنی مضرات سے پرہیز کرنے پر اور دوائے شکر کے استعمال پر جب تک پرہیز کامل نہ ہو اس وقت تک دوا پورا نفع نہیں کرتی۔ حدیث میں وارد ہے:

اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفُ فِی الصَّبْرِ وَنِصْفُ فِی الشُّکْرِ

ترجمہ: ایمان کے دو ٹکڑے ہیں ایک ٹکڑا صبر اور دوسرا شکر۔

حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان بمنزلۂ صحت کے ہے اور صحت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے پرہیز اور دوا۔ پرہیز صبر ہے اور دوا شکر۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ اَذَا قُطِعَ الرَّاسُ اِنْتَنَّ مَافِی الْجَسَدِ، لَااِیْمَانَ لِمَنْ لَّا صَبْرَ لَہٗ (ابن ابی شیبہ)

یعنی صبر کو ایمان سے ایسی نسبت ہے جیسا کہ سر کو بدن سے۔ جب سر کاٹ دیا جائے تو جو چیز بھی بدن میں ہوتی ہے بدبودار ہو جاتی ہے اور جس میں صبر نہ ہو ایمان بھی نہیں یعنی بے صبر انسان میں کمال ایمان نہیں ہوتا۔

دیدارِ الٰہی کے اشتیاق سے اعمالِ صالحہ آسان ہو جاتے ہیں

درحقیقت شوق لقائے باری تعالیٰ اور دیدارِ الٰہی کا جذبہ انسان کے اندر اعمال کی رغبت و محبت کو جنم دیتی ہے۔ باطن میں حق تعالیٰ کی جانب ایک کشش و وفور کا ذوقی و وجدانی تلاطم موجزن ہوتا ہے جس کو صاحب حال ہی اپنے شعور و آگہی کے بقدر رب العزت کی شان جلالی و جمالی کو تنزیہہ و تقدیس کے آئینہ میں مکمل ماوراءِ تصور وہم و گمان، درد نایافت میں ملحوظ رکھتا ہے اور شوق لقاء میں اپنے دُھن اور دھیان کو وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ کی مرضیات کی جستجو و طلب میں ہمہ تن مصروف رکھ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ جس کو شریعت کی اصلاح میں استقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شوق لقاءِ رحمان یا اشتیاق دیدارِ الٰہی بذاتِ خود ایک ایسا داعیہ اور عمیق بحرِ رحمت ہے جو راستہ کی تمام پرخار وادیوں کو بہ سہولت بفضل الٰہی طے کر دیتی ہے کیونکہ اس راہ کے راہی کے سامنے

خالق، و مالک، رب ذو الجلال والاکرام، سبوح، قدوس، احد، وصمد، اور، رحمن ورحیم، رب العرش الکریم کی ذات سے لقاء کا باطن میں تلاطم طبیعت کی ہوک بنکر بے قرار کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس دار فرار اور دار فانی میں اس کو قرار ہو بھی کیسے اس کی ترجمانی آیات قرآنی میں ہوئی ہے۔

وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ...... جہاں پہ یہ آیت ربانی آئی ہے وہاں بھی ایک ایسے ہی شخص کی حق تعالی نے ترجمانی کی ہے۔ جس کو لقاء رحمن کی ہوک باطن میں گھر کر گئی تھی اور فانی وزائل زندگی اور چندروزہ عیش وعشرت کے مقابلہ میں آخرت کی ابدی وسرمدی پُرلطف و پر بہار زندگی کے ساتھ لقاء باری کا خمار چڑھ گیا تھا۔ اور بفیض صحبت کلیم اللہ لقاء باری کی عمیق وغیر فانی حقیقت منکشف ہو کر شوق لقاء الٰہی اور اشتیاق ملاقات باری میں محو ہو کر دار آخرت جس کو حق تعالی نے **نعم دار المتقین** کہا ہے۔ مشتاق بنا ہوا ہے۔ اس راہ میں مومن کا قدم تھمتا نہیں۔ اعمال صالحہ سے تھکتا نہیں۔ ذکر اللہ سے طبیعت اکتاتی نہیں۔ ابکائی آتی نہیں۔ باطن میں سیرابی ہوتی نہیں۔ نگاہ معبود حقیقی و مسجود حقیقی کے ماسواء کی طرف اُٹھتی نہیں۔ شوق لقاء اللہ خود ہی غیر اللہ کو فنا کر دیتا ہے۔ مخلوق کے عیوب کیا کم ہیں کہ اس سے نگاہ نہ ہٹائی جائے اور خالق کے کمالات غیر متناہی لامحدود ایسے ہیں کہ اس سے نگاہ کبھی بھی ہٹائی نہ جائے۔ الغرض شوق لقاء اللہ دنیا و آخرت کی ہر سعادت کی ضمانت ہے جس کی ہلکی سی جھلک بفضل رحمان آئندہ صفحات میں بیان ہوگی۔

استحضار لقاء اللہ سے باطل کے خلاف قوت ربانی کا ظہور ہوتا ہے

قرآن مجید تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے یعنی ہر چیز کا کھلا ہوا بیان ہے اور زندگی کے تمام

شعبوں میں اہل ایمان کی رہنمائی موجود ہے۔قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر۲۴۲ میں حق جل مجدہ نے طالوت وجالوت کا واقعہ نقل کیا ہے۔طالوت کے ساتھ اسی ہزار لوگ نکلے،مگر آزمائش کے بعد صرف ۳۱۳ تین سو تیرہ طالوت کے ساتھ چل سکے جنہوں نے صرف ایک چلو پانی پیا تھا طالوت کی مان کر،اور جنہوں نے زیادہ پانی پی لیا وہ چل نہ سکے کہ ان کو زیادہ پیاس لگ گئی اور آزمائش کے بعد آگے چل نہ سکے۔الغرض وہ تھوڑی سی جماعت طالوت کی جو جالوت کے قتل کیلئے گئی تھی ان کو ایک ایمان افروز قوت یقین حاصل تھی اور لقاء اللہ کے شوق سے سرشار تھی کہا:

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:۲۴۹)

کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے(ترجمہ شیخ الہند)

آیت کے اس چھوٹے سے حصہ میں طالوت کی قوت ایمانی اور اعتماد علی اللہ اور وثوق لقاء اللہ نے ہر قسم کے مادی اور روحانی قوتوں میں اضافہ کے ساتھ قدم کو جما دیا اور تمام خطرات پسپائی کو دل سے اکھاڑ پھینکا اور انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ لقاء اللہ کا جذبہ ایسا مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے کہ تائید غیبی اور نصرت ربانی اور مدد الٰہی کو باذن اللہ جوڑ دیتی ہے گویا یوں کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ لقاء اللہ کے جذبہ کے ساتھ نصرت وتائید بحکم الٰہی مربوط ہے۔یعنی جس کی نصرت و مدد غیب سے بحکم الٰہی مقدر و متعین ہوتی ہے،وہی لقاء اللہ اور اشتیاقِ دیدار الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا جاتا ہے۔اور اس کے قدم تھمتے نہیں اور طمانیت کی نعمت ملتی ہے ورنہ سامنے مادی قوت وشوکت اور ہر قسم کے

اسباب فانیہ کا سہارا باطل کے پاس ہوتا ہے، اور باطل کی نگاہ اپنی ظاہری طاقت وقوت کے غلبہ کے لئے اسباب ظاہری پر بھرپور ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل حق کی نگاہ اس غیبی طاقت وقوت پر ہوتی ہے جس کے ظہور غلبہ کے لئے کسی ظاہری طاقت وقوت کی بالکل احتیاج نہیں، اور اسی ذات بے نیاز سے اہل حق غلبہ کو ظاہر کرنے کی نیاز کا طالب ہوتا ہے۔ اور اہل حق میں یہ قوت وطاقت لقاء اللہ کے جذبہ اور شوق سے تیز سے تیز تر ہوتی ہے۔ شوق لقاء اللہ میں فنائیت وفدائیت کا جذبہ ابھر کر پروان چڑھتا ہے۔ ذوق عبادت واطاعت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ انابت وعبادت میں حق تعالیٰ کی جانب ذوقی ووجدانی کشش ہوتی ہے۔ رُجُوع وَلُجُوءٌ اِلَی اللّٰہ سے شرح صدر کی کیفیت کھلتی ہے۔ شوق وذوق کے ساتھ رضاءِ الٰہی کی جستجو بڑھتی اور مچلتی ہے۔ الغرض دن بدن، لمحہ بہ لمحہ، گام بگام، شوق دیدار الٰہی سلگتا ہے۔ رضاء الٰہی کا راستہ شوق لقاء اللہ سے سہل و آسان تر ہوجاتا ہے۔ راہ کی دشواریاں پُرلطف ومزے دار ہوجاتی ہیں۔ تہذیب نفس اور تزکیہ باطن ہیں۔ تصفیہ کے ساتھ ساتھ تجلیہ کی شکل میں فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کا مصداق بنتا جاتا ہے۔ یہ سب اور اس جیسی تمام تر حیات طیبہ کی پُر بہار راہیں حق تعالیٰ شوق لقاء اللہ سے کھولتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اپنے چہرہ کے نور کے صدقہ اس راہ پر گامزن کردے۔ آمین۔

تمام انبیاء ورسل پر شرائع شرح وبسط کے ساتھ نازل کیا گیا تاکہ اعتقاد لقاء اللہ میں پختگی ہو

سورۃ انعام (آیت ۱۵۴) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اعتقاد لقاء اللہ سے احکام بجالانا سہل و آسان ہو جاتا ہے

مذکورہ آیت میں حق جل مجدہ نے دو باتوں کی نشاندہی کی ہے۔ اول یہ کہ کتاب اللہ تورات نازل فرما کر اس زمانہ کے نیک لوگوں پر اپنی نعمت پوری کردی کہ تمام احکام الٰہی اور شریعت ربانی کی مکمل تفصیلی ہدایت و طریقہ سے واضح طور پر آگاہ ہو جائیں تا کہ نیک لوگوں کیلئے حسنات کا بجالانا اور منکرات و برائی سے دور رہنا آسان اور سہل ترین ہو جائے۔

دوسری عظیم نعمت جو اس تفصیلی ہدایت و رحمت سے ان کو دے دی گئی وہ تھی لقاء رب تبارک تعالیٰ کا یقین حقیقت اسکی یہی ہے کہ جب نیک لوگوں میں حسنات و نیکی کے ذریعہ لقاء رب کا عقیدہ راسخ ہو گا، تو راہِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ جمنا اور منجانب اللہ جو ہدایت کی تفصیل بتادی گئی ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا تا کہ لقاء اللہ کا عقیدہ و اعتقاد تمام اعمال صالحہ میں معین و ممد ہو اور ہر قدم پر ہدایت باعث رحمت ہو۔

امت مسلمہ کو ہدایت و رحمت کے ساتھ مبارک بنایا گیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

ترجمہ: اور قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اسکا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔ (حضرت تھانویؒ) (سورہ انعام۔ ۱۵۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل فرمایا اور ہدایت و رحمت کا دروازہ کھولا

تا کہ حق تعالیٰ کے روبرو ہونے کا یقین مستحکم ہو اس کے مقابلے میں امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ والسلام کو تین نعمت سے نوازا گیا۔ تو ارشاد ہوا:

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ (سورۃ انعام ۱۵۷)

سو آ چکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت۔

گویا کہ حق جل مجدہ نے اس امت کو ہدایت اور رحمت کے ساتھ بڑی خیر و برکت والی کتاب بھی دی، جو اپنے ظاہری و باطنی حسن و جمال اور خوبصورتی و کمالات میں بے مثال ہے۔ جو بھی اس کے احکامات پر دل و جان سے فدا ہو کر اتباع کرے گا، سعادتِ دارین سے نوازا جائے گا اور حق تعالیٰ کی رحمتوں سے مالا مال کیا جائے گا۔ ہدایت و برکت اس کو رحمتِ الٰہی کے مقام رحمت پر پہنچا دے گی جہاں حق تعالیٰ کی ملاقات اور لقاء ہوگی۔ لقاء باری تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی برکت والی رحمت نہیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا لِقَاءَكَ وَاجْعَلْ خَيْرَ يَوْمِيْ يَوْمَ لِقَائِكَ آمین یَا سَمِيْعَ الدُّعَاءِ

لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت اور لقاء اللہ کو بھول جاؤ

حق جل مجدہ اپنے بندوں کی الٰہی و ربانی تربیت فرماتے ہیں، اور زندگی کے ظاہری و باطنی، داخلی و خارجی، مدنی و خواندگی، ازدواجی و عائلی زندگی کے ہر شعبے میں فکر معاد اور شعور و آگہی کے استحضار کے ساتھ حضورِ حق کی حاضری اور اعتقاد لقاء اللہ کو مومن کے اندر دائمی طور پر مستحضر رکھنا چاہتے ہیں۔ مولا جل جلالہ اہل وفا یعنی صاحب ایمان و ایقان سے چاہتے ہیں کہ اعتقاد لقاء میں کبھی بھی ذھول و بھول نہ ہو۔ لذات حلال کے شرعی مباح کے مواقع میں بھی ایسی مشغولیت نہ ہو کہ آخرت کو بھول جاؤ جبکہ شرعی مواقع اذن کے ساتھ وقتی طور پر لذت و لطف اندوز ہو جانا شریعت میں مذموم نہیں، حقوق کی ادائیگی محمود ہے، مگر رب العزت چاہتے ہیں کہ ایسی مشغولیت نہ ہو کہ لذات کی انہماکیت کی

وجہ سے کسی بھی درجہ میں آخرت کو بھول جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۳)

ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

اسلام کا مزاجِ تقدس وطہارت

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ربانی الٰہی تربیت فرمائی کہ لذات میں بھی شرعی حدود وقیود کو ملحوظ رکھ کہ وطی سے اولاد صالحہ مطلوب ہونی چاہئے۔ محض حظ نفس مقصود نہ ہو۔ نیز دھیان رہے کہ لذت میں بھی اتباع شریعت وسنت ہو جو معین لقاء اللہ ہے۔ نیز لذات میں بھی تقویٰ وفکر آخرت اور حق جل مجدہ کی لقاء کا استحضار ودھیان غالب رہے، پھر لذت محض حظ نفس نہ ہوگی بلکہ تکمیل شریعت اور تہذیب نفس جو مطلوب شریعت ہے وہ ہوگی۔ اسلام میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں یہ محاسن اسلام میں سے ہے کہ ایسے وقت میں جہاں جذبات کی تسکین اور اظہار لذت کے لئے خلوت ہوئی ہو ایسے نازک موقع پر بھی **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** ...... اللہ کا دھیان مستحضر رکھنے کی تعلیم اسلام کے مزاج کا تقدس وطہارت کا پتہ دیتا ہے۔ اور اس کے آگے بڑھ کر تصور وخیالات کی اونچی پرواز پر گامزن کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ **وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ**، اور جان رکھو کہ تم کو اُس سے ملنا ہے، یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو۔ ایسے لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کا یقین رکھیں ان کو خوشی کی خبر سنادو کہ ان کو آخرت میں لقاء اللہ کے

ساتھ ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی۔

الغرض زندگی کے تمام تر لمحات، خواہ خلوت کا ہو یا جلوت کا، لذت کا ہو یا عبادت و اطاعت کا، لقاء اللہ کا دھیان ضرور ہو۔ یہیں سے یہ بات بھی ذہن نشین ہوتی ہے کہ ایسی خلوت حلال ومباح جس میں لذت جسمانی بھی مشروع ہیں اسلام آخرت کو یادرکھنے کی تاکید کرتا ہے تو پھر خالص عبادت واطاعت میں حضورِ حق کی حاضری کا کتنا دھیان مطلوب ہے، اس کو حدیث میں صفتِ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ اکبر شریعت کتنی عمیق وانیق ہے کہ مومن کو طہارت وتزکیہ کے اُس مقام پر لانا چاہتی ہے جہاں لقاء اللہ کی نعمت ملنے والی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ یَوْمِیْ یَوْمَ لِقَاءِکَ فِیْہِ **آمین**

خلوت وقربت کے وقت دیدارالٰہی کا ذوقی لطیفہ

یادرکھو کہ تم کو خلوت میں بیوی کے ساتھ قربت وصحبت کی اجازت محض لذت کے لئے نہیں دی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس قربت ومحبت کی لذت کو ذریعۂ آخرت بناؤ کہ محبت کے وقت اللہ عزوجل کا نام لے لو (**بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا**) تاکہ اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ رہے اور نیک اولاد کی نیت کرو تاکہ آخرت کی کھیتی بنے اور تمہارے لئے دعا اور استغفار کرے اور قیامت کے دن تمہارے کام آئے۔ دیکھو اس روز تم سے تخم کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ بے وقت اور بے محل تو اس کو ضائع نہیں کردیا تھا اور اہل ایمان کو خوش خبری سنادیجئے کہ جنہوں نے اپنے تخم کو بروقت اور برمحل استعمال کیا اُن کو اس تخم کے ثمرات وہاں مل جائیں گے۔

دراصل انسان پر جب شہوت کی ہیجانیت اور صحبت کی لذت کا نشہ اور خمار چھایا ہوا ہو اس وقت ہی اللہ رب العزت کی یاد کا دھیان قوت ارادی اور فکر وتصور پر حاکمانہ غلبہ اور تسلط کے ساتھ حق تعالیٰ کی کبریائی کے استحضار کا اتہ پتہ دیتا ہے کہ دیدۂ باطن اور جسم کے

انگ انگ اور رگ وریشہ میں فانی لذت پر فکرآخرت غالب ہے اور یادالٰہی اور حضورحق کی حاضری سے ذہول ونسیان نہیں ہوا ہے، بلکہ جسمانی لذت کو بھی بروقت اور برمحل آخرت سنوارنے کی فکر میں یادالٰہی کا القاہوااور دیدارالٰہی اور لقاءرحمن کا سامان ہوگیا۔

مگرایک بات یہاں ذوقی لطیفہ ہے وہ یہ کہ وقت خلوت اور قربت ومحبت کی جوایک خاص جسمانی لذت ہوتی ہے وہ انسان کے جسم کے ایک ایک بال وبن ہیں بجلی کی طرح متحرک اور جنبش پیدا کردیتی ہے اور صاحب معاملہ پرایک کیفیت برقی کی لہر چند لمحات کی لئے دور جاتی ہے، جس کو نہ تو الفاظ ومعانی میں بیان کیا جاسکتا ہے نہ ہی کسی دوسرے کو یا خود بھی انسان اس کیفیت کو اپنے اوپر دوسرے اوقات میں محسوسات میں لاسکتا ہے الا بہ کہ پھراسی شغل میں منہمک ومشغول ہو، یہ تو ایک مثال تھی۔

رب العزت اہل ایمان وایقان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو دنیا میں میاں و بیوی کے درمیان الفت ومحبت یا موانست ومصاحبت کے اظہار کی آخری سرحد قربت ومحبت کی لذت ہے، جس میں جانبین جنابت سے دوچار ہوجاتے ہیں اور جسمانی طور پر جو ہیجانیت تھی وہ تخم کے انزال واخراج سے زائل ہوجاتی ہے اور انسان سکون وسرور کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے نینداور خواب واستراحت کے عالم میں چلا جاتا ہے، دیکھواس دنیاوی میاں وبیوی کے تعلق سے آگے حق تعالیٰ سے ربط وتعلق کے اظہار کا موقع آخرت میں آئے گا جس طرح دنیاوی رشتہ کے استحکام اور اظہار کی لذت ومسرت کی آخری ایک حدنہائی ہے اور بس ندہ اور خالق اور معبود ومسجود حقیقی سے ربط وتعلق اور رشتہ عبودیت اور عبادت واطاعت سے جو عبدیت کی نعمت ملتی ہے اس کی آخری اور نہائی لذت ومسرت، آخرت میں دیدارالٰہی اور لقاءباری عزوجل کی لازوال پرکیف تجلی کی رویت ومحویت ہے۔ یہاں اس آیت میں جو لقاءرحمن کی بات کہی گئی ہے لطیفہ کے طور

پر کہا جا سکتا ہے کہ قربت و محبت کے بعد جسمانی لذت و مسرت کی لہر انگ انگ میں دوڑ جاتی ہے تو پھر خالق کائنات رب العرش العظیم کی رویت کی لذت و مسرت غیر فانی کی تجلی اور محویت کا کیا عالم ہوگا جو بندہ مومن کے اُخروی روحانی اور لوزانی و جنتی جسم لافانی پر نور الٰہی کی ارزانی و فراوانی ہوگی، بات اسی سوایت پر آجاتی ہے کہ **وَيَبْقَى نُوْرُهُ وَبَرْكَتُهُ عَلَيْهِمْ فِيْ دِيَارِهِمْ** چونکہ آخرت کی ہر نعمت میں دوام و بقاء ہے اور زوال کا شائبہ نہیں، اس لئے ہر لذت دید کا اثر باقی رہے گا اور پھر دوسری دید اور رویت سے لذت و مسرت میں اضافہ ہوتا رہے گا اور نور علی نور کا مصداق ابدالآباد تک ہوتا رہے گا۔

آئندہ اوراق میں تفصیلی حدیث آرہی ہے جہاں آرہا ہے۔ **لذة النظر الی وجهک والشوق الی لقائک۔**

کتاب اللہ اور رسول اللہ حق ہیں

حق جل مجدہ نے اپنا کلام ہماری رہنمائی و ہدایت کے لئے کتاب اللہ کی شکل میں نازل فرمایا اور اس نزول کے لئے حضرت محمد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتخاب فرمایا۔ جس طرح کتاب اللہ حق ہے، اسی طرح خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق ہیں۔ کتاب اللہ حق وصداقت کی شہادت دیتی ہے، رسول اللہ بھی حق وصداقت کی شہادت دیتے ہیں۔ کتاب اللہ کی صداقت کی شہادت کا مطالبہ مخلوق سے قطعاً نہیں کیا گیا ہے۔ خالق تبارک وتعالیٰ کلام اللہ کی صداقت کی شہادت دیتا ہے اور کلام اللہ اپنی صداقت پر خود دلیل ہے بعینہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی دلیل مخلوق سے نہیں لی گئی عرش عظیم کے رب نے خود دی ہے اور فرمایا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ﷺ ...... وَاللهُ يَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُهٗ، ...... وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا وہ سب حق تعالیٰ کی جانب سے حق ہی حق ہے۔

وَالَّذِیٓ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ (الرعد)

ترجمہ:- اور جو کچھ اُترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ (البقرۃ)

ترجمہ: بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر۔

الغرض قرآن خود اپنے دلائل لے کر آیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت و خاتمیت کی حتمی و قطعی دلیل پیش کرتا ہے تا کہ حق کے قبول کرنے میں اہل حق کو اور راہ حق کی راہ پر چلنے میں اہل توحید و اہل اللہ کو کسی قسم کا تردد اور پیش و پیش نہ ہو۔

اعتقادِ لقاء اللہ ایمان و ایقان کی بنیاد ہے

حضرت محمد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حق لائے اس میں عقیدہ و اعتقاد لقاء بہت ہی اہم امور آخرت ہے۔ اور مومنین کاملین کے ایمان و ایقان کی اساس بنیاد ہے۔ رب العزت چاہتے ہیں کہ عقیدہ لقاء باری میں مستحکم رسوخ ہو اس لئے مختلف اسلوب و پیرایہ میں محیر العقول دلائل قاطعہ کے ذریعہ لقاء کی دعوت دی گئی ہے۔

سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّكُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ۝۲

ترجمہ:- اللہ ایسا قادر ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے اونچا کھڑا کر دیا، چنانچہ تم ان (آسمانوں) کو (اسی طرح) دیکھ رہے ہو پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب اور ماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک، ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے وہی (اللہ) ہر کام کی تدبیر

کرتا ہے (اور) دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو۔ (الرعد، تھانویؒ)

خالق تبارک وتعالیٰ کا تعارف تاکہ لقاء رب کا یقین مستحکم ہو

حق تعالیٰ کی ذات کا تعارف صفات کے ذریعہ ہی بندہ کو ہوسکتا ہے ذات باری تعالیٰ مخلوقات کے ناقص علم وفہم میں نہیں آسکتی اس لئے رب العزت بندوں کی عقل وفہم کو حیران کردینے والی مخلوقات اور پھر حکم الٰہی کے تحت ایک مضبوط ومربوط نظام کے ساتھ قائم ودائم حرکت میں رہنا خالق کا اتہ پتہ دیتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی عظیم ذات ہے جو ان مخلوقات کو گردش دے رہی ہے اور ان کو تھامے ہوئے ہے یہ سب اس لئے تاکہ اس عظیم ذات کا یقین راسخ ہوجائے۔

اس کی جناب میں پیشی وحاضری کا عقیدہ سے آگے یقین کی کیفیت کا پیدا ہوجانا مؤمن کا عظیم سرمایہ حیات ہے اور عملی قدم کے لئے عظیم الشان انقلاب آفرین حقیقت، حضورحق کی حاضری کی کیفیت سے عقیدۂ توحید میں استحکام، وجود ذات باری تعالیٰ کا تصور ووہم وگمان سے ماورا عظمتوں کا عبدیت وتذلل کی راہ گامزن کرتا ہے۔ جب عبادت وعبودیت میں شان لقاء کی کیفیت کا استحضار جاں گزین ہوتا ہے تو پھر عبادت و اطاعت میں صفت احسان کا رنگ نمایاں ہونے لگتا ہے اور بندگی زندگی کا نصب العین بن جاتی ہے۔ فانی دنیا سے بے رغبتی، آخرت ومعاد اور قیامت کے دن کی ملاقات کا اشتیاق دلچسپی کے ساتھ دُھن اور دھیان فکروخیال بن جاتا ہے، ایک مناجات میں اس طرف اشارہ ملتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

ترجمہ: اے اللہ میری ہمت وکوشش اور خواہش وتمنا کو تو اپنی پسندیدہ اور مرضیات میں لگادے۔

الغرض لقاءرب کادھیان ورسوخ، ایمان واعمال کے ہرموڑپرزندگی کے ہرشعبہ میں ایک شعوری انقلاب بیدارکرتا ہے۔آسمان کی رفعت وبلندی ،بغیرستون وعمود کے اس کاٹھہراؤ۔خوشنمانیلگوں رنگ اور چاندسورج کاایک نظام کےتحت آناجانا۔وقت متعین پرچلنااورمقرر راستوں سے گزرنا۔اورحکم وتدابیرالٰہی کےتحت رہناان سب کامقصد باری تعالیٰ نے بتلایا تاکہ انسان کورب العزت کی بارگاہ میں پیشی کایقین ہو۔ تمھیں آخرت اورقیامت کایقین ہواورآخرت میں انسان کے دوبارہ پیداکرنے کوحق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہ جانے۔حی وقیوم دوبارہ تم کواپنی جناب میں لاکھڑا کرے گا۔پھرتمہاری ملاقات اللہ پاک سے ہوگی۔

جس کواللہ تعالیٰ سے ملنے کاشوق ہویاحاضرکئے جانے کاخوف ہو کچھ بھلے کام کرجائے

حق جل مجدہ سے ملنے کاشوق وہ عظیم سرمایہ ہےجس سے اعمال صالحہ اورشریعت و سنت کی اتباع وپیروی میں خلوص وللّٰہیت کی راہ سے شوق واشتیاق باری میں بہارآتی ہے۔قوت الٰہیہ سے قوت عبودیت وعبادت میں مددملتی ہے۔شریعت واتباع سنت میں حلاوت وذوق کالطف وسرورمحسوس ہوتا ہے۔طبیعت اعمال شریعت کی طرف تیزی وسرعت سے سبقت کرنےلگتی ہے۔اورپھربندۂ مومن حق جل مجدہ کےفرمان کانمونہ ہوتاہے۔ارشادہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾

ترجمہ:تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے اور وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۱)

فضل والے اعمال کی طرف سبقت و سرعت فضل حق سے ہی رہتی ہے اعمال صالحہ کا وجود بذات خود فضل الٰہی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ اور فضل کا دارومدار محض اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ فضل حق سے ہی فضل ہوتا ہے۔ اللہ پاک کی جانب سے فضل والے اعمال کی پہلے مشیت ہوتی ہے پھر بندہ فضل والے اعمال کی جانب قدم اٹھاتا ہے۔ اور فضل الٰہی سے فضل کے اعمال ہوتے ہیں۔ جس میں بندہ کے اپنے عمل کا دخل نہیں سب کچھ فضل ایزدی سے ہوتا ہے اور دیدار الٰہی کا شوق و اشتیاق تو فضل عظیم ہے۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

جس کوشوقِ لقاءِ رحمن ہو اعمالِ صالحہ اختیار کرے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۱۰)

ترجمہ:-سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا ہے اوا اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق ہو یا اس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو

اسے چاہیے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے)۔

مذکورہ آیت ربانی میں حق جل مجدہ نے لقائے رب کے شائقین کو دعوت دی ہے کہ لقائے رب تصور سے بالاتر نعمت ربانی اور موہوب رحمانی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ بندہ غایت درجہ کی عبادت واطاعت میں خلوص وللّٰہیت اختیار کرے۔ اس عقیدہ کے ساتھ کہ حق جل مجدہ سے ملاقات ہوگی۔ اور تمام اعمال صالحہ میں خلوص وللّٰہیت کے بقدر لقائے رب کا لطف وسرور تو آخرت میں ہوگا۔ دنیا میں لقائے رب کے جذبہ وعقیدہ کے تحت اعمال میں رضاءِ الٰہی کا شوق وذوق، حق تعالیٰ کی محبت کا اُبھار واُٹھان، عبادت واطاعت میں حق تعالیٰ کی جانب کشش وجذب کی کیفیت کا استقامت کے ساتھ جمنا وتھمنا نصیب ہوتا ہے۔ جذبۂ شوق دید سے عبادت واطاعت میں لطف وسرور کے ساتھ قدم عبودیت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ بندہ کا رنگ ہی اور ہوتا ہے اور اُس رنگ و روپ کا کیا کہنا۔ **وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً** کا نمونہ ہوتا ہے۔

شوق لقاء سے تعب وتھکن کی جگہ نشاط وقوت عملی میں غیر معمولی حیات کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ عملی قوت میں ملکوتی طاقت جیسی بہار پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ مومن کو شوق لقاء رحمن سے روحانی غذا ملتی ہے اور خلوص کے ساتھ قدم اعمال صالحہ پر جمتا ہے اور دیدار الٰہی کا جذبہ وشوق راہ عبودیت کو خود ہی طے کرا دیتی ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں شوق لقاء سے مالا مال فرمائے۔ **آمین**

حق جل مجدہ کی ملاقات کا وقت معین آنے والا ہے

ربّ العزت نے اہل ایمان کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے ان میں آخرت کے دن اپنے دیدار کا شرف عطا کریگا اور عالم بقاء میں لقاء اللہ کا وعدہ پورا کرے گا۔ یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ اور منت کبریٰ ہوگی۔ حق تعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کو استقامت

کے ساتھ دنیاوی تمام مصائب ومسائل کو برداشت کرنے کی ہدایت دی گئی کہ دنیاوی راحت وکلفت کا چنداں اعتبار نہیں، عالم بقاء کی مصیبت ومسرت کا دھیان رہے کہ وہاں کی ہر دو حالتیں ابدی ودائمی ہے۔ خوشی ہے تو پھر غم نہیں۔ اور اللہ نہ کرے رنج والم ہے تو پھر اس کا حل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ (سورۃ العنکبوت)

ترجمہ:- جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آرہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی۔ اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے گا کہ اللہ کا وعدہ آرہا ہے، کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی، اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہوکر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کریگا۔ (علامہ عثمانیؒ)

رجا کا مفہوم

لفظ يَرْجُوْا کے دو معنی ہیں۔ امید کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور خوف کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ دونوں تفسیروں پر جدا جدا ترجمہ ہوگا۔ ایک تفسیر پر یہ ترجمہ ہوگا کہ جس کو اللہ سے ملنے کی امید ہو۔ دوسرے تفسیر پر ہوگا کہ جس کو اللہ سے ملنے کا خوف ہو کہ اللہ کے سامنے پیشی ہوگی، منہ دکھانا ہوگا۔ دونوں صورتوں میں فرماتے ہیں وہ میعاد ضرور آنے والی ہے۔ ظاہر میں......

فَإِنَّ اَجَلَ اللهِ لَاٰتٍ ترجمہ: سواللہ تعالیٰ کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے۔

جزاء من کی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں جزا نہیں۔حقیقت میں جزا مقدر ہے اور یہ جملہ اس کے قائم مقام ہے۔جزا یہ ہے:

فَلْيَتَهَيَّأْ لَهٗ وَلْيَسْتَعِدَّ لَهٗ پس چاہئے کہ اس کیلئے تیاری کرے اور مستعد ہوجائے

حاصل یہ ہوا کہ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو اس کی تیاری کرے کیونکہ وہ پیشی کا دن ضرور آنے والا ہے۔علی ھذا جس کو اللہ کا خوف ہو اس کو بھی تیاری لازم ہے اور وہ تیاری یہ ہے کہ اس کے لئے عمل کرے جیسا کہ دوسری نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا

ترجمہ: جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کیلئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی سعی بھی کریگا

اب حاصل یہ ہوا کہ جس کو اللہ سے ملنے کی اُمید یا خوف ہو عمل کے لئے مستعد ہوجائے یہ تو ترجمہ ہوا؛ اب سمجھئے کہ وہ طریقہ عمل کے آسان کرنے کا لفظ يَرْجُوْا میں بیان کیا گیا ہے یعنی عمل کے لئے مستعد اور تیار ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں امید واشتیاق اور اللہ کا خوف پیدا کرے یا یوں کہئے کہ ترغیب وترھیب ہے یا وعدا ور وعید ہے کہ جب دل میں رغبت اور شوق ہوگا تو خواہ مخواہ اس کے حاصل کرنے کا سامان کریگا۔اسے امید یا خوف ہوگا تو اس کے لئے مستعد ہونا چاہے گا۔ بلکہ دین ہی کی کیا تخصیص ہے، ہر کام اور ہر عمل میں یہی دو طریق کارآمد ہوسکتے ہیں۔خوف یا رغبت ان دونوں کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوسکتا۔نہ دنیا کا نہ دین کا۔اس لئے جب رغبت اور خوف جس کسی کے دل میں ہونگے، تو رغبت کی وجہ سے اعمال صالحہ کو بجالائے گا۔کیونکہ رغبت کی وجہ سے ان کے ثواب پر نظر ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی رضاء قرب کی طلب ہوگی اور

چونکہ اس کے دل میں خوف بھی ہے اس اعمال صالحہ کے چھوڑنے پر وعید ہے اس پر نظر کر کے ان کے چھوڑنے سے رکے گا۔ غرض کہ رغبت کو اعمال صالحہ کے فعل میں دخل ہے اور خوف کو ان کے معاصی سے بچنے میں دخل ہے اس طرح معصیت میں مطلوب یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے اور معاصی کے ترک پر ثواب ورضا، قرب کا وعدہ ہے تو رغبت کی وجہ سے معاصی کو ترک کرے گا اور خوف کی وجہ سے ان کے فعل سے رکے گا کیونکہ گناہوں کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے اس طرح سے یہ رغبت اور خوف دونوں مل کر انسان کو طاعات میں مشغول اور معاصی سے متنفر بنادیں گے اور یہ دونوں مستقل طریقے ہیں۔ (باختصار اشرف التفاسیر: ۱۷۹، ج: ۳)

اہل ایمان کو تسلی کے ساتھ لقاءِ رب کی دعوت وتشفی

حق جل مجدہ نے اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ بے ایمان لوگوں کی اذیت وتکلیف سے گھبرائیں نہیں کہ غیروں کی دل آزاری سے اہل ایمان کی آزمائش وامتحان مقصود ہے کیونکہ سابقہ مسلمانوں کی بھی آزمائش ہوچکی ہے۔ کیا وہ ایذائیں دینے والے اللہ تعالیٰ کی پکڑ وگرفت سے بچ جائیں گے؟ اور ان کی کافرانہ عیاریاں ومکاریاں اللہ تعالی کے سخت عذاب سے ان کو چھڑالیں گی اور قیامت کے عقیدہ سے انحراف وانکار کے سبب کیا قیامت کے دن کی پیشی سے وہ بچ جائیں گے جہاں رتی رتی کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا اے ایمان والو تم کو اُن کے ایذاؤں سے گھبرانا اور پریشان ہونا نہ چاہئے کیونکہ اللہ سے ملاقات کا وہ وقت مقرر ضرور آنیوالا ہے اس وقت سارا غم غلط ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام اعمال وافعال کا اجر وصلہ دے کر ایمان والوں کو خوش کردے گا۔ اور تمام تر خوشیوں سے بالاتر خوشی لقائے رب کی ہوگی۔

اللہ والو! کچھ تو خیال رکھو کہ تم کو حق تعالیٰ نے ایک مقرر ومعین دن جو آنیوالا ہے اس

دن میں ملنے وملاقات کی دعوت دی ہے، تم پر جو بیت رہی ہے وہ ان سے ملنے کی شاہراہ ہے انہی راہوں پر چل کر حضورِ حق کی حاضری وملاقات ہوگی۔ ملاقات کا وقت معین ہے اپنی نگاہِ مقصود کو لقائے رب پر مرکوز رکھو۔

اعتقاد بعنوان رجاء

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (سورۃ العنکبوت)

یہ آیت راجع الی العقیدہ ہے۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں تو اللہ کا وہ وقت معین ضرور آنیوالا ہے اور اللہ تعالیٰ (ان کے اقوال کو) خوب سنتے اور (ان کے افعال واحوال کو) خوب جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اوپر بعض مسلمانوں کو جو کفار کی ایذاء سے گھبراتے تھے تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ صرف ان کو اتنی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ ہم ایمان لے آئے اور انکی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم ان سے پہلے مسلمانوں کو بھی آزمائش سے پرکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کفار کو یہ مضمون سنایا گیا کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہم سے بچ کر بھاگ جائیں گے۔ سو ان کی یہ تجویز بہت بے ہودہ ہے۔ اس جملہ معترضہ میں کفار کی تنبیہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک گونہ تسلی بھی کردی گئی کہ کفار کی یہ ایذائیں چند روزہ ہیں پھر ہم ان کو اچھی طرح پکڑنے والے ہیں، اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں ان کو تو ایسے واقعات سے پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ کا وہ وقت مقرر ضرور آنے والا ہے (اس وقت سارا غم غلط ہوجائیگا) اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا

ہے۔(تو وہ ان کی باتوں کو سنتے اور کاموں کو جانتے ہیں۔اس وقت ان کی طاعات قولیہ اور طاعات فعلیہ سب کا اجر دیکر ان کو خوش کریں گے)اس آیت میں رجاء سے مراد اعتقاد جازم ہے۔مگر اس میں ایک لطیفہ ہے جس کی وجہ سے اعتقاد کو بعنوان رجاء بیان فرمایا وہ یہ کہ آیت مکی ہے جس کے مخاطب کفار بھی ہیں جو قیامت کے معتقد نہ تھے منکر تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آیت کو رجاء و امکان سے شروع فرمایا جس سے کفار کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، کیونکہ استحالہ کی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں اور جب ممکن ہے تو ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو لقاء اللہ کا امکان بھی معلوم ہو۔ہم اس کو بتلاتے ہیں کہ اس کا وقوع بھی ضرور ہونے والا ہے پس ہماری خبر کے بعد اس کے وقوع میں شک نہ کرنا چاہئے۔

(اشرف التفاسیر،ج:۳/۱۸۰)

مومن کی دل جمعی کا سامان

لقاء اللہ کے شوق سے مومن کو اعمال میں دل جمعی و خلوص، سرور و سکون کی لازوال کیفیت اور حق جل مجدہ کی ذات جو ماوراءِ وہم و گمان ہے اسماء و صفات الٰہیہ کے ذریعے ایک روحانی و جذبی کشش پیدا کرتی ہے جس سے توحید وجودی کا لطف و سرور، حلاوت و مسرت کے ساتھ طاعات و قربات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔حق جل مجدہ سے قرب و محبت کی دُھن اور لہر خلوت و جلوت میں ہمہ تن ہمہ اوست کا نعرہ لگاتی ہے پھر بندہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ دُھن انہیں کا دھیان بھی انہیں کا۔انہیں کا انہیں کا ہوا جارہا ہوں۔

اللہ ہمیں شوقِ لقاء بدرجہ اتم و اکمل عطا فرمائے

اہل ایمان کو چاہئے کہ اپنے اندر شوق و ذوق کے ساتھ اشتیاقِ دیدار الٰہی کا جذبہ پیدا کریں اور یہ نعمت ضرور اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔یہ عظیم نعمت معرفت الٰہی کی کلید ہے سیر الی اللہ اور سلوک کی شاہراہ ہے۔اللہ رب العزت کا کتنا عظیم احسان ہے کہ غیب

سے مومن کے دل جمعی کا سامان نازل فرما دیا اور آگاہ کر دیا گیا کہ دل گیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ کلفت نہیں لقاء اللہ کی شاہراہ پر چلنے والوں کی تربیت ہے۔ راستہ کی مشقت کو اور راہ پر بیٹھے ہوئے راہزن کی کلفت کو نہ دیکھو تم تو لقاء اللہ کی نعمت مسرت اور ملاقات کی لذت پر نگاہ رکھو۔ راستہ کی نہ تو مشقت اور نہ ہی راہزن کی کلفت ساتھ چل سکے گی۔ نہ ہی رؤیت کی لذت کے وقت ہم کو یاد رہے گی۔ دیدار الٰہی کا لطف وسرور تمہارا نصیب ومقدر ہے۔ سبحان من خلق ووعدنی للقاء۔

خستہ حال ایمان والوں کو ایک روز اپنے رب سے ملاقات کرنا ہے

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ (سورۂ ہود)

ترجمہ: اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔ (شیخ الہندؒ)

میں غریب مؤمنوں کو دھتکار نہیں سکتا

یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خودغرضی کا شبہ ہو۔ میں اپنے پروردگار کا نوکر ہوں اسی کے یہاں سے مزدوری ملے گی۔ بحمد اللہ نہ تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت۔ پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں، اگر تم میرے اتباع کو محض ان کی افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر وذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کی ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دے کر نکال دوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری

شکایت اس کے دربار میں کریں گے کہ آپ کے پیغمبر نے متکبر دنیاداروں کی خاطر ہم غریب وفاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر حال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض ظاہری اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ لگے گا کہ ان کے دلوں کی کیا حالت تھی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

غربت کوئی عیب نہیں

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

یعنی جہل وحماقت سے انجام پر نظر نہیں کرتے، صرف ان کی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غربت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم ہوتی، عموماً دولت وجاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے۔ اس لئے ہرقل کی حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کے متبعین ضعفاء ہوتے ہیں۔ بہرحال تم نہیں جانتے کہ سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہونا ہے وہاں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا تمہارا غرور تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جاہ ومال کا نشہ حق کو قبول کرنے سے روک دیتا ہے

حق جل مجدہ اپنی حکمتِ بالغہ سے نبی رسول کو لوگوں کی رُشد وہدایت کیلئے بھیجتا ہے اور ہدایت ورحمت ایسی چیز نہیں کہ زبردستی لوگوں کے سر ڈال دی جائے، جب تک وہ خود اس کی طرف رغبت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی ترتیب رہی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ عزت وذلت، اور عقل وفہم مال ودولت کے تابع نہیں بلکہ تجربہ شاھد ہے کہ جاہ ومال کا ایک نشہ ہوتا ہے جو انسان کو بہت سی معقول اور صحیح باتوں کے سمجھنے اور قبول کرنے سے روک دیتا ہے کمزور وغریب آدمی کی نظر کے سامنے یہ رکاوٹیں

نہیں ہوتیں وہ حق اور صحیح بات کو قبول کرنے میں مسابقت کرتا ہے اور پھر حق تعالیٰ ان کو ایمان وعرفان کی دولت سے بہرہ ور کردیتا ہے اور قلبی ودلی انابت ومیلان اور استعداد کے مطابق دین کی خدمت کے لئے حق کا فیض عطا کرتا ہے۔ گمراہ وکورچشم جاہ ومال کے نشے میں نہ حق کو قبول کرتا ہے نہ ہدایت کی راہ پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر عزت تو رب العزت کی جانب سے ملتی ہے۔ اہل ایمان وعرفان کو انکی خستہ حالی وشکستہ حالی پر اللہ کی جانب سے عزت وشرف ملتی ہے اور رُشد وہدایت میں ترقی ہوتی ہے۔ خالق کی نگاہ میں تربیت ہوتی ہے۔ ذلت وگمراہی جاہ ومال والوں کا مقدر بنتی ہے۔ جاہ ومال والوں نے مطالبہ کیا کہ ہم کیسے آپ کے پاس آئیں جبکہ یہ لوگ آپکے ہم نشین ہیں۔ اس کا ان کو جواب دیا گیا تم ان کی قدر ومنزلت کو نہیں جانتے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی ملاقات رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رب **العرش العظیم** سے ہونے والی ہے۔ ان کے دل میں نور ایمان وعرفان ہے۔ ان کی خستہ وشکستہ حالی کو نہ دیکھو وہ اہل حق اور حق تعالیٰ کے وفادار وفاشعار ہیں۔ ہدایت اُن کے مقدر میں آئی تو ان کو کیسے اپنی مجلس سے نکال دوں۔ سنو عزت ہدایت سے ملتی ہے، مال وجاہ سے نہیں شرافت تقویٰ وطہارت سے ملتی ہے خاندان سے نہیں کمینہ اور ذلیل تو وہ ہے جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کو نہ پہچانے۔ جو اس کے احکام سے روگردانی کرے۔

کمینہ اور ذلیل کون ہے؟

سفیان ثوری سے پوچھا گیا۔ کمینہ اور ذلیل کون ہے؟ تو فرمایا وہ لوگ جو بادشاہوں اور افسروں کی خوشامد میں لگے رہیں۔ وہ آدمی ہے جو اپنا دین بیچ کر دنیا کمائے؟ سوال کیا گیا سب سے زیادہ کمینہ کون؟ تو فرمایا وہ شخص جو اپنا دین برباد کر کے کسی دوسرے

کی دنیا سنوارے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کمینہ وہ شخص ہے جو صحابہ کرام کو برا کہے کیونکہ وہ پوری امت کے سب سے بڑے محسن ہیں جن کے ذریعے دولت ایمان وشریعت ہم کو پہنچی ہے۔

(معارف القرآن۔گلدستہ ۳/۳۱۵)

آیت سے واضح طور پر یہ بات روشن وعیاں ہوتی ہے کہ مفلوک الحال، غریب ونادار اس بوریہ و چٹائی پر بیٹھنے والے اور کچے مکان اور جھونپڑی میں زندگی گزارنے والے، یا فٹ پاتھ پر رہنے والے، جھگی اور گھاس کے آشیانوں میں گزارہ کرنے والے کو جبکہ وہ اہل ایمان ہوں، علماء دعاۃ، مصلحین ومبلغین، دینی رہنما وقائدین، حقیر و ذلیل نگاہ سے ان کو نہ دیکھیں اور خاص کر ان خستہ حال لوگوں پر مالدار اور اہل ثروت کو ترجیح نہ دیں کہ مالداروں سے خوب ہشاس وبشاس ملیں، معانقہ ہو، مصادرہ ہو، مجانست ہو مجالست ہو، موانست ہو مودت ہو محبت ہو۔ اور دوسرے غریب ونادار مسلمان اور صاحب ایمان وعرفان سے۔ سلام و پیام بھی نہ ہو۔ اللہ اکبر کتنی عظیم بات کہی گئی ہے کہ **اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ** کہ ان کی ملاقات ہوگی۔

رب العزت سے تو میری شکایت کریں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے متکبر دنیا داروں کی خاطر غریب مسلمانوں کو اللہ ورسول سے وفا کرنے والوں کو، محض غربت و افلاس کی وجہ سے حقیر وکمتر جانا اور اپنی فرسودہ وجاہت وشرافت کا خمار دل ودماغ میں قائم کر کے ہم کو اپنی مجلسوں سے نکال دیا۔ اس لئے ان کو نہ نکالا جاسکتا ہے نہ کمتر وحقیر جانا جاسکتا ہے۔ دل میں عین ممکن ہے غریب کے اللہ، اللہ ہو۔ اس کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ آج کے دور میں ان باتوں کا تصور بھی ایک انوکھا سا لگتا ہے۔ جہاں ہر طرف یہ زبان عام وخاص ہے کہ اپنے حیثیت ووقار کے لوگوں سے راہ ورسم رکھنی چاہئے۔

اللہ اکبر!!! حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جَالِسِ الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِيْنَ۔

(یعنی) فقراء و مساکین کی مجلس میں بیٹھا کرو (تا کہ طبیعت میں مسکینیت و مسکنت رہے اور طینت میں سکنیت و تمکنت)۔

اس سے حق تعالیٰ کی رحمت ملے گی اور رحمت سے رُشد و ہدایت کا نزول ہوگا۔ پھر ذوق عبادت و اطاعت اور استغفار و انابت کی شان پیدا ہوگی۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی تم کو مغفرت و جنت ملے گی اور جنت میں پہنچ کر پھر ان خستہ حال لوگوں کی طرح تم کو حق تعالیٰ کی رؤیت و دید کی لذت و مسرت نصیب ہوگی۔ ورنہ پھر طبیعت میں تکبر و نخوت اور گناہ و معصیت کی ظلمت و نحوست اور صالحین و علماء سے کدورت و نفرت، عبادت و اطاعت سے وحشت، قرآن و حدیث کی مخالفت سے لعنت، یہ وہ امراض خبیثہ اور اخلاق ذمیمہ ہیں کہ بسا اوقات توبہ و استغفار سے محرومی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل ایمان و عرفان کے قدر کی توفیق عطاء فرمائے اور اہل سعادت اور اہل شفاعت بنائے اور پوری امت و ملت کی بدبختی و شقاوت سے حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین

رجوع الی اللہ اور لقاء اللہ

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝٦

(ترجمہ) اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اس سے جا ملے گا۔ (حضرت تھانویؒ) (سورۃ الانشقاق آیت نمبر ۶)

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ، کدح کے معنی کام میں پوری جدو جہد اور اپنی توانائی صرف کرنے کے ہیں۔ اور إِلَىٰ رَبِّكَ سے مراد إِلَىٰ لِقَاءِ رَبِّكَ ہے یعنی انسان کی ہر سعی و جدو جہد کی انتہا اس کے رب کی طرف ہونے والی ہے۔

رجوع الی اللہ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر اس کو غور و فکر کیلئے ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو وہ اپنی جدو جہد کا رُخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اسکو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے۔

پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مؤمن ہو یا کافر اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لئے جدو جہد اور محنت برداشت کرے۔ جس طرح ایک شریف نیک خو انسان اپنے معاش اور ضروریات زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت و توانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار بدخو انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بے محنت بے جدو جہد حاصل نہیں کر سکتا۔ چور ڈاکو بدمعاش دھوکہ فریب سے لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کیسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں۔ جب اُن کو اُن کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اسکی تمام حرکات بلکہ سکنات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جس کو وہ غیر شعوری طور پر قطع کر رہا ہے جس کی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ میں اسی کا بیان ہے اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر جدو جہد اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔

تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اس کی تمام حرکات و اعمال اور ہر جدو جہد کا حساب ہونا ازروئے عقل و انصاف ضروری ہے

تا کہ نیک و بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے ورنہ دنیا میں تو اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے ۔چور ڈاکو اُس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔اگر کوئی وقت حساب کا اور جزاء سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے جو عقل و انصاف کیخلاف ہے۔آخر میں فرمایا **فَمُلٰقِیْهِ**۔ **ملاقیه** کی ضمیر کدح کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو جد و جہد یہاں انسان کر رہا ہے بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچ کر اپنی اس کمائی سے ملے گا اور اس کے اچھے یا بُرے نتائج اس کے سامنے آ جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **ملاقیه** کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہر انسان آخرت میں اپنے رب سے ملنے والا اور حساب کے لئے سامنے پیش ہونے والا ہے۔آگے نیک و بد اور مؤمن و کافر انسانوں کے الگ الگ انجام کا ذکر ہے جس کی ابتداء اعمال نامہ کا داہنے یا بائیں ہاتھ میں آ جانا ہے داہنے والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت، اور بائیں والوں کو دوزخ کے عذاب کی اطلاع مل جاتی ہے۔

اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریات زندگی بلکہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک و بد دونوں ہی کر لیتے ہیں۔اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے مگر ان دونوں کے انجام میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک کے نتیجہ میں دائمی غیر منقطع راحت ہے اور دوسرے کے نتیجے میں دائمی مصیبت و عذاب ہے۔ پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی و عمل کا رُخ اُس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اُس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل رہے۔ (معارف القرآن ۸ / ۷۰۲)

اے انسان بہرحال تیری ملاقات رب سے ہونی ہے

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

ترجمہ: اے آدمی تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر پھر اس سے ملنا ہے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ) (الانشقاق۔۶)

ترجمہ: اے آدمی تجھ کو بچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں، بچ بچ کر، پھر اس سے ملنا ہے

یعنی اے انسان تو سمجھ لے اس حقیقت کو کہ تو محنت و مشقت اٹھا رہا ہے عملی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف جاتے ہوئے کہ زندگی کا یہ سفر ہر انسان مسلسل طے کر رہا ہے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کو قبر اور آخرت کے قریب کر رہا ہے، زندگی کی منزلیں طے کرتے کرتے اے انسان بہرحال تجھے اپنے رب تک پہنچنا ہے اور اس کے سامنے تجھے حاضری دینی ہے، انسانی زندگی میں یہ عملی جدوجہد ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے کوئی اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے تو کوئی بدی اور نافرمانی میں اپنی جان کھپاتا ہے اسی طرح زندگی کی یہ منزلیں ہر انسان طے کرتے ہوئے آخر اپنے پروردگار سے ملے گا کیوں کہ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور پھر اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔

(ترجمہ وتفسیر معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ ۸ / ۴۲)

اللہ، دل جس سے زندہ ہے وہ تم ہی تو ہو

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ الایۃ...... اے انسان تو نے درجہ بدرجہ چڑھنا ہے اور بالآخر ایک دن اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے، محبت والوں کے لئے زندگی کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ایسے بن جائیں کہ اللہ رب العزت کو پسند آجائیں۔ ہمارا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، رفتار گفتار، کردار سب کچھ ایسا ہو کہ اللہ رب العزت ہمیں پسند کر لیں۔ دلہن کو کیوں سجاتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ پہلی نظر میں اپنے میاں کو پسند

آ جائے، مومن اپنے ظاہر کو نبی علیہ السلام کی سنتوں سے سجاتا ہے تاکہ جب اللہ کے حضور پیش ہو تو اپنے مالک کو پسند آ جائے۔

ہماری آرزو، ہماری تمنا، اللہ رب العزت کی رضا بن جائے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع بن جائے یہ ہے مقصودِ زندگی۔ اب ہم اپنے دل کی کیفیت کو دیکھیں، اگر دل میں ایک شوق ہے، ایک ولولہ ہے، ایک جذبہ ہے، جو ہمیں دن رات بے چین رکھتا ہے، اگر اللہ رب العزت سے ملاقات کی تمنا ہر وقت ہمارے دل میں ہے اگر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو ایسی کیفیت ہے تو پھر زندگی با مقصد گزر رہی ہے۔

انسان کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت سے ملاقات کا شوق ہو پھر زندگی با مقصد ہو جاتی ہے، ایسی رب العزت کی محبت نصیب ہو جو دل کو گرما دینے والی ہو، جو دل کو تڑپا دینے والی ہو یہی انسان کا مقصدِ زندگی ہے...... جیسے لوگ کہتے ہیں کہ تم نے فلاں چیز کو نہیں دیکھا تو تم نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ جس نے روزِ محشر اللہ رب العزت کا دیدار نہ کیا اس نے پھر پیدا ہو کر کیا کیا؟

(انمول حدیث۔ ۱۱۰)

لقاء اللہ کے منکرین کا انجام

کتاب اللہ اور قرآن مجید میں جس طرح اھل ایمان کو لقاء اللہ کی دعوت دی گئی ہے اور اس بلند ترین مقصد کے لئے اعمال صالحہ اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ آخرت کے دن کی پیشی اور بارگاہ رب العزت میں باریابی اور روبرو ہونے کا عقیدہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور زندگی کا عظیم مقصد بتلایا گیا ہے تاکہ اہلِ ایمان شاداں وفرحان دار فانی میں ایمانیات والٰہیات کے ذریعہ روحانیات میں ترقی کریں اور دار بقاء میں لقاءِ رب کا لطف اٹھائیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو اس عقیدہ سے انکار وانحراف کرتے ہیں اور زندگی ایسی گزارتے ہیں کہ ان کو کبھی حق تعالیٰ کی عدالت میں آنا نہیں، اور اپنے اعمال وافعال بد کی سزا بھگتنی نہیں۔ ان کو اللہ کی جناب میں روبرو ہونا نہیں ہے، ایسے بدبختوں کا بھی قرآن مجید نے احوال بیان کیا ہے اور ان کی دنیاوی زندگی کے مختلف گوشوں کی اطلاع دی ہے حق تعالیٰ کی کتاب ایک واضح اور کھلی ہوئی حقیقت کی صداقت ہے، جو ماضی کے واقعات وعبرتیں اور مستقبل کے ہونے والے فیصلوں وحکموں سے باخبر کرتا ہے، ایمان وکفر کی وضاحت کرتا ہے، اطاعت وعبادت کے نتائج وثمرات کو عیاں کرتا ہے معصیت وبغاوت کے کُربات وخطرات کو بیان کرتا ہے۔ الغرض اپنے اور بیگانے دونوں کی زندگیوں اور پھر اس کے نتائج وانجام سے مکمل باخبر کرتا ہے تاکہ حق وصداقت اور کفر ومعصیت خوب سے خوب تر واضح وروشن ہوجائے کسی طرح پوشیدہ نہ رکھا جائے اور ہر دو پر حجت وبرہان تام اور مکمل ہوجائے۔ اللہ ہادی ہمیں رُشد وہدایت پر استقامت کے ساتھ رکھے آمین۔

سب سے بڑی بدبختی

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَاۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ۝۳۱ (الانعام)

ترجمہ:- تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اسمیں کی اور وہ اٹھائینگے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ بُرا بوجھ ہے جسکو وہ اٹھائینگے۔ (شیخ الہندؒ)

لقاء اللہ سے انکار بڑی شقاوت وبدبختی ہے

انسان کی بڑی شقاوت اور بدبختی یہ ہے کہ ''لقاء اللہ'' سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلند ترین مقصد کو جھوٹ سمجھے، یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آ کھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیوی زندگی میں یا یوم قیامت کے لئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس وحسرت سے کچھ نہ ہوگا، جرموں اور شرارتوں کے بار گراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہوگی، یہ ناوقت کا تاسف وتحسّر ذرا بھی ہلکا نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اسلام کے تین بنیادی اصول

قرآن وحدیث میں اسلام کے تین بنیادی اصول ہیں، توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، باقی سب عقائد انہی تین کے تحت داخل ہیں اور یہ وہ اصول ہیں جو انسان کو اس کی اپنی حقیقت اور مقصد زندگی سے روشناس کر کے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتے ہیں اور اس کو ایک سیدھی اور صاف راہ پر کھڑا کر دیتے ہیں، ان میں بھی عملی

طور پر عقیدۂ آخرت اور اس میں حساب، جزاء وسزاء کا عقیدہ ایک ایسا انقلابی عقیدہ ہے جوانسان کے ہر عمل کا رخ ایک خاص طرف پھیر دیتا ہے۔

لقاء اللہ کی نفی، حق تعالیٰ کے وعدۂ جزاء وسزاء سے انکار، بعث بعد الموت کے عقیدہ کی تکذیب وانحراف، حق جل مجدہ کی پیشی اور روبرو ہونے کو جھٹلانا ابدی خسارہ اور دائمی عذاب کا باعث ہوگا۔

قبر میں بُرے عمل بُری شکل میں آئیں گے

منکرین ومکذبین کے سامنے جب وہ دن اچانک آجائے گا اور حقیقت کھل کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور بعث بعد الموت کے اقرار سے چارہ نہ رہے گا۔ کفِ افسوس ملیں گے۔ ناکام زندگی کے اعمال بد کا بوجھ اُن پر سوار ہوگا۔ کفر کی نحوست ان پر مسلط ہوجائے گی، حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز نیک لوگوں کے اعمال انکی سواری بن جائے گی اور بدکاروں کے اعمالِ بد بھاری بوجھ کی شکل میں ان کے سروں پر لادے جائیں گے۔ (معارف القرآن۔ ۳/۳۰۹)

تفسیر ابن کثیر میں روایت ہے کہ جب کوئی ظالم مرتا ہے اور وہ ظالم وگنہگار قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس نہایت بدشکل صورت سامنے آتی ہے کالا رنگ، بدبودار، میلے کپڑے اس کے ساتھ قبر میں سکونت پذیر ہوجاتا ہے، وہ اس کو دیکھ کر کہتا ہے کیا ہی بُرا ہے تیرا چہرہ تو وہ کہے گا کہ تیرے اعمالِ قبیحہ کا میں عکس ہوں، ایسے ہی تھے تیرے اعمال اور ایسے ہی بدبودار تھے تیرے کام، وہ کہے گا تو ہے کون؟ تو وہ کہے گا میں تیرا عمل ہوں، پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ قبر میں رہے گا، قیامت میں وہ اس سے کہے گا کہ لذات وشہوات کی شکل میں تجھ کو میں دنیا میں اٹھائے ہوا تھا، آج کے روز تو مجھے اٹھائے گا۔ چنانچہ اس کے اعمال کا مجسمہ اس کی پیٹھ پر سوار ہوکر اس کو دوزخ کی طرف

لے جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر۔۱/ ۶۸۰)

نیک و بُرے عمل کی سواری

ابن ابی حاتم سے عمرہ بن قیس ملائی کا بیان ہے کہ مؤمن جب قبر سے بر آمد ہو گا تو اس کا نیک عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ مومن کہے گا نہیں، بس اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری صورت حسین اور تیری خوشبو پاکیزہ بنائی ہے نیک عمل کہے گا میں دنیا میں تیرے اوپر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی......

یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ﴿۸۵﴾ (سورۂ مریم)

اور کافر کا عمل مکروہ ترین شکل اور بدترین بو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور وہ کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دے گا نہیں، مگر اتنی بات جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے تیری شکل بہت مکروہ اور تیری بو بہت گندی بنائی ہے عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا بُرا عمل ہوں، دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی......

وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ (الانعام۔۳۱)

کسی کی زمین غصب کرنا

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جس نے بالشت بھر زمین بغیر حق کے غصب کرلی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو سات زمینوں کا طوق (اس کے گلے میں) پہنائے گا۔ (گلدستہ۔۲/۳۸۱)

نیکی و بدی کی بروز قیامت شکلیں

حدیث میں ہے کہ برزخ اور محشر میں انسانی اعمال خاص خاص شکلوں اور صورتوں میں آئیں گے قبر میں انسان کے اعمال صالحہ ایک حسین صورت میں اس کے مونس بنیں گے اور بُرے اعمال سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی وہ مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کی قبر میں پہنچ کر اس کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ اسی طرح معتبر احادیث میں ہے کہ میدان حشر میں انسان کے اعمال صالحہ اس کی سواری بن جائینگے اور بُرے اعمال بوجھ بن کر اس کے سر پر لادے جائیں گے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میدان حشر میں دو گھرے بادلوں کی شکل میں آ کر ان لوگوں پر سایہ کریں گی جو ان سورتوں کے پڑھنے والے تھے۔ (معارف القرآن۔ ۳/۵۱۹)

حق تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں حجت تمام ہو چکی

بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا نہ ہی کسی قسم کی معذرت قابل قبول ہوگی اور منکرین و مکذبین بعث اور جزاء وسزاء کے جھٹلانے والے کو اس حتمی اور یقینی دن جس کو قیامت اور یوم الدین، یوم جزاء، یوم لقاء سے قرآن مجید نے تعبیر کیا ہے آخری کیفر وکردار تک پہنچایا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ (الانعام)

اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں کے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے، کہیں

گے کہ ہم نے اقرار کرلیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہو گئے اپنے اوپر اس بات کے کہ وہ کافر تھے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی دنیا کی لذات وشہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنا دیا کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرّہ ذرّہ کا حساب لے گا۔ (علامہ عثمانیؒ)

اللہ تعالیٰ نے بار بار اس حتمی عقیدہ کو بیان فرمایا کہ تمہاری پیشی مالکِ کائنات اور تمہارے پیدا کرنے والے کے سامنے ہونی ہے تم اس کی تیاری عقیدہ کے اعتبار سے، عملی جدوجہد کے اعتبار سے کرلو۔ مگر افسوس صد افسوس کے منکرین ومکذبین نے اس طرف دھیان ہی نہ دیا اور دُنیاوی زندگی کی فانی لذتوں کو اختیار کر کے آخرت کو فراموش کردیا جبکہ آخرت بڑے مزے کی زندگی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ہم اہلِ ایمان کو دعوت دی ہے۔

وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کردے

يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ (سورۂ ابراہیم، آیت:۱۰)

(ترجمہ) وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کردے۔

اہلِ ایمان آخر لقاء اللہ اور بعث بعد الموت، حیات آخرت یوم النشور، یوم الدین، یوم جزاء، یوم قیامت کا انتظار کیوں کررہے ہیں اسی لئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو فضل وبابِ رحمتِ واسعہ سے دامن عفو وتسامح میں جگہ دے کر مغفرت کا پروانہ عطا کرے گا اور اپنی جنتِ فردوس کا مکین بنا کر اپنی رؤیت ودیدار اور لقاء کا شرف عطا کرے گا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ لقاء اللہ اور رؤیت بندہ کے کسی عمل کا ثمرہ ونتیجہ نہیں ہوگا یہ تو محض فضلِ ذوفضل العظیم ہوگا اور اہلِ ایمان اس عقیدہ کو دل وجان سے زیادہ محبوب وہر دلعزیز جانتے ہیں۔ جبکہ دوسروں نے اس کا انکار کردیا۔ اللہ اکبر۔ عقیدہ کی تصدیق

وصحت بھی کیا نعمت اور قابل صد شکر و فضلِ حق ہے۔

اور سچ یہ ہے کہ لقاء اللہ کے مقابلہ میں بندہ بارگاہ بے نیاز میں پیش بھی کیا کر سکتا ہے فانی اور عاجز بندۂ مومن حق سبحانہ سبوح وقدوس کی جناب کے لائق لا بھی کیا سکتا ہے؟ زندگی کے لمحات کی ہر گھڑی موہوب وعطاءِ باری ہے، لقاء اللہ بھی محض فضل وعطاء ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ لِقَاءُكَ حَقٌّ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

دارالجزاء کو فراموش کرنا خود کو فراموش کرنا ہے

﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف)

جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا اُن کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسا انہوں نے بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے۔ (شیخ الہندؒ)

اللہ رب العزت نے انسان کو جو زندگی دی ہے تو اس کا مقصد بھی خالق نے متعین کیا ہے اسی مقصد حیات کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کی گئی ہے اور با مقصد و با مراد زندگی ایمانیات والٰہیات سے جڑی ہوئی ہے اور جن لوگوں نے زندگی کا مقصد محض لہوولعب، کھیل وتماشا اور دنیاوی دلفریب اور فانی لذتوں میں انہماک، آخرت اور دار الجزاء سے غفلت کو بنالیا ہے اور آخرت کو فراموش کئے ہوئے ہیں، ان کو آخرت میں بارگاہِ رحمت سے بھی فراموش کر دیا جائے گا۔ آخرت درحقیقت دنیاوی زندگی کا نتیجہ اور پھل ہے۔ یہاں جیسا عمل و کردار ہوگا وہی اس کے سامنے پھل کی شکل میں رونما ہوگا، دارالجزاء میں پہنچ کر لہوولعب اور دھوکہ وفریب خوردہ لوگوں کو ان کے اپنے کاشت اور

بوئے ہوئے نتیجہ کا سامنا ہوگا۔آخرت سے نسیان وفراموشی کی سزا انکی مغفرت ورحمت سے محرومی ہی ہوگی، خیر وبھلائی کا جہاں سے فیصلہ ہوگا وہاں سے انکا نام سزاء اور عذاب وعتاب کے محکمہ کو سپرد کردیا جائے گا۔اور یہ ان کے اپنے کرتوت کی پاداش میں ہوگا۔

آخرت کی ملاقات کو جھٹلانا تمام محنتوں کو اکارت وبرباد کردیتا ہے

④ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ (سورۃ الاعراف)

اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے۔(شیخ الہندؒ)

ایمان کے بغیر کوئی نیکی کام نہ دے گی

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایمان کے بعد ہی نیکیوں کا وجود ہوتا ہے۔ یعنی ہم جس کو نیکی کہیں گے وہ ایمان کے بعد کا عمل ہوگا ایمان سے پہلے جو خوبی' یا بے ایمان سے جو خوبی یا بھلائی کے کام ہوتے ہیں وہ نیکی بمعنی ان کا اجر وثواب بارگاہِ الٰہی سے ملنے کی توقع وامید رکھنا غلط ہے۔آخرت میں اجر وثواب کے لئے پہلی شرط ایمان ہے۔بے ایمان لوگ جو کام اپنی عقل سے کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہ ہوگا، جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے، باقی ان کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہوگا دنیا میں ملتا رہے گا۔اعمال میں جان ایمان باللہ سے پیدا ہوتا ہے اور اخلاص وللّٰہیت سے قوت ووزن آتا ہے ایمان کے بغیر کام نیکی نہیں بنتا اور اخلاص کے بغیر درجہ قبولیت اور وزن نہیں ہوتا۔

تفسیر مظہری میں ہے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ تو جو نیکیاں انہوں نے کی ہوں گی سب

اکارت جائیں گی۔ غریبوں کو مال دینا کنبہ والوں کے ساتھ سلوک کرنا، رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا وغیرہ وغیرہ بحر حال یہ سب کام اس میدانی سراب کی طرح ثابت ہونگی جو دور سے پیاسے کو پانی دکھائی دیتی ہیں۔ اور جب قریب پہنچتا ہے تو (ہلاکت کے سوا) کچھ نہیں ملتا۔ (گلدستہ۔ ۲/ ۵۵۲)

لقاء اللہ کی تکذیب ہدایت سے محرومی کی دلیل ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ (سورۂ یونس)

اوران کو وہ دن یاد دلائے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ (وہ ایسا سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے (بھی اور) واقعی (اس وقت سخت) خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے۔ (تھانویؒ)

قیامت آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی

یعنی محشر کے ہولناک اہوال وحوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش وآرام اس قدر حقیر وقلیل نظر آئے گا گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے، اور افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گزری، جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بے کار گزارتا ہے، نیز وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ مدت قیام ہی نہ ہوا جو یہ وقت آ گیا، گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آ پھنسے، کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ دیکھنا پڑتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر

سمجھیں گے۔ (واللہ اعلم۔عثمانیؒ)

کوئی کچھ مدد نہ کر سکے گا

ایک دوسرے کو پہچانیں گے مگر کچھ مدد نہ کرسکیں گے، نفسی نفسی کی پڑی ہوگی، بھائی بھائی کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آئے گا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴿۱۰۱﴾ (سورۃ المومنون)

جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں (جو) باہمی رشتے ناتے (تھے) اس روز نہ رہیں گے۔ (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا)۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ﴿۳۶﴾ (سورۂ عبس)

جس دن کے بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی، احباب واقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ

باہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ان کا باہمی تعارف تھا، گویا تھوڑی دیر کو جدا ہوئے تھے پھر جمع ہو گئے اور کوئی کسی کو بھولا نہیں۔ امام بغویؒ نے لکھا ہے، یہ باہمی شناخت قبروں سے اٹھنے کے وقت تو ہوگی، پھر قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے باہم تعارف جاتا رہے گا بعض آثار میں آیا ہے کہ آدمی اپنے برابر والے کو پہچان تو لے گا۔ مگر ہیبت اور خوف کی وجہ سے اس سے بات نہیں کرے گا۔ (گلدستہ: ۳/ ۲۶۳)

لقاء اللہ کو جھٹلانا خسران ہے

اور جن لوگوں نے لقاء اللہ، یعنی دار الجزاء، یوم الجزاء، یوم الحساب کو جھٹلایا اور ایمان کے بدلہ کفر وعصیان کی راہ اختیار کی تھی، ان کیلئے خسران وخذلان کا دن ہوگا اور جنہوں نے لقاء اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ سراسر فائدہ میں ہیں، نجات کا طریقہ ہی لقاء اللہ کے ساتھ مربوط ہے، رُشد وہدایت کی راہ اسی عقیدہ کے تحت نصیب ہوگی، فوز وفلاح کی کلید لقاء اللہ ہی تو ہے اسی جذبہ کے بعد ایمان میں حرارت وقوتِ عملی بیدار ہوتی ہے اور پھر غیب سے تائید ونصرت الٰہی کا باب کھلتا ہے، قلوب وصدور میں طمانیت وسکینت بقدر استعداد نازل ہوتی ہے اور پھر انسان سعادت کی منزلوں کو پاتا ہے، یہ بانصیب لوگوں کا مقدر ہے کہ معبود ومسجود، وحدہ لاشریک لہ، عرش عظیم کے رب سے ملاقات کا اشتیاق ہر فانی چیزوں پر غالب ہے اور تمام تر نعمتوں کے مقابلہ میں دید حق اور حق تعالیٰ کی ملاقات کا شوق حرز جان بنا ہوا ہے۔

آخرت کی ملاقات کو جھٹلانے کے باوجود منجانب اللہ دنیاوی عیش وآرام ملنا

۵ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ (سورۃ المومنون)

اور بولے سردار اس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔ (شیخ الہندؒ)

اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے اور حمید بھی اس کی شان بے نیازی بھی بڑی عجیب وانیق ہے۔ انسانی عقل نارسا کی دسترس سے وراء الوراء ہے وہاں کلام کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ

عزیز و حکیم بھی ہے۔ قدرت بھی تام واتم ہے اور حکمت بھی اعظم واکمل ہے، بندہ ناشکرہ منکر آخرت ہے، پیشی و روبرو ہونے کا قائل نہیں، حیّ قیّوم رب العرش العظیم کی بارگاہِ بے نیاز سے نیاز مند نہیں، اور ارحم الراحمین کی عطاء بخشش کا یہ حال ہے کہ دنیاوی زندگی میں اس کو عیش وآرام کی نیاز دیئے ہوا ہے، نوش و پوش کی کمی نہیں، خادم وحشم کی فراوانی ہے، وہ اس عیش وعشرت میں کھویا ہوا ہے، فریب خوردہ اور دھوکہ میں اسلئے مبتلا ہے کہ آرام وآسائش کی زندگی گزار رہا ہے، دنیاوی زندگی کی خوشحالی نے اسکو آخرت کی تکذیب پر امادہ کیا ہوا ہے، ظاہری ٹیپ ٹاپ نے دماغ خراب کیا ہوا ہے کہ بس یہی زندگی ہے، کھاؤ پیو موج ومستی کرلو اور بس اور دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

لقاء اللہ کے منکر کے لئے رحمت الٰہی سے مایوسی

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ (سورۃ العنکبوت)

اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے اور وہ ناامید ہوئے میری رحمت سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حق تعالیٰ کی رحمت واسعہ عام ہے جو بھی دار رحمت میں داخل ہوجائے اس کے لئے وسعت وگنجائش ہے وہاں تنگی نہیں جانے والے کی کمی ہے رحمت میں کمی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حق تعالیٰ کی باتوں کا انکار کیا اور حق تعالیٰ کی ملاقات کے منکر ہوئے تو ان کا یہ جرم وانکار ان کو حق تعالیٰ کی رحمت سے محروم کردے گا اور رحمت سے محرومی عذاب عتاب کا پیش خیمہ ہے۔ آیت سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ رب العزت کی باتوں اور کلام پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح لقاء اللہ کا عقیدہ راسخ رکھنا بھی رحمت الٰہی سے لطف اندوز ہونے کے لئے اشد ضروری ہے اور آیات اللہ حق ہیں،

لقاء اللہ بھی حق ہے۔ آیات اللہ اور لقاء اللہ کے عقیدہ کے تحت رحمت الٰہی سے ایمان والا مسرور ہوگا اور آیٰت اللہ تو اتری ہی اس لئے ہیں یا اللہ نے اس لئے اتاری ہیں تا کہ لقاء اللہ، یوم الجزاء، یوم الحساب کے عقیدہ میں رسوخ و وثوق پیدا ہو۔ جن لوگوں پر رحمت الٰہی کا سایہ فگن ہوگا وہی لوگ آیات اللہ اور لقاء اللہ کا رحمت الٰہی سے اعتقاد جازم رکھتے ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہلِ ایمان کو لقاء اللہ کا جذبہ و اعتقاد عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضلِ خاص سے شوقِ لقاء کا جذبہ راسخ فرمائے آمین۔

تخلیق کائنات کا مقصد یہ ہے کہ لقاءِ رب کا حتمی یقین حاصل ہو

⑧ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧ (سورۃ الروم)

کیا انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے، اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ (حضرت تھانویؒ)

یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالمِ بقاء قائم ہوگا

کائنات عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بے کار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا، ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضروری ہے، لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اپنے آپ میں غور وخوض کی دعوت وترغیب

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ قف کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کی۔

یعنی کیا انہوں نے اپنے علم کو صرف ظاہری دنیا پر منحصر رکھا اور دلوں کے اندر باطن پر غور نہیں کیا کہ ان پر دنیا کے اندرونی گوشوں کا انکشاف ہوتا، یا مطلب ہے کہ انہوں نے کیا اپنے نفسوں کے متعلق غور نہیں کیا باوجودیکہ ان کے نفوس اس سے اتنے قریب ہیں کہ دوسری کوئی چیز اتنی قریب نہیں، اپنے نفس کے اندر غور کرنے والے کو وہ انکشافات ہوتے ہیں جو سارے عالمِ امکان پر غور کرنے والے کو ہوتے ہیں، انسان عالمِ صغیر ہے (اور عالم کبیر کا نمونہ ہے) اگر وہ اپنے دلوں پر غور کرتے تو ان کو معلوم ہوجاتا اور وہ کہہ اٹھتے کہ۔

مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (سورۃ الروم:۸)

اللہ نے آسمان وزمین اور ان کی درمیانی کائنات کو برحق ہی پیدا کیا ہے (یعنی حکمت ومصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور یہ مقرر مدت (بقا) کو اپنے ساتھ لئے ہوئے پیدا کئے گئے ہیں۔

یعنی بے کار لاحاصل بغیر کسی کامل حکمت کے نہیں پیدا کئے اور انکی تخلیق دوامی نہیں ہے، بلکہ انکا بقاء ایک خاص مدت کے لئے ہے، اس کے بعد قیامت آجائے گی اور حساب فہمی کا وقت آپہنچے گا اور سزا وجزا مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا اور ہماری طرف تم کو نہیں لوٹایا جائے گا۔ (المومنون۔۱۱۵)

غور وفکر کا حاصل

نظامِ عالم پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کا خالق حکیم ہے اور حکیم بیکار کام نہیں کرتا، تخلیقِ عالم کی حکمت خالق کی ذات وصفات کی معرفت ہے اب اگر قیامت نہ آئے اور جزا سزا نہ ملے تو عارف وکافر دونوں برابر ہیں اس کائنات پر غور کرنے والا ہی آخرت کو جانتا ہے اور علم آخرت حاصل ہونے کے بعد اس کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہرہ گلدستہ۔ ۵/ ۳۹۴)

نعمتوں کے ذریعہ خالقِ کائنات کی شناخت ومعرفت

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ (الآیۃ)

یہ لوگ دنیا کی چند روزہ چمک دمک اور فانی لذتوں میں ایسے مست ہو گئے کہ اس کارخانہ کی حقیقت اور انجام سے بالکل غافل ہو گئے، اگر یہ خود بھی ذرا اپنے دل میں سوچتے اور غور کرتے تو ان پر یہ راز کائنات منکشف ہو جاتا کہ خالقِ کائنات نے یہ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کی مخلوقات کو فضول اور بے کار پیدا نہیں کیا۔ ان کی تخلیق کا کوئی بڑا مقصد اور بڑی حکمت ہے، اور وہ یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کے ذریعہ ان کے پیدا کرنے والے کو بھی پہچانیں، اور اس کی تلاش میں لگ جائیں کہ وہ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے کن سے ناراض، تاکہ اس کی رضا جوئی کا سامان کریں، اور ناراضی کے کاموں سے بچیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے کاموں کی کچھ جزاء وسزاء بھی ہونا ضروری ہے، ورنہ نیک وبد کو ایک ہی پلّے میں رکھنا عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دنیا دار الجزاء نہیں ہے جس میں انسان کو اس کے اچھے یا بُرے عمل کی پوری جزاء ضرور مل ہی جائے، بلکہ یہاں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جرائم پیشہ آدمی خوش خرّم اور بامراد نظر آتا ہے، اور بُرے کاموں سے

پرہیز کرنے والا مصائب اور تنگی کا شکار دیکھا جاتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جب یہ سب کارخانہ ختم ہو اور اچھے بُرے اعمال کا حساب ہو، اور ان پر جزاء وسزا مرتّب ہو، جس کا نام قیامت اور آخرت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ اگر غور وفکر کرتے تو یہی آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات اس کی شہادت دے دیتیں کہ یہ چیزیں دائمی نہیں، کچھ مدّت کے لئے ہیں، اور ان کے بعد دوسرا عالم آنے والا ہے جو دائمی ہوگا۔ مذکورہ آیت کا یہی حاصل ہے۔
(معارف القرآن۔ ٦ / ٧٢٥)

بعث بعد الموت کا انکار درحقیقت لقاءِ رب کا انکار ہے

﴿٩﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٠﴾ (سورۃ السجدہ)

اور کہتے ہیں کیا جب ہم رُل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔ یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائینگے اور شبہ یا استبعاد نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست ونابود ہو گئے تو کیا ہم نئے جنم میں آئیں گے، یعنی جب ہم زمین میں غائب ہوجائیں گے اور مٹی بن کر مٹی میں مل جائیں گے زمین کی خاک میں اور ہماری خاک میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو کیا ہم کو دوبارہ ازسرِنو زندہ کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری گلدستہ۔ ٥ / ٤٤٦)

درحقیقت انسان نے یہ غلط تصور اپنے ذہن میں جمایا ہوا ہے کہ ہم محض ایک جسم خاکی ہیں جبکہ جسم کے اندر ایک روح اور جیون ہے جس سے جسم خاکی کی حیات ہے اور

جسم چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے موت جسم کو آتی ہے نہ کہ روح کو، جسم خاکی مٹی بن کر مٹی میں مل جاتا ہے نہ کہ روح مٹی بن کر مٹی میں ملتی ہے۔ جو اصل جوہر ہے وہ تو اپنی جگہ جوں کا توں ہی ہے بس فرشتے اس کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیتے ہیں اور بعث ونشور کے دن عدالت الٰہی میں پیشی اور حاضری کردی جائے گی اور جزاء وسزا کا سامنا ہوگا رب العزت نے یہ واضح کر دیا کہ بعث بعد الموت کا انکار در حقیقت لقاءِ رب کا انکار ہے۔

عالمِ بقاء میں لقاءِ رب کی دھارس ایمان والوں کا سرمایہ ہے

کیوں کہ تمام تر زندگی کا نچوڑ اور سرمایہ جدو جہد اور پوری زندگی کی نقل وحرکت کردار وگفتار اور تمام تر حرکات وسکنات کا نتیجہ اور پھل بارگاہ الٰہی کی پیشی کے بعد اس کو ملے گا۔ گویا کہ یہ منکر اللہ پاک سے ملنا ہی نہیں چاہتا۔ مگر اس کا انکار، کیا اس دن کی پیشی سے اس کو بچالے گا۔ قطعاً نہیں بلکہ یہ انکار کر کے اپنے جرم کو اور شدید ومدید کر رہا ہے، افسوس اور صد افسوس کہ اپنے مالک ومولا، اپنے خالق ورب رحمن ورحیم کی ملاقات کا منکر بن کر پیش ہو رہا ہے، حتمی ویقینی طور پر جس کی جناب میں پیش ہونے والا ہے اسی حق سبحانہ وتعالیٰ کی لقاء کا منکر ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے بہت ہی صاف اور واضح طور پر فرما دیا کہ......

بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ - کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔

عالم بقاء کی لقاءِ رب سے ہی ایمان والوں کو دھارس بندھی ہوئی ہے اور اہل ایمان کے پاس فضل الٰہی سے بس یہی ایک سرمایہ باعث نجات اور دنیا میں رُشد وہدایت کی راہ لے جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ جو معین لقاء باری ہوں ہمیں استقامت کے ساتھ اس پر جما دے۔ آمین

لقاءاللہ کے منکر کی آخرت میں رحمت سے محرومی

⑩ فَذُوۡقُوۡا بِمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا كُنۡتُمۡ (سورۃ السجدہ)

تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھول رہے تھے ہم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔ (حضرت تھانویؒ)

آخرت دنیا کا نمونہ ہے یہاں بندہ کا جیسا عمل ہوگا اسی کا پھل اس کو ملے گا دنیا میں آخرت کا استحضار اور اعمال صالحہ کے ذریعہ حق تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کا جذبہ اور ہمہ وقت فکر آخرت ہی کے تحت صبح وشام کی تمام نقل وحرکت، خلوت وجلوت میں تقویٰ وطہارتِ قلب اور شریعت وسنّت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ آخرت کو بھولا نہیں ہے اور قیامت میں حق تعالیٰ کی جناب میں پیشی اور بارگاہ رب العزت سے اپنے عمل کے جزاء کی امید وابستہ کئے ہوا ہے۔ یہی دلیل ہے کہ بندہ اپنے معبود ومسجود سے ملنا بھی چاہتا ہے اور جذبہ بھی ملاقات کا رکھتا ہے۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جن کی زندگی کا مقصد کمانا کھانے کے لئے اور کھانا کمانے کے لئے، اللہ پر ایمان نہیں، اعمال بد سے نفرت نہیں، زندگی جس نے دی ہے اس سے بغاوت ہے کفر وشرک کرکے، آخرت کا خوف نہیں، اپنے بداعمالیوں کی سزا سے غفلت جب ایسے لوگ آخرت کے دن لائے جائیں جن کو رحمتِ الٰہی کی دنیا میں فکر بھی نہ تھی، بے فکری تھی ان کو قیامت کے دن رحمتِ الٰہی سے محروم کردیا جائے گا، اسی محرومی کو مجازاً بھلانا کہہ دیا گیا ہے ہمیں اہل ایمان کو اللہ سے ان کی رحمت بشکل مغفرت وجنت لینے کی غرض سے امیدِ لقاء ہے۔ الحمدللہ

لقاء اللہ کے منکر کی تین علامتیں

⑪ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ (سورۂ یونس)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں (آخرت کی طلب اصلاً نہیں کرتے) اور اسی میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی فکر کچھ نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔ (حضرت تھانویؒ)

پہلی علامت محض دنیا کی زندگی پر راضی رہنا

لقاء اللہ کے منکر یعنی آخرت اور روز جزاء کے منکر کی پہلی علامت قرآن مجید نے یہ بتلائی ہے کہ وہ اس دنیاوی زندگی میں آخرت کو فراموش کر کے وہاں کے حالات جو پیش آنے والے ہیں جو ابدی اور دائمی ہیں اُدھر دھیان ہی نہ دیا اور اپنے خالق و مالک کو کبھی بھی پہچاننے کی کوشش نہ کی اور یہ بھی نہ سوچا کہ ایسی زندگی تو جانور اور چوپایہ سے بدتر ہے جانور بھی اپنے اپنے مالک اور دیکھ بھال کرنے والے کو پہچانتا ہے، رب العزت نے انسان کو جانور اور چوپایہ و بہائم کے مقابلہ میں عقل و شعور کی نعمت دی ہے اور روئے زمین پر تمام تر مخلوقات کے مقابلہ میں ایک ہوش و دانائی کے ساتھ ساتھ گردو پیش کی تمام اشیاء و نعمتوں سے خدمت لینے کا سلیقہ و طریقہ انسان کو سکھلایا، یہ سب اس لئے کہ انسان ان چیزوں کے ذریعہ حق تعالیٰ کو پہچانے اور قدرت الٰہی کی کھلی نشانیوں اور واضح شہادتوں سے توحید کی شہادت دینے لگے، حق تعالیٰ کی یافت پیدا ہو، جن لوگوں نے اس سے انحراف کیا تو ان کی طرز زندگی اس بات کی شہادت ہے کہ انہوں نے گویا آخرت کو بھلا کر دنیوی زندگی سے راضی ہو گئے اور حشر و نشر اور معاد کے منکر ہیں اور وہ اپنی غیر مقصد زندگی سے ثابت کر رہے ہیں کہ ان کو اللہ سے ملنے کا اور پیشی کا کوئی دھیان نہیں، اللہ ہمیں فکر آخرت والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

دوسری علامت فانی زندگی پر مطمئن ہونا

لقاء اللہ کے منکر کی دوسری علامت وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا۔ اور اسی میں جی لگا بیٹھے ہیں، اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور اسی پر چین پکڑا اور اس پر ان کو اطمینان قلب ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَآمَنْتُ بِاللّٰہِ وَبِرَسُوْلِہٖ

اللہ رب العزت نے انسان کو یہ زندگی اس لئے دی ہے کہ وہ یوم الجزاء اور معاد کی تیاری کرے، اور فانی زندگی کی نعمتوں پر دل نہ لبھائے، آخرت پر دنیا کو ترجیح نہ دے، اللہ رب العزت کی وحدانیت کا اقرار کرکے خالق و مالک کی رضا جوئی میں زبان و عمل سے کوشاں رہے، وہ اس دنیا میں ایسے مطمئن ہو کر بیٹھے ہیں کہ گویا یہاں سے کہیں جانا ہی نہیں، ہمیشہ ہمیش یہیں رہنا ہے ان کو کبھی یہ دھیان نہیں آتا کہ اس دنیا سے ہر شخص کو رخصت ہونا ایسا بدیہی مسئلہ ہے جس میں کبھی کسی کو شبہ ہی نہیں ہوسکتا اور جب یہاں سے جانا یقینی ہے تو جہاں جانا ہے وہاں کی کچھ تیاری ہونی چاہئے، دنیاوی زندگی سے ایسا خوش ہیں کہ وہ لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں، آخرت کے منکر ہیں اور حیات فانیہ پر مطمئن ہو گئے ہیں اور اس کو اپنا مقصود اور مطمع نظر سمجھ بیٹھے ہیں اور اس قدر غافل ہیں کہ دلائل قدرت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے وہ شقی اور بدبخت ہیں اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں اور اس کے لئے تیاری کرتے ہیں وہ سعید و خوش نصیب ہیں ان کا عمل ان کے سامنے نور بن کر چلے گا اور جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کا نور ہوگا۔ ایسی بابرکت زندگی سے منہ موڑنا توجہ نہ دینا بڑی بدبختی اور شقاوت کی دلیل ہے ایسے کم بختوں کو لقاءِ رب کی سعادت سے محروم رکھا جائے گا، کیوں کہ دنیا میں وہ آخرت اور جزاء کے منکر تھے اور دنیا میں ان کا جی لگا ہوا ہے اور آخرت کی طلب سے خالی ہے، دنیا کو ہی منتہائے مقصود سمجھے ہوئے ہیں جس کے مقابلے میں ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں وہ

لوگ دنیاوی فانی لذتوں میں مست وغرق ہیں رب العزت نے ان کی شدتِ لاپرواہی کو وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا سے تعبیر کیا ہے کہ بس سب کچھ فانی موج ومستی، عیش عشرت ہی کو مقصودِ حیات جانا اور آنے والے حالات اور آخرت کی پیشی کو فراموش کر دیا۔

② لقاء اللہ کے منکر کی تیسری علامت قدرت کے خاموش دلائل سے غفلت

غفلت بذاتِ خود بہت ہی بُری صفت ہے اور پھر حق تعالیٰ کی آیاتِ بینات، شواہد ودلائل، کائنات عالم کے عجائبات، رات ودن کی مسلسل وپیہم گردش، چاند وسورج کا مربوط نظام محکم، سیاروں اور ستاروں کی چمک دمک، سحاب وبادل کا منوں ٹنوں سیال پانیوں کو بادل و بھاپ کی شکل میں لے کر نقل وحرکت کرنا۔ بادل وبجلی کا چمکنا وگرجنا، میٹھے اور شیریں، صاف وشفاف بارش کا برسنا، نہروں اور دریاؤں کی موجوں میں رواں دواں ہونا، آبی ذی روح کی حیات اور نشو ونما کا الٰہی پیغام فراہم کرنا۔ موجوں اور تھپیڑوں، طغیانی وتلاطم کے سہارے انڈوں اور بچوں کو جنم دینا۔ اور پرورش کرنا، اور پھر ان تھپیڑوں سے اپنے اپنے ذروں کے مانند بچوں کو ہر مچھلی کا جدا کر لینا۔ ماؤں کے ساتھ بچوں کا جمع ہو جانا اور تربیت کا اخذ کرنا۔ خلاق عالم نے خشکی اور تری، برّی وبحری تمام مخلوقات میں ایک نظام قدرت کے ساتھ تمیز اور کام کی فطری تقسیم رکھی ہے۔ سبھی اپنے مالک اور خالق، رب تبارک وتعالیٰ کو پہچانتے ہیں اور کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر کوئی نافرمان ہے تو وہ بس انسان وجنات ہیں، ان کو دعوت دی گئی ہے کہ تم انکار وانحراف کا طریقہ وراستہ چھوڑو اور بارگاہ رب العزت میں سر تسلیم خم کر دو۔ تکبر وغرور کر کے اپنی سعادت کو شقاوت میں تبدیل نہ کرو، عبادت واطاعت کی راہ اختیار کرو بغاوت وغفلت کی روش نہ اپناؤ۔ مگر افسوس کہ اس زمین پر کچھ بدنصیب وبدبخت ہیں کہ خالق ومالک کو تسلیم نہ کیا۔ سب کو مانا نہ خود کی ذات پر غور کیا نہ ہی آیاتِ قدرت،

شواہد و دلائل کی طرف دھیان دیا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دیا، ثواب و آخرت کا خیال نہ کیا ان کا مقصد صرف دنیوی لذت اندوزی اور راحت کوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام تر نعمت کو استعمال کر کے توحید باری کا انکار کیا۔ حشر و نشر کے عقیدہ کا انکار کیا۔ دنیا کی محبت ان پر اس قدر غالب رہی کہ آخرت کے تصور سے غفلت برتی اور آخرت کی تیاری سے انہماکِ دنیا نے غافل رکھا۔ افسوس اتنی غفلت کہ لقاء اللہ کا بھی خیال نہ رہے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کا ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام اہلِ ایمان کو ان تینوں مذموم صفات سے محفوظ رکھے اور لقاء اللہ کے عقیدہ کے تحت اعمال صالحہ کی اخلاص سے توفیق بخشے۔ آمین

۲ لقاء اللہ کے منکر کے عذاب چاہنے کے باوجود تاخیر کی حکمت و مصلحت

۱۲ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱ (سورۂ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کے جلدی مچانے کے موافق) جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ (عذاب) کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا سو (اس لئے) ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر (بلا عذاب چند روز چھوڑ رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (اور مستحق عذاب ہو جاویں اور وہ حکمت یہی ہے) (حضرت تھانویؒ)

منکرین نبوت و رسالت کی مخالفت پر عذاب کیوں نہیں آتا

اس سورت کا آغاز منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات سے ہوا ہے چنانچہ منکرین نبوت کے ایک شبہ کا جواب شروع سورت میں ہو چکا ہے اب ان کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ کفار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے

نبی ہیں تو ان کی مخالفت کرنے پر عذاب کیوں نہیں آتا اور ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے، اور ہم ہلاک کیوں نہیں کردئے جاتے، لہٰذا حق سبحانہ ان کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ منکرین اور مخالفین پر فوراً عذاب نازل کرنا ہماری حکمت اور رحمت کے خلاف ہے ہم جیسا لوگوں پر رحمت اور نعمت نازل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اگر ایسے ہی ان کے ہلاک کرنے میں جلدی کریں تو کام تمام ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت یہی ہے کہ ان کے ہلاک کرنے میں جلدی نہ کی جائے، ویسے اللہ تعالیٰ کو ان کے پکڑنے پر ہر وقت قدرت ہے وہ حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، شاید سنبھل جائیں اور حق کو قبول کرلیں، یہ اس کا فضل ہے کہ وہ شر کی دُعا جلدی قبول نہیں کرتا، نیز اس سے اہل ایمان کو ادب سکھانا ہے کہ شر کے مانگنے میں جلدی نہ کریں۔ اب ان آیات میں ان کے دوسرے تعجب کو دفع کرتے ہیں، وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ باوجود ہماری مخالفت کے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ جواب یہ ہے کہ وہ حلیم وکریم ہے فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

نہ گردن کشاں رابگیرد بفور

نہ عذر آوران رابراند بجَور

اَلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا میں انکی غفلت اور جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ نزول عذاب کے بارے میں عجلت کے خواہاں ہیں، جیسا کہ سورہ ص میں ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ (سورہ ص)

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر بُرائی پہنچائے اور سختی کرنے میں جلدی کرتا اور نادانوں کی خواہش کے مطابق ان کی بددعا قبول کرنے میں اور ان کی بداعمالیوں کی سزا میں جلدی کرتا، جیسا کہ یہ لوگ دنیاوی فوائد کے حاصل کرنے میں اور

دعائے خیر کے قبول ہونے میں جلدی کرتے ہیں تو البتہ کبھی ان کی موت آچکی ہوتی، اور سب مرچکے ہوتے اور ان کا نام ونشان نہ رہتا لیکن ہمارا حلم اور ہماری حکمت جلد بازی کی مقتضی نہیں پس اس لئے کہ ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی نہ امید ہے اور نہ ڈر ہے۔ ان کو ان کے حال پر بلا عذاب کے ان کی سرکشی اور بے راہی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بھٹکتے پھریں تا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے یعنی ایسے سرکشوں کو مہلت دینا اور نہ پکڑنا بطور استدراج کے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوجائے اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس حلم اور بردباری کو دیکھ کر شرمائیں اور سنبھل جائیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور اپنے لطف وکرم سے ان نادانوں کی بددُعا قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور جو لوگ بعث اور جزاء وسزا کے منکر ہیں وہ عذاب نہ ہونے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ حق پر ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ مہلت ان کے حق میں استدراج اور خذلان ہے اور ایک قسم کی رحمت بھی ہے کہ فوراً نہیں پکڑلیا۔

(معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ۵۶۶/۳)

اولاد یا عزیزوں کے حق میں بددُعا

امام ابن جریر طبری نے بروایت قتادہؒ اور بخاری ومسلم نے بروایت مجاہدؒ نقل کیا ہے کہ اس جگہ بددُعاء سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال ودولت کے تباہ ہونے کی بددعاء کربیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ایسی دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔

امام قرطبی نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بددعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرمادیں۔

اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج وغصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔
(قرطبی، معارف القرآن۔ ۴/۵۱۷ گلدستہ۔ ۳/۲۴۸)

لقاء اللہ سے انکار وانحراف ہی سرکشی کا عذاب ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں کو لقاء اللہ کا یقین نہیں، حق تعالیٰ کی جناب میں پیشی کا دھیان نہیں، جزاء اور سزاء کا کھٹکا نہیں ان کو فوری عذاب یہ ملتا ہے کہ مہلت وڈھیل مزید سے مزید دی جاتی ہے، تاکہ ظلمت ونحوست اور معصیت کے دلدل میں غرق ہو جائیں۔ اپنی تباہی وبربادی کے اسباب اپنے ارد گرد اتنا جمع کرلیں کہ اس میں الجھ کر ہلاکت کا سبب بنالیں یہ سب کی سب سزا ان کے لقاء اللہ کے انکار وانحراف کی ملتی ہے۔ گویا کہ لقاء اللہ کے انکار کی دنیا میں سزا یہ ہے کہ شرارت وغفلت اور معصیت وبداعمالی کی مصیبت، سرکشی وشر پسندی، گناہ کی ظلمت وضلالت میں حق پسندی وراہ حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اچھی باتیں کاٹ کھاتی ہیں اور اعمال بد بھانے لگتے ہیں۔

اور لقاء اللہ کا اعتراف واقرار حق کی سمت لے چلتا ہے، صراط مستقیم کی نشاندہی کے ساتھ استقامت کی توفیق بخشتا ہے، نیکی میں طبیعت لگتی ہے، اعترافِ عبودیت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہو کر ذلت وانکساری میں لذت محسوس ہوتی ہے، لقاء اللہ منزل کا پتہ بتلاتا ہے اور منزل پر پہنچ کر دیدار ولقاء کا لطف وسرور۔

صاحبِ تفسیر مظہری لکھتے ہیں دیدار الٰہی بڑا ثواب ہے

ملنے سے مراد ہے ثواب کیوں کہ اللہ کی ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑا ثواب ہے۔ (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ) بغوی نے لکھا ہے۔ رَجاء کا معنی خوف بھی ہے اور

طمع بھی اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو نہ ہمارے عذاب کا خوف ہے نہ ثواب کی امید (گویا ہمارے سامنے آنے کا نہ ان کو، کوئی اندیشہ ہے نہ کوئی امید) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ عَنْ آيٰتِنَا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن سے غافل ہیں، ان کی طرف سے رُخ موڑے ہوئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرت کی بڑی دلیل و بینات اور خود ذاتِ نبوی اور ان کی صفات حمیدہ بڑی آیات و برھان ہیں۔ پھر قرآن مجید جو عرش عظیم کے رب کی مرضیات سے بذریعہ وحی زبان نبوت پر جاری ہوتا ہے وہ رُشد وہدایت کی شاہِ راہ پر تمکین وقرار کے ساتھ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ ساتھ لے کر حق تعالیٰ کی وحدانیت کا زمزمہ عالم کو سناتا ہے۔ منکرین لقاء اللہ، رسول اللہ، کلام اللہ، آیات اللہ، سے غافل ہی نہیں بلکہ عناد واستکبار کی راہ اختیار کرکے منہ موڑے ہوئے ہیں نہ ان کو عذاب وعتاب کا خوف ہے نہ ہی رب تبارک وتعالیٰ سے ملنے کا شوق وجذبہ، نہ ہی رحمن ورحیم کی رحمتِ واسعہ سے امید مغفرت، الغرض ہر خیر سے منہ موڑے ہوئے ہیں بھلائی سے رُخ پھیر رکھا ہے، اور بے جامستی وپستی میں غرق وتباہ ہیں۔ یہ سب غفلت ان کی اپنی ذاتی اختیاری ہے جس کی وجہ سے قدرت کے دلائل ان کو نفع نہیں دے رہے ہیں۔

لقاء اللہ کے منکر کی ایک بیہودہ فرمائش کی تردید

﴿۱۳﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ (سورۂ یونس)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں، تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے) یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لایئے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے، آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں، بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ (حضرت تھانویؒ)

قرآن کلام اللہ ہے، نبیؐ اللہ کا کلام نہیں، لقاء اللہ کی دعوت دیتا ہے

اس آیت میں منکرین نبوت کے ایک شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کافروں کو آیات قرآنی پڑھ کر سناتے تو اس کا اعجاز ان کے دل پر اثر کرتا اور اس کی پند و نصیحت کو پسند کرتے، لیکن جب شرک اور ان کی بت پرستی اور انکی جاہلانہ رسموں کی مذمت کا ذکر آتا تو ناک منہ چڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتے کہ ان کو قرآن سے نکال دیجئے اور اس کے بدلے میں دوسرے مضامین بنا دیجئے، جن میں بت پرستی کی مذمت اور شرک کی بُرائیاں نہ ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے تعنت اور عناد کی خبر دی اور ان کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ بات کو ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے میرا کلام نہیں نبی کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی وحی میں کوئی تغیر اور تبدّل یا کوئی ترمیم کر سکے۔

(معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ۳/ ۵۷۰)

کلام اللہ میں تغیّر و تبدّل کا مطالبہ رسول اللہؐ سے سخت جسارت ہے

منکرین آخرت کے ایک غلط خیال اور بے جا فرمائش کی تردید ہے، ان لوگوں کو نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل تھی اور نہ وحی و رسالت کے سلسلہ میں واقف تھے، انبیاء علیہم

السلام کو بھی عام انسانوں کی طرح جانتے تھے، قرآن کریم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو پہنچا اس کے متعلق بھی ان کا یہ خیال تھا کہ یہ خود آپ کا کلام اور آپ کی تصنیف ہے اسی خیال کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ قرآن تو ہمارے اعتقادات ونظریات کے خلاف ہے، جن بتوں کو ہمارے باپ دادا ہمیشہ تعظیم کرتے آئے اور ان کو حاجت روا مانتے آئے ہیں قرآن ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا ہے، بہت سی چیزیں اور معاملات جو ہم برابر استعمال کرتے آئے ہیں قرآن ان سب کو حرام قرار دیتا ہے، اور پھر قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور حساب وکتاب دینا ہوگا یہ سب چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، ہم ان کو ماننے کیلئے تیار نہیں اس لئے آپ یا تو ایسا کریں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی دوسرا قرآن بنادیں، جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم از کم اسی میں ترمیم کر کے ان چیزوں کو نکال دیں۔ قرآن کریم نے اول ان کے غلط اعتقاد کو رد کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ نہ میرا کلام ہے نہ اپنی طرف سے اس کو بدل سکتا ہوں میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں، اگر میں ذرا بھی اس میں اپنے اختیار سے کوئی تبدیلی کروں تو سخت گناہ کا مرتکب ہونگا اور نافرمانی کرنے والوں پر جو عذاب مقرر ہے میں اس سے ڈرتا ہوں اس لئے ایسا نہیں کرسکتا۔

(معارف القرآن۔ ۴/ ۵۱۹)

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا

امام رازیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے ان کی یہ فرمائش بطور تمسخر اور استہزاء ہو اور ممکن ہے کہ بطریق تجربہ اور امتحان ہو کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کلام میں کوئی تبدیلی کردیں تو ہم جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعوے میں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جھوٹے ہیں بلکہ یہ

کلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں کہہ دیں کہ کلام میرا ساختہ و پرداختہ نہیں کہ میں اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل یا ترمیم کرسکوں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ صادق وامین ہیں تو کلام اللہ کو کیسے بدل سکتے ہیں

نیز تم کو میری عادت مستمرہ اور صدق وامانت معلوم ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی امانت میں خیانت کی، پس اللہ تعالیٰ کی امانت میں کیسے تصرف کرسکتا ہوں ،امانت میں تغیر وتبدل ظلم ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ان مشرکین پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں، صاف اور واضح آیتوں سے مراد یہ ہے کہ ان کی حقانیت اور ان کا صدق اور ان کا اعجاز صاف ظاہر ہے۔

تو جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے یا نہیں ڈرتے تو آیات توحید اور آیات وعید کو سُن کر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا، یعنی ایسی کتاب لا جس میں حشر ونشر اور ثواب وعذاب کا ذکر اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ ہو اس قرآن کے مضامین کو بدل دے یعنی عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کو لکھ دو، مطلب یہ تھا کہ اس قرآن سے وعدہ اور وعید اور حلال وحرام اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور حشر ونشر کے مضامین کو نکال دو، غرض یہ کہ اس قرآن کو ہماری خواہش کے موافق بنادو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال کے جواب میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن ضدی اور کج فہم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ روا نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیّر وتبدّل کرڈالوں یہ اللہ کی وحی ہے، میں اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی منجانب

اللہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے بلا کمی و زیادتی اور بلا ترمیم و تنسیخ میں وحی کا اتباع کرتا ہوں اور اگر بالفرض والتقدیر اللہ نہ کرے اگر میں وحی کا اتباع نہ کروں اور قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کر کے اللہ کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے خوف ناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ۳/۵۷۱)

لقاء اللہ سے انحراف تمام خامیوں کی اصل ہے

درحقیقت لقاء اللہ کے عقیدہ میں تذبذب اور انحراف کے نتیجہ میں کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر بندہ مراتب اور عظمت و قدرت کو بھی فراموش کر دیتا ہے؛ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے عقلاء اور عرب کے فصحاء و بلغاء کو آج تک عاجز کر چکا ہے اور بار بار تحدی و چیلنج کے باجود کوئی شخص اس کے مقابلہ میں ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکا، پھر اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سیرت و خلق بے غبار۔ محاسنِ اعمال اور مکارم اخلاق کا بچپن سے تمام معائدین و منکرین رسالت و نبوت مشاہدہ و تجربہ کر چکے ہیں جب وہ نبی امی عجیب و غریب اور علوم و معارف کا خزانہ، ماضی کے اخبار اقوام و امم کے پوشیدہ احوال کو آیات بینات اور کلام اللہ کی شکل میں محیر العقول اسالیب و انشاء کا حکم و عبر سے پُر از انوار و تجلیات کلام پیش کیا تو ماننے کے بجائے کفر و انکار کا راستہ اختیار کیا۔ اور پھر عناد و دشمنی کی حد کر دی کہ نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کیا نہ اللہ کی قدرت و قوت کا لحاظ کیا، نہ رب العزت کے کلام کی قدر و منزلت تسلیم کی بلکہ معصوم نبیِ صادق و امین رسول کی تمام تر خوبیوں کو مانتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام میں رد و بدل کا مطالبہ شروع کر دیا اور نبوت و رسالت کی حیثیت کو فراموش کر دیا۔ جو شخص زمین والوں کے نزدیک امین و امانت کا امام ہے اس سے کلام اللہ اور آیات اللہ میں رد و بدل کا مطالبہ

بذاتِ خود ایک مضحکہ خیز ہے ان تمام خرابیوں کی جڑ لقاءاللہ کے انکار سے پیدا ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی جناب میں پیش اور روبرو نہ ہونے کی پاداش میں، جبکہ لقاءاللہ کے جذبہ کے تحت بندہ میں تسلیم ورضاء اور شوقِ لقاء ودیدار کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ خسارے والے

قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہوں گے جنکی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی آخرت کا کبھی خیال نہ آیا محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے۔ دینوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بے کار ثابت ہوئے اور تمام محنت برباد ہو گئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

کافروں کی نیکیاں مردہ ہیں جن کا وزن نہ ہوگا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ (الکہف)

یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہیہ کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ (حضرت تھانویؒ)

کافر کی حسنات مردہ ہیں اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں، اب محض کفریات وسیئات رہ گئیں، سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کے لئے تھا، موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے، یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہی پھر تولنے کا کیا مطلب۔ (تفسیر عثمانی)

عقائد فاسدہ سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں

اصل مراد اس جگہ وہی کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت اور حساب وکتاب کے منکر

ہوں۔ مگر صورۃ وہ لوگ بھی اس کے مفہوم عام سے بے تعلق نہیں ہوسکتے جن کے اعمال ان کے عقائد فاسدہ نے برباد کردئے اور ان کی محنت رائیگاں ہوگئی۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ (الکہف)

یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے بڑے نظر آئیں گے، مگر میزان حساب اُن کا کوئی وزن نہ ہوگا کیوں کہ یہ اعمال کفر و شرک کی وجہ سے بے کار اور بے وزن ہوں گے۔
(معارف القرآن۔۵/۶۵۹)

عقیدہ کی بنیاد پر اعمال میں وزن اور جان پیدا ہوتی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور لاشریک ہونا حساب و کتاب کے لئے قیامت کے دن کا قائم ہونا، انسان کی پوری زندگی کا رتی رتی حساب و کتاب کے مرحلہ سے گزرنا۔ نعمتوں کا بارگاہ رب العزت میں شکر بجالانا اور شرک و کفر سے حق تعالیٰ کی شان کو پامال نہ کرنا، توبہ واستغفار کی عظیم نعمت کے ذریعہ دنیاوی زندگی میں ہی اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر، توّاب وغفار، عرش کریم کے رب سے معافی وتلافی کرلینا۔ مگر یہ سب کچھ ہوتا ہے عقیدہ کی بنیاد پر بے ایمان تو یوم الجزاء، یوم الحساب، قیامت کا عقیدہ ہی نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا خیال کبھی اس کو آتا ہے۔

صاحب تفسیر مظہری کی رائے

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ

یہ ہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اللہ سے ملنے کا انکار کیا۔

یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہوئے آیت میں (درپردہ) ان لوگوں پر تشنیع ہے جو قیامت اور حشر ونشر کے تو قائل ہیں، لیکن اعمال دنیوی کو اعمال اخروی پر ترجیح دیتے ہیں، ہمیشہ ساری زندگی دنیا کو سنبھالنے اور سنوارنے میں لگائے رکھتے ہیں، آخرت کا ان کو تصور بھی نہیں ہوتا۔

عقلمند آدمی کی پہچان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوشیار آدمی وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے حکم کا تابع رکھا اور مرنے کے بعد (والی زندگی) کیلیئے کام کئے اور بے عقل آدمی وہ ہے جو نفس کا پیرو رہا اور اللہ تعالیٰ پر اس نے (جھوٹی) آرزو بندی کی۔ (بخاری فی القیامۃ، باب ۲۵)
(یعنی اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور عذاب دینے کی طرف سے غافل رہا اور جو دل چاہا وہ کیا اور یہ خیال کرلیا کہ اللہ رحیم ہے کریم وہ یقیناً معاف کر ہی دے گا)۔
(رواہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم صحیح سند سے عندانس ؓ تفسیر مظہری، ۴ / ۵۱۴)

بے اعتبار و بے وزن عمل

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی قدآور اور فربہ آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا اور پھر فرمایا کہ اگر اس کی تصدیق کرنا چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھو: فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (بخاری و مسلم مظہری: ۴ / ۵۱۴)
حضرت ابو ہریرہ ؓ سے آیت کی تشریح میں وارد ہے کہ بعض طاقتور، مضبوط پُرخور آدمیوں کو (قیامت کے دن) میزان (کے پلڑہ) میں رکھا جائے گا لیکن اس کا وزن جو کے برابر بھی نہ ہوگا فرشتہ ایسے ستر ہزار آدمیوں کو ایک ہی دھکا دے کر پھینک دے گا۔
(گلدستہ: ۴ / ۵۱۴)

امام بغوی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے جو ان کی نظر میں اتنے بڑے ہوں گے جیسے تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گے مگر میزان عدل میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔
(قرطبی، معارف القرآن: ۵ / ۶۵۹)

(یعنی جسامت کے اعتبار سے کتنے بڑے ہوں مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان کا وزن نہ ہوگا)

ہر شخص کے اعمال کا وزن ضروری نہیں

سیوطی نے قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا وزن ہونا ضروری نہیں (نہ ہر مومن کے اعمال کا نہ ہر کافر کے اعمال کا) جو لوگ بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے ان کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا (جب حساب ہی نہیں تو وزن کیسا) اسی طرح کچھ لوگ بلا حساب دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا، انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (الرحمٰن)

حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اہل ایمان پر کہ عقیدہ کی سلامتی وصحت بھی فضل حق سے ملی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا شوق لقاء بھی اہل ایمان کے قلوب میں ڈالا اور لقاء اللہ کیلئے جن جن صفات کی ضرورت تھی یا جن اعمال کے ذریعہ لقاء اللہ میں رسوخ واستحکام پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو محض فضلِ خاص سے عطاء فرمایا ورنہ بے چون وچگون ذات، جو خالق کائنات ہے۔ نور السمٰوٰت والارض ہے۔ حیی وقیوم ہے۔ آخرت اسی لئے اس نے بنائی تا کہ اہل ایمان کو شرفِ لقاء بخشے۔ وہ عالم قدس، حق سبحانہ وقدوس کی ملاقات کا عالم ہوگا جہاں حدود وقیود وہ خود ہی ہٹا دے گا اور اپنے عاجز بندوں کو بھی دید کی لذت سے نوازے گا۔ یہ لقاء ودید کی لذت بھی محض اس کی عطاء سے ہوگی۔ اور عطاء کے لئے محض فضل ورحمت کا سایہ اہل ایمان پر فگن ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا لِقَاءَكَ مِنْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔ آمین

منکرین لقاء اللہ وآخرت کی بیہودہ گوئی

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اُترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ (الفرقان)

فکر آخرت نہ ہو تو بے جا سوالات میں مشغولیت

لفظ رجاء کے عام معنی کسی محبوب و مرغوب چیز کی امید کے آتے ہیں اور کبھی یہ لفظ بمعنی خوف کے زیادہ واضح ہیں یعنی وہ لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے دور از کار جاہلانہ سوالات اور فرمائشوں کی جرأت اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو آخرت کا بالکل منکر ہو، آخرت کے قائل پر آخرت کی فکر ایسی غالب ہوتی ہے کہ اُس کو ایسے سوال و جواب کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

جدید تعلیم کے اثر سے شکوک وشبہات

آج کل جو تعلیم جدید کے اثر سے اسلام اور اس کے احکام کے بارے میں بہت سے لوگ شبہات اور بحث و مباحثہ میں مشغول نظر آتے ہیں یہ بھی علامت اس کی ہوتی ہے کہ معاذ اللہ دل میں آخرت کا سچا یقین نہیں ہے، اور یہ ہوتا تو اس قسم کے فضول سوالات دل میں پیدا ہی نہ ہوتے۔ (معارف القرآن۔ ۶/ ۴۶۷)

متکبرین کا حق تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال نبوت ورسالت کے انکار پر مبنی تھا

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

منکرین نبوت کا ایک شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل

کئے جو ہمارے سامنے آکرآپ کی نبوت ورسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے، یا ہم بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور بلاواسطہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے ،اور اللہ تعالیٰ ہم کوخود بتلادیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جاہلانہ اوراحمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ہی سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت دریافت کرلیں یا کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کران کے پاس آئے ،خوب سمجھ لیں کہ فرشتہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کرنہیں آئے گا بلکہ عذاب الٰہی لے کر آئے گا، اس وقت غرور کا سارا نشہ کافور ہوجائے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے یعنی جو قیامت اور جزاء اور سزاء کے قائل نہیں اور اسی وجہ سے وہ نبوت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے۔ جو ہم سے آکر اللہ کا پیغام پہنچادیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ خود ہم سے کہہ دیتا کہ یہ ہمارا رسول ہے، تحقیق ان لوگوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا کہ اپنے آپ کو اس لائق خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے بالمشافہ کلام کرے یا فرشتوں کو اپنا پیغام دے کران کے پاس بھیجے۔اور سرکشی کی سخت سرکشی کرنا کہ اپنے گندے اور خبیث نفسوں کے لئے ایسے بلند مقام کے طالب ہوئے۔ جو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص ہے۔ (تفسیر معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ۵/ ۴۹۵)

لقاءاللہ کے منکر کا معاندانہ اور گستاخانہ کلام

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہوکر حساب وکتاب دینا ہے

وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے، یا اللہ تعالیٰ سامنے آکر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا، کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آجاتے یا خود اللہ رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی ؒ)

ایمان باللہ اور لقاء اللہ ادب وسلامتی کا راستہ ہے

لقاء اللہ اور ایمان باللہ ایسی عظیم منجانب اللہ نعمت و رحمت ہے جس سے بارگاہ رب العزت کا ادب و لحاظ اور سبوح و قدوس کی عظمت و ہیبت دل میں جاں گزیں ہوتی ہے اور توحید باری سے راہِ عبودیت اور قرب و رضاء کی جستجو بڑھتی ہے۔ لقاء اللہ سے شوق و ذوق اور حلاوتِ ایمانی کا ذوقی و وجدانی شعور جاگتا ہے حق تعالیٰ کی جانب جذب وکشش پیدا ہوتی ہے، قال سے حال کی جانب اور حال سے شہود و مشاہدہ کی طلب بیدار ہوتی ہے یہ ایک شہودی و ذوقی کیفیت ہے جس کو نہ کسی عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے نہ سمجھایا جاسکتا ہے، نہ ہی اس کیفیت کو تعبیرات کی دنیا میں پرویا جاسکتا ہے نہ ہی بیان وزبان سے اس کو ظاہر کیا جاسکتا ہے قرآن مجید نے اس کو لقاء رب یا لقاء اللّٰہ کا نام دیا احادیث نبوی علی صاحبہا ازکیٰ الصلوٰۃ والسلام میں وَالشَّوْقُ إِلَىٰ لِقَاءِكَ فرمایا۔ یہ شوق کیا ہے یہ ایک ایمانی وایقانی کیفیت ہے، ایک ہوک اور دردِ نایافت ہے جو ایمان باللہ کے استحکام اور خلوص وللّٰہیت سے عبودیت و نیاز کی راہ، بندہ اعمال صالحہ، ذکر و فکر، عجز و تواضع، خشوع و خضوع، انابت و استغفار و گریہ وزاری، رجوع و لجوء اور تمام تر ذلت اختیار کر کے فضل حق سے شوقِ لقاء کی آبیاری و آب پاشی کرتا ہے اور ہر لمحہ اس تگ و دو

میں رہتا ہے کہ رشتہ جو شوق و دید کا اُبھرا ہے وہ مضبوط سے مضبوط تر مستحکم ہو کر ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لے اور آخرت میں جا کر یہ شوق، دید و مشاہدہ کی شکل اختیار کر لے۔ اب یہ تو اہلِ ذوق فیصلہ کریں گے کہ شوق کے بعد جو دید ہو گی اس میں اور جو رؤیت بلا شوق ہو گی اس لطف و سرور اور لذت و فرحت میں کتنا فرق ہو گا۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا لِقَاءَكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ يَا سَمِيْعَ الدُّعَا۔ آمین

اس لذت کو دوسرا کیا جانے، اس کی شیرینی و چاشنی کی حلاوت کو دوسرا کیا پائے، یہ تو ملتی ہے فضلِ الٰہی سے اور فضل کا باب بہت ہی وسیع ہے، شرط ہے سائل بن کر بابِ فضل پر دستک دینا اور امید قوی وابستہ رکھنا۔ اور طلب و جستجو کو اعمالِ نبوی سے مزین کر کے فیضِ نبوت کی روشنی میں شوقِ لقاءِ رحمن کو پروان چڑھانا، شعور و آگہی کو بیدار رکھنا، جس کی دید و لقاء کا طالب ہے اسی سے بصد عجز و نیاز اس عظیم نعمت کا بلا علت طلب گار رہنا اُس جہان میں جہاں وہ خود دیدار سے اپنے بندوں کو نوازے گا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ يَوْمِيْ يَوْمَ لِقَاءِكَ بِفَضْلِكَ الْعَظِيْمِ يَا ذَا الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ

⑵ شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الفرقان)

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے حق سبحانہ و قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لقاء اللہ کے منکر کی ذلت ورسوائی

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَـتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰـكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ (الزمر)

اور ہانکے جائیں گے جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ، یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اُس پر کھولے جائیں اس کے دروازے، اور کہنے لگیں اُن کو اُس کے داروغہ، کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے، پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم کو اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی تمام کافروں کو دھکے دے کر نہایت ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ھانکا جائے گا اور چونکہ کفر کے اقسام ومراتب بہت ہیں ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

زُمَرًا - یعنی متعدد متفرق ٹولیاں، ایک کے پیچھے دوسری، گمراہ ہونے کے درجات کے لحاظ سے جماعت بندی اور ترتیب ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا

یعنی جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائیگا۔ اس کے بعد دروازے بند کر دئے جائینگے كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ (تفسیر عثمانیؒ)

جہنم کے سات دروازے

قرآن مجید میں ہے:

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ۖ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾ (الحجر)

اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے واسطے ان میں سے ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا۔ (شیخ الہندؒ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کے نام یہ بتلائے ہیں:

①جهنم ②سعير ③لظى ④حطمة

⑤سقر ⑥جحيم ⑦هاويه

جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ سبعۃ ابواب سے مراد بعض نے دوزخ کے سات طبقے اوپر نیچے مراد لئے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے (یعنی درجے) ہیں ان میں سے ایک ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میری امت پر تلوار سونتی یا فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر تلوار کھینچی۔
(مظہری گلدستہ: ۴/۳۶)

جنت کے آٹھ دروازے

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ بَابُ الْمُصَلِّيْنَ، وَبَابُ الصَّائِمِيْنَ وَبَابُ الصَّادِقِيْنَ، وَبَابُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ، وَبَابُ الْقَانِتِيْنَ، وَبَابُ الذَّاكِرِيْنَ، وَبَابُ الصَّابِرِيْنَ، وَبَابُ الْخَاشِعِيْنَ وَبَابُ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔
(صفۃ الجنۃ ابونعیم۔ ۲/۱۶ا جنت کے حسین مناظر۔ ۱۲۲)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں:

① باب المصلين نمازیوں کا دروازہ۔

② **باب الصائمین** روزہ داروں کا دروازہ۔

③ **باب الصادقین**، صادقین کا دروازہ۔

④ **باب المتصدقین**، باہم دوستی رکھنے والوں کا دروازہ۔

⑤ **باب القانتین**، عاجزی اور زاری دکھانے والوں کا دروازہ۔

⑥ **باب الصابرین**، صبر کرنے والوں کا دروازہ۔

⑦ **باب الخاشعین**، عاجزی کرنے والوں کا دروازہ۔

⑧ **باب الذاکرین**، اللہ کو یاد کرنے والوں کا دروازہ۔

⑨ **باب المتوکلین**، توکل کرنے والوں کا دروازہ۔

باب القانتین اور **باب الخاشعین** سے ایک ہی دروازہ مراد ہے۔ جو دو ناموں سے ذکر کئے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت اور قرآن کی صداقت پر دلیل مکمل ہو چکی ہے

اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾

سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے، سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو۔
(حم السجدہ، ترجمہ: شیخ الہندؒ)

رب العزت نے اس دنیا میں رشد و ہدایت اور دین فطرت، دین اسلام کی صداقت وسچائی پر انسان کے ارد گرد ہر طرح کے دلائل و براھین کا انبار لگا دیا، قدرت کی جانب سے آفاقی وانفسی محیر القول شواہد اور واضح و روشن نشانیاں نظروں کے سامنے موجود کر دیں کہ انسان غور کرے کہ ان چیزوں کے اندر اللہ وحدہ لاشریک لہ نے ایک اللہ کی کبریائی اور خلاقی اور عجیب وغریب صنعت کا مظاہرہ کیا ہے اور دعوت دی ہے کہ اس خالق و مالک کو پہچانو اور اس کے روبرو اور پیشی میں شک وشبہ نہ کرو۔ حق تعالیٰ کی

جانب سے حجت تام کردی گئی ہے، تمہارا اپنا وجود اور وجود کے اندر کی تمام اشیاء و اعضاء کا خالق آخر کون ہے؟ اور ان کے مربوط نظام کو متحرک کون رکھتا ہے؟ ان کو سلامتی کے ساتھ حیات کی لازوال نعمت کس نے عطا کی ہے؟ اتنی خوبصورت شکل و شباہت، جس پر تم کو ناز ہے، اپنی چال وڈھال جس پر تم اتراتے ہو آخر کس کی مرھون منت ہے؟ ایک چھوٹی سی زبان جس سے بول کر تم اپنی حاجت کو ظاہر کرتے ہو وہ ایک ہوا ہی تو ہے مگر اس کو معانی کا روپ دے کر جو چاہتے ہو بول کر خواہش کی تکمیل کر لیتے ہو یہ خوبی آخر کس کی عطا ہے؟ کبھی تم نے سوچا، افسوس صد افسوس تم سب کو تسلیم کرتے ہو، سب کی عظمت کا گن گاتے ہو۔ سب کو پہچانتے ہو۔ گلی کے کتّے اور بلّی کو پہچانتے ہو اور نہیں تسلیم کرتے تو رب العرش العظیم کو۔ اور نہیں پہچانتے ہو تو اپنے پیدا کرنے والے محسن ربِّ کریم کو۔

سربسجود ہو کر شوق دیدار الٰہی کا سفر طے کرلو

اور گن نہیں گاتے ہو تو اپنے خالق کا، نہیں پہچانتے تو اپنے پیدا کرنے والے کو۔ سنو تمہاری یہ غفلت و بے اعتنائی، اور یہ جہالت و حماقت تم کو خطرناک ہلاکت کی طرف لے جارہی ہے تمہاری یہ لاپرواہی بارگاہ رب العزت میں قابل قبول نہیں ہوگی کیوں کہ تم نے سب کو پہچان کر یہ ثابت کردیا کہ تم نے رب العزت کے پہچاننے سے غفلت نہیں تکبر و غرور کا راستہ اختیار کیا ہے، جن صلاحیتوں سے تم نے غیروں کو پہچانا جبکہ غیروں نے اپنے پہچاننے کی کوئی چیز تم کو نہ دی اور خلاّق عالم نے نطفہ سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جو کچھ بھی دیا وہ سب اسی لئے عطا کیا تھا کہ تم ان کی مدد سے خالق کو پہچان لوگے اور جس دماغ سے تم نے غیر اللہ کی سوچی کبھی اللہ کی قدرت و عظمت بھی

سوچی ہوتی۔ جس زبان سے تم نے غیر اللہ کے گن گائے ان کا تعارف کرایا۔ کبھی اللہ کے زمزمے بھی گائے ہوتے اور رب العرش کا بھی تعارف کرایا ہوتا، دوست احباب سے ملنے کی غرض سے تم نے کتنے سفر کئے ہوں گے کبھی یہ بھی سوچ لیا ہوتا کہ ایک دن رب سے بھی ملنا ہوگا۔ عزیزوں سے ملنے کی طلب تم کو بے چین کر کے ایک شہر سے دور دوسرے شہر لے گئی اور سفر کی صعوبت بھی تم نے جھیلی کبھی یہ بھی سوچا ہوتا کہ ربِّ غفور وشکور سے ملنا ہے اور اس کی خاطر رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں سر بسجود ہو کر۔ نیاز مندانہ عجز و افتقار کا عقیدت مندانہ دستِ سوال پھیلا کر شوق دیدار الٰہی کا سفر طے کیا ہوتا۔ کبھی آہ و بکا سے اور کبھی امید و رجاء سے حضورِ حق کی وجدان وشعوری لقاء کی لذت کا لطف اٹھایا ہوتا۔

قدرت کی خاموش حجت و دلیل

عجیب یا عجب ...... تم کو کیوں اس رب سے ملنے کی طلب نہیں جو چاند و سورج کا خالق ہے زمین و آسمان کا خالق ہے نھر و آبشار کا جاری کرنے والا ہے سمندر کی موجوں کو اپنی قدرت سے اچھالنے والا ہے، اس کی تہوں میں لوءلوء و مرجان کا پیدا کرنے والا ہے۔ ایک ہی پانی سے میٹھے اور ترش پھلوں کو سیراب کرنے والا ہے اور دونوں کی طرف انسانی طبیعتوں کا میلان وطلب کا خالق ہے، چاہتا ہے تو نرم و نازک پھلوں پر نرم و نازک ہی غلاف لگاتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے تو نرم و نازک پر سخت غلاف لگاتا ہے اور جب چاہتا ہے نرم و نازک شیریں پھل میں سخت گٹھلی پیدا کر دیتا ہے۔ اور پھر اس گٹھلی کو پھاڑ کر نرم و نازک کونپل نکالتا ہے یہ سب کیا ہیں۔ یہی اُس وحدہ لاشریک لہ، رب العرش العظیم کی وحدانیت کی دلیل ہے اور ان تمام دلائل کو خاتم النّبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ذاتِ اقدس پر وحیِ الٰہی کی شکل میں نازل فرمایا۔ اسلام حق ہے اس کی بنیاد حق تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن مجید جو نبی برحق خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن پاک کی آیات بینات کی واضح رُشد و ہدایت اور تعلیمات ربانی کے ذریعہ توحید ورسالت، مبدأ و معاد۔ فکر آخرت۔ بعث بعد الموت۔ اور ختم نبوت رسالت، لقاء رب، حشر و میزان وغیرہ تمام بنیادی عقیدوں کی وضاحت فرمائی۔

شوق یا خوف

اسلام میں حق تعالیٰ کی ملاقات یا پیشی کا شوق یا خوف، شوق سے ایمان باللہ، عقیدہ میں رسوخ و استحکام، اعمال صالحہ میں رغبت، انابت ورجوع، توبہ و استغفار تزکیہ وتہذیب، خلوص وللّٰہیت عبادت و اطاعت، اتباعِ سنت وشریعت اور ان جیسے اعمال خیر کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور خوف سے انسان بدعملی کو چھوڑتا ہے، معصیت سے کنارہ کش ہوتا ہے حرام سے دوری اختیار کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچے اور آخرت میں عذاب و عتاب سے امن و امان پا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنا دونوں کو ہے مگر شوق والے کی نگاہ ذاتِ حق کی لقاء کا لطف ہے۔

اور خوف والے کی نگاہ عذاب سے نجات کا پروانہ ہے دونوں ہی مطلوب ہے عذاب سے امن وامان بھی اور دیدار بھی مگر دید کا شوق رکھنے والے کی نگاہ محض دید کی لذت پر ہے اور یہ ایک ایسی قوّت ایمانی اور قوّت موھبہ ہے جو معاد کی جانب قدم کو تیز تر کر دیتی ہے اور ایمانیات میں بہار آجاتی ہے۔

مذکورہ آیت میں رب العزت نے آگاہ کیا ہے کہ بیش قیمت نصائح سے منکر ہو کر اپنی آخرت وعاقبت کی فکر نہ کی بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے اور حق وصداقت کی سخت مخالفت پر کمر کس لیا اور قرآن کی حقانیت اور تمام براہین ودلائل اور

قدرت کے محیر العقول نمونے سے منہ موڑ لیا اور حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا جن کے ذریعہ ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے ان کو ماننے کے بجائے راہ فرار اور تکبر اختیار کیا۔ مگر ان کا انحراف وتکبر ان کو ہلاکت و بربادی اور تباہی کے عمیق سقر میں اتار دے گا۔

آخرت کے منکر کا کوئی مددگار نہ ہوگا

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَأْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴿۳۴﴾ (الجاثیہ)

اور حکم ہوگا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار۔ شیخ الہندؒ

یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہ رکھا تھا، آج ہم تم کو مہربانی سے یاد نہ کریں گے، ہمیشہ کے لئے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے، جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔

دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا اور اللہ کے سامنے پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کی تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں، وہاں بھی ہمارا یہ ہی زور رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

شوق سے نہیں تو خوف سے آخرت کو سنوار لو

قرآن مجید رب العزت کا کلام ہے۔ اس میں اعجاز و بلاغت بھی اُسی بلندی پر ہے جس پر اس کا حق ہے، رب العزت خوبصورت اسلوب میں انسانیت کو دعوت دیتے ہیں کہ لقاءِ رحمن کا اگر اس کو دھیان نہ آئے تو کم از کم پیشی کے دن کا ہی خیال کر کے اپنی بھلائی کو جمع کر لے اور ابدی نقصان وخسارہ کو شوق سے نہیں تو خوف سے ہی سنوار لے

اور اپنی قیمتی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچالے۔ جن غیر اللہ کی خوشی اور حمایت میں جانِ عزیز کو لگا رہا ہے اور قیمتی متاعِ وقت کو ضائع کررہا ہے وہ ہرگز اس کی مدد نہ کرسکیں گے اور نہ ہی اس کی ان کو قدرت ہوگی بلکہ وہ خود ہی مبتلاءِ غم وجہنم ہوں گے۔

الغرض قرآن مجید نے ہر دو اسلوب، ترغیب وترہیب، انذار وتبشیر، شوق وخوف، سے لقاءِ رحمن، لقاء رب، لقاء اللہ، یوم الحساب، یوم الدین، یوم الجزاء، یوم القیامۃ، یوم العرض، یوم الحاقۃ، یوم القارعۃ، یوم الآزفۃ، مختلف ناموں سے اس دن کی تیاری کی دعوت دی ہے وہ دن فضل الٰہی سے اہل ایمان، اہل اللہ، حزب اللہ، جند اللہ، عباد الرحمن، عباد اللہ، پر شادمانی و کامرانی اور فرحت و مسرت کا دن ہوگا اور اھل ایمان شاداں وفرحاں ہوں گے کیوں کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ وہ دن جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا یہی دن ہے:

وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (الانبیاء)

دوستو اہل ایمان کو اس دن کا شدت سے انتظار رہے۔ آخر کب تک بالآخر حق تعالیٰ کی جانب سے وہ وعدہ کا دن (وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ، قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں) ضرور آئے گا۔ اھل ایمان لقاء رحمن سے خوش ہوں گے، رحمن کی رحمتوں سے لطف اٹھائیں گے، رحمتِ حق کا سایہ رحمت ان پر جلوہ افروز ہوگا، رحمتِ واسعہ کی پر بہار ہمہ جہت رحمت ہی رحمت ہوگی۔ فرشتے ان پر جنت کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہونگے اور سلام کرینگے، سلامتی کا زمزمہ و پیغام سنائینگے۔

فرشتوں کی آمد اور سلام

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۔ (الرعد۔۲۳)

اور فرشتے ان کے پاس ہر سمت کے دروازہ سے آتے ہوں گے

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ (الرعد)

اور کہتے ہوں گے کہ تم صحیح سلامت رہو گے بدولت اس کے کہ تم دین حق پر مضبوط رہے تھے سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔

اور

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ (الزمر)

اور وہاں کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہو۔

رب العزت کی جانب سے بھی سلام آئے گا

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ (یٰسین)

ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاویگا۔

اہل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دن کا شدت سے انتظار ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ يَوْمِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنْتَ وَاَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ.

معائدین ومنکرینِ لقاء ورؤیت آخر کس دن کا انتظار کر رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ (بقرہ)

ترجمہ: یہ (کجراہ) لوگ صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں انکے پاس (سزا دینے کیلئے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہوجاوے اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاوینگے (حضرت تھانویؒ)

صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح رائے

علماءِ اہل سنت نے سلف سے لے کر خلف تک تواتر کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صفات اجسام اور علامات حدوث سے منزہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جن اوصاف سے اپنی کتاب میں متصف فرمایا ہے اس کی تفسیر یہی ہے کہ اس کو پڑھتے رہو اور اس کی بحث سے سکوت و خاموشی ہو، کسی کو سوائے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق نہیں کہ ایسی آیات کی تفسیر اپنی طرف سے کرنے لگے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کیوں کہ انہوں نے متشابہات کے بارے میں فرمایا ہے: **وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ** اور اس پر وقف کیا ہے اور **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ** کو الگ جملہ بنایا ہے۔

بادل کے سائبانوں میں آنے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ اور **يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ**

میں تجلیات مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی تجلی غمام یعنی سائبان میں ظاہر فرمائیگا۔ ہاں جس شخص کے قلب نے دنیا میں مجاہدات سے نورِ بصیرت حاصل کر لی ہے اس کی نظر ان بادلوں سے پرے پہنچے کی جیسے صاف شفاف آنکھ میں سے نظر پر لے پار آسمان تک پہنچتی ہے اور بلا تکلف بغیر عینک لگائے ہوئے آسمان کو دیکھتی ہے۔

علّامہ سیوطیؒ کی رائے

بدور سافرہ میں علّامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے شیخ بدرالدین زرکشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ سلمہ بن قاسم نے کتاب غرائب الاصول میں یہ حدیث نقل کر کے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جلوہ افروز ہوگا، کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ظلل میں آنا اس پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نظروں کو متغیر کردے گا کہ ان کو ایسا ہی نظر آئے گا، حالانکہ وہ

عرش پر ہوگا۔ نہ متغیر ہوگا اور نہ منتقل میں کہتا ہوں اس سے لطیف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان بادلوں سے جو آئینہ سے زیادہ صاف ہوں گے پرلی طرف دیکھیں گے۔

جنت میں رؤیت باری تعالیٰ صحیحین کی احادیث سے ایسی ثابت ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تو بادلوں سے پرے صاف نظر کا پہنچنا کیسے محال ہوسکتا ہے، رہے وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں بصیرت قلبی حاصل نہیں کی وہ تو دنیا میں بھی اندھے ہیں اور آخرت میں بھی راستہ سے دور بھٹکے ہوئے ہوں گے ایسے لوگوں کیلئے وہ غمام یعنی سائبان پردہ ہوجائے گا۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کبھی اپنی اصلی صورت میں آتے تھے اور کبھی دحیہؓ کی صورت میں۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہؓ کی صورت سے بزرگ تر ہیں۔ (تفسیر مظہری۔گلدستہ ۱/۳۴۲)

سایہ دار بادل

حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ غمام اس ابر کو کہتے ہیں جو سفید ہو، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ ابر نہایت ٹھنڈا اور پاکیزہ تھا ویسا ابر نہ تھا، جو لوگوں میں معروف ہے بلکہ وہ اس قسم کا ابر تھا کہ جس میں بدر کے دن فرشتے نازل ہوئے، اور جس میں قیامت کے دن ملائکہ اور حق جل مجدہ نزولِ اجلال فرمائینگے جیسا کہ آیت میں ارشاد ربانی ہے:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (بقرہ:۲۱۰)

بادل کی دو قسمیں

ابر دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ کہ جو بخار یا دخان وغیرہ کے انجماد سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا وہ کہ عالم غیب اور عالم مثال سے بدون وبغیر کسی سبب ظاہری کے ظہور میں آئے۔

لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ابر دوسری قسم کا تھا اور اسی طرح قیامت کے دن جو ابر ظاہر ہوگا وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ (گلدستہ۔ ۱/۱۴۷)

اللہ تعالیٰ کا قہر و مہر سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا

کیا یہ لوگ جو اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپاتے ہیں اب صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ قیامت قائم ہو۔ اور اولین اور آخرین جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے لئے خود سفید ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں اور فرشتے بھی ساتھ آئیں اور ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء اور سزا دی جائے اور اس میں شک اور تردد کیا ہے تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپایا اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا قہر، مہر کے پردہ یعنی سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا۔

ابن کثیر کی رائے

حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اور فرشتوں کے آنے کا واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے:

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ (الفجر)

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں جیسا تم سمجھتے ہو جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے میدان محشر میں آوئیں گے اور اس روز جہنم کو لایا جاوے گا۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔

وَقَالَ تَعَالٰی: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ

رَبِّكَ ط (النحل:۳۳)

(ترجمہ) یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں، یا اُن کے پاس آپ کا رب آوے، یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آوے۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُوْمٍ قِيَامًا شَاخِصَةً اَبْصَارُهُمْ اِلَى السَّمَاءِ يَنْتَظِرُوْنَ فَصلَ الْقَضَاءِ وَيَنْزِلُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الْكُرْسِيِّ - (اخرجه ابن مردويه: تفسير ابن كثير)

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع کریں گے تمام لوگ آسمان کی طرف کھڑے دیکھتے ہوں گے اور فیصلہ کے منتظر ہوں گے اتنے میں اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے کرسی کی طرف نزول فرمائیں گے۔ (ابن مردویہ)

اور اسی قسم کا مضمون ابو ہریرہؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرامؑ شفاعت کرنے سے عذر فرماویں گے اور شفاعت کی نوبت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہ ہاں ہاں میں شفاعت کے لئے ہوں تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں گروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فصل قضاء کے لئے تشریف لائیں۔

فَيُشَفِّعُهُ اللّٰهُ وَيَاْتِيْ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ بَعْدَ مَاتَشَقَّقُ السَّمَاءُ الدُّنْيَا وَيَنْزِلُ مَنْ فِيْهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ.

پس اللہ تعالیٰ آپؐ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی اتریں گے۔

اور عرش بھی اترے گا اور فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہوں گے:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَالْعَظَمَةِ سُبْحَانَهٗ سُبْحَانَهٗ اَبَدًا اَبَدًا (تفسیر ابن کثیر)

علماءِ سلف کا مسلک

جن آیات اور احادیث میں حق جل شانہ کا آنا اور اترنا اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے اس کے بارے میں علماءِ سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان کی تحقیق اور تفتیش میں نہ پڑے اور بلاتشبیہ اور بلاتمثیل کے ان پر ایمان لائے جس طرح اس کی ذات بے چون وچگون ہے۔ اسی طرح اس کے افعال بھی بے چون وچگون ہیں۔ اور علماءِ خلف ؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ عوام کے عقائد کی حفاظت کے لئے کوئی مناسب تاویل کر لیتے ہیں۔ تا کہ ظاہر الفاظ سے عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مثلاً: اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا قہر کا آنا مراد ہے وغیر ذالک۔

حضرات صوفیہ کرامؒ یہ فرماتے ہیں

کہ یَاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات مراد ہیں یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ میں متجلی ہوگا۔ جس طرح کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی (کما قال تعالیٰ: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ)۔

بے چون وچگون تھی اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی ابر کے سائبانوں

میں ہوگی اور جس طرح آنکھ کی پتلی میں آسمانوں کا جلوہ۔ اور الفاظ کے پردہ میں معانی کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح ابر کے سائبانوں میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا بے چون وچگون جلوہ دیکھا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید آگیا۔ اور یہ بات میرے خیال میں آگئی اور صبح ہوگئی۔ آنا سب جگہ پایا جاتا ہے مگر حقیقت ہر جگہ مختلف ہے۔ آنا۔ آنے والے کے تابع ہے۔ زید کا آنا اور قسم کا ہے اور کسی بات کا دل میں آنا اور قسم کا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے آنے کو سمجھو کہ اس کا آنا اس کی شان اور عظمت کے مطابق ہوگا جیسے حق تعالیٰ شانہ کی ذات بے چون وچگون ہے اسی طرح اُس کا آنا بھی بے چون چگون ہوگا۔

معارف القرآن۔ (مولانا کاندھلویؒ ۱/ ۴۰۳)

قیامت کے دن بد بخت دیدارِ الٰہی سے محروم رکھے جائیں گے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ (المطفّفین)

ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے روک دیئے جاویں گے۔ (حضرت تھانویؒ)

دیدارِ الٰہی سے محرومی

یعنی اس انکار وتکذیب کے انجام سے بے فکر نہ ہوں، وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بد بخت محروم رکھے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مومن کو دیدار ہوگا

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محجوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ

ہوگا۔ اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو ان کی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیوں کہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے، اس کے لئے یہ کوئی سزا ہی نہیں کہ اس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔
(معارف القرآن مفتی اعظم)

بداعمالیوں کا حجاب

قیامت کے دن جب مومن اللہ کو دیکھیں گے، کافر اس روز دیدار الٰہی سے یقیناً روک دیئے جائیں گے۔ بداعمالیوں کی تاریکیوں کے حجاب ان کی آنکھ پر پڑے ہونگے۔ پس جس طرح وہ دنیا میں حق کو نہیں دیکھتے تھے اسی طرح قیامت کے دن دیدار الٰہی نہ کرسکیں گے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا اگر زاہدوں اور عابدوں کو معلوم ہو جائے کہ رب کا دیدار ان کو نہ ہوگا تو ان کی جان نکل جائے۔ امام مالکؒ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور ان کو دیدار میسر نہ ہوگا تو دوستوں پر ضرور جلوہ فگن ہوگا دوست اس کو دیکھیں گے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اس آیت میں (بطور مفہوم مخالف) دلالت ہے۔ اس امر پر کہ اولیاء اللہ کو دیدار ہوگا۔
(تفسیر مظہری۔ گلدستہ ۷ / ۴۶۴)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی عارفانہ باتیں

کفار کی حق تعالیٰ سے محبت کی دلیل: اہل تدقیق (باریک بین) تو کہتے ہیں کہ کفار کو بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے کیوں کہ قرآن پاک میں کفار کو محرومیٔ دیدار کی دھمکی دی گئی ہے:

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ. (المطففین:۱۵)

(ترجمہ) یہ لوگ اس روز ایک تو اپنے رب کا دیدار دیکھنے سے روک دیئے جاوینگے۔

کہ ان کو اللہ کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور محرومیٔ دیدار سے اسی وقت دھمکی ہو سکتی ہے

کہ جب ان کو اللہ سے محبت ہو اور محرومی کی خبر سے ان کو تکلیف پہنچے۔اس کے علاوہ اس کا ایک بدیہی ثبوت بھی ہے کہ ہم لوگ اپنے خیال میں جس کو دین سمجھتے ہیں اگر کسی کو اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو ہم کو اس پر کس قدر طیش آتا ہے کہ ہم اس کے درپے آزار ہو جاتے ہیں اور دل کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے آخر یہ نفرت اور وحشت کیوں ہے اس لئے کہ وہ طریق جس کو ہم دین سمجھتے ہیں ہمارا محبوب ہے کیوں کہ وہ ہمارے خیال میں الٰہی راستہ ہے جو کہ اللہ نے ہم کو بتلایا ہے پس ہماری محبت کی ایسی مثال ہے جیسے کہ راکھ کے نیچے چنگاری دبی ہوتی ہے کہ اگر اس کو چھیڑا اور کُریدا نہ جائے تو وہ نظر بھی نہیں آتی لیکن وہی چنگاری جب راکھ سے باہر نکلتی ہے تو شہر کے شہر جلا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے اور اگر کسی کو اب بھی شک رہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر براہ راست اللہ سے محبت معلوم نہیں ہوتی تو اس شخص کو کسی سے تو محبت ہوگی۔کم از کم اپنی جان سے تو ضرور اس کو محبت ہوگی ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ محبت کسی نہ کسی کمال کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم وفضل حسنِ صورت حسنِ سیرت اور تیسرا مقدمہ یہ ہے اور مسلم ہے کہ ہر کمال ظلِّ کمال ربانی ہے تو ہر شخص اگرچہ وہ کسی کا عاشق ہو واقع میں کمال الٰہی کا عاشق ہے اور یہی معنی ہیں محبت الٰہی کے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے دیوار پر دھوپ دیکھی اور اس نور کی وجہ سے وہ دیوار کا عاشق ہو گیا اس صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ شخص واقع میں دیوار کا عاشق نہیں آفتاب کا عاشق ہے کیوں کہ دیوار کا عشق ایک کمال کی وجہ سے پیدا ہوا تھا یعنی نور اور وہ کمال واقع میں آفتاب کا کمال ہے نہ کہ دیوار کا یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے اور اس سے وہ نور زائل ہو جائے عشق بھی زائل ہو جاتا ہے اسی کو کہا ہے۔

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار
عشق را با حیّ و باقیّوم دار
عشق ہائے کز پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

عاشقی با مُردگاں پائیندہ نیست
زانکہ مُردہ سوئی ما آیندہ نیست

(مرنے اور فنا ہونے کے ساتھ عشق و محبت مضبوط نہیں ہوتے، عشق اس ذات کے ساتھ قائم کر جو زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جو محبتیں رنگ و روپ کی وجہ سے ہوتی ہیں وہ عشق نہیں ہے اس کا انجام تو شرمندگی ہے مردوں کے ساتھ عشق کرنا قائم نہیں، اس لئے کہ مرنے والا مر کر پھر ہماری طرف آنے والا نہیں ہے)۔

(خطبات حکیم الامت۔ ۲۳ / ۱۷۸)

ہر شئی کا کمال ظلّ کمال ربّانی ہے

علیٰ ہذا جس چیز کا بھی جو کمال ہے وہ واقع میں کمال الٰہی کا ظل ہے خود اس کا ذاتی نہیں دیکھئے ہر چیز کمال کے ساتھ اگر ایک وقت متصف ہے تو دوسرے وقت اس سے خالی بھی ہے تو اس خلو کی یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک وہ کمال اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا نہیں ہوا اسی طرح جب اس کے ساتھ اتّصاف ہوتا ہے تو اس کی یہ وجہ ہے کہ ادھر سے فیضان ہو گیا اس لئے ایک بزرگ لکھتے ہیں۔

حسنِ خویش از روئی خوباں آشکارا کردہ
پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

(تُو نے اپنی خوبی کو خوبصورتوں کے چہروں سے ظاہر کر دیا ہے مگر تو عاشقوں کی نظروں میں تماشا بن گیا)۔

عشق کمال سے ہوتا ہے

اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ کو حسینوں کے ساتھ اتحاد ذاتی ہے یا اس نے ان میں حلول کیا ہے کیوں کہ یہ عقیدہ تو ایمان کے بالکل خلاف ہے اور کفر ہے کوئی عامی بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا اگر ذرا سمجھ سے کام لے چہ جائیکہ کسی صاحبِ دل کے کلام کے یہ معنے ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس ذات مستجمع الصفات کے مظہر ہیں اور اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل کی اس موقع پر ضرورت نہیں یہ فن کا مستقل مسئلہ ہے۔ غرض جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عشق کمال سے ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہر کمال واقع میں کمال ربانی ہے اگر چہ وہ دوسرے کے اندر نظر آئے۔

عاشق پر معشوق کے کیا حقوق ہیں

تو یہ بات بلاشک ثابت ہوگئی کہ ہر عاشق اللہ کا عاشق ہے اس کے معلوم کر لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے دل میں معشوق کی کتنی عظمت اور وقعت ہوتی ہے کیا اگر کسی عاشق کو اس کا معشوق حکم کرے کہ تم میرے پاس آؤ یا گرمی کے چلچلاتے ہوئے دوپہر میں چار کوس تک برہنہ پا جلتے ہوئے ریت پر چلنے کا حکم کرے تو وہ عاشق انکار کرے گا یا اس سے اس حکم کے مصالح پوچھے گا ہرگز نہیں اور اگر کوئی مدعی معشوق کے حکم پر لم اور کیف کرے تو کیا اس کو اس دعوے میں سچا کہا جائے گا کبھی نہیں ظاہر ہے کہ اگر اس کو سچا عشق ہوگا تو اس کے بُلانے پر دوڑا ہوا آئے گا بلکہ اگر کوئی روکنا بھی چاہے تو ہرگز نہیں رُکے گا اور کہے گا کہ مجھ میں امتثال کی وہ حرارت بھری ہے کہ یہ روک اس کے سامنے کچھ بھی نہیں غرض کسی قسم کے کسی اَمر و نہی میں اس کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا لوگ اس کی حرکات پر اس کو دیوانہ بتلائیں گے پاگل

کہیں گے مگر اس کو ان خطابوں سے ذرا عار نہ ہوگی بلکہ وہ نہایت خوش ہوگا اور کہے گا کہ

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم

مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر غریب ومفلس ہیں یا اگر دیوانہ ہیں تو کیا ہوا؛ ہم اس ساقی اور اس حقیقی پیمانے کے مست وعاشق ہیں)۔

لیکن وہ نہایت مسرور ہیں اس واسطے کہ ان کا یہ مذہب ہے کہ

عَذَلَ الْعَوَاذِلُ حَوْلَ قَلْبِیَ التَّائِہٖ

وَھَوَی الْاَحِبَّۃِ مِنْہُ فِیْ سَوْدَائِہٖ

(کہ ملامت گر کی ملامت تو قلب کے باہر ہے اس کے گرداگرد چکرا کر رہ گئی ہے اور محبت سودائے قلب تک پہنچ کر جاگزیں ہو چکی ہے)۔

الحاصل جب معلوم ہوا کہ عاشق کو معشوق کے ساتھ یہ برتاؤ چاہیے اور ہم اللہ کے عاشق ہیں جیسا ابھی ثابت ہوا تو ہم کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہئے اور اس کے احکام کے امتثال میں بے چون وچرا گردن جھکا دینی چاہئے۔

(خطبات حکیم الامت ۲۳/۱۷۸)

اہل ایمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے

حق تعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کو بے شمار ظاہری وباطنی نعمتیں عطا کی گئیں جو حدِشمار سے زاید ہیں، اس میں ایک نعمت یہ بھی عطا ہوئی کہ اھل ایمان کو اپنے رب اور معبودومسجود سے نہایت قوی محبت ہے اور اس بات کی شہادت اھل ایمان کی جانب سے رب العرش العظیم نے دی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (بقرہ:۱۶۵)

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو ان کی محبت ایسے رکھتے ہیں
جیسے محبت اللہ کی، اور ایمان والوں کو ان سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی۔ (شیخ الہندؒ)

خلاصہ تفسیر: اور ایک آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ اللہ تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں (اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور) ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا) ضروری ہے (یہ حالت تو مشرکین کی ہے) اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے (کیوں کہ اگر کسی مشرک کو یہ ثابت ہو جائے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پڑے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جاوے اور مومن باوجود اس کے کہ نافع وضار حق تعالیٰ ہی کو اعتقاد کرتا ہے لیکن پھر بھی محبت ورضا اس کی باقی رہتی ہے اور نیز اکثر مشرکین مصیبت شدیدہ کے وقت اپنے شرکاء کو چھوڑ دیتے ہیں، اور مومنین من حیث الایمان مصیبت میں بھی اللہ کو نہ چھوڑتے تھے اور محاورات میں ایسے قضایا باعتبار حالتِ غالبہ کے بھی صادق ہوتے ہیں۔
(معارف القرآن۔ ۱/ ۴۰۹)

حالت قبض کے ایام پُراز تجلیات ہوتے ہیں

اہل ایمان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ بہت ہی مضبوط و مستحکم اور قوی تر ہے کہ زندگی کے تمام تر لمحات میں خواہ خوشی کے ہوں یا غم کے رب العزت کو اپنا رب و کارساز مانتے ہیں خوشی و مسرت ملتی ہے تو الحمد للہ کے ذریعہ اپنا رشتہ وظیفہ بندگی ادا کرتے ہیں اور الم وغم کے وقت صبر و تحمل اور توبہ واستغفار کے ذریعہ مشکل کشائی اور دفعِ غم کی التجاء و آرزو پیش کرتے ہیں۔ دونوں اپنی حالت میں عبدیت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے رب کی قدوسیت و کبریائی کا اعتراف کر کے حق تعالیٰ کی شان تنزیہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور خوشی میں جس طرح بارگاہ بے نیاز سے ہر خوشی کا فیضان عطاء باری

ہی کو مانتے ہیں۔اس سے زیادہ رنج وغم کے وقت حضورِ حق کی بارگاہ عالی کے آستانہ سے چمٹ جاتے ہیں، یہ رنج والم رب العزت کی جانب سے جس مصلحت سے آئی ہو۔لقاء اللہ لقاءِ رب ،لقاءِ رحمن، طالب کی نگاہ رنج والم پر نہیں ہوتی بھیجنے والے علیم وخبیر اور قادر وحکیم کی جانب ہوئی ہے، حالت عسر، حالتِ غم، حالتِ قبض، کے ایام بڑے پُرلطف وپرانوار اور پُراز فیض تجلیات الٰہی ہوتے ہیں کہ ظاہراً و باطناً ذاتِ حق کی معیّت خاصہ اور ہمہ وقت نگاہ عالمِ قدس کی جانب سبوح وقدوس سے جوڑے رکھتی ہے، یہ کیفیت حالتِ بسط حالت یسر، حالتِ خوشی ومسرت کے وقت نہیں ہوتی اس لئے مومن صاحب ایمان، اہل اللہ، اہل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے رنج والم کی حالت میں اپنے رب سے بہت زیادہ تعلق وابستہ رکھتے ہیں اور غم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ تعلق مع اللہ اور ربط باللہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔کیوں کہ اہل ایمان کو یقین راسخ ہے کہ مشکل جہاں سے بھیجی گئی ہے۔خوشی بھی وہیں سے بھیجی جائے گی اور **لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ**۔جائے پناہ اور جائے نجات اللہ رب العزت کے سوا کہیں نہیں ہے بلکہ بلاؤں کا ذریعہ وسبب ہمارے گناہ ہیں اور رحمت کا نزول تو محض فضل سے ہوگا اور فضل تمام کا تمام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ**۔

جن لوگوں کا تعلق اللہ رب العزت سے نہیں وہ بلا ومصیبت کے وقت اپنے معبودانِ باطل کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور اس کا بدل پھر کسی دوسرے معبود باطل کو پکارتے ہیں جب وہاں بھی سہارا نہیں ملتا قرار نہیں آتا۔بے چینی اور بڑھتی ہے تو پھر تنکوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جبکہ ایمان والا' لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد۔لا کی ضرب وتلوار سے ہر باطل کو کچل کر ایک اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور وہ اپنے پکارنے والوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ...لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ......کا ورد کر کے حضورِ حق میں حاضری دیتا ہے۔

ایک حدیث قدسی کی عرفانی تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لاَ عَيْنٌ رَأَتْ، وَلاَ أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلاَ خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ (بخاری: ۳۲۴۴)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے اس کا تذکرہ نہ سنا اور نہ ہی کسی انسان کے تصور میں اس کا خیال گزرا''

اس حدیث کی ایک شرح تو وہ ہے جو معروف و مشہور ہے عوام عوام و علماء کے درمیان یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کا تصور و خیال سے بالاتر ہوگا۔ مگر ایک تشریح عرفان و معرفت کی عرفاء ربانی کے درمیان ہے کہ ذات حق جل مجدہ کی رؤیت اور دیدار جمال الٰہی سے کی جائے؛ کیونکہ جنت کی نعمتیں بہرحال دنیاوی نعمتوں سے مشابہت ضرور رکھتی ہیں، مگر فرق دوام وفناء کا ہے۔ یہاں فانی کا داغ ہے اور وہاں بقاء کا دوام ہے۔ اشتراک اسمی ضرور ہے اور دیدار جمال الٰہی تمام تر تشبیہات سے یہاں اور وہاں بے نیاز ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى کا بنیادی عقیدہ ہر ان و ہر شان اہل اسلام کو رہنمائی کر رہا ہے۔ اس لئے حضرت مخدوم شرف الدین یحیی منیری علیہ الرحمۃ کے ذوق کے مطابق یہ حدیث قدسی دیدار الٰہی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ (فوائد رکنی صفحہ ۸۲)

رب العزت کی رویت اور دیدار الٰہی کا جمال با کمال ہزار بار دیدار کے باوجود بے مثل

و بے مثال ہوگا، تمام تر تصور وخیال سے بلند تر اور تمام تشبیہات سے پاک ہوگا اور جب بھی اہل ایمان کو دیدار ہوگا تو نئی شان سے ہوگا كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی تجلی خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ جلالی ہو یا جمالی کا ظہور رہوگا۔ اللہ رب العزت بے علت ہمیں اس نعمت سے نوازے۔

اس لئے ولا خطر علی قلب بشر سے دیدار الٰہی کا دیکھنا اگر مراد لیا جائے تو بہت مناسب تشریح اس حدیث قدسی کی ہو جائے گی جو عرفانی اور ذوقی اور الہامی نکتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جنت اور بہشت بریں کی صفات قرآن وحدیث میں مختلف اسلوب اور پیرایہ میں حق جل مجدہ نے اور خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی منظر کشی کی ہے اور جب جمال باکمال اور تجلیات ربانی کے دیدار کی بات کی جائے تو لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کا بے چون وچگون ذات وصفات کا ہونا، بے مثل ومثال ہونا تمام تشبیہات سے پاک سبحانہ سبوح قدوس۔

کسی اللہ والے کا قول ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ جَنَّةً لَيْسَ فِيْهَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ يَتَجَلّٰى رَبُّنَا ضَاحِكًا۔ (فوائد رکنی صفحہ ۲۶)

حقیقت میں ایسی جگہ بھی ہوگی جہاں حور وقصور نہیں ہوگی وہاں محض حق تعالیٰ کی تجلی کا مشاہدہ ہوگا رب العزت ہنستے ہوئے تجلی فرمائیں گے اور مؤمنین مسرور ومحظوظ ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ يَا مُجِيْبُ يَا قَرِيْبُ۔

اے بھائی، اگر کل بہشت میں دیدار کا وعدہ نہ ہوتا تو اس گروہ کی زبان پر بہشت کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ (فوائد رکنی صفحہ ۶۵)

جس کو یہ بات پسند ہو کہ آخرت میں اللہ جل شانہ سے برضا ورغبت ملاقات کرے

تو وہ کثرت سے مجھ پر درود بھیج۔ (اللھم صلی علی محمد: صفحہ ۸۹)

حق تعالیٰ کی ملاقات کی محبوبیت

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ، اِذَا أَحَبَّ عَبْدِیْ لِقَائِیْ: اَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ : وَاِذَا کَرِهَ لِقَائِیْ کَرِهْتُ لِقَاءَهُ۔

اخرجه البخاری فی کتاب التوحید الاحادیث القدسیه رقم۔ (۳۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ میری ملاقات کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جب میری ملاقات کو ناگوار و ناپسند جانتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔

علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

علّامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے لگے اور آخرت کیلئے تیار رہ کر دنیا میں لمبی زندگی کو پسند نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے سے ملنے، ملاقات چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ خیر کا ارادہ فرما دیتے ہیں۔ (کشف الباری۔ ۵۷۲، عمدۃ القاری: ۲۳ / ۱۴۲)

مُحَبَّةُ لِقَاءٍ: اِیْثَارُ الْعَبْدِ الْآخِرَةَ عَلَی الدُّنْیَا، وَلَا یُحِبُّ طُوْلَ الْاِقَامَةِ فِیْهَا، لٰکِنْ یَسْتَعِدُّ لِلْاِرْتِحَالِ مِنْهَا۔ (الخ)

لقاء سے مراد رؤیت باری، اور بعث اور موت۔

ابن اثیر کی رائے

ابن اثیر نے کہا کہ لقاء سے مراد، دار آخرت کی طرف چلنا، حق تعالیٰ کی جناب سے جو وعدہ ہے اس کو طلب کرنا۔ اور اس سے موت مراد نہیں کیوں کہ موت تو ناگوار طبعی

سب کو ہے۔لہٰذا جو شخص بھی دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے اور دنیا سے بغض ونفرت کو دل میں جگہ دیتا ہے وہ اللہ کو دوست رکھتا ہے اور لقاء اللہ کو محبوب جانتا ہے اور جو اس کے برعکس دنیا کو دوست رکھ کر اُسی پر بھروسہ کر کے زندگی کو گزارے وہ کرہ لقاء اللہ میں داخل ہے۔اور حق تعالیٰ کا بندہ کی ملاقات کو پسند کرنا یعنی باری تعالیٰ کا بندہ پر افاضہ خیر اور توفیق وھدایت کا نزول اور پھر یوم آخرت میں انعام واحسان سے چھپالینا۔

امام نوویؒ کی رائے

دراصل اعتبار حالتِ نزع کے وقت کا ہے کہ اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی نہ ہی ایمان معتبر ہے۔لہٰذا ہر شخص پر اس وقت بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ کہاں جارہا ہے اور اس کا تعلق وعید سے ہونے والا ہے یا حق تعالیٰ کے وعدوں کا لطف وسرور اٹھانے والا ہے۔اس لئے اہل سعادت وصاحب ھدایت موت کو پسند کرتے ہیں اور لقاء اللہ کی طلب دل سے رکھتے ہیں تاکہ ان کو جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی طرف منتقل کردیا جائے اور وعدوں کو حاصل کرلیں۔اور اللہ تعالیٰ ملنا پسند کرتا ہے یعنی اس پر وعدہ کے مطابق بارگاہِ قدس سے فضل وکرم اور عطاء وکرامت کا افاضہ خوب سے خوب تر ہوجائے۔الغرض امام نوویؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ لقاء سے مراد وعدوں کو حاصل کرنے کا شوق وجذبہ جو بارگاہ قدس سے ملتا ہے دل میں طلب وجستجو کے ساتھ جمانا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ملنے کو پسند کرنا۔یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے عطاء وکرامت کا ظہور بندے پر ہونا۔واللہ اعلم۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عارفانہ تحقیق

(۹) قَوْلُہٗ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ أَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ، وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ"- أَقُوْلُ: مَعْنٰی لِقَاءَ اللّٰہِ: أَنْ یَنْتَقِلَ مِنَ الْاِیْمَانِ بِالْغَیْبِ اِلَی الْاِیْمَانِ عِیَانًا وَشَھَادَۃً، وَذَالِکَ أَنْ تَنْقَشِعَ عَنْہُ الْحُجُبُ الْغَلِیْظَۃُ الْبَھِیْمِیَّۃُ ، فَیَظْھَرَ نُوْرُ الْمَلٰئِکَۃِ، فَیَتَرَشَّحُ عَلَیْہِ الْیَقِیْنُ مِنْ حَظِیْرَۃِ الْقُدُسِ، فَیَصِیْرُ مَا وُعِدَ عَلٰی أَلْسِنَۃِ التَّرَاجُمَۃِ بِمَرْأًی مِنْہُ وَمُسْمَعٍ؛ وَالْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ یَسْعٰی فِیْ رَدْعِ بَھِیْمِیَّتِہٖ، وَتَقْوِیَۃِ مَلَکِیَّتِہٖ، یَشْتَاقُ اِلٰی ھٰذِہِ الْحَالَۃِ اِشْتِیَاقُ کُلِّ عُنْصَرٍ اِلٰی حَیِّزِہٖ، وَکُلِّ ذِیْ حِسٍّ اِلٰی مَاھُوَ لَذَّۃِ ذٰلِکَ الْحِسِّ، وَاِنْ کَانَ بِحَسْبِ نِظَامِ جَسَدِہٖ یَتَأَلَّمُ، وَیَتَنَفَّرُ مِنَ الْمَوْتِ وَأَسْبَابِہٖ؛ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ یَسْعٰی فِیْ تَغْلِیْظِ الْبَھِیْمِیَّۃِ یَشْتَاقُ اِلَی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا، وَیَمِیْلُ اِلَیْھَا کَذٰلِکَ؛ وَحُبُّ وَکَرَاھِیَّتِہٖ وَرَدَا عَلَی الْمَشَاکِلَۃِ، وَالْمُرَادُ اَعْدَادُ مَایَنْفَعُہٗ أَوْ یُؤْذِیْہِ، وَتَھِیْئَتُہٗ، وَکَوْنِہٖ بِمِرْصَادٍ مِنْ ذٰلِکَ۔

وَلَمَّا اَشْتَبَہ عَلٰی عَائِشَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا أَحَدُ الشَّیْئَیْنِ بِالْآخَرِ، نَبَّہَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عَلَی الْمَعْنَی الْمُرَادِ، بِذِکْرِ أَصْرَحُ حَالاَتِ الْحُبِّ الْمُتَرَشِّحِ مِنْ فَوْقِہٖ، الَّذِیْ لَایَشْتَبِہ بِالْآخَرِ، وَھِیَ حَالَۃُ ظُھُوْرُ الْمَلٰئِکَۃِ۔

ترجمہ: (۹) آنحضرت ﷺ کا ارشاد: ''جو شخص اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے۔ اللہ بھی اس کی ملاقات پسند کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کی ملاقات ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس کی ملاقات ناپسند کرتے ہیں'' میں کہتا ہوں: ''اللہ کی ملاقات'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب سے منتقل ہو یعنی ترقی کرے: ایمان عینی اور ایمان بالمشاہدہ کی طرف۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ موت سے بہیمی گاڑھا پردہ کھل جاتا ہے، پس ملکیت کا نور چمکتا ہے۔ پس مؤمن پر مقدس بارگاہ سے یقین ٹپکتا ہے۔ پس ہو جاتی ہیں وہ باتیں جو وعدہ کی گئی ہیں مترجمین کی زبانوں سے (انبیائے کرام اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے ترجمان ہیں) آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی۔ اور مؤمن بندہ جو برابر کوشاں رہتا ہے اپنی بہیمیت کو روکنے میں، اور اپنی ملکیت کو قوی کرنے میں، مشتاق ہوتا ہے اس حالت کی طرف (یعنی موت کے بعد کی حالت کی طرف، جس میں بن دیکھی باتیں یعنی اللہ اور اللہ کی صفات مشاہدہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں) ہر عنصر کے مشتاق ہونے کی طرح اپنے حیّز کی طرف، اور ہر ذی حاسّہ کے مشتاق ہونے کی طرح اس چیز کی طرف جو کہ وہ اس حاسّہ کی لذت (دلچسپی کی چیز) ہے۔ اگرچہ وہ اپنے نظام جسمانی کے اعتبار سے رنجیدہ ہوتا ہے (یعنی موت کی تکالیف سے گھبراتا ہے) اور نفرت کرتا ہے وہ موت سے اور اس کے اسباب سے۔ اور فاجر (بدکار) بندہ: جو برابر کوشاں رہتا ہے: بہیمیت کو گاڑھا کرنے میں: وہ مشتاق ہوتا ہے دنیا کی زندگی کی طرف۔ اور وہ اس دنیا کی زندگی کی طرف اسی طرح مائل ہوتا ہے (جس طرح عناصر اپنے حیّز کی طرف اور حواس اپنے لذائذ کی طرف مائل ہوتے ہیں)۔

فائدہ: - اور اللہ کا محبت کرنا اور اللہ کا ناپسند کرنا دونوں وارد ہوئے ہیں مشاکلت کے طور پر۔ اور مراد اس چیز کو تیار کرنا ہے جو اس کو نفع پہنچائے یا اس کو تکلیف پہنچائے، اور اس کو مہیا کرنا ہے۔ اور اللہ کا اس معاملہ میں لگا ہوا ہونا ہے۔ (فائدہ ختم ہوا)

اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر دو چیزوں میں سے ایک دوسری کے ساتھ مشتبہ ہوئی

تو آگاہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معنی مرادی سے: اس کے اوپر ٹپکنے والی محبت کے حالات میں سے واضح ترین حالت کو ذکر کر کے، جو کہ وہ مشتبہ نہیں ہوتی دوسری کے ساتھ اور وہ فرشتوں کے ظہور کی حالت ہے۔

شوقِ لقاء سے عقلی شوق مراد ہے

عَنْ عِبَادَةَ بْنُ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ قَالَتْ عَائِشَةَ- اَوْبَعْضِ اَزْوَاجِهٖ اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ: قَالَ لَيْسَ ذَاكَ، وَلٰكِنْ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتَ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكِرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَةِ فَلَيْسَ شَیْءٌ اُكْرِهَ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ . . .

(اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق، رقم: ۶۱۴۲) (الاحادیث القدسیہ، رقم: ۳۰۳)

حدیث حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''موت ہم سب کو ناپسند ہے!'' (یعنی موت کے پُل سے گذرے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور موت سب کو ناگوار ہے، پس گویا کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہے (یعنی سب کو موت ناپسند نہیں ہے) جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے، تو اس کو اللہ کی خوشنودی، اور اللہ کے نزدیک اعزاز و اکرام کی خوش خبری دی جاتی ہے، تو اس وقت مومن کے لئے آئندہ زندگی سے

پیاری کوئی چیز نہیں ہوتی، پس وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے (اور مرنے کے لئے بیتاب ہوجاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے، تو اس کو اللہ کے عذاب کی اور آخرت میں سزا کی خوش خبری دی جاتی ہے، تو اس وقت کافر کے لئے آئندہ زندگی سے زیادہ ناپسند کوئی چیز نہیں ہوتی، پس وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں''۔

(مشکوٰۃ، حدیث: ۱۶۰۱؛ بخاری: ۶۱۴۲)

حق تعالیٰ سے ملنے کا شوق مومن کی زندگی کی متاع ہے

حدیث کے آخر میں جو سوال وجواب ہیں اس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ اللہ سے ملنے کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا تعلق زندگی کے آخری لمحات ہی سے ہے۔ حالانکہ اللہ سے ملنے کا شوق تو مؤمن کی زندگی کی متاع ہے۔

سورۃ الکہف میں : (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ)

اور سورۃ العنکبوت میں ہے: (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ)

اور سورۃ الاحزاب میں ہے: (لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ)

ان آیات میں اشارہ ہے کہ مومن زندگی بھر اس متاع گرانمایہ سے بہرہ ور رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے آخری لمحات کی تخصیص کیوں فرمائی؟ شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ کی ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ مومن ایمان بالغیب سے ایمان بالعین کی طرف منتقل ہو۔ یعنی مومن ایمانی حالت میں ترقی کرے، اور عینی اور مشاہداتی ایمان کے مرحلہ میں داخل ہوجائے۔ اور یہ مرحلہ موت کے بعد ہی آتا ہے۔ زندگی بھر آدمی ایمان بالغیب کے مرحلہ میں رہتا ہے۔

سورۃ الحجر کی آخری آیت ہے: (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ)

یعنی ''آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے''

اس آیات میں ''موت'' کو ''یقین'' سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ مرنے کے بعد ہی مومن کو ایمانیات میں یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ موت سے بہیمیت کا دبیز پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور ملکیت کا نور چمکتا ہے، تو مومن پر حظیرۃ القدس سے ان باتوں کا یقین مترشح ہوتا ہے جن کی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اطلاعات دی ہیں۔ اور وہ باتیں اب غیب (بن دیکھی) نہیں رہتیں۔ بلکہ آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی حقیقت بن جاتی ہیں۔

اور مومن بندہ جو زندگی بھر نیکو کاری میں کوشاں رہتا ہے بہیمیت کو روکتا ہے، اور ملکیت کو قوی کرتا ہے، وہ اس حالت یقین کا ایسا مشتاق ہوتا ہے، جیسا عناصر اربعہ اپنے حیز اور مرکز کے مشتاق ہوتے ہیں، اور ہر ذی حواس اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے، جس میں اس کے حاسّہ کو مزہ آتا ہے یعنی آنکھ خوشنما مناظر کو پسند کرتی ہے، کان وجد آفریں نغمے سننے کے خواہشمند رہتے ہیں اور زبان چٹخارے بھرنا چاہتی ہے، وقس علی ہذا۔

رہا جسمانی نظام کے اعتبار سے موت اور اس کے اسباب (بیماری اور سکرات کی تکلیف) سے رنجیدہ ہونا، تو وہ الگ بات ہے۔ اس سے شوقِ لقاء پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بدکار بندہ جو زندگی بھر بہیمیت کو گاڑھا کرنے میں لگا رہتا ہے، وہ دنیا کی زندگی کا مشتاق ہوتا ہے۔ اسکی رعنائیوں پر فریفتہ رہتا ہے اور اس کا یہ اشتیاق بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا عناصر اربعہ میں اپنے مراکز کا اشتیاق ہوتا ہے، اور حواس میں ان کے لذائذ کی خواہش پائی جاتی ہے، آخرت کی زندگی یکلخت اسے نہیں بھاتی، یہی اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرنا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ دونوں باتیں یعنی موت اور اس کی تکالیف سے طبعی طور پر گھبرانا۔ اور آخرت کو بنانے کی محنت میں عقلی استحسان سے لگا رہنا، یہ دونوں امر گڈ مڈ ہو گئے، بلکہ موت کی ناگواری غالب نظر آئی تو انھوں نے سوال کیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جواب میں ایک ایسی حالت کا تذکرہ فرمایا، جس میں اللہ سے ملنے کا اشتیاق غالب آجاتا ہے اور وہ فرشتوں کے ظاہر ہونے کی اور خوش خبری سنانے کی حالت ہے۔

سنبھل کر زندگی گزارنا شوقِ لقاء کی دلیل ہے

شاہ صاحب قدس سرہ کی بات کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں: ''اللہ سے ملنا پسند کرنے'' میں شوقِ لقاء عقلی مراد ہے۔ جو مومن میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سنبھل کر زندگی گزارتا ہے۔ ایسے تمام کاموں سے بچتا ہے جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں۔ یہی آخرت کی زندگی کا استحسانِ عقلی ہے۔ رہی موت کی طبعی ناگواری تو وہ ایک فطری بات ہے۔ اور عام حالات میں فطری امور غالب نظر آتے ہیں۔ مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور فرشتے نمودار ہوتے ہیں۔ اور وہ اچھے انجام کی خوشخبری سناتے ہیں، تو وہ فطری خوف مغلوب ہوجاتا ہے، اور شوق غالب آجاتا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت کے وقت: وہ فطری ناگواری ختم ہوجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانکنی کے وقت مسلسل یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَغَمَرَاتِهَا

الٰہی! سکرات میں اور موت کی سختیوں میں مدد فرما!

اسی طرح صحت کی حالت میں جو موت کی کراہیت غالب نظر آتی ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ مومن میں اللہ سے ملنے کا شوق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ محتاط زندگی کیوں گزارتا؟ اور محسوسات میں اس کی نظریں بہت ہیں: ایک طالب علم جو امتحان سے ہفتوں، مہینوں پہلے آموختہ یاد کرنا شروع کرتا ہے، تو وہ امتحان کے خوف ہی سے ایسا کرتا ہے۔ اور آدمی جو کسی خطرناک مرض سے پیچھا چھڑانے کیلئے ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے اور آپریشن کراتا ہے، تو وہ اس وقت میں آپریشن کی تکالیف سے بے خوف نہیں ہوجاتا۔

بلکہ شفا کی آرزو غالب آجاتی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو اشکال پیش آیا ہے، ایسا ہی اشکال ایک اور حدیث میں پیش آتا ہے۔ متفق علیہ روایت ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ، وَوَلَدِهٖ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت، ہر محبت سے زیادہ نہ ہو، آدمی مؤمن نہیں ہوتا۔

جبکہ اپنی ذات کی، آل اولاد کی، عزیز واقارب کی اور دنیا کے مال ومنال کی محبت آدمی پر چھائی رہتی ہے۔ مگر یہ طبعی محبت ہے۔ عقلی طور پر مؤمن کامل میں اللہ ورسول کی اور دین کی محبت پہاڑ جیسی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ موقع آنے پر وہ کسی بھی چیز کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔

اس حدیث میں بھی طالب علم یہی سوال کرتے ہیں کہ بظاہر تو ماں باپ کی اور اولاد کی محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ تو اساتذہ ایک ایسی حالت کا تذکرہ کرتے ہیں، جس میں دین کی محبت غالب آجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ایسی بات نہیں ہے: جب دین پر آنچ آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پر حرف آتا ہے، تو مؤمن کیا کرتا ہے؟ اس وقت میں اس کو جان کی پرواہ نہیں ہوتی، یہی عقلی محبت ہے جو وقت پر غالب آجاتی ہے۔

فائدہ: اور اللہ کا پسند کردہ اور ناپسند کرنا مُشاکلۃً (ہم شکل ہونے کی وجہ سے) وارد ہوا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے مومن کامل کیلئے آخرت میں نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ موت کا گھونٹ پیتے ہی وہ ان سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے اور کافر کیلئے تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور گھات میں ہیں کہ کب آئے، اور سزا پائے (یہ فائدہ شاہ صاحب نے درمیانِ کلام میں بیان کیا ہے)۔

موت کے وقت امیدوارِ رحمت رہنے کی حکمت

حدیث:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وفات سے تین دن پہلے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کی ایسی حالت میں موت آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو''۔ (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۰۵)

فرائض و واجبات کی ادائیگی اور کبائر سے اجتناب تو نفس کو سیدھا کرنے کا اور اس کی کجی دور کرنے کا اقل درجہ ہے یعنی اس کے بغیر تو کام چلتا نہیں۔ مگر اس کے بعد انسان کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش عمل امیدوارِ رحمت رہنا ہے۔ کیوں کہ جس طرح الحاح وزاری سے دعا مانگنا اور کامل توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا رحمتِ الٰہی کے نزول کا باعث ہے، اسی طرح رحمت کی آس لگائے رہنا بھی نزولِ رحمت کو تیار کرتا ہے۔ اور خوف کا معاملہ تو تلوار جیسا ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے یعنی اس کے ذریعہ گاڑھے شہوانی جذبات اور درندگی والے ارادے اور شیطانی وساوس روکے جاتے ہیں۔ اور جس طرح یہ بات ہے کہ جو شخص مہارت نہیں رکھتا: وہ کبھی تلوار سے حملہ کرتا ہے تو خود کو زخمی کر لیتا ہے، اسی طرح جو شخص نفس کو سنوارنے کے معاملہ میں مہارت نہیں رکھتا، وہ کبھی اللہ کے خوف کو بے محل استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے تمام اعمالِ حسنہ کے بارے میں بدگمان ہو جاتا ہے کہ ان میں خودستائی، خودنمائی اور اس قسم کی دوسری آفات پائی جاتی ہیں۔ اور وہ اس درجہ اپنی نیکیوں سے بدظن ہو جاتا ہے کہ ان کو اللہ کے یہاں کسی اجر وثواب کا مستحق ہی نہیں سمجھتا۔ اور وہ اپنے معمولی گناہوں اور لغزشات کو مہلک اور سخت ضرر رساں گمان کرنے لگتا ہے۔ ایسا شخص جب مرتا ہے تو اس کی برائیاں اس حال میں اس کے سامنے آتی ہیں کہ اس کے گمان کے مطابق اس کو کاٹ رہی ہوتی ہیں۔ پس یہ چیز اُن خیالی تصورات میں قوتِ مثالیہ کے فیضان کا سبب بن جاتی ہے، اور اس کو ایک طرح کا عذاب ہونے لگتا ہے۔ اور وہ اپنے ہی ظنون وشکوک کی وجہ سے اپنی نیکیوں سے معتد بہ فائدہ حاصل نہیں کر پاتا۔ اور متفق

علیہ روایت میں یہ مضمون آیا ہے: اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ''میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے'' (بخاری حدیث ۷۵۰۵) اور بیماری اور کمزوری کی حالت میں بسا اوقات آدمی خوف کی تلوار کو برمحل استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا موقع ومحل اس پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں مسنون یہ ہے کہ اس حالت میں خوف سے امید زیادہ ہونی چاہئے۔

اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو، اور اس سے رحمت کی امید بھی۔ خوف ورجاء کا آمیزہ ہی ایمان ہے۔ کیوں کہ خوف ہی خوف: قنوطیت پیدا کرتا ہے۔ اور صرف رجاء بے عملی کا سبب بنتی ہے۔ اور دونوں کا مجموعہ گناہوں سے بچاتا ہے۔ اور نیک عمل پر ابھارتا ہے۔ پس صحت کی حالت میں خوف کا غلبہ رہنا چاہئے۔ یہ بات عمل کیلئے مفید ہے اور آخر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہیئے۔ مریض خود بھی اس کی کوشش کرے اور تیماردار اور عیادت کرنے والے بھی اس وقت میں ایسی باتیں کریں جس سے مریضِ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم وکرم کی امید پیدا ہو۔ کیوں کہ اب عمل کا وقت تو رہا نہیں۔ اب سارا مدار کرمِ ربّانی پر ہے۔

موت کی تمنا کیوں ممنوع ہے؟

⑧ قَوْلُهُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ'' الحديث:

أَقُوْلُ: مِنْ أَدَبِ الْإِنْسَانِ فِيْ جَنْبِ رَبِّهٖ: أَنْ لَا يَجْتَرِئَ عَلٰى طَلَبِ سَلْبِ نِعْمَةٍ، وَالْحَيَاةُ نِعْمَةٌ كَبِيْرَةٌ، لِأَنَّهَا وَسِيْلَةٌ اِلٰى كَسْبِ الْإِحْسَانِ، فَاِنَّهٗ اِذَا مَاتَ انْقَطَعَ أَكْثَرُ عَمَلِهٖ، وَلَا يَتَرَقّٰى اِلَّا تَرَقِّيًا طَبِيْعِيًّا وَأَيْضاً: فَذٰلِكَ تَهَوُّرٌ وَتَضَجُّرٌ، وَهُمَا مِنْ أَقْبَحِ الْأَخْلَاقِ۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: میں کہتا ہوں: اپنے پروردگار کے پہلو میں ادبِ انسانی میں سے یہ بات ہے کہ نہ دلیری کرے وہ کسی نعمت کو چھین لینے کا مطالبہ کرنے پر اور زندگی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ وہ ذریعہ ہے نیکوکاری کو کمانے کا۔ پس بے شک شان یہ ہے کہ جب انسان مرگیا تو اس کے بیشتر اعمال بند ہو گئے (صدقہ جاریہ وغیرہ بعض اعمال ہی جاری رہتے ہیں) اور وہ ترقی نہیں کرتا مگر مادی ترقی۔ اور نیز: وہ (موت کی دعا) لاپروائی سے کسی کام میں گھس پڑنا ہے۔ اور (حالات سے) زِچ ہوجانا ہے۔ اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز کسی دُکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اگر دل غم سے بھر جائے اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یا موت کی دعا کرنی ہی پڑے، تو یوں دعا کرے۔ یا اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے، زندہ رکھ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو، تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۶۰۰)

موت کی آرزو اور دعا کرنا دو وجہ سے ممنوع ہے

پہلی وجہ موت کی دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور دلیری اور بیباکی ہے، کیوں کہ موت کی دعا، اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کرنا ہے کہ اپنی بخشی ہوئی عظیم نعمتِ حیات چھین لیں، اس گستاخ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور زندگی نعمت اس لئے ہے کہ جب تک زندگی ہے نیکی کا موقع ہے۔ اور دینی ترقی کا امکان ہے۔ مرتے ہی نیکوکاری کی بیشتر راہیں بند ہوجائیں گی۔ اور طبعی ترقی کے علاوہ ہر ترقی رُک جائے گی۔ اور طبعی ترقی سے مراد مادّی ترقی ہے۔ جیسے بچہ بڑھتا رہتا ہے اور جوان ہوجاتا ہے۔ یہ طبعی ترقی ہے۔ یہ ترقی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن آدمی کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوجائے گا۔

دوسری وجہ: موت کی تمنا بے دانشی اور لاپروائی سے کسی کام میں گھس پڑنا ہے۔ اور بے قراری، بے صبری اور حالات سے زچ ہوجانا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں بدترین

اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔ آدمی کو دانشمند ہونا چاہیے اور عواقب پر نظر رکھنی چاہئے۔ نیز ہمت وحوصلہ سے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔ کیا موت کی تمنا اور دعا کرنے والا جانتا ہے کہ آگے اس کے لئے دستر خوان بچھا ہوا ہے؟ ممکن ہے کوڑا تیار ہو! پس بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لینے کی مثال صادق آئے گی۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ، ج: ۳/ ۶۵۵)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کی انوکھی تحقیق

موت کی تمنا اور موت سے وحشت

لوگوں کو اپنی طاعات پر فخر ہے۔ خود اپنے ہی معتقد بنائے ہوئے لوگوں کے کہنے سے اپنے کو بزرگ خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حال بعینہٖ اشعب طماع کا سا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

اسی طرح اور حکایت مشہور ہے کہ ایک شخص کا گھوڑا نہایت عیب دار تھا، اس نے دلالوں سے کہا کہ اس کو بیچ دو۔ دلال نے کہا کہ اچھا، اور خریداروں کو بلا کر ان سے گھوڑا کے اوصاف بیان کرنے لگا، یہ ایسا عمدہ گھوڑا ہے اور اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں۔ مالک نے جب دلال کی زبان سے یہ خوبیاں سنیں تو کہنے لگا کہ بھئی! اگر یہ ایسا ہے تو ہمیں ہی دے دو۔ اس نے کہا بھلے مانس! خود اپنا دس برس کا تجربہ تو تو نے غلط سمجھا اور میری ایک فرضی مصلحت کی حکایت کو صحیح سمجھا۔ اس طرح ہم کو خود ہمارے اعمال، ہماری عادتیں جن کا ہم کو سالہا سال سے تجربہ ہے ہمیں متنبہ نہیں کرتیں لیکن خوش اعتقاد مریدوں کے گمانوں پر ناز کئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سب کا معیار تو وہی ایک امر ہے جس کا بیان ہو رہا ہے۔ یعنی تَمَنّی مَوْتٌ اور وَحَشَتٌ عَنِ الْمَوْتِ۔ (موت کی تمنا اور موت سے وحشت) اگر یہ شخص مقبول ہے تو موت سے ہرگز وحشت نہ ہوگی اور جب

وحشت ہے اور وحشت اعمال سیئہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ ہمارے اعمال ضرور ناپسندیدہ ہیں۔اگر ہمارے اعمال صالحہ ہوتے تو ہمیں موت سے رغبت ہوتی۔اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ دو تحصیلوں میں دو شخص تحصیل دار ہیں۔ ایک کا عملہ حساب کتاب، کاغذات، رجسٹر وغیرہ سب ٹھیک ہیں اور اس کی توقع یہ ہے کہ حاکم میرے کام کو دیکھے اور میں ترقی حاصل کروں۔دوسرا شخص سست ہے۔اس کا عملہ بھی خراب کاغذات رجسٹر وغیرہ بھی خراب۔اس کی شکایات بھی کئی مرتبہ ہو چکی ہیں۔دفعتاً ان دونوں تحصیل داروں کو خبر ملے کہ حاکم بالا یا کلکٹر صاحب کل تحصیل کا معائنہ کریں گے۔پہلا ملازم جس کا سب کام ٹھیک اور عمدہ ہے، بہت خوش ہو گا اور کہے گا کہ جلد پیشی ہو تو اچھا۔حسب قول شیرازیؒ۔

خرم آں روز کہ ازیں منزل ویراں بردم
راحت جاں طلبم وز پے جاناں بردم

''وہ دن بہت اچھا ہو گا کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاون جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں''۔

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا درمیکدہ شادان وغزل خواں بردم

میں نے یہ نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا چلا جاوے''۔

اور دوسرا ملازم ڈرے گا اور آرزو کرے گا کہ توقف ہو تو بہتر ہے۔یہی حال ہمارا ہے۔نیک آدمی ہر وقت اس اَمر کی خواہش کرے گا کہ جلد حضور حق ہو کہ لطف دیدار حاصل کروں اور بُرا آدمی گھبرائے گا اور چاہے گا کہ جو دن مل جائے غنیمت ہے، یہ سبب ہے فرق کا درمیان تمنائے موت اور اس کی عدم خواہش ہیں۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِن کی عجیب مثال

ایک اور مثال حضرت فرماتے تھے کہ ایک طوطا پنجرے میں بند ہے اور باغ کے ایک درخت میں بندھا ہوا ہے۔ درخت پر دوسرے طوطے دوڑ رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔ یہ طوطا پنجرے میں بند ہے۔ چاہے گا کہ یہ قفس ٹوٹ جائے اور میں ان طوطوں میں مل جاؤں، اور ایک اور طوطا پنجرے میں بند ہے اور اس کے گرداگرد بلیوں کا ہجوم ہے۔ وہ اس قید ہی کو غنیمت سمجھے گا۔ اسی طرح انسان کا بدن گویا ایک قفس ہے۔ اس کے ٹوٹنے کی ہر شخص تمنا نہیں کر سکتا۔ جو لوگ نیک ہیں وہ البتہ یہ خواہش ظاہر کریں گے کہ جلد قفس عنصری ٹوٹ جائے اور روح نکل کر واصل بحق ہو۔ ایسے لوگ تمنائے موت کریں گے اور جو لوگ سیئات میں مبتلا ہیں وہ ہرگز ایسی تمنا نہیں کر سکتے۔ بلکہ موت سے گھبرائیں گے اور ڈریں گے۔ یہی مطلب ہے

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔ (سنن الترمذی:۲۳۲۴)

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

وہ طوطا جس کے گرد بلیوں کا ہجوم ہے، قفس کو جنت خیال کرتا ہے اور جو باغ میں لٹکا ہوا ہے وہ قفس کو جیل خانہ سمجھتا ہے اور وطن اصلی کو یاد کر کے اس کی آرزو کرتا ہے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

''ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے تو اس زمانہ وصول کو ڈھونڈتا ہے''۔

نافرمان دنیا پرست کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہاں سے جانے میں بیوی بچے چھوٹیں گے، دوست احباب سے علیحدگی ہوگی۔ یہ خیال موت سے متنفر بنا دیتا ہے اور جو لوگ

اعمال صالحہ رکھتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی بیوی چھوٹی جائے گی تو کیا ہے، وہاں بہت سی بیویاں مل جائیں گی اور اس سے یہ نہ سمجھیں کہ متبعین کو اپنے اعمال پر توکل ہوتا ہے۔ یہ نہ سہی لیکن اطاعت و عمل صالح میں بالذات یہ خاصیت ہے کہ اس سے شوق آخرت و حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔

موت سے کراہت طبعی مذموم نہیں

اس موقع پر ایک شبہ ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ

(الصحیح البخاری: ۱۳۳۸)

یعنی جو شخص اللہ کو محبوب رکھتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو اس کے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو محبوب نہیں رکھتے۔

اور اسی حدیث میں ہے:

وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰهِ۔ یعنی لقاء الٰہی بعد موت کے ہوتی ہے

اور اسی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ

كُلُّنَا يَكْرَهُ الْمَوْتُ - یعنی ہر شخص ہم میں سے موت سے نفرت رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! عین وقت موت کا ذکر ہے کہ اس وقت مؤمن کو بشارت ملتی ہے۔ اس لئے وہ لقاء موت کا متمنی ہوتا ہے اور عاصی اس کے خلاف کراہت کرتا ہے، یعنی یہ حجاب رحمت کے وقت کا ذکر نہیں، کیوں کہ آیت میں قرب موت کی قید سے مطلق تمنا کو علامتِ قبول فرمایا ہے اور حدیث سے اس وقت کراہت کا عموم معلوم ہوتا ہے۔ پس آیت و حدیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت تعارض نہیں۔

کراہت کی دو قسمیں

حقیقت یہ ہے کہ کراہت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک طبعی، دوسری عقلی، کراہت طبعی کی مثال یہ ہے کہ اُسے اس طور سے سمجھنی چاہئے کہ کسی شخص کے جسم میں ایک دنبل نکلا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اس میں نشتر لگاؤ۔ اس نے کہا نہیں بھئی مجھ سے ایسی تکلیف گوارا نہ ہوگی۔ آخر اس نے ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا۔ ایک ڈاکٹر کو دکھایا۔ اس نے کہا بغیر نشتر کے اچھا نہ ہوگا۔ یہ سن کر جی گھبرایا۔ دوسرے ڈاکٹر سے پوچھا، اس نے بھی یہی کہا۔ غرض چار ڈاکٹروں سے ملا اور چاروں نے یہی رائے ظاہر کی۔ سب کی رائے سن کر وہ رضامند ہو گئے اور کہا کہ اچھا ڈاکٹروں کو بلاؤ اور نشتر لگا دو۔ لوگوں نے کہا کہ بھئی تم تو نشتر سے بہت ڈرتے تھے۔ اب کیا ہوگا؟ کہا بھئی تھوڑی دیر کی تکلیف ہمیشہ کا آرام ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے نشتر لگایا۔ اس وقت اس کے منہ سے ایک آہ بھی نکلی لیکن قلب اندر سے شگفتہ ہے۔ اب ڈاکٹر فیس مانگتا ہے۔ لوگوں نے کہا بھئی ڈاکٹر نے نشتر لگایا، تکلیف دی اور تم اسے فیس دینا چاہتے ہو۔ کہاں ہاں بھئی! یہ تکلیف بھی راحت کا موجب ہے، سو روپیہ انعام کے اور اُسے دے دو۔

موت کے وقت کراہت طبعی نہ ہونا مقبولیت کی علامت ہے

اس مثال میں کراہت طبعی اور رغبت عقلی جمع ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کا قول کراہت طبعی پر محمول ہے کہ موت سے طبعاً ڈر معلوم ہوتا ہے اور عین مرنے کے وقت مؤمن کی یہ کراہت بھی زائل ہو جاتی ہے اور آیت میں رغبت عقلی کا اثبات ہے اور عاصی کو یہ رغبت عقلی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ بلکہ عقلاً بھی اس لئے کراہت ہوگی کہ جانتا ہے کہ مرنے سے یہاں کا سراسر خسارہ اور وہاں صرف عتاب، پھر ظاہر ہے کہ عقل ایسے امر کو ناگوار سمجھے ہی گی اور موت کے قرب کے وقت کراہت طبعی کا بھی جاتا رہنا یہ

مقبولین کی حالت سے مشاہد ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں ایک نوعمر طالب علم تھے مدرسہ میں پڑھا کرتے تھے، قصبہ میں طاعون ہوا، اور سب لوگ بھاگنے لگے، بہت سے طالب علم بھی چلے گئے، وہ طالب علم جانے لگے اور اپنے آنے کی اطلاع گھر والوں کو بھی کردی اور گاڑی بھی کرایہ کرلی۔ ایسے وقت میں ظاہر ہے کہ وطن جانے کا ان کو کتنا اشتیاق ہوگا۔ یکا یک اس تیاری میں انہیں طاعونی بخار آیا۔ لوگوں نے انہیں سمجھایا اور تسکین دی کہ گھبرانا مت، آرام آجائے گا۔ طالب علم نے کہا کہ ایسا مت کہو۔ اب تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ طالب علم مجاہدہ وغیرہ سے خالی تھے، لیکن نیک تھے۔ موت کے وقت اللہ سے ملاقات ہونے کا اس قدر شوق غالب ہوا کہ تسکین دینے والوں کی باتیں بری معلوم ہونے لگیں۔ آخر بے چارے کا انتقال ہوگیا اور ان کا اسباب مکان روانہ کرنے کی تجویز ہوئی۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ طالب علم اس سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فلاں چیز اسباب میں رکھنی بھول گیا تھا۔ فلاں طاق میں رکھی ہے اسے بھی اسباب میں باندھ دینا۔

مجھے ان کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اللہ اکبر! جنازہ پر ایسی رونق تھی کہ بے ساختہ دل کھنچا جاتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ کاش اس جنازہ پر ہم ہوتے۔ یہ دل کشی ہوتی ہے موت کی تمنا کرنے والوں اور اعمال صالحہ رکھنے والوں میں۔ غرض موت کے وقت کراہت طبعی بھی جاتی رہتی ہے اور اس رغبت موت سے کسی کو یہ وسوسہ نہ ہو کہ کیا صلحاء کو خوف عذاب کا نہیں رہتا۔ اگر خوف نہ رہے تو ایمان نہ رہے اور اگر خوف رہے تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے رغبت موت کی کیسے ہوسکتی ہے۔ گو وہ رغبت عقلی ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ عقل کا مقتضاء یہ ہے کہ احتمال ضعیف سے بھی تجنب کرے۔

احتمال کے دو درجے

بات یہ ہے کہ خوف احتمال مکروہ اور توقع مکروہ کو کہتے ہیں اور احتمال کے دو درجے ہوتے ہیں۔ایک احتمال غالب دوسرا مغلوب۔مثلاً ایک بیمار ہے بد پرہیز، بدعلاج، اس کے مرنے کا احتمال غالب ہوگا۔گو احتمال صحت بھی ہوگا مگر مغلوب، اور دوسرا مریض ہے کہ پرہیز بھی کرتا ہے اور علاج بھی اس کے مرنے کا احتمال مغلوب اور صحت کا غالب۔پس اسی طرح اعمالِ حسنہ کے ساتھ جو اہتمام ہوگا عذاب کا وہ مغلوب ہوگا۔اور ایمان میں اتنا بھی احتمال کافی ہے اور اُمید نجات کی غالب ہوگی اس لئے وہ احتمال مغلوب عذاب کا واقع نہ ہوگا رغبت موت کا اور اعمال سیئہ کے ساتھ جو خیال عذاب کا ہوگا وہ غالب ہوگا۔اس لئے اس سے توحش پیدا ہوگا۔پس اب کوئی تعارض نہ رہا اور آیت و حدیث دونوں کا مفہوم ٹھیک ہوگیا۔غرض اس احتمام غالب کو جو اعمال سیئہ سے عذاب کی نسبت ہے مغلوب بنا اور پھر احتمال غالب کو مغلوب بنانا بجز اعمال کی درستی کے ناممکن ہے۔

حسن ظن کی مثال

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی شخص مرنے نہ پاوے مگر اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھ کر محققین نے کہا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے ساتھ مرنا چاہئے۔ کیوں کہ اعمالِ صالحہ کا خاصہ ہے کہ اس سے حسن ظن غالب رہتا ہے اور حسن ظن کا خاصہ ہے کہ اس میں شوق ہوتا ہے۔اس حسن ظن کی مثال کھیتی کی سی ہے۔ایک کاشتکار وہ ہے کہ جس نے کھیتی کا خوب کام کیا ہے۔اس کی غالب اُمید یہ ہوگی کہ کھیتی اچھی پیدا ہوگی، اس کو اگر خوف بھی ہوگا تو محض احتمال عقلی۔دوسرا وہ شخص ہے جس نے کچھ نہیں کیا اور

اسے اُمید ہے کہ سب کچھ مل جاوے گا۔ شاید کسی وقت بلا قصد دانہ گر گیا ہو اور وہ جسم آوے مگر یہ اُمید بالکل موہوم ہوگی اور غالب یہی اندیشہ ہوگا کہ کچھ نہ ملے۔

اعمالِ حسنہ کا خاصہ

اسی طرح اعمالِ حسنہ کا خاصہ یہ ہے کہ اللہ سے ملنے کی محبت ہو جاتی ہے۔ اور محبت عجیب چیز ہے۔ دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے یہ سب محبت ہی کا ثمرہ ہے۔

کیا خوب کہا ہے کہ ؎

''از محبت تلخ ہا شیریں شود'' (محبت سے تلخیاں شیریں بن جاتی ہیں)

حتیٰ کہ اگر محبت میں احتمال کسی قدر کلفت کا بھی ہو مگر غلبہ محبت میں وہ اہتمام شوق کو کم نہیں کرتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ جب محبوب کے پاس جاؤ گے پہلے دو جوتیاں پڑیں گی، پھر محبوب اس پر عنایت کی نظر کرے گا۔ یہ گوارا ہوگا اور خوشی سے گوارا ہوگا۔ میرٹھ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک رئیس نے اپنے ملازم کو مارا اور پھر دو روپیہ دے دیئے۔ رئیس نے کہا کہ نوکر سے پوچھو کیا حال ہے؟ کہا کہ اگر روز اسی طرح پیٹتے رہیں تو بہت اچھا ہے۔ دو روپیہ تو ملا کریں گے۔ (خطبات حکیم الامت، ج: ۲۴/ ۳۸۷)

صبر باللہ اشد ہے

حضرت شبلیؒ سے کسی نے پوچھا اَیُّ الصَّبْرِ اَشَدُّ کون سا صبر زیادہ سخت ہے؟ فرمایا

الصَّبْرُ بِاللّٰہِ، قَالَ لَا، فَالصَّبْرَ فِی اللّٰہِ قَالَ لَا، قَالَ فَاَیَّ قَالَ الصَّبْرَ عَنِ اللّٰہِ

یعنی حضرت شبلیؒ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ صبر باللہ اشد ہے اس نے کہا نہیں، کہا: صَبْرٌ فِیْ اللّٰہِ اشد ہے، اس نے کہا الصَّبْرُ عَنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ سے

چھوٹنے پر صبر کر لینا یہ بہت سخت ہے۔ یہ سن کر حضرت شبلی رحمہ اللہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، اسی صبر کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَمَآ اَصْبَرَ هُمْ عَلَى النَّارِ** (پس کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر)۔

اسباب کو مؤثر سمجھنا غلط ہے

بہر حال مرگ مفاجات کے اسباب تراشنے والے ایک تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں ان سے تو چنداں تعجب نہیں ہے مگر افسوس اب تو اکثر مسلمان بھی اسباب تراشتے ہیں اور اسباب ہی کو مؤثر سمجھتے ہیں پھر ان کو دنیا میں بھی تکلیف ہوتی ہے اور مرتے ہوئے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ یہ لوگ حیاتِ طیبہ سے بھی محروم ہیں اور موت سے بھی بہت ڈرتے ہیں۔

موت کے وقت مؤمن کا حال

شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ موت سے تو ہر شخص کو کراہت ہوتی ہے اور زندگی ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے کیوں کہ یہ تو طبعی امر ہے تو سب ہی کو عام ہے اس کا جواب حدیث شریف میں آچکا ہے، حق تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درجات بلند فرمائیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کر کے اس اشکال کو حل کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ (الصحیح للبخاری ۸:۱۳۳)

کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی لقاء سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء سے کراہت فرماتے ہیں۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کُلُّنَا یَکْرَہُ الْمَوْتَ
ہم میں ہر شخص موت کو مکروہ سمجھتا ہے)۔

یعنی حق تعالیٰ کی لقاء تو موت کے بعد ہوگی اور موت سے طبعاً ہر شخص کو کراہت ہے تو مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ کا مصداق کون ہوگا؟ سب مَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہ ہی کے مصداق ہوں گے اور اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کون دے سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ محبت وکراہت مراد ہے سو مومن موت کے وقت لقاء اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے جبکہ اس کو فرشتے بشارتیں سناتے اور تسلی دیتے ہیں اور جنت کی نعمتیں اور راحتیں دکھلاتے ہیں اس وقت اس کی وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک پرندہ پنجرہ میں ہو اور اس کو ایک ایسے سبزہ زار میں رکھ دیا جائے جہاں چار طرف پھول پھلواری اور ہر قسم کے میوہ جات ہوں اور اس طرح کہ ہم جنس پرندے آزادی کے ساتھ اس باغ میں میوے وغیرہ کھاتے پھرتے ہوں اور خوشی سے چہچہاتے ہوں تو اس وقت یہ پرندہ جو پنجرہ میں مقید ہے پھڑ پھڑاتا ہے اور پنجرے سے نکلنے اور اپنی ہم جنسوں کے ساتھ سبزہ زار میں چلنے پھرنے کا مشتاق ہوتا ہے اور کافر موت کے وقت حق تعالیٰ کے پاس جانے سے کراہت کرتا ہے کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ عذاب کے فرشتے ڈراؤنی صورت میں چاروں طرف کھڑے ہیں۔ میری روح نکلی اور ان لوگوں نے مجھے عذاب کرنا شروع کیا، اس وقت اس کی روح جسم سے نکلنا نہیں چاہتی جیسے پنجرہ کے گرد چاروں طرف بلیاں دانت نکالے بیٹھی ہوں تو اس وقت پرندہ پنجرہ سے نکلنا نہ چاہے گا بلکہ کوشش کرے گا کہ پنجرے ہی سے چمٹا رہے کیوں کہ اسی میں خیر ہے پنجرہ سے باہر قدم رکھا اور بلیوں نے اس کو دبوچا تو یہ کراہت مراد ہے جو عین موت کے وقت ہوتی ہے باقی طبعی کراہت مراد نہیں ہے کیوں کہ طبعاً زندگی ہر ایک کو عزیز ہے۔

زندگی طبعاً ہر ایک کو عزیز ہے

چنانچہ کانپور میں ایک قصہ میرے زمانہ قیام میں ہوا تھا، ایک بڑھیا کا لڑکا بیمار ہوا تو وہ ہر ایک سے دعا کراتی پھرتی تھی کہ یہ اچھا ہو جائے اور میں مر جاؤں۔ اتفاق سے اس کو سکتہ ہو گیا جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ مر گیا ہے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا، کچھ دیر میں ہوش آ گیا۔ وہ بڑھیا یہ سمجھی کہ میرا بیٹا بھوت ہو گیا تو اب وہ یہ دعا کراتی تھی کہ اللہ کرے یہ مر جائے کیوں کہ اب اسے اپنی موت کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بھوت مجھے ہی نہ کھا لے، اسی طرح مولانا جامی رحمہ اللہ نے ایک عورت مہستی نام کا قصہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مہستی بیمار ہوئی تو اس کی بوڑھی ماں یوں دعا کرتی تھی کاش میں مر جاؤں اور مہستی اچھی ہو جائے۔ ایک دن اتفاق سے اس کے گھر میں ایک گائے اس حیلہ سے آئی کہ اس کے منہ میں ایک ہانڈی پھنسی ہوئی تھی۔ گائے نے کسی کی ہانڈی منہ میں ڈالی تھی، پھر منہ باہر نہ نکل سکا کیوں کہ وہ پھنس گئی تھی تو اب وہ ہانڈی کو لئے پھر رہی تھی۔ اس بڑھیا نے جو گائے کا یہ حلیہ دیکھا تو یوں سمجھی کہ یہ وہی موت ہے جس کو میں روز بلایا کرتی تھی اب تو بڑی گھبرائی اور کہنے لگی:

گفت اے موت من نہ مہستیم   پیر زال غریب محنتیم

یعنی اے موت مہستی میں نہیں ہوں وہ تو تیرے سامنے پلنگ پر پڑی ہے اسے لے لے میں تو غریب محنتن بڑھیا ہوں، مجھے لے کر تو کیا کرے گی؟

غرض اپنی زندگی ایسی عزیز ہے کہ موت کا خیال آتے ہی بیٹی کو مارنے لگی کم وبیش حیات کی محبت سب کو ہے اہل اللہ بھی اس سے خالی نہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے وہ عین موت کے وقت ہشاش بشاش اور حق تعالیٰ سے ملنے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۲۴ / ۱۸۲)

بشارت کا خاصّہ ہے اشتیاقِ لقاء اللہ

ایک شخص روز دعا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے کھینچ اور جب کھینچنے لگا تو کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے چھوڑ میں نہیں کھنچتا اور جیسے ایک پیر صاحب نے حضرت حافظ بن ضامنؒ سے عرض کیا تھا کہ حضرت کچھ ہمیں بھی دولت عطا فرما دیجئے۔ فرمایا۔ ہاں ہاں ضرور دیں گے کہا۔ کب؟ فرمایا جب موقع ہوگا۔ پھر جب غدر ہوا تو حافظؒ نے کہلا بھیجا کہ آؤ اب دولت ملنے کا موقع ہے وہ کہتے تھے کہ ہمت نہ ہوئی اور ایسی دولت سے محروم رہا تو یہ محض قلت محبت اور قلت تعلق کی دلیل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو اس وقت بہت خوش ہونا چاہیئے تھا کہ نعمت شہادت جو ہزار تمناؤں سے حاصل ہوتی ہے گھر بیٹھے مل رہی ہے پھر ایک شہادت تو محض ثبات فی مقام الطاعون ہی سے حاصل ہوتی ہے چاہے طاعون نہ بھی ہو مگر شرط یہ ہے کہ ایسی نیت سے جار ہے کہ یہاں رہنے سے مجھے شہادت کا ثواب ملے گا اور دوسری شہادت شاید اور بھی مل جائے اگر کسی کو طاعون ہو گیا شاید تم یہ کہو کہ بس پہلی ہی شہادت کافی تھی دوسری کی کیا ضرورت تھی۔ میں کہتا ہوں صاحب شہادتیں جمع ہو جائیں تو حرج کیا ہے شہادتوں سے تو ایمان کامل ہوتا ہے پھر آپ کے لئے تذکرۃ الشہادتین تصنیف ہوگا ایک حسن کا ایک حسین کا پھر اس سے گھبراتے کیوں ہو جذبات طبیعہ سے تو میں منع نہیں کرتا اگر طبعی طور پر کسی وقت پریشانی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں مگر دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ آپ بہت سے وحشت ناک امور کی وحشت کو ان کے منافع کے تصور سے دفاع کرتے ہیں تو ایسے ہی طاعون سے جو طبعی وحشت ہے اس کو اس کے اجر وغیرہ کی بشارتوں کے استحضار سے کیوں نہیں رفع کرتے۔ یہی بشارتیں تو ہیں جن کی خاصیت حب لقاء اللہ ہے۔ جس پر پھر دوسری بشارت اَحَبَّ اللّٰہُ

لِقَاءَهُ حدیث میں وارد ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهُ (الصحیح للبخاری ۸:۱۳۳)

''جو اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو لقاء اللہ سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء سے کراہت فرماتے ہیں''۔

اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں کہ بہت ہی کام کا سوال کیا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنُكْرَهُ الْمَوْتُ۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تو سب کے سب موت سے گھبراتے ہیں

تو کیا ہم مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ کے مصداق ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنِ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَةٍ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهُ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ (الحدیث)

اے عائشہ رضی اللہ عنہا اس کراہت کا اعتبار نہیں (کیوں کہ یہ طبعی کراہت ہے جو عفو ہے) بلکہ بات یہ ہے کہ مسلمان جب مرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو رضوان و کرامت کی بشارت سناتے ہیں اس وقت وہ حق تعالیٰ کی لقاء کا مشتاق ہو جاتا ہے اور کافر کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں وہ اس وقت کے پاس جانے سے گھبراتا ہے اور کراہت کرتا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ محبت و کراہت سے وقت موت مراد ہے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی عارف اس کو بیان نہ کر سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشارت کا خاصہ ہے عدم کراہت موت۔ پس بشارات کا تصور کرنا چاہیے جو حدیث میں وارد ہیں ان سے عقلاً موت کا اشتیاق پیدا ہو جائے گا اور وحشت مذمومہ نہ رہے گی گو طبعی وحشت بھی ہو اور اگر یہ حب موت طبیعت پر غالب ہو گئی تو طبعی وحشت بھی زائل ہو جائے گی اور اب اس کا یہ حال ہوگا کہ طبعاً موت کا مشتاق ہو جائے گا اور

یوں کہے گا:

خرم آن روز کریز منزل ویراں بروم
راحب جان طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا در میکدہ شادان وغزلخواں بروم

''جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے اپنی جان محبوب حقیقی پر قربان کروں اور خوش وخرم کوچ کر جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا چلا جاؤں''۔

اور بعض واقعات موت کے مشتاقین کے ہم نے خود دیکھے ہیں کہ مولانا فتح محمد صاحب کے ایک شاگرد نور احمد طالب علم تھے جن کی عمر سترہ، اٹھارہ برس کی تھی۔ وہ مولانا کی وفات کے بعد وطن جانے کو تیار تھے۔ سامان باندھ چکے تھے کہ دفعتاً رات کو طاعونی بخار ہوا اور گلٹی نکل آئی۔ لوگ یہ سمجھے کہ اس وقت ان کا دل بہت ٹوٹا ہوگا کہ میں گھر جانے کو تھا کہ یہ بلا کہاں سے آگئی۔ لوگ ان کو تسلی دینے لگے کہ انشاء اللہ تم اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں تو وہ کہنے لگے کہ بس اب یوں نہ کہو اب تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے، پھر ان کا انتقال ہو گیا اور جنازہ کی نماز میں نے پڑھائی۔ مجھے کشف وشف تو کچھ ہوتا نہیں لیکن ان کے جنازہ میں مجھے بہت انوار محسوس ہو رہے تھے اور یہ طاعون کی برکت تھی کیوں کہ طاعون شہادت ہے اور طاعون میں مرنے والا قتیل سیف کے برابر شہید ہے۔ چنانچہ قیامت میں شہداء سیف اور اموات فراش طاعون والوں کے بارہ میں جھگڑیں گے۔

شہداء سیف کہیں گے کہ یہ بھی ہماری طرح اعداء اللہ کے زخم سے مرے ہیں یہ

ہمارے درجے میں رہنے چاہئیں اور اموات فراش کہیں گے کہ یہ تو ہماری طرح بستر پر مرے ہیں یہ ہمارے ساتھ رہنے چاہئیں۔ پھر حق تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے کہ طاعون والوں کا زخم دیکھا جائے اگر شہداء سیف کے زخم کہ مشابہ ہو تو شہداء کے درجے میں ورنہ نہیں۔ چنانچہ زخم دیکھا جائے گا تو بالکل شہداء کے زخم سے مشابہ ہوگا **لو نہ لون دم والریح ریح مسك** بالآخر شہداء کے درجے میں رہیں گے۔

طاعون کے منافع آجلہ

یہ تو طاعون کے منافع آجلہ ہیں، ان کو سوچئے تاکہ وحشت کم ہو اور اشتیاق پیدا ہو۔ اب میں ان مجاہدات غیر اختیاریہ کے منافع عاجلہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ان مجاھدات اضطراریہ سے نفس کی تہذیب وتمحیص ہو جاتی ہے چنانچہ رنج وغم میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ ساری فوں فاں اور فرعون بے سامانی رخصت ہو جاتی ہے جو بات مجاہدات اختیاریہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو وہ مجاہدات اصراریہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے تو یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ (خطبات حکیم الامت ۲۴/ ۳۴۴)

ملاقات کا شوقِ طلب مانگنا مطلوبِ نبوت ہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰى لِقَآئِكَ مِنْ غَيْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَافِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے ملاقات کا شوق مانگتا ہوں جو مضر نہ ہو اور اس سے کوئی گمراہی کا فتنہ نہ پیدا ہو۔

حدیث شَوْقًا اِلٰى لِقَآئِكَ کی شرح

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت کا غم ہمیشہ گرم رہتا ہے اس کے علاوہ دنیا کے سارے ہنگامے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ آج جو بچہ ہے کل دولہا بنا پھر بابا

ہو گیا پھر دادا ہو گیا پھر قبر میں لیٹ گیا۔ سب ہنگامے سرد ہو گئے۔

زیں سبب ہنگامہ باشد کُل ھدر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

بس اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہنگامہ ہر دم گرم تر رہتا ہے، باقی سارے ہنگامے فانی ہیں۔ شادی بیاہ کی خوشیاں منائی جارہی ہیں، پھر بچوں کی پیدائش پر خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ آج خوشیاں منائی جارہی ہیں کل کو غمی ہو رہی ہے، جن کے ہاتھوں سے آؤ بھگت ہو رہی تھی انہی ہاتھوں سے دفن کررہے ہیں، جس بیوی کے لئے ہر وقت بے چین رہتے تھے اس بیوی کے دانت ٹوٹ گئے اور آنکھوں پر بارہ نمبر کا چشمہ لگ گیا، کمر جھک گئی تو نازُ کی اُس کمر کی کہاں گئی؟ بس یہی ہے دنیا یہاں کی ہر چیز فانی ہے۔

اس لیے دنیا دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ ایک وقت ہے کہ بچہ ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے پھر بابا بن جاتا پھر دادا بن جاتا ہے اور بعض لوگ پردادا بھی ہو جاتے ہیں لیکن ایک دن اللہ سے ملاقات کرنا ہے اس لیے یہ دعا کیجئے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ۔

یا اللہ! میں آپ سے ملاقات کا شوقِ طلب مانگتا ہوں، یہ مطلوبِ نبوت ہے، دنیا والے مرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہائے میرا مکان، ہائے میری کار، ہائے میری شاندار مرسڈیز ہائے یہ کون لے گا؟ یہ کہاں جائے گی اور اللہ والے کس طرح مرتے ہیں۔ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تڑپ لے کر جاتے ہیں۔ مگر وہ طلب ایسی ہے جو مطلوب بشرطِ شئی ہے غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات کا شوق دے مگر وہ ایسا ہو جو مضر نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ شوق میں ہم بیمار ہو جائیں یا دماغی توازن کھو بیٹھیں۔

ایسا شوق ہو جو ہمارے جسم کو نقصان نہ دے **وَلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ** اور دوسروں کو بھی نقصان نہ دے یعنی اس سے کوئی فتنہ گمراہی کا نہ پیدا ہوا اور فتنہ گمراہی کیسے پیدا ہوگا کہ ہائے میرے اللہ! ہائے میرے اللہ! آپ کہاں ملیں گے اور سب بیوی بچوں اور کاروبار کو چھوڑ کر جنگل کو نکل گئے تو یہ دوسروں کیلئے بھی فتنہ ہے۔ یا غلبہ شوق میں زیادہ آلودۂ شوق ہو کر کوئی بدعت ایجاد کر دی جو شریعت میں جائز نہ ہو، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ ہو، مثلاً غلبہ شوق میں گانے بجانے لگے تو ایسا شوق فتنہ بن گیا، گمراہی کا سبب بن گیا۔ دیکھئے یہ کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ شوقِ ملاقاتِ الٰہی کو مقید کر دیا کہ ایسا شوق عطا ہو جو ہمارے لیے بھی مضر نہ ہو اور دوسروں کے لیے بھی مضر اور گمراہی کا باعث نہ ہو۔

(پردیس میں تذکرۂ وطن: صفحہ ۳۶۴) (خزائن الحدیث ۲۹۹)

① هذا دعاء عمار بن ياسر رضى الله عنهما الذى رواه عطاء بن السائب رحمه الله تعالىٰ۔ أخرجه أبويعلى فى مسنده (۲/۱۲۸ ط: دارالكتب العلمية) برقم (۱۶۲۱) والحاكم فى المستدرك (۷۰۶-۷۰۵/۱ ط: دارالكتب العلمية) برقم (۱۹۲۳) وروى عن زيد بن ثابت رضى الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمه وأمره أن يتعاهد أهله فى كل صباح: لبيك اللّٰهم لبيك وسعديك والخير فى يديك ومنك واليك...الخ اخرجه الحاكم فى المستدرك (۶۹۷/۱ ط: دارالكتب العلمية) برقم (۱۹۰۰)

ایک جامع ترین دعاء، نایاب نبوی موتیاں

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ، وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ وَاَسْأَلُكَ

خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَكَلِمَةَ الْإِخْلَاصِ فِی الرِّضٰی وَالْغَضَبِ، وَاَسْأَلُکَ نَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَیْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ، وَاَسْأَلُکَ الرِّضَاءَ بِالْقَضَآءِ وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ۔ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضَرَّآءِ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔ اَللّٰهُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِیْنَ۔ (۱)

مستدرک عن عامر بن یاسر، مناجات یوم الاحد صفحہ ۲۳

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ یا اللہ بوسیلہ اپنے عالم الغیب ہونے کے اور مخلوق پر قادر ہونے کے مجھے زندہ رکھ جب تیرے علم میں زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور مجھے اٹھالینا جب تیرے علم میں موت میرے حق میں بہتر ہو۔ اور میں مانگتا ہوں تجھ سے تیرا ڈر غائب و حاضر میں اور اخلاص کی بات عیش و طیش میں اور تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم تکوینی پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق اور میں تیری ذات کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں از ار دینے والی مصیبت اور گمراہ کرنے والی بلا سے۔ اے اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے اور ہمیں راہ نما راہ یاب بنا دے۔ (مستدرک عن عامر بن یاسر)

زندگی بھی خیر ہو اور موت بھی خیر ہو

اس دعا میں رب العزت کی دو عظیم صفت کا وسیلہ و واسطہ دے کر خیر و بھلائی کا سوال پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی چیز صفات الٰہیہ میں سے علم غیب جو حق جل مجدہ کی پاک ذات کے لئے خاص ہے۔ یعنی وہ تمام امور جو تمام کی تمام خلائق اور ملائک

وفرشتوں سے بھی حق تعالیٰ نے پوشیدہ رکھی ہیں اور پوشیدہ ہی ہیں اور حق تعالیٰ جب جتنی چاہتا ہے اپنی حکمت سے ان کو اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ اور علم غیب میں کیا کیا خیر وبھلائی خلّاق عالم نے اپنے بندوں کے لئے پوشیدہ رکھی ہیں اور خاص کر خزانہ غیب میں خیر الرسل، خیر النبی، امام الخیر، ھادی الخیر، خاتم المرسلین، خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو خزانہ غیب کی ہر خیر پیدا ہی کی گئی تھی اور جس کیلئے خیر امت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا، وہ نبی سراپا خیر ہی خیر ہے وہ اپنی مناجات والتجاء میں اپنی عبدیت کے اظہار کیلئے اور شانِ افتقار واحتیاج بیان کرنے کیلئے جو عاجزانہ و والہانہ اسلوب پیرایہ اختیار کیا اس میں حق جل مجدہ کی صفات میں سے علم غیب اور قدرتمطلقہ جو حق تعالیٰ کو مخلوقات پر حاصل ہے۔ ان دونوں کا وسیلہ وواسطہ دیا کیوں کہ علم غیب میں خیر وبھلائی کو حق تعالیٰ کے علاوہ کون جانتا ہے اور مخلوقات پر قدرت تام رب العزت کو ہی حاصل ہے اور ان دونوں کے ذریعہ ہی ہماری بھلائی کا دروازہ اور رحمت کا سایہ طلب کیا جا سکتا ہے تو مناجات میں دو خیر دو صفت کے ذریعہ مانگی گئی پہلی خیر زندگی اور حیات جو نیکی وبھلائی اور خیر کے حصول کا اصل منبع اور سرچشمہ ہے کہ انسان اپنی آخرت کے لئے زندگی اور حیات میں ہی ابدی صلاح وفلاح اور رشد وہدایت کی راہ اختیار کر کے رب العزت کی مغفرت ورحمت کو پا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا ومناجات میں عرض کیا کہ اس وقت تک حیات بخشارہ جب تک علم غیب میں خیر وبھلائی ہماری حیات وزندگی سے جڑی رہے، پیوست رہے، حیات وخیر کا دامن وچولی کا ساتھ رہے۔ یعنی حیات پوری کی پوری، زندگی کی ہر آن وہر شان خیر ہی خیر ہو۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ خیر وبھلائی ہی میری حیات وزندگی ہو،

اور میری زندگی تمام تر خیر و بھلائی ہی ہو۔ اور جو زندگی ہو وہ خیر ہو اور جو خیر ہو وہی میری زندگی و حیات ہو اور اس کی تائید و نصرت **بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ** آپ کے علم غیب سے ہو۔

وفات سے خیر کو وابستہ رکھنا کمالِ قدرت ربانی ہے

دوسری چیز جو طلب کی گئی ہے وہ ہے خیر و بھلائی کے ساتھ حضورِ حق کی حاضری کی التجاء و استدعا یعنی غیب و پوشیدہ کی کمال علم رکھنے والے اور مخلوق پر حیات و موت کی قدرت رکھنے والے جس طرح حیات و زندگی میں خیر و بھلائی اپنے علم و قدرت سے عطا کی جب میرے حق میں موت و ملاقات میں خیر ہو مجھے اٹھا لینا زندگی میں خیر سے وابستگی اور موت و وفات سے خیر و بھلائی وابستہ رکھنا یہ محض رب العزت کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے کہ حیات و زندگی میں اعمال خیر و افعال خیر کو وجود بخشا۔ خیر میں خلوص و للّٰہیت، رضاء الٰہی، شوقِ لقاء اللہ، تسلیم و تفویض، انابت و استغفار، رجوع و لجوء الی اللہ، ریاضت و مجاہدہ، عبادت و اطاعت، ذوق و شوق کے ساتھ اتباع سنت اور تمام وہ حرکات و سکنات، اعمال و افعال، ضمائر و سرائر، طینت و طبیعت کی طہار کے ساتھ جذبہ رضائے الٰہی کے تحت جو بھی قدم اٹھے گا یا اٹھایا جائے گا وہ سب کا سب بھی خیر ہی خیر ہے۔ زندگی میں خیر حسن خاتمہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے عملی اعتبار سے یعنی خیر کا ظہور ہوتا ہی رہتا ہے اور کلمہ خیر شہادت توحید باری کی شکل میں زندگی کے آخری لمحات میں شہادت پر ختم و مہر لگا کر لقاء اللہ کی جانب روانہ ہو جاتا ہے، اب موت میں خیر کی طلب بھی کمالِ نبوت و خاتمیتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہے، وہ یہ کہ جس لگن اور جد و جہد، ذوق و شوق اور خلوص و للّٰہیت کے ساتھ رضاء باری بتوفیق الٰہی خیر کی شکل میں بفضل الٰہی ہوتی رہی، وفات بمعنی آخروی حیات کی ابتداء بھی شہادت خیر سے ہو جائے، تو

حیاتِ دینوی کا اختتام بھی شہادت خیر پر ہو، اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رب العزت تیرے علم غیب اور مخلوقات پر جو قدرت ہے اس کا واسطہ دے کر سوال کر رہا ہوں کہ میری وفات بھی خیر و بھلائی پر ہو۔ نبی خیر نے حیات خیر کے ساتھ وفات خیر مانگ کر اشارہ کر دیا کہ جب امت میں خیر ہی خیر غالب ہو جائے تو میری وفات ہو تا کہ خیر امت میرے بعد بھی خیر پر باقی رہے۔ نبی علیہ السلام نے جو مناجات میں مانگا کہ میری وفات اس وقت تک نہ ہو جب تک کہ میری امت میں نورِ ہدایت بفیض نبوت، خیر کا غلبہ نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

حدیث شریف کی ہی روشنی میں اس کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے:

وَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔

یا اللہ اور جب تو کسی بندہ پر بلا نازل کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے اٹھا لینا، بغیر اس کے کہ میں اس بلا میں پڑوں۔ (مستدرک عن ثوبانؓ)

یا یوں تعبیر ہوسکتی ہے کہ علم غیب کے اعتبار سے **ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا** اور **سَعِیْ مَشْکُوْرًا** کر کے مجھے اٹھا لینا۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس مناجات میں سکھلایا کہ حق تعالیٰ سے حیات و زندگی کی خیر کے ساتھ موت و وفات کی بھی خیر مانگے تا کہ دونوں زندگی خیر ہی خیر ہو۔ یہاں اس دنیا میں خیر یعنی عملی و شرعی نبوی زندگی کا نمونہ ہو اور وفات بھی خیر و بھلائی پر ہو کہ کسی فتنہ و فساد اعتقادی و عملی۔ جسمانی و روحانی میں مبتلا نہ ہو۔

وفات کا خیر سے وابستہ رکھنا اور بعد الوفات بھی خیر بمعنی منجانب اللہ مغفرت و رحمت کا حاصل ہونا اور آخرت کی زندگی جو اصل زندگی اور ابدی و سرمدی زندگی ہے اس میں

خیر کا عطا کرنا رب العزت کی کمال قدرت و رحمت واسعہ کی دلیل ہے جس کو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت ہی خوبصورتی و حُسن خوبی کے انداز میں اللہ رب العزت سے طلب فرمایا اور امت کو رُشد و ہدایت کے پھل و ثمرہ کی راہ لگایا۔

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ ۔

خلوت وجلوت کی حضوری

وَاَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَهْ۔

اس نبوی و نورانی کلمہ میں حاضر و غائب، خلوت وجلوت، ظاہر و باطن، اسلام وایمان، صورت و سیرت میں کیفیت و خشیت کی یگانگت و ہم آہنگی، اعمال صالحہ میں قابلیت کی جگہ قبولیت و روحانیت کی درخواست پیش کی گئی ہے، خشیت حضوریٔ حق اور معیت باری اور حق آگاہی کا نام ہے، خشیت ایک ایمانی وایقانی کیفیت کا نام ہے جس سے ربط و تعلق مع اللہ، اور جلوت سے زیادہ خلوت میں حضوری و معیت باری کو صاحب حال غنیمت جانتا ہے اور پھر اُس کیفیت سے جلوت کو غیبوبت و خلل کے فتنہ سے فضل شاملِ حال ہو تو غفلت سے بچاتا ہے، خشیت وڈر حق تعالیٰ کی جانب سے اپنے خاص بندوں کو حضوری کی کیفیت کے لئے ایک منبہ و سپاہی ہے منجانب اللہ ایک مربی و راہبر ہے، خشیت الٰہیہ جب بندہ میں جاں گزیں ہو جاتی ہے تو وہ خیر و بھلائی کی راہ استقامت کے ساتھ جما دیتی ہے اور ہر وہ اعمال جو رضا باری کا ذریعہ و سبب ہوتا ہے خواہ نفس کو گراں ہو بسہولت رغبت و محبت کے ساتھ اطاعت و عبادت بننے لگتے ہیں شریعت پر چلنا آسان ہو جاتا ہے، قدم قدم پر فضل حق سے رہنمائی ہوتی ہے، الغرض خشیت سے شان اطاعت پیدا ہوتی ہے اور اطاعت سے حق تعالیٰ کی معرفت پیدا ہوتی ہے اور معرفت الٰہیہ سے محبت و شوق لقاء اللہ پیدا ہوتا ہے، اور محبت و شوق کی کوئی انتہا نہیں

کیوں کہ ذاتِ حق عزوجل کی صفات غیر متناہی ہیں، بندہ کا محبت وشوق اس رب العرش العظیم سے اپنے محدود تصور وخیال اور وہم وگمان میں ہوگا جبکہ وہ ذات تصور وخیال، وہم وگمان سے ورالوراء ثم وراء الوراء ہے سبحانہ سبحانہ، سبوح وقدوس۔

خشیت کی حد معصیت سے دوری ہے

ایک، دوسری مناجات میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خشیت کی حد بیان فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ۔

یا اللہ ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے۔

یعنی خشیت وڈر اس قدر ہمہ وقت ہو کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان ایک مضبوط وقوی آڑ اور حجاب ہوجائے خشیت ایک حائل وآہنی دیوار بن جائے، خشیت ربانی سے معاصی ونافرمانی معدوم ودور ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی خشیت جو معاصی سے بندہ کو دور کردے یا دور رکھے، کمالِ عظمتِ ربانی اور ہیبت الٰہی کی دلیل ہے۔ خشیت کا کمال درجہ یہ ہے کہ رب العزت کی محبت وعظمت دونوں ہی قلب پر ایسی محیط ہو کہ اعضاء جسمانی ادنیٰ درجہ کی معاصی ونافرمانی کی طرف مائل نہ ہو بلکہ زبان نبوت وخاتمیت میں بندہ اور معاصی کے درمیان حائل ہو، وصلی اللہ علی خاتم النّبیین وسلم۔

کیوں کہ قلب جو محل ومقام خشیت ہے اگر خوف وخشیت سے پُر ہو تو تمام اعضاء جسم پر خوف وخشیت باری کا ایک وجودی وروحانی اور نورانی اثر اور رحمانی ثمر کا عکس ہوگا۔ جو رشد وہدایت اور انابت وعبادت کی راہ سے شریعت واطاعت کی طرف گامزن ہوگا اور ان کا اصل سبب وہی خوف وخشیت ہوگی جو عظمت باری کے بقدر تنزیہہ وتقدیس کے

ساتھ مومن کامل کے قلب پر مواہب ربانی سے مملوو پر ہے۔ سبحانہ سبحانہ، سبوح قدوس، اس کے برخلاف خوف وخشیت سے جو قلب جس قدر خالی ہوگا۔ معاصی کا ہجوم ہوگا۔ بندہ میں غفلت آئے گی اور غفلت آئے گی تو غفلت کے بقدر دل میں سختی وشقاوت ،حرمان رحمت وہدایت، پھر عبادت واطاعت میں وحشت وبد دلی ہوگی دل جمعی وانس وطمانیت کی چاشنی کا فقدان ہوگا، شکوک وشبہات کا قطعیات والٰہیات میں پیدا ہوگا، کیوں کہ معاصی ونافرمانی تو برید الکفر ہے کفر کا ڈاکیہ ہے جیسا کہ نامحرم کا بوسہ لینا جماع کا پیش خیمہ ہے اور غنا گانا بجانا زنا کو دعوت دیتا ہے۔ اور بدنظری کا عیب عشق کو دعوت دیتا ہے اور مہلک مرض موت کو بلاتا ہے۔ الغرض معاصی ونافرمانی کے بے شمار مفاسد ومہلکات ہیں اور ان کے برے نتائج واثر سے صاحب معاصی بچ نہیں سکتا۔ نافرمانی کا اثر انسانی عقل وبدن اور دنیا وآخرت سب پر ہوتا ہے، گناہ سے عقل انسانی ایسی تباہ ہوتی ہے کہ الٰہیات وربانیات کو سمجھنے کی صلاحیت کھو جاتی ہے، بدن میں سستی وکاہلی اور کسل کی کیفیت آجاتی ہے، دنیا میں جو کسب خیر کا مقام ہے معاصی ہونے لگتی ہے اور آخرت کی تباہی تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت وجنت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ اگر معاصی نے کفر کی سرحد کو پار کر دیا تو محرومی ابدی ہے اور اگر معاصی کا وجود اطاعت کے ساتھ ہے تو......

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ،

الغرض خشیت سے دل میں نرمی اور احکام اسلام سے طمانیت وشرح صدر کی کیفیت اور حق تعالیٰ کی جانب سے توفیق وبصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا ہوتی ہے۔ جس کے اُجالے میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں اللہ تعالیٰ کے راستہ پر اڑا چلا جاتا ہے۔

اس کے برعکس و برخلاف وہ بدبخت جس کا دل خشیت سے خالی ہونے کی وجہ سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہو نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے اور نہ خیر کا کوئی قطرہ اسکے اندر گھسے، کبھی اللہ کے یاد کی توفیق نہ ہو یونہی اوھام وہوا اور رسوم وتقلید اباء کی اندھیروں میں بھٹکتا پھرے اور ظلمات و اندھیروں میں انقباض وتذبذب کی مہلک اور ابدی خسران وہلاکت کی طرف جارہا ہو دونوں برابر کبھی نہیں ہو سکتے۔ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق تعالیٰ سے خشیت مانگی جو سعادت وہدایت کی کلیدی اساس وجامع خیر وبھلائی ہے۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خشیت کو اپنی مناجات میں یوں مانگا ہے

وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِیْ۔

(کنز العمال عن ابی بن مالک رضی اللہ عنہ)

اور اپنے ڈر وخشیت کو میرے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنادے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے:

وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِیْ

یعنی اللہ آپ مجھ پر اپنی صفاتِ جلالیہ کی عظمت وہیبت اور کبریائی وجبروت اور عزت وقدرت کی تنزیہی وتقدیسی صفات ایسی منکشف وعیاں کر دیجئے۔ جس سے کمالِ خوف وخشیت سے شان عبدیت ونیاز مندی میں بھی شان خاتمیت کا مقام حاصل ہو جائے۔ یہ ایک مضبوط ومستحکم حقیقت ہے کہ جب قلب وطینت پر حق جل مجدہٗ کی صفات جلالیہ وتنزیہی کا عکس وارد ہو جائے یا رب العزت غیب سے بقدر استعداد منکشف کر دے تو بندہ پھر وارداور انکشاف سے ذات وصفات کی طرف متوجہ ومائل ہوگا جبکہ ذات حق جل مجدہ تک پہنچنے کے لئے صرف صفات ہی کا سہارا ہے، اور صفات باری تعالیٰ بھی ذات باری تعالیٰ کے مانند ازلی وابدی ہیں۔ اور بندہ تو بندہ ہے یہاں عجز ہی

عجز ہے۔قصور ہی قصور ہے۔نقص ہی نقص ہے۔عیوب ہی عیوب ہیں۔اور وہاں تعالیٰ اللہ۔وراء الوراء،ثم وراء الوراء بندہ نے جو حق تعالیٰ کی صفات وقدس،جلال وکمال، عظمت وہیبت کبریاء وجبروت،عزت وقدرت کا حق تعالیٰ کی شان کے مناسب تنزیہی وتقدیس جانا سبوح وقدوس اس سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔کہ بندہ مخلوق ہے۔ اور حق تعالیٰ خالق ہے۔بندہ خالق تعالیٰ رب العرش العظیم کے صفات کو بھی تو اپنے خُلق کے دائرہ میں جانے گا۔جبکہ اللہ خالق ہے۔بندہ کا ہر تصور وخیال جلالی ہو یا اکرامی خلق کے عیب سے متصف ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ وہم وگماں اور تصور وخیال سے بھی وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔سبحانہ سبحانہ۔سبوح قدوس۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفاتِ جلالیہ کی ہمہ گیری، ہمہ جہت طلب فرمائی تا کہ کمالِ خشیت جو مفتاح خیر وسعادت ہے،لقاء اللہ کی معین ونصیر ہو۔**واللہ اعلم وصلی اللہ علی خاتم النّبیین۔**

خشیت ایسی ہو گویا کہ اللہ رب العزت کو دیکھتا ہو

ایک دوسرے موقع پر خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العزت سے ایسی خشیت جو رؤیت ودید کی کیفیت کے وقت ہوتی ہے طلب فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَخْشَاکَ کَاَنِّیْ اَرٰکَ اَبَدًا حَتّٰی اَلْقَاکَ۔

(کنز العمال عن ابی ہریرۃؓ)

یا اللہ مجھے ایسا کردے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈرا کروں کہ گویا میں ہر وقت تجھے دیکھتا رہتا ہوں، یہاں تک تجھ سے آملوں (یعنی ملاقات ہوجائے)۔

سابقہ اوراق میں خشیت الٰہیہ پر فضل باری سے آپ پڑھ چکے ہیں،بات حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب العزت سے خشیت مانگنے کی ہورہی ہے۔وہ جو

اخشاالناس اور اخشاکم للہ ہے، وہ اپنی آہ وزاری کے ذریعہ خشیت کی ایسی کیفیت کے طالب ہیں جو دید اور مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے حضوری واستحضار کا یہ کمال رتبہ ومقام ہے کہ دیدہ باطن پر رب العزت کی ایسی خشیت ہمہ وقت وہمہ جہت، ہر آن وہر مکان، ظاہر وباطن، خلوت وجلوت میں ہر دم دائمی ودوامی ہو کہ ہر وقت رب العرش العظیم کا گویا مشاہدہ ہوتا رہے اور ذوق وشوق، لطف وسرور، اور خشیت میں ایسی حضوری ہو جو رب العزت کو دیکھتے رہنے سے پیدا ہو، یہ حقیقت احسان کی کیفیت کے استحضار کی طرف اشارہ ہے کہ خشیت باری میں رویت ودید کی کیفیت ورنگ ہو۔

پھر خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خشیت جو رویت کی کیفیت میں ہو اسی پر قناعت نہیں فرمایا بلکہ رویت سے لقاء وملاقات کی نعمت غیر متناہی کا سوال پیش کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خشیت باری معین وممد ہے رؤیت باری تعالیٰ میں۔ نیز کمال خشیت سے رؤیت کی کیفیت کا حال پیدا ہوتا ہے اور رؤیت کا صحیح وذوقی لطف وسرور لقاء اللہ اور لقاء الرحمن، لقاء باری تبارک وتعالیٰ سے ہوگا۔

اس لئے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، خشیت کو رؤیت سے اور رؤیت کو لقاء اللہ اور ملاقات سے مربوط فرمایا۔ یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ کہ کمالِ خشیت کے استحضار سے رؤیت ودید کی کیفیت کا دیدہ باطن پر عکس وپرتو پڑتا ہے اور رؤیت ودید کی انتہا ومنتہی لقاء اللہ، اور لقاء باری تعالیٰ ہے، گویا کہ لقاء اللہ کا پہلا وجودی عمل خشیت ہے اور خشیت کے دوامی کیفیت کے استحضار سے رؤیت کی احسانی صفت پیدا ہوتی ہے جس کو حدیث میں **اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ**، کہ عبادت کرو اس طرح گویا کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور یہی دنیاوی رؤیت کی کیفیت آخرت میں جاکر ملاقات ولقاء اللہ کا مظہر بنے گی۔ اور لقاء اللہ کا شرف حاصل ہوگا۔ کیوں کہ لقاء اللہ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

ظاہر سی بات ہے۔خلاّق عالم،خلاّق کون ومکاں،خلاّق عرش عظیم،کی ملاقات ولقاء ہی سرمایہ ایمان اور ایک مومن کا منتہاء فکر ونظر ہے وہ معبود ومسجود،اور محبوب ومقصود دو جہاں ہے،اس کی ملاقات کا انتظار اس کی محبت وعظمت،ہیبت وقدرت کبریاء وجبروت کی صفات جوشانِ بے نیاز کے مناسب ہو تنزیہ وتقدیس کے ساتھ،ایک مومن خشیت وڈر کے ساتھ دیدہ باطن میں موجزن رکھتا ہے اس کی جزاء لقاء اللہ حق تعالیٰ نے رکھی ہے اور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بڑھ کر دست اقدس پھیلایا ہے وہ ان کی شان عطاء ہے اور یہ ہمارے نبی کی شان نیازمندی ہے۔

قطب العالم حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کا مضمون تقویٰ سے سعادت اور معصیت سے شقاوت پیدا ہوتی ہے

وَاَسْعِدْنِیْ بِتَقْوَاکَ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ۔

(کنز العمال عن ابی ہریرہؓ)

اور مجھے تقویٰ سے سعادت دے اور مجھے شقی نہ بنا اپنی معصیت سے۔

ترجمہ سے ہی مفہوم بہت واضح ہے کہ سعادت بمعنی صلاح وفلاح دارین تقویٰ وطہارت سے نصیب ہوتی ہے۔تقویٰ کو ملاک الحسنات کہا جاتا ہے یعنی تقویٰ تمام حسنات وخیرات اور نیکیوں کی جڑ ہے اور تقویٰ دین شریعت کی اصل بنیاد ہے۔تقویٰ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ان کی شان وکبریائی کا دل پر ایسا ہمہ گیر غلبہ ورنگ ہو کہ فکر ونظر بھی شرعیت وسنت کے ہم رنگ ہو جائے،طبیعت شریعت بن جائے۔ طینت کو طہارت نصیب ہو جائے،معیت باری خلوت وجلوت میں کیفیت بن جائے، حضور حق کی حضوری ہی تقویٰ بن جائے۔غَیْبَتْ وذہول معدوم ہو جائے۔حق آگاہی حق طلبی کے لئے معین ومددگار بن جائے پھر حق پرستی وطیرہ وشعار بن جائے۔حق تعالیٰ

کی رضا وخوشی بندگی کی راہ گامزن ہو جائے حق تعالیٰ کا دھن ودھیان زندگی کی سانس بن جائے ، الغرض تقویٰ سے سعادت اور راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

اس کے خلاف معصیت سے شقادت ، یعنی نافرمانی و گناہ سے شقاوت و بدبختی ، دل کی سختی ، اعضاء و جوارح میں کسل و سستی ، کم عقلی و بد خلقی اور روز بروز بدبختی بڑھتی ہے ، راہِ ہدایت مشکل نظر آنے کے سبب رحمت کے اعمال سے وحشت ہونے لگتی ہے ، شریعت سے طبیعت کو نفرت ہونے لگتی ہے ، گناہ کی ظلمت سے قلب کی کیفیت بدلنے لگتی ہے ، حق کی راہ چلنے سے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ دین کی باتوں سے یقین کی جگہ تذبذب اور شکوک وشبہات آنے لگتے ہیں دینداروں اور اللہ والوں سے بدگمانیاں ہونے لگتی ہے اور پھر بدگمانی بدزبانی کا پیش خیمہ بن کر شقاوت و بدبختی کے تاریک ، وادیوں میں اتار کر ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے۔

حاصل حدیث

الغرض خشیت کے کمالِ استحضار سے رؤیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور رؤیت کے بعد لقاء اللہ اور لقاء رحمن متوقع ہے اور اس دنیا میں تقویٰ ، سعادت و ہدایت اور رحمتِ باری تعالیٰ کی راہ گامزن کرتا ہے اور معصیت سے شقاوٹ و بدبختی اور دل کی سختی پیدا ہوتی ہے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق جل مجدہ سے خشیت جو معین رؤیت ولقاء رحمن ہو اس کا سوال فرمایا۔

خشیت کے بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کی سیرابی

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْیَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَماً۔ وَالْاَضْرَاسِ جَمْراً۔

(کنزل العمال عن ام سعیدؓ، فیض القدیر رقم/ ۱۵۳۰)

یا اللہ، مجھے برسنے والی آنکھیں نصیب کر جو دل کو تیری خشیت کی بناء پر بہتے ہوئے آنسوؤں سے سیراب کر دیں، بغیر اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور ڈاڑہیں انگارے۔

اس مناجات کو اول سے آخر تک پڑھ جائے اور فرصت کے اوقات میں خلوت وتنہائی میں بیٹھ کر اپنی بے بسی و بے کسی اور عجز و نیاز، تواضع و انکساری کو مستحضر کر کے بارگاہ قدس کی حاضری و پیشی اور زاد و توشہ سے نامہ اعمال کی تہہ دامنی اور ذرہ ذرہ کی جواب دہی کا تصور قائم کر کے رغبت و رہبت، خوف و امید کے ملے جلے امتزاج کے ساتھ حضورِ حق میں آہ و بکا، گریہ وزاری کا نذرانہ پیش کیجئے اور اس نبوی تعبیرِ انیق کو ذوقی ووجدانی محور پر ایمانیات و یقینیات میں محسوس کیجئے۔ کبھی تو آنسوؤں کا نذرانہ بارگاہ قدس میں پیش کر کے دل کی کیفیت میں سیرابی کی لذت کا اندازہ لگائیے۔ وہ آنکھیں جو خشیت سے روتی نہیں فیض و تجلیاتِ الٰہیہ اور وارداتِ قدسیہ کی کیفیات کو کیا جانیں گی۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلماتِ طیبات بھی نبوت و خاتمیت کے شواہدات میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض آنسو کا نکلنا یا آنکھ سے آنسو کا بہنا نہیں مانگا۔ بلکہ رب العزت کی جناب میں عرض کیا کہ اول تو برسنے والی آنکھ یعنی دائمی و دوامی مسلسل وتسلسل کے ساتھ برسنے والی ہو اور اس کا بہاؤ و روانی دل کو سیراب کر دے تیری خشیت سے۔ آنسوؤں کا تسلسل ہو اور اس کے بہنے کا سبب حق تعالیٰ کی خشیت ہو اور خشیت سے دل کی سیرابی ہو یہ انوکھا اور انمول انداز و اسلوب خود دلیلِ خاتمیتِ نبوت ہے کیوں کہ اول تو آنکھ سے آنسو نکلنا آسان و سہل نہیں پھر نکلنے کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ کہیں غیر اللہ کی محبت اور اس کے حصول کی مشقت و دشواری، کہیں جان و مال کا حصول، یا اس کا زوال الغرض مختلف اسباب کے تحت انسان آنسو بہاتا پھرتا ہے۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیاوی کسی بھی اسباب کے تحت آنسوؤں کا بہانا نہیں مانگا، اگر مانگا

توخشیت کے آنسوؤں کا بہاؤں مانگا اور با مقصد بہاؤ مانگا کہ خشیت کا آنسو بھی قابل قدر ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر نبوت نے دستِ اقدس کو پھیلایا کہ خشیت سے برسنے و بہنے والا آنسو دل کو شئون نبوت اور شان خاتمیت کے بقدر سیراب کر دے کہ غیبی تمام حقائق کی تجلیات قلب پر منکشف فرمادے، تمام حجابات وموانعات جو انکشافِ انوارات میں حائل ہیں ان کو دور فرمادے، اپنی شانِ قدس کی تقدیس کا عقدہ کھول دے تا کہ عبدیت کی راہ حضورحق کی تحمید وتمجید بجالاؤں عظمت وکبریائی کی تنزیہ کا راز عیاں فرما کہ رب العزت تیری شان کے مناسب تیری تسبیح وتہلیل کا زمزمہ پیش کرسکوں۔

اَنْتَ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ، سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا۔

آنسوؤں سے دل کی سیرابی اسی وقت ممکن ہے جبکہ رحمتِ باری کی موسلا دھار بارش ہمہ وقت ہوتی رہے اور دیدہ باطن کو سیراب کرتی رہے۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توحق تعالیٰ کی جانب سے اکمل واتم وہ تمام تر قدسی عنایات وتجلیات، برکات ورحمات کا مظہر بنایا گیا تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دل نشین ودل آویز اور دل گداز مناجات اختیار فرمائی وہ امت کے لئے راہِ سلوکیات ہے تا کہ امت نبی رحمت کی مناجات کو پیش نظر رکھ کر درجات، کمالات کے حصول کے لئے جہد وسعی اور مجاہدہ کی راہ اختیار کرے اور اُن صفات وکیفیات کو اتباعِ سنت اور بفیض نبوت اخذ کرنے کی پوری کوشش کرے اور مناجات کے الفاظ سے ظاہری وباطنی برکت کو پائے۔

آنسو کی قدر وقیمت

① عن النضر بن سعد رضی اللہ عنہ قالَ، قالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، لَوْاَنَّ عبداً بَکٰی فِیْ أُمَّۃٍ لَاَ نْجَی اللّٰہُ تعالی تِلْکَ الْاُمَّۃِ مِنَ

النَّارِ بِبُكَاءِ ذٰلِكَ الْعَبْدِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ اِلَّا لَهُ وَزْنٌ وَثَوَابٌ اِلَّا الدَّمْعَةَ فَاِنَّهَا تُطْفِئُ بُحُوْراً مِنَ النَّارِ وَمَا أَغَرَ وَرَقَّتْ عَيْنٌ بِمَائِهَا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تعالى اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ تعالى جَسَدَهَا عَلَى النَّارِ فَاِنْ فَاضَتْ عَلٰى خَدِّهٖ لَمْ يَرْهَقْ وَجْهَهٗ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ۔ (اخرجہ الحکیم الترمذی)

②وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول۔ عینان لا تمسهما النار عین بکت من خشیة اللّٰہ تعالٰی وعین باتت تحرس فی سبیل اللّٰہ تعالٰی۔

③وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال! قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یلج النار رجل بکی من خشیة اللّٰہ تعالٰی حتّٰی یعود اللبن فی الضرع ولا اجتمع علی عبد غبار فی سبیل اللّٰہ تعالٰی ودخان جهنم زاد النسائی فی منخره ومسلم ابدًا۔

(روح المعانی ج ۸۔ ۱۸۰)

حضرت حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص بیٹھا رو رہا تھا، اسی دوران جبریل علیہ السلام نازل ہوئے حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فلاں شخص ہے تو حضرت جبریل نے فرمایا ہم انسانوں کے تمام اعمال کا وزن کریں گے مگر رونے کا نہیں کر سکیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایک آنسو سے جہنم کے کئی سمندر بجھا دیں گے۔

(اخرجہ احمد فی الزھد، البدور السافرہ فی امور الآخرہ) آخرت کے عجیب وغریب حالات (۳۸۲)

ہر آنسو انمول ہے

حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا، کوئی آنکھ آنسوؤں میں نہیں ڈبڈباتی، مگر اللہ تعالیٰ اس صاحب آنکھ کے جسم کو جہنم پر حرام کردیتے ہیں اور اگر آنسو کا قطرہ انسان کے رخسار پر بہہ جائے تو اس چہرہ کو ذلت اور رسوائی نہیں پہنچے گی، اگر کوئی امتوں میں رونے والا کسی امت میں رودے تو اس امت کو عذاب نہیں دیا جاتا ہر چیز کی ایک مقدار اور وزن ہے مگر ایک آنسو سے جہنم کے دریا بجھائے جائیں گے۔ اخرج البیہقی۔ حوالہ سابق

حضرت نضر بن سعد سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں کوئی اللہ کے خوف سے رونے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات عطاء فرماویں گے۔ حکیم ترمذی، گلدستہ ۴ / ۲۴۳ معارف القرآن ۵ / ۵۴۰

علماءِ دین میں خشیت کیسی ہو؟

آج سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر پڑی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے رونے والے بہت کم رہ گئے صاحبِ روح المعانی نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے رونے کے فضائل کی احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وَيَنۢبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ حَالَ الْعُلَمَاۗءِ یعنی علماء دین کا یہی حال ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ ابن جریر ابن منذر وغیرہ نے عبد الاعلیٰ تیمی کا یہ مقولہ نقل کیا ہے جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔

(معارف القرآن ۵ / ۵۴۱ روح ۸ / ۱۸۰)

خشیت تو علماء کا خاص وصف ہے صحیح عالم وہی ہے جس میں خشیت باری خلوت وجلوت میں ہو۔ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور مخلوقات عالم میں اس کے تصرفات وانقلابات اور اس کے انعامات واحسانات سے حق تعالیٰ کی معرفت کی راہ خشیت باری ہو۔ صرف

زبان دانی اور فنونِ بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا۔ عالم صحیح وہی ہے جس کو حق تعالیٰ کی معرفت ہو اور معرفت سے خشیت پیدا ہوتی ہے۔

① عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔ عن بصریؒ

② لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ، وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ كَثْرَةُ الْخَشْيَةِ

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں، بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خشیت زیادہ ہو۔ عبداللہ بن مسعودؓ - (جس قدر کسی میں حق تعالیٰ کی خشیت وڈر ہو وہ اسی درجہ کا با کمال عالم ہے)۔

③ خشیت اللہ کو کثرتِ روایت اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

④ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

⑤ مَنْ لَّمْ يَخْشَ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ۔ (ربیع بن انس رضی اللہ عنہ)

⑥ اِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ۔ (مجاهد علیہ الرحمۃ)

عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس میں خشیت ہو حاصل یہ کہ صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں جس میں خشیت نہ ہو وہ عالم ہی نہیں۔

⑦ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ خشیت حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں ہو جاتی ہے۔ جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے۔ پہلا درجہ مامور بہ اور

عالم کے لئے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل واعلیٰ ہے ضروری نہیں۔

از بیان القرآن معارف ۷/۳۳۸

مناجات میں تعلیم امت اور اسلوبِ حکمت

قَبۡلَ اَنۡ تَکُوۡنَ الدُّمُوۡعَ دَمًا وَالۡاَضۡرَاسَ جَمۡرًا

قبل اس وقت کے کہ ہو جائیں آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے۔ یعنی قیامت کے دن موقف کی ہولنا کی اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات اور شدتِ عذاب سے اہلِ معاصی پر مختلف احوال کا ظہور ہوگا اور جسمانی وروحانی تبدیلی بھی معصیت کی نحوست سے رونما ہوگی۔ جس کا بیان قرآن وحدیث میں موجود ہے مثلاً روتے روتے آنسو کا ختم ہو جانا پھر خون کے آنسو سے رونا اور آنکھ کا بھی زخمی ہو جانا۔ آنسوؤں کے بہاؤ سے رخسار پر نالہ کی طرح نہر کا خون سے بہنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو (حق تعالیٰ کی خشیت وخوف سے) روؤ اگر رونا نہیں آتا تو رونے کی شکل وہیت ہی بنالو اس لئے کہ دوزخی جہنم میں روئیں گے، یہاں تک کہ اُن کے آنسو رخسار پر بہیں گے گویا کہ نہریں ہوں گی۔ پھر ان کا آنسو ختم ہو جائے گا۔ پھر خون کے آنسوؤں سے روئیں گے تو آنکھ زخم کے مانند ہو جائے گی۔ (ترغیب: ۴/۴۹۳)

مناجات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن عذاب کی سختی وشدت سے ڈاڑھیں آگ کا انگارہ بن جائیں گی جس طرح کہ آنسو خون میں تبدیل ہو جائے گی۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ

اِنَّ اَهۡلَ النَّارِ یَبۡکُوۡنَ حَتّٰی لَوۡ اُجۡرِیَتِ السُّفُنُ فِیۡ دُمُوۡعِهِمۡ لَجَرَتۡ وَاِنَّهُمۡ لَیَبۡکُوۡنَ الدَّمَ مَکَانَ الدَّمۡعِ (رواہ الحاکم عن عبداللہ بن قیس وقال

صحیح الاسناد۔ ترغیب ۴/۴۹۳)

دوزخی روئیں گے یہاں تک کہ اگر کشتی ان کے آنسوؤں میں ڈال دی جائے تو چلنے لگے اور آنسو کی جگہ خون سے روئیں گے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ بِنُوۡرِ وَجۡھِکَ الۡکَرِیۡمِ

اور ڈاڑھ دانت احد پہاڑ کے برابر، اور دونوں کندھوں کے درمیان مسافت تیز قدم چلنے والے شخص کے لئے تین دن کے برابر۔ (بخاری و مسلم)

کان کی لو اور کندھے کے درمیان کی مسافت سات سو سال کے برابر، اور جسم پر کھال کا موٹا پا ستر ہاتھ۔ (احمد و طبرانی)

زبان کی لمبائی دو فرسخ، اور بیٹھنے کے لئے جگہ مکہ و مدینہ کے درمیان کی مسافت، الغرض وہاں عالم آخرت میں پہنچ کر سب چیزیں اس عالم کے عذاب و عقاب کے مناسب کردی جائیں گے تاکہ عذاب کی سختی و شدت کو جھیل سکے۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ بِفَضۡلِہٖ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

اس مناجات میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا ہے اس سے تو آپ کو پہلے ہی امن و امان کی خوشخبری سنادی گئی تھی بلکہ آپ تو دوسروں کو امن و امان اور عذاب و عقاب سے نجات دلانے والے ہیں اس لئے امت کو از راہ عنایت و رحمت تعلیم دی اور غیب کے امورِ آخرت کو منکشف فرما کر امت پر شفقت فرمایا کہ امت غفلت میں نہ رہے اور ان امور کو جو نبی رحمت سے کھول کر بیان کردیا مستحضر رکھے اور مناجات میں جب ان الفاظ نبوی کو دل و زبان کی یگانگت سے دہرائے گی تو ضرور بفیض نبوت اور اتباع سنت کی بناء پر خشیت و خوف سے روئے گی اور پھر امت کو وہ

سیرابی ملے گی جو اس کے نبی خاتم نے حق تعالیٰ سے مانگی تھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امت اتباعِ سنت کی راہ قدم بقدم نبی رحمت کے چلتی رہے اور فیض یاب ہوتی رہے۔

اس میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ عادۃ خشیت کی کیفیت سے امت میں آنسو پیدا نہیں ہو پاتی جو مسلسل برستی و بہتی رہے، اس لئے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم آخرت کی ایسی کیفیت جو دل کو دہلا دے اور آنکھ کو برسا دے اور آنسوؤں کی قطار و دھاریاں لگ جائے۔ گویا فکرِ آخرت کے لئے تذکیر اور ترغیب و ترہیب کا یہ ایک نبوی بلیغ اسلوب و پیرایہ ہے جس سے عملی طور پر خشیت کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ انسان مناجات میں عجز و نیاز اور بے کسی و بے بسی اور آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر اس کیفیت میں ذوقی طور پر محو ہو کر بلبلانے لگے۔

الغرض حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا میں امت کو تعلیم دی ہے ورنہ آپ تو اعظم آمنین ہیں احلی فرحین اور رب العزت کے اقرب الاقربین ہیں۔ خوف وخشیت سے ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر قرآن کریم کے تلاوت کے وقت کی جو کیفیت اہل ایمان پر ہوتی ہے اس کا بیان بہت ہی خوبصورت اسلوب میں کیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ (سورۃ الزمر)

اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دوھرائی ہوئی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں

اور ان کے دل اللہ کی یاد پر یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سمجھانے والا۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی کتاب اللہ سن کر اللہ کے خوف اور اس کے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں، مطلب یہ کہ خوف ورعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب وقالب اور ظاہر وباطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے، اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ حال اقویائے کاملین ہوا، اگر کبھی ضعفاء وناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات واحوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی ، اور نہ ان کی تفضیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مُصرَّح ہے۔ (واللہ اعلم۔ تفسیر عثمانی)

عیش وطیش میں اخلاص کا سوال

وَاَسْأَلُکَ کَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ فِی الرِّضٰی وَالْغَضَبِ

اور میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اخلاص کی بات حالت عیش وطیش میں۔

انسان کی دو ہی حالت ہوتی ہے خوشی ومسرت کی یا غضب وغصہ کی، مناجات کے اس جملہ میں ہر دو حالت میں حق وصواب اور اخلاص وللّٰہیت کا سوال کیا گیا ہے تا کہ راہِ حق اور رب تبارک وتعالیٰ کی مرضیات اور خیر سے بندہ ہٹ نہ سکے، کیوں کہ جو حق تعالیٰ کی رضاء کا طالب ہوگا اور حق کی جستجو زندگی کا نصب العین متعین کر چکا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے رب کو ناراض کرنا نہیں چاہتا، اور جس طرح خوشی وشادمانی اور فرحت

ومسرت کے وقت زبان پر مکمل ہوش وگوش کے ساتھ قابو رکھتا ہے اور اپنی خوشی پر حق تعالیٰ کی خوشی کو مقدم رکھ کر ہی خوش وخرم رہتا ہے، اپنی خوشی کو حق تعالیٰ کی خوشی میں فنا کر چکا ہے۔ رضائے حق کی فنائیت ایسی غالب ہو کہ لوگوں کے ساتھ جو بھی معاملات ہوں اس میں کسی قسم کی دوہری پالیسی اور نفاق ومداہنت نہ ہو، جو بھی ہو مبنی بر حقیقت ودرست ہو۔ اسی طرح حالتِ غضب وغصہ میں جبکہ عادۃً آدمی راہِ اعتدال اور صحیح وحق پر جم نہیں پاتا اس مناجات میں اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا ہے کہ وہ عقل وفہم پر حق کو غالب فرمادے تاکہ باطل وناحق کی راہ بندہ نہ جاسکے اور جس حالت میں لوگوں پر حق وصواب کی راہ اختیار کرنا مشکل ودشوار ہو تو اس وقت بھی آپ کی عظمت وخشیت اخلاص کے ساتھ حق وصواب کی راہ جمادے کہ غضب وغصہ کے وقت بھی زبان پر حق اخلاص کے ساتھ تیری رضا کے حصول کا ذریعہ وسبب بنے۔

ظفر کا شعر ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہے جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تنگی وکشادگی میں میانہ روی واعتدال

وَاَسْأَلُکَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی

اور یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں تنگی اور کشادگی میں میانہ روی کا۔

یعنی معاشی اعتبار سے دو ہی حالت میں انسان ہوتا ہے یا تو تنگی کا شکار ہوتا ہے یا فراخی وکشادگی کی حالت میں ہوتا ہے، معاش کی تنگی اکثر معاد سے لاپرواہی اور دوسری غفلتوں میں گھر کر دینی اور اُخروی اعمال سے آدمی کٹ جاتا ہے یا کم از کم انتشار کا شکار

ہو جاتا ہے پھر خشوع و خضوع کو بحال نہیں رکھ پاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا فقر و تنگدستی بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح مال کی فراوانی و بہتات انسان کو اسراف و بے جا فضول خرچی کی راہ پر لگا دیتی ہے، پیسہ کا غرور و نشہ فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے اور نہ معلوم کن کن تباہیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے مناجات میں حق تعالیٰ سے میانہ روی اور اعتدال و توسط کو مانگا گیا ہے نہ ایسی قلت و تنگی ہو جو ذلت و معصیت کا سبب ہو نہ ایسا اسراف و فضول خرچی ہو جو شریعت میں قبیح و مذموم ہو۔ میانہ روی شریعت میں مطلوب و محبوب ہے۔ جو کام حسن و خوبی کے ساتھ بغیر کسی بخل کے سورو پیہ میں ہو سکتا ہے شریعت میں اس کو اقتصاد کہا جاتا ہے اور اسی کام کو سو روپیہ کی جگہ مال کی نمائش اور اپنی مالی برتری اور جاہ و رتبہ کی نفس پرستی کے لئے ہزار میں کیا جائے اسراف و تبذیر ہے جو شرعاً قطعاً ممنوع ہے۔ آج کیا عوام اور کیا خواص۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔

خاص کر تقریبات و شادی بیاہ کے مواقع پر مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور پھر اس کی نحوست و بے برکتی شادی کے بعد دونوں خاندان میں ہوتی ہے جس پر کسی کی نگاہ نہیں جاتی کہ یہ بے برکتی اور تنازع اُس نحوست کا اثر ہے جو شادیوں میں اپنایا گیا تھا۔ نکاح عبادت ہے جو سنت سے مقبولِ بارگاہ ہو کر بابرکت ہوتا ہے۔ سنت کی مخالفت میں سراسر نحوست وظلمت ہے اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اس لئے میانہ روی کو اپنائیے اور برکت پائیے۔ اب تو وہ دینی مقتدا اور رہنما بھی جن کے ہاتھوں پر لاکھوں تائب ہوتے ہیں ان کی شادیاں بھی نامور ہوٹلوں میں ہوتی ہیں اور سنت کا تصور محض بیان و خطاب میں رہ گیا ہے عملی اسوۂ نبوی کا نمونہ کے لئے رجالِ غیب کا انتظار کیجئے۔

دائمی نعمت کا سوال

وَاَسْأَلُکَ نَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ - اور میں سوال کرتا ہوں تجھ سے ایسی نعمت جو ختم نہ ہو۔

اس دنیا میں جو کچھ بھی انسان کے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے باقی رہے گا۔ یعنی جو کچھ مال و متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کے رحمت کے خزانے کبھی بھی فنا نہیں ہوں گے۔ جب کبھی بھی اللہ باقی سے کچھ مانگو تو آخرت کی باقی نعمتوں کو مانگو۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باقی تعالیٰ سے باقی رہنے والی نعمتوں کا سوال کیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور ضرر پہنچاتا ہے تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی دنیا پر ترجیح دو۔ (آخرت کو پسند کرو دنیا کی پرواہ مت کرو) (رواہ الحاکم واحمد۔ گلدستہ ۴/ ۱۱۳)

ایمان و اعمال صالحہ، باقیات و صالحات ہیں، اجر و ثواب باقیات و صالحات ہیں عبادات ہوں یا معاملات اہل ایمان کے لئے باقیات و صالحات ہیں الغرض تمام اعمال و افعال، حرکات و سکنات شریعتِ نبوی کی برکت سے باقیات ہیں۔ لہٰذا باقی کے مقابلہ میں فانی کو ترجیح دینا اور اختیار کرنا سخت نادانی و حرماں نصیبی ہے۔ بہت ہی سیدھی و سادی بات ہے کہ غیر اور دوسرے جن اعمال و افعال کو عادتاً کرتے ہیں اہل ایمان انہی اعمال و افعال کو عبادتاً کریں پھر سب کا سب باقیات و صالحات ہو جائیں گی۔ اور نَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ کا مصداق بن جائیں گی۔ نیت کے امالہ سے ہر عمل صالح بن جاتا ہے اور اُن کے ثمرات و نتائج اہل ایمان کو آخرت میں دائمی ملیں گے یہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا جَمِیْعاً۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

آنکھ کی ٹھنڈک اولاد وازواج اور نماز

وَاَسْأَلُکَ قُرَّۃَ عَیْنٍ لَا تَنْقَطِعُ

اور میں سوال کرتا ہوں ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے

یعنی سدا او دوام پذیر آنکھوں کی ٹھنڈک ہو قرۃ عین سے مراد نیک وصالح بیوی و بچے بھی ہوسکتے ہیں کیوں کہ قرآن مجید کے سورۃ فرقان کی آیت میں ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا

اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو، اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل وعیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے، دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حسن بصریؒ کی تفسیر کے مطابق اولاد وازواج کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول دیکھے یہی ایک انسان کے لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد وازواج کی ظاہری صحت وعافیت اور خوشحالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے اللہ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں

کر لیتے بلکہ اپنی اولاد و ازواج کی بھی اصلاح اور اعمال صالحہ کی فکر کرتے ہیں، اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں، اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے۔ (معارف القرآن ۷/۵۰۹)

بعض حضرات نے قرۃ عین یعنی آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد نماز لیا ہے۔ کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ** کہ میرے آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ ظاہری بات ہے نماز اہمِ امورِ دین واسلام ہے، نماز مومن کی معراج، اور حق تعالیٰ کی ملاقات وہم کلامی کا ذریعہ اور حضورِ حق کی حاضری کا وسیلہ ہے، نماز کا تحفہ عرش پر بلا کر عطا ہوا تھا۔ اور ایمان و کفر کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ اسلام وایمان کی علامت وشعار ہے، قربِ ربانی کا وسیلہ اور اہم تریں رشد و ہدایت کا ضامن و کفیل ہے۔ اللہ خشوع وخضوع والی، احسان وایقان والی نماز عطا فرمائے گویا خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی دائمی وحتمی صفت کا رب العزت سے سوال کیا۔ پنج وقتہ فرائض سے پہلے اور بعد میں سنن ونوافل، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، تحیۃ الغسل، اشراق و چاشت، اوابین وتہجد، نماز حاجت، صلوٰۃ استخارہ، نماز کسوف، نماز خسوف یہ تمام کی تمام **قُرَّةَ اَعْيُنٍ لَّا تَنْقَطِعُ** کی جیتی جاگتی وضاحت ہے کہ آپ کو نماز سے کتنا شغف وانہماک تھا۔ **اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ** بھی **قُرَّةَ اَعْيُنٍ** کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

رضا بالقضاء کا سوال

وَاَسْأَلُكَ الرِّضَا بِالْقَضَاءِ،

اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم تکوینی پر رضامند رہنا۔

حق جل مجدہ کی لاتعداد نعمتیں اہل ایمان وایقان کو ملی ہیں اُن نعمتوں میں ایک عظیم ذوقی وتسلیمی نعمت رب العزت کی جانب سے جو ازل میں بندہ کے لئے علیم وخبیر نے

اپنے علم ازلی وابدی سے لکھ دیا اس پر رضا مند رہنا۔ خوش وخرم رہنا، اور مقدراتِ ازلی کو جس کا ظہور گاہ، گاہ، قدم بقدم، پوری حیات وزندگی میں ہوگا اور اپنے وقت پر ہوتا رہے گا، اس کو خوش دلی اور بسط وطلاقت اور انبساط وابتسام کے ساتھ قبول کر کے راہِ تسلیم ورضاء عبدیت کی تکمیل کے لئے حق تعالیٰ کو خوش رکھنا اور رب العزت کی خوشی ورضا کی جستجو میں رہنا اور زندگی میں تمام کی تمام تلخی وترشی کو بھی اسی طرح قبول کرنا جس طرح خوشی وشادمانی کو قبول کیا تھا۔ اور اسی طرح مسرت وفرحت کا بحال رہنا جس طرح مہر ومہربانی کے عالم میں تھا۔

قہر سجن گاہ گاہ مہر سجن دم بدم
ای بھی سجن واہ واہ او بھی سجن واہ واہ

بندہ جب اللہ تعالیٰ کی توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال پر ایمان لے آتا ہے تو اس کو یہ نعمت از راہ عنایت ملتی ہے کہ حق تعالیٰ رحمن ورحیم، ارحم الراحمین رحیم الرحماء۔ کریم الکرماء ہیں وہ ہمارے لئے خیر ہی کا فیصلہ کریں گے اور موارد سوء اور مواقع سوء سے ہماری حفاظت کا فیصلہ کیا ہوگا اور ان کے ہر فیصلہ میں ہمارے لئے خیر ہی ہے تو پھر خیر سے راضی رہنا عقل مندوں کا ہی شیوہ ہے اس طرح رضا بالقضاء آسان وسھل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بڑی تسلی وخوشی ہے غم سے نجات کا یہی طریقہ ہے۔

عارف باللہ حضرت شاذلیؒ کا فرمان

حضرت عارف شاذلیؒ نے فرمایا کہ بلاء تمام کی تمام تین چیزوں میں جمع ہے۔ مخلوق کا خوف، روزی وروٹی کا غم، اور خواہشاتِ نفس کی پیروی۔ اور خیر وعافیت سب کی سب تین چیزوں میں جمع ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات پر وثوق واعتماد کامل ہو تمام چیزوں میں، اس سے عافیت وراحت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے تمام حالات میں راضی وخوش

رہنا، کیوں کہ مرضی مولا کے سوا کچھ بھی نہیں، حالات واحوال کو بھیجنے والا میرا رحیم وکریم مالک دو جہاں ہے۔ اور لوگوں کے شر وفساد سے حتی الامکان بچ کر رہنا، اس میں تمام عافیت وراحت چھپی ہوئی ہے الغرض حالات جو بھی ہوں مقدر کی وجہ سے طبیعت کو مکدر نہ کرنا ایمان اور رضا بالقضاء کا مقام ہے۔

موت کے بعد خوش عیشی

وَاَسْأَلُکَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ،

اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں موت کے بعد خوشی عیشی۔

اس کلمہ میں بڑی گہرائی وگیرائی ہے، نبوت جب امور آخرت کے کسی بھی منازل کی ترجمانی کرتی ہے تو حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے خوب سے خوب تر تعبیر واسلوب انکشافِ حقیقت کے لئے اختیار و بیان کرتی ہے تا کہ سننے والا یا پڑھنے والا موت اور موت کے بعد والی زندگی سے متوحش نہ ہو بلکہ خوبصورت نبوی بول سے آخرت کی طرف رغبت وشوق سے متوجہ ہو اور آنے سے پہلے نبوی بشارت سے شاد ہو جائے۔ آخرت کی دعوت بھی خوبصورت پیرایہ میں دینا یہ بھی نبوت وخاتمیت کا خاصہ ہے وصلی اللہ علیہ و سلم تسلیما، اس مناجات میں خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ سے مانگا ہے کہ ہماری روح کو سعداء کے مقام علیا تک پہنچادے اور مقربین کے مقامات اعلیٰ کے رتبہ تک فائز فرمادے کہ آخرت کی خوش عیشی اور موت یعنی اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد والی زندگی بردالعیش مزے دار پُر لطف، پرسکون اور پُر اطمینان فرحت وراحت بخش ہو اور آخرت کی میری زندگی آپ کی رحمتِ واسعہ کے ظہور کا مظہر اتم واکمل ہو، آپ کی جانب سے روح وریحان اور جنتِ نعیم کا فیضان واحسان ہو، مدام ودوام رحمت کا سایہ بے گمان منجانب رحمن ہو، ہر عنایت پر جان ودل قربان ہو۔

بر د العیش والی زندگی پر اللہ کی حمد برزبان ہو۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

حق جل مجدہ کے دیدار کی لذت وسیرابی

وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ

اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے دیدار کی لذت کا۔

اس مناجات میں خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق جل مجدہ کے دیدار کی لذت وسیرابی کا سوال کیا ہے، قیامت کے دن اہل ایمان کے چہرے تروتازہ، ہشاش بشاش ہونگے اوران کی آنکھیں رب العزت کے دیدارِ مبارک سے روشن ہوں گی کیوں کہ وہ مومنین کا معبود حقیقی، مسجود حقیقی، مقصود حقیقی تھا اور آج دیدار کے وقت محبوب حقیقی کے صفات جمالیہ کے دیدار کی لذت سے مسرور ہوگا اس دعا میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ یا اللہ آپ اپنی تجلی ذاتی ابدی سے نواز دیجئے۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ وہ لوگ جن کو حق تعالیٰ کا دائمی وصل حاصل ہے اور لمحہ بھر بھی اس دنیا میں رب تبارک وتعالیٰ سے غیبوبت نہیں اور حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ وجمالیہ کے تنزیہی وتقدیسی شان کبریائی کی تسبیح وتحمید میں ہمہ وقت مشغول ومنہمک ہیں اوران پر وارِدِ غیبی کا فیض آتا ہے اوران کو وصالِ حق حاصل ہے اوراُن کو قرب کی نعمت مل چکی ہے۔ مگر چونکہ یہ دنیا ہے یہاں دیدار کی قابلیت نہیں اس لئے دیدار میسر نہیں اور جو قرب ووصال میسر تھا وہ بھی تمام کیفیات وجہات اور اعتبارات سے پاک قرب ووصل تھا۔ اس لئے لامحالہ ضرور بالضرور آخرت میں جو تمام کی تمام حقیقت ہی حقیقت کا عالم ہوگا وہاں حق تعالیٰ کی جانب سے حجابات وموانعات، تمام قیود وحدود کو ہٹا کر باری تعالیٰ عزوجل، سبوح وقدوس دیدار کرائیں گے۔

دیدارِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ چاہتے ہو کہ بڑھا دوں؟ وہ کہیں گے رب العزت آپ نے ہمارے چہرے سفید و نورانی کر دیئے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ اسی وقت حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور اہل جنت کی نگاہیں جمالِ باری تعالیٰ سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی، سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا اسی کو آیت میں لفظ زیادۃ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ

یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار باری تعالیٰ بھی۔

(گلدستہ ۷/ ۳۸۲ الحدیث القدسیہ نمبر ۳۹۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان دار قیامت کے عرصات و میدان میں اور جنت میں حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف کئے جائیں گے۔ (مسلم)

یوم المزید اور دیدار کے مختلف درجات

اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ چہرے کو دیکھیں گے، (ترمذی، ابن کثیر، بعض کو ہر حال میں ہر وقت رہے گی۔) بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہر جمعہ کو ہوگا۔ اور بعض کو ہفتہ میں دو بار ہوگا۔ بعض لوگوں کو عید کی مقدار کے برابر دیدار ہوگا یعنی سال میں دو بار۔ اور بعض کو روزانہ دو بار صبح و شام دیدار ہوگا۔ نیز جمعہ کے دن دیدار الٰہی کی نعمت جنت میں حاصل ہوگی اسلئے جمعہ کو یوم المزید کہا

جائے گا۔ الغرض حق تعالیٰ کا دیدار تمام قیود وشرائط سے بے نیاز ہوگا نہ کسی جہت اور سمت سے اس کا تعلق ہوگا نہ کسی خاص شکل وصورت اور ہیئت سے سبحانہ سبحانہ، سبوح وقدوس، ہم تو اس کے مشتاق ہیں۔

اچانک حق جل مجدہ کی تجلی کی جلوہ نمائی

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فِیْ نَعِیْمِھِمْ اِذْ سَطَعَ لَھُمْ نُوْرٌ، یَرْفَعُوْا رُءُوْسَھُمْ، فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَیْھِمْ مِنْ فَوْقِھِمْ، فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ ،قَالَ وَذٰلِکَ قَوْلُ اللّٰہِ، سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍ الرَّحِیْمٍ، قَالَ فَیَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ حَتّٰی یُحْجَبُ عَنْھُمْ وَیَبْقٰی نُوْرُہٗ وَبَرَکَتُہٗ عَلَیْھِمْ فِیْ دِیَارِھِمْ۔

(ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا، دارقطنی، الاحادیث القدسیہ رقم ۳۹۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت والے اپنی نعیم وراحت میں ہوں گے۔ کہ اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا، جنتی سر اٹھا کر دیکھیں گے تو رب العزت ان کے اوپر سے جلوہ افگن ہوگا اور فرمائے گا اے جنت والو تم پر سلام ہو، آیت **سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍ الرَّحِیْمٍ** کا یہی مفہوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر حق تعالیٰ ان کی طرف اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے جب تک حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دیکھیں گے، کسی دوسری طرف توجہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان سے حجاب وپردہ فرمائے گا۔ مگر ان کی نورانیت وبرکت اہل جنت پر ان کے ٹھکانوں وجنت کے مکانوں میں باقی رہے گی۔

رب العزت کا دیدار جنت میں انہیں آنکھوں سے ہوگا

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ﴿۲۳﴾ (سورۃ القیمۃ)

کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔(شیخ الہندؒ)

یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ اور ہشاش وبشاش ہوں گے اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہوں گی۔قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں۔یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ ھٰذِہِ النِّعْمَۃَ الَّتِیْ لَیْسَ فَوْقَھَا نِعْمَۃٌ (تفسیر عثمانیؒ)

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاظِرَہ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَہ۔

بمعنی تروتازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش وبشاش تروتازہ ہونگے۔**اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃ** یعنی یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے،اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور سب علماء وفقہاء کا اجماع ہے۔صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات میں۔(معارف القرآن ۸/۶۲۷)

حجاب اٹھ جانے کے بعد دیدارِ الٰہی کی لذت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں

ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

فَیُکْشَفُ الْحِجَابُ، فَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ۔ فَوَاللّٰہِ مَا اَعْطَاھُمُ اللّٰہُ شَیْئاً أَحَبُّ اِلَیْھِمْ مِنَ النَّظَرِ یَعْنِیْ اِلَیْہِ، وَلاَ أَقَرَّ لِاَعْیُنِھِمْ۔

(ابن ماجہ عن صہیب،الاحادیث القدسیہ رقم ۳۹۵)

رب العزت اور مومنین کے درمیان پردہ اور حجاب کو ہٹا دیا جائے گا تو اہل جنت رب العزت کے جمال باری کو دیکھیں گے (اور اسی لذت سے مسرور ومحفوظ ہوں گے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مشاہداتِ ذوقی اور اس میں لذت وسرور شان کبریائی

کے مناسب فیضان سے عطاء ہوگی اس میں جمالی واکرامی برکتوں رحمتوں کا افاضہ ومشاہدہ ہوگا) خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو دیدار باری تعالیٰ سے بڑی محبوب چیز نہیں عطا ہوئی ہوگی۔ (یعنی حق تعالیٰ کی جناب سے دید ودیدار سے زیادہ محبوب چیز ان کو عطاء نہیں ہوئی اور سب سے زیادہ محبوب اہل جنت کو دیدار باری کی لذت ولطف وسرور ہوگا)۔

اور نہ آنکھ کی ٹھنڈک یعنی حق تعالیٰ کی رؤیت کی لذت میں جو آنکھ کی ٹھنڈک ہوگی اس سے بڑھ کر ان کو جنت میں دوسری چیز محبوب نہیں ہوگی۔ مناجات میں جو مانگا گیا ہے کہ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ اس کی کچھ وضاحت اس حدیث سے ہو جاتی ہے کہ اہل جنت جب رب العزت جل مجدہ کو دیکھیں گے تو اس وقت جو دید ودیدار میں ان کو لذت وسرور ہوگا وہ قیام جنت کے اندر سب سے محبوب لمحہ ووقت ہوگا اور اس سے جو ان کو آنکھ کی ٹھنڈک نصیب ہوگی جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ فرحت ومسرت بخش اور سکون وسرور کا باعث ہوگا۔ ظاہری بات ہے:

خَلَّاقِ عَالَمْ، رَبَّ الْعَرْشَ الْكَرِيْمْ ، سُبُّوْح وَقُدُّوْس، جَبَّارُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض، اَوَّلُ وآخِرْ، ظَاهِرُ وَبَاطِنُ، نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، حَيُّى وقَيُّوْم، خَلْقُ وامْر . . .

......کا مالک اپنی جلوہ نمائی اور جمال آرائی کرائے گا۔ خالق مخلوق کے موحدین کو اپنی احدیت وصمدیت اور ربوبیت والوھیت کا مشاہدہ کرائے گا۔ اس سے بڑھ کر اہل توحید کے لئے اور کوئی نعمت نہیں ہوسکتی اور اس دید کے وقت کی لذت وفرحت سے بڑھ کر کوئی لذت ومسرت ہوسکتی ہے؟ ابن ماجہ میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس کے الفاظ ہیں۔

فَلاَ یَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِنَ النَّعِیْمِ مَادَامُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ۔

یعنی وہ جس وقت حق جل مجدہ کو دیکھیں گے اور کسی نعمت کی طرف نظر بھی نہیں اٹھائیں گے۔ حق تعالیٰ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہی دیکھتے رہیں گے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بھی حق تعالیٰ کی لذتِ دید کا حق ہے کہ اس وقت اور کسی طرف میلان بھی نہ ہو اور نظر بھی نہ ہٹے۔ نظر جمی کی جمی رہ جائے۔ اور فیض و برکت کا یہ اثر ہوگا کہ حجاب و پردہ کے بعد بھی **نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ** کا نور اور برکت و رحمت دیدار کرنے والوں پر ان کے جنت کے ٹھکانوں میں باقی تعالیٰ کی جانب سے اہل جنت پر باقی و دائم رہے گا۔

سُبْحَانَکَ مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَمَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ فَاغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَااَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلاَّ اَنْتَ۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لذۃ النظر سے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ قیامت کے ہیبت ناک دن باری تعالیٰ کی جانب یا تو لوگ ہیبت و جلال سے دیکھیں گے یا پھر لطف و جمال سے۔ رب العزت کی دونوں شان کا ظہور خلائق پر ہوگا کچھ لوگوں پر شان جلالی کا خوف و ہیبت ہوگا وہ لرزاں و ترساں ہوں گے، اور کچھ لوگوں پر شان جمالی کا سایہ رحمت و برکت ہوگا وہ حق تعالیٰ کو لطف و جمال سے دیکھیں گے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا کہ یا اللہ آپ کی طرف لطف و جمال کی نظرِ لذت ہو کہ شانِ جمالی و اکرامی ہی ہمارے دیدار و دید کا محور ہو، اور لذتِ نظر کا باعث آپ کی رحمت ہی رحمت ہو کیوں کہ لذت، لطف و رحمت کے عالم میں ہوگی نہ کہ ہیبت و جلال میں۔

لٰہذا الذت نظر دیدار کے وقت ذوق وشوق، سرور وسکون، راحت ومسرت، برکت ورحمت شان جمالی کے مناسب ہے نیز لطف وجمال سے ہی لذت نصیب ہوگی کہ ہیبت میں لذت نہیں ہوتی خوف ووحشت کی حالت ہوتی ہے۔

علامہ طیبیؒ کی رائے

علّامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے کہ سعادت وکرامت کی اعلیٰ صورت رؤیتِ باری اور لذتِ نظر ہے۔تو ان تمام سعادتوں کا سبب حق تعالیٰ کی شان کے مناسب ان کی جمالی واکرامی صفات کو ملحوظ رکھ کر لطف وجمال کے ساتھ جب دیکھے گا۔تو لذتِ نظر حق تعالیٰ کی دید ودیدار سے میسر ہوگا۔اور وہ ایسی پُر کیف وپُر مسرت اور محویت وانہماک کے عالم میں ہوگی کہ صاحبِ دید، دیدار کی لذت میں ایسا کھو جائے گا کہ وہ کسی اور جانب التفات بھی نہ کرے گا نہ ہی اس سے زیادہ اس کو کوئی دوسری چیز محبوب ہوگی نہ ہی آنکھ کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہوگی اور یہ حق تعالیٰ کی شان کو ہی زیب دیتا ہے اور اس کا حق بھی ہے۔کہ اس کی دید ودیدار کے وقت دوسرے کا وہم وگمان بھی نہ ہو سبحانہ سبحانہ، سبوح قدوس واللہ اعلم۔

لقاء ووصالِ حق کی تڑپ

وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ......اور تڑپ تیرے وصال کی، اور تیری دید کا شوق، اور تیری ملاقات کا شوق۔حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا وآخرت دونوں کی سب سے انوکھی اور انمول چیز مانگی ہے ایک مومن کامل اور عاف باللہ کا آخری مقصد حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول ہوتا ہے۔امام الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمارے سوچ اور فہم وادراک سے بھی بلند تر اعلیٰ وبالا ہیں اس لئے رضاء سے بھی ارفع واطیب، بلند تر اور پاکیزہ ولطیف، جمالِ حق، سبوح وقدوس کی لذتِ دید ودیدار کا مشاہدہ اور شوقِ

وصال وملاقات کی تڑپ اور انہماک کے ساتھ طلب وجستجو کا سوال کیا ہے۔

ان دونوں جملوں میں عجیب نبوت وخاتمیت کا اسلوب وپیرایہ اور تعبیر کا نادر وبلیغ اعجاز اختیار کیا گیا ہے، وصلی اللہ علیٰ خاتم النّبیین وسلم تسلیماً کثیراً کثیرًا لذتِ نظر حق تعالیٰ کے بزرگ وبرتر، مبارک چہرہ کو دیکھتے وقت ایک مشاہداتی حقیقت ہوگی، جو آخرت میں نصیب ہوگی اور شوقِ وصال یا وصال حق کی تڑپ یا ملاقات کا شوق تو آج اس دنیا میں اللہ والوں کے دل وجان کا سرمایہ حیات اور خلوت وجلوت میں حضورِ حق کی حضوری کے پیش نظر خلوص وللّٰہیت کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے۔ اور یہ دونوں کیفیت دونوں جہان کی سب سے اطیب والطف ہے، تاہم اس دنیاوی زندگی میں شوقِ لقاء اللہ سے عملی جدوجہد میں استقامت، ریاضت ومجاہدہ میں دل جمعی، رُشد وہدایت کی راہ اور اتباع سنت کی توفیق ظاہر وباطن میں خلوص وللّٰہیت کی یگانگت، اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی اور اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرٰی کی کیفیت کا استحضار اور اس قسم کی حضوری ومعیت سے شوقِ لقاء اللہ کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (کہف) میں بیان کیا گیا ہے اور آپ ماضی کے اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ نیز ایک دوسرا لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بزرگ وبرتر چہرے کی دید سے لذت نظر ہوگی اور لذتِ نظر سے شوقِ ملاقات ووصال بے کیف وجہت کی تڑپ وطلب ہوگی یعنی رؤیت باری سے لذت نظر تو ہوگی ہی ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے قدم بڑھا کر لقاء اللہ کا سوال پیش کیا ہے جو رؤیت کے بعد کا مقام ومرتبہ ہے، اور یہ سب کا سب اُس عالم کی باتیں ہیں جہاں غیب وحجاب کا پردہ ہٹا کر مشاہدہ ہی مشاہدہ ہوگا۔ مگر ہوگا سب تنزیہہ وتقدیس کے آئینہ میں، خالق کی شان کبریائی کے مناسب جلوہ نمائی

ہوگی اور بندہ کی عبدیت کے مناسب لذتِ نظر اور شوقِ لقاء کی سیرابی ہوگی۔ اس سے زیادہ لکھنے کی نہ ہمت ہے اور نہ جرأت وہاں جو لکھا گیا۔ جو سنا گیا، جو پڑھا گیا اس سے بلند و بالا سب حقیقت ہی حقیقت ہوگی، سب حال ہوگا، کیف ہوگا، روحانیات پر وجدو یافت ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَاءِکَ، بِنُوْرِ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَبِفَضْلِکَ الْعَظِیْمِ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔

جو آسکتا نہیں وہم و گماں میں
اسے کیا پاسکیں لفظ و معانی
ہوگیا محو کچھ اس طرح دید میں
اب حضوری میں ہوش حضوری نہ رہی
تیری قربت میں پوشیدہ بہار کیف جنت ہے
تڑپنا ہجر میں تیرے محبت کی ضمانت ہے

مشاہدۂ حق کی منظر کشی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان تعبد اللہ کانک تراہ اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، فان لم تکن تراہ فانہ یراک تم اگر اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو اللہ تو تمہیں دیکھتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ احسانی کیفیت کے دو درجے ہیں (۱) ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور (۲) کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں مگر قطب العالم حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوسرا درجہ جو ہے وہ اس مراقبہ کی علت ہے لہذا یہ دو درجے نہیں ہیں، ایک ہی درجہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کو دیکھ

رہے ہیں کیونکہ اگر ہم نہیں دیکھتے تو اللہ تعالیٰ تو ہم کو دیکھ رہا ہے تو گویا ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ دنیا میں کَاَنَّکَ رہے گا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کَاَنَّکَ کا کاف نکال دیں گے وہاں اَنَّکَ سے دیکھو گے۔ دنیا میں آنکھیں بنائی جارہی ہیں ایمان، تقویٰ اور غم تقویٰ سے یعنی حصول تقویٰ میں بندہ جو مجاہدات اور حسرت اور غم اٹھاتا ہے اور خون تمنا پیتا ہے اسی خون تمنا سے آنکھیں بنائی جارہی ہیں اور جب آنکھیں بنائی جاتی ہیں تو پٹی بندھی رہتی ہے۔ اس وقت دیکھنے کی ڈاکٹر اجازت نہیں دیتا اور جب روشنی آجاتی ہے تو پٹی ہٹادی جاتی ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ یہ پٹی ہٹادیں گے۔ وہاں کاف کی پٹی ہٹادی جائے گی پھر اَنَّکَ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ یہ تقریر میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو ایک واسطے سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس احسانی کیفیت کو بیان فرمایا کہ احسان کیا ہے؟ فرماتے ہیں ان یغلب علیہ مشاھدۃ الحق بقلبہ حتی کانہ یری اللہ تعالیٰ شانہ یعنی مشاہدۂ حق ایسا غالب ہوجائے کہ گویا وہ اپنی انکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ (مواہب:۳۶)

یا اللہ آزار رسد شوقِ لقاء نہ ہوں

فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ

(اور میں تیری ذات کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں)۔

آزار دینے والی مصیبت۔ یعنی یا اللہ میں آپ سے ایسا شوقِ لقاء کا طالب ہوں کہ اس راہ مین کوئی آزار وتکلیف دینے والی ایسی مصیبت حائل نہ ہو جو لقاء اللہ سے محرومی وحرمان کا سبب بن جائے یا اس کا مفہوم یوں ہوسکتا ہے کہ اے اللہ میں ایسا شوقِ لقاء

طلب کرتا ہوں جو سیر وسلوک میں اس طور پر اثر انداز نہ ہو کہ مجھ کو لقاء اللہ سے محروم کر دے یا رکاوٹ بن جائے اگر چہ اس کی راہ میں کتنی مشقتیں برداشت کرنی پڑے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کا مفہوم یوں ہے کہ لقاء اللہ کی راہ میں ایسی آزار مشقت پیش نہ آئے جو نا قابل برداشت ہو اور اس پر صبر نہ ہو سکے۔ حاصل سب کا یہی ہے کہ شوقِ لقاء اللہ میں نہ جسمانی نہ روحانی کوئی ایسی بلاء و مصیبت پیش آئے جو شوقِ لقاء میں رکاوٹ کا ذریعہ و سبب ہو۔ اور جو بھی پیش آئے یا اللہ وہ شوقِ لقاء میں جھیلتا ہوا، برداشت کرتا ہوا منزل پر پہنچا دے، شوقِ لقاء کی شیرینی و حلاوت، ذوق و شوق، لطف و سرور، انبساط و ابتسام راہ کی تمام کلفتوں، صعوبتوں، آزار و ضرر کو گوارہ کرتے ہوئے لقاء کا مشاہد کرا دے۔

شوقِ لقاء میں ضرر رساں مختلف اسباب و آزار ہو سکتی ہیں، اس نبوی حکیمانہ اسلوب، **غیر ضراء مضرۃ** نے ان تمام رکاوٹوں اور حجابات سے نجات و سلامتی و عافیت کے ساتھ مقصود کے حصول کی طرف اشارہ ہے کہ آزار بس آزار ہوں سدِّ شوق لقا نہ ہوں، کیوں کہ پہلے نبوت نے **لَذَّتُ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ** یعنی رب العزت کے بزرگ و برتر چہرے مبارک کے دیدار کی لذت، کو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور پھر شوقِ لقاء کو پیش کیا یہ ایسا ہی ہے کہ سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، مانگا گیا اور ساتھ ہی عرض کر دیا گیا۔ جن پر غضب ہوا، اور گمراہ ہوئے اُن سے بچایئے، نبوت و خاتمیت کا یہ انوکھا اسلوب ہمیں بتلا رہا ہے کہ مانگنے والے کو شوقِ لقاء کی سیر وسلوک کی راہ میں ضرر رساں، آزار و کلفت کی گھاٹیوں سے گزرنا ہوگا اور ان احوال کے پیش آنے سے قبل بارگاہ بے نیاز میں نیاز مندانہ التجاء و تضرع، آہ و زاری،

گریہ وبکا کے ذریعہ سمیع وعلیم، خبیر وبصیر سے نصرت ومدد اور قدم، قدم پر اعانت (ضَرَّاء مَضَرَّۃٍ) مصیبت وازار سے ہر حال میں چاہیے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خوب واضح اور روشن تھا کہ شوقِ لقاء کی راہ مین کیا کیا ازار ومصیبت ہے، اس لئے شوقِ لقاء کی طلب کے ساتھ ہی اس آزار وضرر سے حفاظت وحراست کی بھی التجاء کردی گئی۔ تو جس طرح شوقِ لقاء کی دعاء قبول ومقبول ہوگی ضرر وآزار سے حفاظت وحراست کی بھی قبول ہوگی۔ ایسا نہیں کہ شوقِ لقاء کی دعاء تو قبول ہو اور غَیْرَ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ وَّلَا فِتْنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ کو رد کردے۔ بارگاہ احدیت وصمدیت کی یہ شان نہیں۔

گمراہ کرنے والی بلا یا وبال سے حفاظت

وَلَا فِتْنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ

(اور میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے ذریعہ سے)۔

گمراہ کرنے والی بلا سے، ایک جگہ آیا ہے:

وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْیَیْتَنَا

اور مجھے بچائے رکھ گمراہ کرنے والے فتنوں سے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۔

(احمد عن ام سلمہؓ)

فتنہ ایک جامع لفظ ہے فتنہ کے معنی امتحان کے بھی آتے ہیں اور عذاب کے بھی اور ایسی چیزوں کو بھی فتنہ کہا جاتا ہے جو عذاب کا سبب بنیں، قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ان تینوں معنی کے لئے لفظ فتنہ استعمال ہوا ہے۔ (معارف القرآن ۴/ ۲۱۴)

اور کبھی فتنہ سے مراد کفر وشرک لیا جاتا ہے یعنی فتنہ کفر اور مظالم کفار، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَاتِلُوْاهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنُ فِتْنَۃٌ۔ (انفال:۳۹)

فتنہ مضلہ یعنی ہر وہ شک وشبہہ جو شوقِ لقاء اللہ میں خلل انداز ہو یا علمی وذوقی نقص وکمی کا ذریعہ بنے یا وہ کیفیتِ شہودی جو شوقِ لقاء میں حاصل ہے اس میں کوئی رکاوٹ ورخنہ انداز ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ جو چیز جتنی عظیم ولطیف ہوتی ہے، اس کی لطافت ونزاکت اتنی ہی حساس ہوتی ہے، شوقِ لقاء اللہ ایک عظیم نعمت ہے مناجات میں مانگا گیا کہ نہ تو اس میں آزار وضرر حائل وحجاب ہو۔ نہ ہی کوئی ایسا فتنہ جو راہ یابی کی جگہ باعث ہلاکت وگمراہی ہو مثلاً ایک شخص شوقِ لقاء اللہ میں خودکشی اور غیر شرعی جان میں تصرف کرلے اور دل میں یہ خیال کررکھے کہ موت کے ذریعہ ہی وصال حق ممکن ہے، لہٰذا جان جو امانت ہے اس کو غیر شرعی راہ سے وصال تک پہچائے ظاہر ہے یہ فتنہ مضلہ ہوگا۔ اس سے اس کو رضاءِ حق اور اللہ تعالیٰ کی خوشی کی جگہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور خفگی ہوگی جنت کی جگہ جہنم رسید ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شوقِ لقاء اللہ میں شریعت وسنت کی راہ ہی معین ومددگار ہوسکتی ہے۔ نیز ضراء مضرة سے جسمانی رکاوٹ اور فتنہ مضلہ سے روحانی رکاوٹ مراد لیا جائے کہ یا اللہ دونوں ہی سے حفاظت وحراست کے ساتھ شوق لقاء عطا کردیجئے۔ اب اس پورے جملہ **غَيْرَ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ** کا مفہوم یہ ہوگا کہ شوقِ لقاء اللہ میں مضرت پہنچانے والی آزار پیش نہ آئے کہ بسا اوقات شوقِ لقاء اللہ میں انسان مالا یطاق مشقتیں اپنے اوپر ڈال لے اور نبھا نہ سکے بالآخر تھک ہار کر سب چھوڑ چھاڑ دے یا ایسی مشقتوں میں اپنے کو ڈال لے جو ہلاکت وتباہی تک پہنچادے یا پھر شریعت وسنت کے منہج سے ہٹ کر عبادت واطاعت کی راہ متعین کرلے۔ جیسا کہ بخاری میں روایت ہے کہ تین شخص حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لئے ایک راہ متعین کی، ایک نے کہا:

اما انا فانی اصلی اللیل ابدًا، میں پوری رات مسلسل نماز پڑھوں گا۔

وَقَالَ آخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلاَ اُفْطِرُ

میں ہمیشہ سال بھر روزے رکھوں گا۔اور افطار نہیں کروں گا۔

وَقَالَ الْآخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا۔

تیسرے نے کہا میں بیوی سے ہمیشہ کنارہ کش رہوں گا۔شادی نہیں کروں گا۔

جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے تو حضور علیہ الصلاۃ وسلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ تو سنو اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تقویٰ اختیار کرنے والا لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں۔اور نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں۔اور شادی کرتا ہوں۔جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔(بخاری رقم الحدیث۔۵۰۶۳)

معلوم ہوا غیر ضراء مضرۃ، میں شریعت وسنت اور مزاج نبوی علیہ الصلاۃ والسلام سے ہٹ کر جو بھی ازار و تکلیف ہو وہ قرب الٰہی اور لقاء اللہ میں معین و مددگار نہ ہوگی اور اتباع شریعت وسنت میں ضراء ومضرۃ کی نفی ہوگی۔یعنی سنت نبوی کی برکت سے اعمال صالحہ ہی ہوں گے،سنت میں نہ ضرر ہوگی نہ آزار تو جو بھی مضرت والی آزار ہوگی مزاج نبوت سے الگ ہوگی۔اور سنت کے مطابق جو اعمال ہوں گے اس میں آزار و مضرت نہ ہوگی، نیز اتباع سنت میں نہ فتنۃ ہے نہ سنت مُضلۃ ہوتی ہے، سنت تو سراپا نور ہی نور اور رشد و ہدایت ہیں، یہ سنت کی برکت ہے غیر سنت ازار بھی ہیں اور مضرت بھی، فتنہ بھی مضلۃ بھی۔اس لئے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شوقِ لقاء اللہ میں کرنے والے تمام اعمال کو ضراء یعنی آزار دینے والی تکلیف ومصیبت اور مضرت سے پاک ہونے کی درخواست پیش کی اور شوقِ لقاء اللہ میں کسی فتنہ مضلہ یعنی بجائے راہِ

صواب وسنت کے گمراہ ہونے والی بلا سے حفاظت کی درخواست پیش فرمایا۔لقاء اللہ کا عقیدہ ایک تصور سے بالاتر ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تو اس کے حصول کا طریقہ بھی منشاءِ نبوت اور مزاج نبوت وخاتمیت پر ہونا چاہیئے وہ اعتدال واتباع سنت اور منہج شریعت پر ہو۔ کیوں کہ شوقِ لقاء اللہ میں بے اعتدالی و بے جا مشقت اور آزار وتکلیف کا بہت خطرہ تھا کہ لوگ حدود وقیود کو چھوڑ کر ہلاکت میں نہ اپنے آپ کو ڈال لیں، اس لئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوقِ لقاء اللہ کو وسط واعتدال اتباع سنت کی راہ طے کرنیکی دعا کے ذریعہ ہدایت فرمائی۔ تاکہ لقاء اللہ میں کوئی مضرت رساں ضرر یا گمراہ کرنے والا فتنہ وبلا اور شکوک وشبہات جو لقاء اللہ میں خلل انداز ہو یا علم ویقین یا کیفیت وشہود میں اثر انداز ہو حفاظت کی درخواست پیش کی گئی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی انمول تحقیق

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے اپنے ذوق اور علمی انداز میں **غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة** کی انمول تحقیق کی ہے اللہ تعالیٰ ان اکابر کی علمی خدمات کو قبول فرما کر جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

باطنی احوال ومقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال ومقامات تک کے لئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق الٰہی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیوں کہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے

بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیوں کہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و معاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش
کہ حسن ایں قصہ عشق درد فتر نمی گنجد

قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لئے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں سما سکتا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا،

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہو جائے اگر چہ اس کی مدد کے لئے ہم ایک دوسرا سمندر لے آئیں احکام الٰہی کی انتہا نہیں۔

شوق کی حد

اس لئے نمونہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً شوق اور خوف کے لئے بھی حدود ہیں دیکھئے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ

اگر شوق کے لئے حد نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قید کیوں بڑھائی، فی غیر

ضراء مضرۃ ولا فتنۃ، یعنی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے لقاء کا ایسا شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو ضراء کا مقابلہ اضلال کے ساتھ مقتضی ہے کہ یہ کوئی دنیوی ضرر ہے یعنی بیماری وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ اس شوق میں مجھ کو نہ کوئی بیماری لگے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنہ میں ابتلاء ہو۔

غلبۂ شوق کے دو اثر

بات یہ ہے کہ غلبۂ شوق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک جسمانی، ایک روحانی جسمانی اثر تو یہ ہے کہ کثرت شوق سے حرارت جسمانیہ بڑھ جاتی ہے اور جب بدن میں خشکی کا غلبہ ہو جاتا ہے جس کے لئے ضعف لازم ہے تو غلبۂ شوق سے بدن میں ضعف واضمحلال بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں تو پہلے نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکتے تھے اب قعود ہی رہ گیا۔ چند دنوں کے بعد قعود بھی دشوار ہو گیا پہلے روزے بہت رکھ سکتے تھے اب نہیں رکھ سکتے۔ وعلی ہذا القیاس نیز شوق کے غلبہ میں کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ جب کسی عزیز کے آنے کا انتظار ہوتا ہے تو عین کھانے کے وقت خبر آمد سن کر بھوک جاتی رہتی ہے کھانا نہیں کھایا جاتا یہی حالت غلبۂ شوق لقاء میں ہو جاتی ہے اہل شوق کو ایسے واقعات پیش آئے ہیں تو غلبۂ حرارت کے ساتھ جب غذا بھی کم ہو جائے اب جتنا بھی ضعف ہو ظاہر ہے۔ تو آپ نے **فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ**، میں ایسے غلبۂ شوق کی نفی کر دی کہ اے اللہ شوق کی وجہ سے میری صحت خراب نہ ہو کیوں کہ بعض اوقات حد قدرت کے اندر بھی عمل میں سستی ہونے لگتی ہے۔ جس سے معصیت بھی ہوتی ہے یہ ضرر ہوا حد سے زیادہ غلبۂ شوق کا۔

غلبہ شوق کی روحانی خرابی

دوسری خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبۂ شوق میں

انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آکر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیوں کہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہو جاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند

از سخنہا عالمے راسو ختند

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہو جانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں۔

اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **ولا فتنة مضلة** میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

خوفِ الٰہی کے حدود

اسی طرح خوف کے لئے بھی آپ نے ایک حد بتلائی ہے حدیث شریف میں ہے:

وَاَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَاتَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ

(موارد الظمآن للہیثمی: ۵۰۹ بلفظ آخر)

اور اے اللہ میں آپ کا اتنا خوف چاہتا ہوں جس سے گناہوں کے درمیان اور میرے درمیان رکاوٹ ہو جائے۔

اس قید کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ غلبہ خوف سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے صفاتِ جلال کے مشاہدہ سے صفات جمال یعنی رحمت ورافت الٰہی کی طرف بالکل ذہن نہیں جاتا جس

سے مایوسی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب رحمت الٰہی سے مایوسی ہوگئی تو کفر تک پہنچ گیا۔

فَإِنَّهُ لَا يَيْئَسُ مِن رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ.

(اس لئے بجز کافر لوگوں کے اللہ کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا)۔

اور اگر مایوسی بھی نہ ہوئی تو تعطل کی نوبت آجاتی ہے۔ سمجھتا ہے کہ جب ان اعمال سے کچھ کام نہیں چل سکتا تو یہ سب بے کار ہیں۔ اب نماز روزہ سب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اس ورطہ میں بہت لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔ جو اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، اتنا خوف جو میرے اور میرے گناہوں کی رکاوٹ ہوجائے) فرما کر بتلا دیا کہ خوف کا ہر درجہ مطلوب نہیں۔

صاحبو! جب شوق الٰہی اور خوف الٰہی کیلئے بھی حدود ہیں تو اب باقی امور کو خود ہی سمجھ لیجئے کہ ان کیلئے حدود کیوں نہ ہوں گے شوق اور خوف میں لَعَلَّ اللهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا، (شاید اس سے اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کر دیں) کا اجراء اس طرح ہوگا کہ زیادہ غلبۂ شوق کی تمنا نہ کرو کیوں کہ شاید اس سے طاعات میں کمی ہو جائے پھر تم پچھتاؤ گے یا ناز پیدا ہو گیا اور حد ادب سے نکل گئے تو پشیمانی ہوگی اور اگر شوق کے بعد انس عطا ہو گیا تو اس وقت تم ادب کرنا چاہو گے مگر عادت کی وجہ سے کلمات ناز زبان سے نکل جایا کریں گے تو گناہ بھی ہوگا پھر پچھتاؤ گے کہ ہائے میں نے اتنا شوق کیوں مانگا تھا۔

باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں

اسی طرح خوف میں سمجھ لیجئے غرض باطنی امور میں بھی حدود ہیں لیکن ظاہری امور میں تو حدود اختیاری ہیں ان سے خود بچنا چاہیے اور باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں ان کیلئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور دعا فرمایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ

(اے اللہ مجھے اپنی لقا کا اس قدر شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلۃ ہو)۔

البتہ باطنی امور میں اتنی بات اختیاری ہے کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ اپنے لئے تجویز کر کے اس کی تمنا نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ پر تفویض کر دے امید ہے کہ یہ نمونہ تمام حدود کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اب دعا کیجئے گا حق تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں۔

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

(خطبات حکیم الامت۔ ۲۵/ ۱۴۶)

حضرت مولانا شاہ محمد احمد رحمۃ اللہ پرتاب گڑھی فرماتے تھے

جذبات پر عقل کو غالب رکھنا چاہئے اور عقل کو شریعت کے تابع رکھنا چاہیے، لہٰذا سالک کو کوئی قدم جذبہ و جوش عشق میں شریعت کے خلاف نہ اٹھنا چاہیئے ورنہ اس کا عشق فسق اور محبت، ضلالت ہو جائے گی اور وہ منزلِ مقصود سے بہت دور ہو جائے گا اسی کو حضرتؒ نے فرمایا ہے۔

بھٹک کے منزلِ جاناں سے دور جا پہنچے
جو جوش عشق میں جذبات کو دبا نہ سکے

ایک موقع پر فرمایا:

جب تک کہ نہ پامال ہو جذبات کا عالم
چھایا ہی ہوا رہتا ہے آفات کا عالم

(باران رحمت۔ ۱۵)

زینتِ ایمان کی درخواست

اَللّٰھُمَّ زَیِّنَا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ، اے اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کردے۔

اس حدیث ومناجات کے سلسلہ میں مناسب ہے پہلے ایمان کی حقیقت پر کچھ پڑھ لیا جائے پھر ایمان کی زینت کو سمجھنا آسان ہوگا۔

ایمان کی صورت اور اُس کی حقیقت

حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان کی صورت ہے اور اطمینانِ نفس یعنی نفس کا مطمئن ہوجانا یہ ایمان کی حقیقت ہے۔ اطمینان نفس سے مراد یہ ہے کہ مقتضائے شریعت، مقتضائے طبیعت بن جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ،
تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی طبعی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔

اس حدیث میں ایمان سے یہی اطمینان نفس مراد ہے یعنی نفس اس درجہ مطمئن ہوجائے کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہر حکم اس کو لذیذ اور شیریں ہو اور اس کی معصیت اور نافرمانی کا ادنیٰ سا خیال اور معمولی سا وسوسہ بھی آگ میں جلنے سے بدرجہا زائد اس پر شاق وگراں ہو۔ ایمان کی اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے **ذاك صريح الايمان** (یہی کھلا ہوا ایمان ہے) فرمایا ہے۔

حاشا وکلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ معصیت کا وسوسہ صریح ایمان ہے ورنہ ہم نالائقوں کے ایمان کا صحابہ کے ایمان سے زیادہ صریح اور جلی ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ ہمارے نفوس تو ہر وقت وساوس کی جولان گاہ بنے رہتے ہیں بلکہ

مراد یہ ہے کہ جب قلب میں کفر اور فسوق اور عصیان کی کراہت اور ناگواری اس درجہ راسخ ہو جائے کہ معصیت کا وسوسہ اور خیال بھی اس قدر شاق اور گراں ہو کہ آگ میں جلنا اس سے آسان معلوم ہوتا ہو تو اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صریح ایمان فرمایا۔ قولہٖ تعالیٰ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

اور علی ہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد مبارک:

"اِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ"

(بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے)۔

اس حدیث میں ایمان سے اسی یقین اور اطمینان کا زائل ہونا مراد ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد میں:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا" (اے ایمان والو ایمان لاؤ)

ایمان اوّل سے تصدیق قلبی مراد ہے اور دوسرے ایمان سے ایمان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہو جانا مراد ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

اے نفس مطمئنہ تو اپنے اللہ کی طرف لوٹ جا کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایمان بمعنی اطمینان نفس کو مدار نجات نہیں قرار دیا بلکہ اپنی بے پایاں رحمت سے ایمان کی صورت یعنی تصدیق اور اقرار لسانی ہی کو قبول فرما کر عذاب جہنم سے نجات اور دخول بہشت کا وعدہ فرمایا۔ ہاں تقرب

اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بغیر اطمینان نفس اور یقینِ کامل کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

ایمان صوری اور ظاہری اگرچہ ایمان حقیقی کے لحاظ سے بہت معمولی اور ادنیٰ شئے ہے مگر کفر اور شرک کے اعتبار سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود

لیک بس عالی ست پیش خاک تود

اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ،

جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا الله کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا اگرچہ زنا اور چوری کرے۔

معاذ اللہ- اس حدیث سے زنا اور سرقہ کی اجازت مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے اے لوگو تم کسی طرح لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر کفر اور شرک کے دائرہ سے نکل آؤ۔ زنا اور سرقہ اگرچہ فی حد ذاتہ کتنے ہی بُرے کیوں نہ ہوں مگر کفر اور شرک کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ بخار اور زکام اگرچہ فی حد ذاتہ مرض اور بیماری ہے۔ مگر سل اور جذام کے مقابلہ میں عافیت ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس جگہ بخار کی طرح زنا اور سرقہ کا مرض ہونا بیان فرمایا وہاں یہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِن (حالت ایمان میں زانی زنا نہیں کرتا)

اِذَا زنی العبد خرج منه الایمان (جب بندہ نے زنا کیا تو اس سے ایمان نکل گیا)

اور جس جگہ زنا اور سرقہ کو کفر اور شرک کے لحاظ سے ذکر فرمایا وہاں یہ ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔

یعنی زنا اور سرقہ کو کفر اور شرک کے ساتھ وہی نسبت ہے جو بخار اور زکام کو سل اور جذام کے ساتھ ہے۔

ہرقل شاہ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات دریافت کیے تو اس میں یہ بھی دریافت کیا کہ کوئی شخص آپ پر ایمان لانے کے بعد آپ کے دین سے بے زار ہوکر مرتد بھی ہوجاتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا۔

وَ کَذٰلِکَ الْاِیْمَانُ حِیْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتِہِ الْقُلُوْبُ،

ایمان کی یہی خاصیّت ہے کہ جب اس کی مسرت دلوں میں رچ جاتی ہے تو وہ پھر کسی طرح نکل نہیں سکتی۔

اس جگہ بشاشت سے وہی اطمینان نفس اور انشراح صدر مراد ہے جس کا ہم ذکر کرچکے ہیں یہی حقیقی ایمان ہے کہ جس کے بعد مرتد ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا رَجَعَ مَنْ رَّجَعَ مِنَ الطَّرِیْقِ۔

جزایں نیست کہ جو شخص واپس ہوتا ہے وہ راستہ ہی سے واپس ہوتا ہے۔

منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد واپسی ناممکن ہے اور اس دعاء ماثورہ......

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَّا یَرْتَدُّ،

(اے اللہ تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں کہ جس کے بعد ارتداد نہ ہوسکے)

......میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ ایمان صوری کے بعد مرتد ہونا ممکن ہے۔ وہ ایمان جسکے بعد ارتداد ناممکن ہو وہ یہی ایمان ہے کہ جس سے نفس مطمئن ہوجائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَالُکَ اِیْمَانًا لَّا یَرْتَدُّ وَ یَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ اٰمِیْن یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

ایمان کے وجودی مراتب

علامہ نیسابوری تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین وجود ہیں۔

ایک وجود عینی دوسرا وجود ذہنی تیسرا وجود لسانی۔ اصل ایمان وجود عینی یعنی وجود خارجی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات مرتفع ہو جائیں تو اس وقت مومن کے دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے۔ یہی نور، ایمان کا وجود عینی ہے۔

کما قال تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔

جب کوئی جدید حجاب مرتفع ہوتا ہے اتنا ہی یہ نور کامل اور قوی ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے متعلق اس کو شرح صدر ہو جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا صدق اس کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن اور جلی ہو جاتا ہے۔

وقال تعالیٰ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ

جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک نور پر ہے

اور یہی نور قیامت کے دن پل صراط پر اہل ایمان کی رہنمائی کرے گا۔

کما قال تعالیٰ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ۔

ان کا نور سامنے اور دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔

ایمان کا نور علیٰ نور ہونا اہل ایمان قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور جو شخص دنیا میں نور ایمان سے محروم رہا وہ قیامت کے دن بھی نورِ ایمان سے محروم رہے گا۔

وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

جسے اللہ نے نور نہیں دیا پھر اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

قیامت کے دن تو سب ہی کو ایمان کا نور ہونا معلوم ہو جائے گا لیکن اس دارِ دنیا میں بھی جب کبھی کسی عارف اور صاحب بصیرت کو رویائے صالحہ یا کشف سے ایمان مکشوف ہوا تو وہ نور ہی کی شکل میں منکشف ہوا۔ اور اس نور کا مطالعہ اور تصوّر یہی ایمان کا وجود ذہنی ہے اور زبان سے توحید و رسالت کا اقرار یہ ایمان کا وجود لسانی ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان کا محض لسانی وجود بغیر نور کے مفید اور کارآمد نہیں جیسا کہ پیاسے کے لیے آبِ زلال کا فقط تلفظ اور تصور کافی نہیں۔ جب تک کہ اس سے سیراب نہ ہو۔

اَللّٰھُمَّ اشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ وَنَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ طَاعَتِکَ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ج۱/ ۶۰)

ایمان کی زینت سے باطن کی آراستگی

اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ، اے اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔

ایمان ایک حقیقتِ ثابتہ اور یقین مستحکم اور ایسی قوت و طاقت ربانیہ کے حصول و یافت کا نام ہے کہ اللہ و رسول کے وعدوں و وعیدوں کے نتائج و ثمرات کی باطن پر حقیقت کا استحضار بروقت صاحب ایمان کو راہِ حق پر جما دیتا ہے اور حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی دل میں رچ و بس جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد نور باطن زینت ایمان وایقان کی کیفیت کے ساتھ رسوخ استحکام حاصل کر لیتا ہے۔

یہاں زینتِ ایمان سے مراد باطنی و داخلی یقین کی وہ حقیقت و کیفیت ہے جس سے شرح صدر اور حلاوت ایمانی نصیب ہو۔ دل کھل جائے اور شریعت طبیعت بن جائے، ایمانیات کا قلب پر رنگ چڑھ جائے، تمام اعمالِ شریعت خلوص وللّٰہیت کے مقام احسان سے ادا ہونے لگیں، اعمال صالحہ عروج و ترقی کر کے زینتِ ایمان وایقان بن جائیں۔ اعمال ادا ہوں ظاہر سے مگر ان کی ادائیگی باطن کے عظمتِ باری کے ترجمان

ہوں اور زینتِ ایمان ہوں، باطن کی زینت سے ظاہر بھی مزین ہو جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

ایمان کی ایک باطنی حقیقت ہے وہ جب حاصل ہو جاتا ہے جو تمام اعضاءِ جسم بھی شریعت کے رنگ میں ڈھلنے لگتے ہیں اور جس قدر زینت ایمان سے دل مزین و منور ہوتا رہتا ہے ظاہر بھی شریعت و سنت کے ہم رنگ ہونے لگتا ہے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زینت ایمان کا سوال کر کے احسان و ایمان کے اعلیٰ مقام کا سوال فرمایا کہ احسانی مقامات کے حصول سے زینت ایمان پروان چڑھے گا اور زینت و تزیین کی کوئی حد نہیں ہوتی تو مقامات احسانی کی کوئی حد نہیں الغرض کمالِ عبدیت یہ ہے کہ اتباعِ شریعت علوم ربانیہ کے تحت کرتے ہوئے حق کی راہ چلتا رہے اور حق و صواب پر جمتا رہے اور رُشد و ہدایت سے ایمان کو مزین کرے اور دوسروں کے لئے نمونہ ہدایت بنے۔

(اللہ ہمارے ایمان کو نورِ ہدایت اور فیض نبوت سے مزین کرتا رہے۔ آمین) یہ ایسا ہی ہے کہ ایک مناجات میں یوں عرض کیا گیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ، وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اِنَّہٗ لَایُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرَضِیَّ مِنَ الْمَعِیْشَۃِ بِمَا قَسَمْتُ لِیْ۔

(بزار عن ابن عمر)

یا اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو جائے اور سچا و پختہ یقین یہاں تک کہ جان لوں کہ نہیں پہنچ سکتا مجھ کو جو کچھ کہ تو لکھ چکا ہے میرے لئے اور اس چیز پر رضامندی جو تو نے معاش میں لکھی میرے حصہ میں۔

اس مناجات میں ایسا ایمان جو پیوست ہو جائے، رچ جائے، بس جائے، دل میں جگہ پکڑ لے، گھر کر لے، کا سوال کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ایمان جب تک ظاہرِ قلب سے وابستہ رہتا ہے دنیا و آخرت دونوں سے محبت ہوتی ہے اور جب ایمان باطنِ قلب میں

کھُب جاتا ہے تو پھر امورِ آخرت ہی کی طرف مائل رہتا ہے دنیا سے بغض ونفرت ہونے لگتی ہے، ایسے وقت میں ایمان زینت بن جاتا ہے کہ فقط امورِ آخرت کا میلان اور حصول کا جذبہ وداعیہ باقی رہتا ہے بقی سب فنا ہوجاتا ہے اور یہ فناء قلب کا اعلیٰ مقام ہے۔ایک مناجات میں یوں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اَعۡطِنِیۡ اِیۡمَانًا لَا یَرۡتَدُّ وَ یَقِیۡنًا لَّیۡسَ بَعۡدَہٗ کُفۡرٌ وَّ رَحۡمَۃً اَنَالُ بِھَا شَرَفَ کَرَامَتِکَ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (کنز العمال عن ابن عباس)

یا اللہ مجھے ایسا ایمان دے جو پھر نہ پھرے اور ایسا یقین کہ اسکے بعد کفر نہ ہو اور ایسی رحمت کہ اس کے ذریعہ سے میں دنیا اور آخرت میں تیرے یہاں کی عزت کا شرف پالوں۔

یعنی ایمان میں یقین کی ایسی قوت وپختگی عطا فرما کہ دینی امور میں کسی طرح کا شک وشبہ پیدا نہ ہو اسلئے کہ قلب میں جب یقین کا نور جگمگا جاتا ہے اور نورِ یقین مستحکم ہوجاتا ہے گویا کہ نورِ ایقان راسخ ہو کر ایک ملکوتی صفات پیدا کر لیتا ہے تو ظلمات وتاریکی جو شکوک وشبہات سے پیدا ہوتا ہے بالکل ہی ختم ہوجاتا ہے اب اس دل میں ریب وشک کا کوئی ادنیٰ درجہ ولمہ باقی نہیں رہتا ہے، یہ کیفیت کمال ایمان وایقان کی دلیل ہے۔ان تمام مواقع میں امت کو تعلیم دی گئی ہے اور عبدیت کا اظہار ہے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف اسلوب وپیرایہ میں مختلف احوالِ شونِ نبوت کے لمحات میں حق تعالیٰ سے ایمان کی زینت کا سوال فرما کر امت کو اطلاع دے دی اور ہدایت فرمادی کہ ایمان وایقان کی کمالِ حقیقت زینۃ الایمان حق تعالیٰ سے مانگا کرو تا کہ یقین کی کیفیت راسخ ہو کر نورِ فراست اور مشاہدہ کی راہ گامزن ہوجائے جہاں علم الیقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین کی شان پیدا ہوجائے۔اور حجابات وموانعات سب دور ہوجائیں۔

ایک مناجات میں یوں آیا ہے:

اللّٰھم انی اسألک صحۃ فی ایمان وایمانا فی حسن خلق ونجاحا تتبعہ فلاحاًورحمۃ منک وعافیۃً ومغفرۃ منک ورضواناً۔

(مستدرک عن ابی ہریرہ، فیض القدیر۔رقم ۱۵۲۵۔۱/۱۷۸۔طبرانی اوسط)

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تندرستی ایمان کے ساتھ، اور ایمان حسن اخلاق کے ساتھ، اور کامیابی جس کے پیچھے تو مجھے فلاح بھی دے، اور رحمت تیری طرف سے اور عافیت اور مغفرت تیری طرف سے اور (تیری) خوشنودی۔

اس مناجات میں جسمانی صحت اور بدنی تندرستی کو باطنی وقلبی مستحکم تصدیق وایقان کے ساتھ مانگا گیا ہے، کیونکہ ظاہری صحت وتندرستی ہو اور ایمان میں ایقان وتصدیق کی کیفیت راسخ نہ ہو تو ظاہری تندرستی نفع بخش نہ ہوگی، اور اگر قلبی تصدیق راسخ ہو جبکہ ظاہری صحت وتندرستی نہ ہو تو بھی اعمال صالحہ میں جدوجہد کمال درجہ کا نہ ہوسکے گا۔لہٰذا شریعت میں دونوں ہی مطلوب ہے اور دونوں کی تندرستی سے منزل کی طرف چلنا آسان ہوگا۔

علّامہ عبدالرؤف المناویؒ نے ایک اور بھی مفہوم بیان کیا

یعنی اسألك صحة فی ایمان ایٔ اسألك صحة ایمانی ای قوۃ ایقانی۔یعنی میں آپ سے اپنے ایمان کی صحت وتندرستی مانگتا ہوں یعنی مجھے یقین کی قوت عطا فرما۔ ایمان کی تندرستی قلب کی سلامتی وصحت پر موقوف ہے اور قلب کی سلامتی وصحت یقین سے بنتی ہے اور قلب کا الٰہیات وربانیات پر یقین، عقیدہ کی صحت اور اعمال صالحہ کی خلوص وللٰہیت کے ساتھ استقامت سے پیدا ہوتی ہے یہ تمام کی تمام حقیقتیں ایک دوسرے سے مربوط ومنسلک ہیں، ایک کے خلل وفتور سے دوسرا ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اور ایمان حُسن خلق کے ساتھ اچھے اخلاق تو کمالِ ایمان کی علامت ہے، ایمان میں جس قدر ترقی ہوتی ہے اخلاق بلند تر ہوتے رہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ

نے اخلاق کی تکمیل کے لئے بطور نمونہ کے بھیجا اور اخلاق یعنی ربانی صفات کیا ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ اس لئے آپؐ نے راہِ حق جو اخلاق کی شکل میں مرضیات الٰہیہ تک پہنچاتی ہے متعین کر دی اور اھلِ ایمان کو ہدایت بھی کر دی کہ یہ عظیم صفت رب العزت سے مانگو۔

اور فوز و فلاح والی کامیابی جو مطلوب و مقصود ہے دونوں جہان میں اور رحمت و عافیت ہر مصیبت و معصیت اور ہر بلا و پریشانی سے جان و مال، دین و دنیا، ظاہر و باطن، اعمال و ایمان، دنیا و آخرت سبھی موقعوں میں ہم کو اللہ تعالیٰ سے فوز و فلاح، رحمت و عافیت، مغفرت و خوشنودی درکار ہے اور یہ سب عنایتیں رب العزت ہی کر سکتا ہے اس لئے اسی سے مانگا گیا اور وہی معطی عطا کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت ہی عمیق خوبصورت دعا مانگی ہے:

اللّٰھم اجعل سریرتی خیرًا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ

یا اللہ میرا باطن ظاہر سے اچھا ہو اور ظاہر (اللہ و رسول کی مرضیات کا نمونہ) صالح (مظہر) ہو۔ ایک موقع پر یوں مانگا۔

اللّٰھم اجعل عملی کلہ صالحا واجعلہ لوجھک خالصا ولا تجعل لاحد فیہ شیأً۔

اے اللہ میرا تمام عمل صالح ہو اور تیری ذات کے لئے خالص ہو اور اس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو۔

اس دعاء کی حقیقت زینتِ ایمان کا سوال ہے زبان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے ایمان کی زینت باطن کی کیفیت پر منحصر ہے طینت کی طہارت سے ایمان کی زینت

ہوتی ہے جس قدر طہارت قلب کا اہتمام ہوگا ایمان مزین ہوتا جائے گا اپنی جد وجہد سے جس قدر چاہیں ایمانیات کو سجائیں۔

موت کے وقت حجت ایمان کی درخواست

اللّٰھم لَقِّنی حجۃ الایمان عندالممات۔

یا اللہ مجھے موت کے وقت حجت ایمان تلقین کر دے (آمین)

عن ابی ہریرۃ طبرانی فی الاوسط ومجمع الزوائد۔ ۲/ ۳۲۵ وفی الاوسط رقم الحدیث۔ ۱۸۸۶

اس مناجات میں اللہ تعالیٰ سے حجت ایمان موت کے وقت کا سوال کیا گیا ہے کہ موت کے وقت کا ایمان معتبر اور آخرت کی سعادت وفضیلت کے حاصل ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہو کہ **اللّٰھم لقنی حجتی**۔ کیوں کہ کافر کو موت کے وقت اس پر کفر کی حجت تام ہو جاتی ہے لہٰذا کلمہ گو کو **اللّٰھم لقنی حجۃ الایمان عند الممات** یا اللہ سکھا دینا مجھے حجت ایمان کی موت کے وقت، یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار، کیوں کہ موت کے وقت کا فتنہ بہت ہی سنگین فتنہ ہے پوری زندگی کا نچوڑ اور آنے والی زندگی کی سعادت کا مدار حسن خاتمہ پر ہی موقوف ہے، اللہ تعالیٰ جس پر موت کے وقت ایمان کی حجت ودلیل کا القاء والہام اپنے فضل وکرم سے فرمادے اس کی سعادت کا باب کھل جاتا ہے اور اعتبار تو آخری وقت کا ہی ہے کہ دنیا کا دروازہ بند ہوتا ہے اور آخرت کا کھل جاتا ہے۔ کلمہ خیر پر بند ہونا اور اسی کلمہ خیر پر آخرت کا دروازہ کھلنا اسی کو اس مناجات میں **اللّٰھم لقنی حجۃ الایمان عند الممات**، سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جامع دعا

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کے ساتھ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کی تلاوت سن کر بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا:

سل تعطه دو بار فرمایا تو عبداللہ بن مسعودؓ نے دعاء مانگی:

اللّٰھم انی اسألک ایمانا لا یرتدو نعیما لا ینفد ومرافقة نبینا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اعلی درجة الجنة جنة الخلد

(مستدرک نسائی۔ابن حبان۔من عبداللہ بن مسعودؓ)

یا اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں کہ پھر نہ پھرے اور ایسی نعمتیں کہ ختم نہ ہوں اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جنت کے اعلیٰ ترین مقام جنت خلد میں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دو بار عبداللہ بن مسعود کو فرمایا کہ مانگو دعاء قبول ہوگی تو انہوں نے مذکورہ دعا مانگا، ایسا ایمان جو درجہ حق الیقین کی کیفیت میں ہو اور جو مقام مل جائے پھر اس میں رجعت نہ ہو رسوخ وترقی کی جانب ہو کیوں کہ انسان پر ظاہری احوال کی طرح باطنی کیفیت بھی ادلتی بدلتی رہتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یقین کی کیفیت میں حجاب مثل سحاب حائل ہو جاتے ہیں اور بندہ مومن حیران و پریشان ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افقہ الصحابہ میں سے ایک ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا کہ مانگ ملے گا تو بارگاہِ قدس میں عرض کیا کہ ایمان کی یقین والی کیفیت رسوخ وملکہ اور حال وحلاوت والی ذوقی ومشاہداتی حالت وکیفیت عطا کیجئے اور وہ دائمی ملکہ ہو جائے جس میں خلل وفتور اور زوال وزھول نہ ہو بلکہ رسوخ وملکہ کی کیفیت کے حاصل ہونے کے بعد عروج ہی عروج ہو۔ ترقی ہی ترقی ہو۔ زَادَتْ هُمْ اِيْمَانًا کی شان عطا ہو اور حسن اتفاق کے وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی فرما رہے تھے۔

كلما تليت عَلَيْهِ آيَاتِهٖ زَادَتْ هُمْ اِيْمَانًا، کے بروقت محل اور موقع کا فائدہ

بھی اٹھالیا اور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو قبل از دعا ہی بشارت سنادی تھی کہ سل تعطہ سوال کرو مانگ لو، ملے گا دیا جائے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی پر بس نہیں کیا اور نعیمًا لا ینفد، ایسی نعمتیں کہ ختم نہ ہوں۔ اللہ اکبر کبیرا کیا پر مغز دعا ہے، یا اللہ ایسی نعمتیں جو ختم نہ ہوں، اس میں دنیوی واخروی، ظاہری و باطنی تمام نعمتیں آگئیں اور نعمتوں کا دوام، شکر وطاعات کے دوام سے نصیب ہوتا ہے تو اشارہ اس طرف بھی ہوا کہ دوام شکر وطاعات کی توفیق بخش تا کہ دوام نعمت کے ساتھ دوام شکر وطاعات ہوتی رہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنتِ خلد میں معیت نصیب فرما جو اعلیٰ ترین جنت ہے، اس طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو تین جملوں میں دنیا وآخرت کی تمام ایمانی وروحانی سعادتوں ورحمتوں کا سوال پیش فرمایا۔ یہ چند مناجات کے کلمات اللّٰھم زینا بزینۃ الایمان، کی مناسبت سے نقل کردئے گئے ہیں تا کہ زینت ایمان کی کچھ وضاحت الفاظ نبوی وآثار سے ہوجائے۔ ورنہ اصل موضوع تو اس چند صفحات کا لقاء اللہ اور لقاء رحمن ہے اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

واللّٰہ المعین والمستعان والیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

یا اللہ ہمیں راہ نما راہ یاب بنادے

واجعلنا ھداۃ مھتدین، (مستدرک عن عمار بن یاسر)

(یا اللہ) بنادے ہمیں راہ نما راہ یاب۔

یعنی آپ کی توفیق سے ہدایت پر جمے رہیں اور دوسروں کے لئے بھی راہ ہدایت پر رہنما رہیں۔ خود ھدایت یافتہ ہوں اور ہدایت کی جانب لوگوں کو بلانے والے ہوں۔ آدمی جب راہِ حق پر جمتا اور چلتا ہے تو اس کی ایمانی قوت اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی

اور مجبور کرتی ہے کہ وہ جس راہ حق پر چل کر حق تعالیٰ کی رضاء کی جستجو میں ہے دوسرے بھی حق تعالیٰ کی رضا کو پالیں۔

ایک موقع پر یوں مانگا: **اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین**، یا اللہ کردے ہمیں ہدایت یافتہ وراہ نما اور راہ یاب۔ یعنی تو ہم کو ہدایت بھی دے اور دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا کہ لوگوں کو حق وصداقتِ اسلام کی طرف بلاؤں اور حق کی طرف لاؤں ،حق پرست وخیر وبھلائی کا ھادی رہوں جب انسان دوسروں کو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو اس کا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ خود ہدایت پر جمنے کی منجانب اللہ قوت واستعداد پیدا ہوتی ہے اور ہدایت پر منجانب اللہ استقامت کی نعمت میسر ہوتی ہے۔

شعر: ؎

تنہا نہ چل سکیں گے، محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے
میں چل رہا ہوں منزل مقصود کی طرف
چلنا ہو آپ کو بھی تو ہمراہ آیئے

شوقِ ملاقات باری میں اشیاء سے فنائیت

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْیَتَکَ اَخْوَفَ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ وَاقْطَعْ عَنِّی حَاجَاتِ الدُّنْیَابِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ۔ وَاِذَااَقْرَرْتَ اَعْیُنَ اَھْلِ الدُّنْیَامِنْ دُنْیَاھُمْ فَاَقْرِرْ عَیْنِیْ مِنْ عِبَادَتِکَ۔

(رواہ انو نعیم فی الحلیۃ الاولیاء فیض القدیر رقم: ۱۵۱۷۔ عن ھیشم بن مالک طائی)

یا اللہ کردے اپنی محبت کو مرغوب ومحبوب تر مجھے تمام چیزوں سے اور کردے اپنے ڈر وخوف کو میرے نزدیک تمام چیزوں سے خوفناک تر اور قطع کردے مجھ سے دنیا کی

حاجتیں اپنی ملاقات کا شوق دے کر اور جہاں تو نے ٹھنڈی کر دی ہیں اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے تو ٹھنڈی کر دے میری آنکھ اپنی عبادت سے۔

یعنی اے اللہ ایسا کر دے کہ کائنات کی ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیری محبت ہو۔ اور ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیرا خوف ہو اور اپنی ملاقات شوق کو مجھ پر اتنا طاری کر دے کہ دنیا کی ساری حاجتوں کا احساس اس کی وجہ سے فنا ہو جائے اور جہاں تو بہت سے اہل دنیا کو ان کی مرغوبات دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو میری آنکھیں طاعت وعبادت سے ٹھنڈی کر۔ (یعنی مجھے عبادت کا وہ ذوق وشوق بخش دے کہ اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور پھر مجھے عبادت کی بھرپور توفیق دے)۔

حق جل مجدہ کی محبت کی محبوبیت ومرغوبیت

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ

اے اللہ کر دے اپنی محبت کو ساری چیزوں سے محبوب۔

اہل ایمان میں اطاعت وعبادت سے حق تعالیٰ کی معرفت پیدا ہوتی ہے اور باری تعالیٰ کی جس قدر معرفت بڑھے گی رب العزت کی محبت جاں گزیں ہوگی اور پھر نگاہ مخلوق سے ہٹ کٹ کر ذاتِ حق کی جانب مرکوز ہوگی اس مناجات میں حق تعالیٰ سے یہی عرض کیا جا رہا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اور چیزیں بلا شک وریب ضرورت و حاجت پوری ہونے کا ذریعہ بنے گی تاہم میرے مالک ورب میں ان چیزوں میں الجھ کر ان کو ہی محبوبیت کا مقام نہ دوں بلکہ رب العزت منعمِ حقیقی آپ ہیں، لہٰذا کائنات عالم کی ساری چیزوں سے زیادہ مجھے آپ سے محبت ہو اور محبوبیت کے مقام پر آپ کی ذات بابرکات ہو، فانی چیزوں کے مقابلہ میں باقی ذات سے محبت ہو اور یہ میں آپ سے ہی مانگ رہا ہوں، کیوں کہ آپ کے محبت کی محبوبیت ومرغوبیت یا سمیع الدعاء

یا مجیب آپ سے ہی مانگی جاسکتی ہے اور آپ کی عطاء سے مل سکتی ہے۔ یا اللہ محبت کے محبوبیت کی یہ شان آپ کے لئے خاص ہے آپ خالق ہیں اور پورا جہاں مخلوق، اے مالک مخلوق کی گرفتاری سے میرے خالق اپنی محبوبیت دیدے۔

ایمان کا مقتضی

ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کی محبت اور اطاعت میں فرق ہونا چاہیئے اس لئے اھل ایمان اگرچہ بعض چیزوں کو شرعاً وطبعاً محبوب رکھتے ہیں۔ مگر اس درجہ محبوب نہیں رکھتے کہ ان کو اللہ کے برابر کردیں بلکہ وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت اور محکم ہیں، اس لئے کہ دنیا میں جو بھی فضل وکمال یا جودونوال ہے اس کا منبع وسرچشمہ رب ذوالجلال ہے۔ اور مخلوق اس کا عکس و پرتو ہے، اس لئے اھل ایمان خالق کو بالذات محبوب اور مخلوق کو بالعرض محبوب رکھتے ہیں اس لئے کہ محبت۔ محبوب کی عزت اور کمال کے مطابق ہوتی ہے اور عزت اور کمال اور جودونوال میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں، وہی منعمِ حقیقی ہے، اسلئے راحت اور شدت، بیماری اور تندرستی، شادی اور غمی کسی حال میں بھی اھل ایمان کی محبت اللہ سے کم نہیں ہوتی۔ بخلاف مشرکین کے جب اپنے معبودوں سے ناامید ہوجاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ

(تفسیر مولانا کاندھلویؒ: ۱/ ۳۴۷)

سچی اور حقیقی محبت وہی ہے جو مومن اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں

علّامہ شبیر احمد عثمانی آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے، کیوں کہ مصائب دنیا میں مشرکین کی محبت بسا اوقات

زائل ہو جاتی ہے، اور عذاب آخرت دیکھ کر تو بالکل تبرّی اور بیزاری ظاہر کریں گے، جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔ بخلاف مومنین کے کہ ان کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج وراحت، مرض وصحت دنیا وآخرت میں برابر، باقی و پائیدار رہنے والی ہے اور نیز اھل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے، وہ اس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے، جو محبت کہ اہلِ ایمان ماسوی اللہ یعنی انبیاء واولیاء وملائکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی عظمت شان کے موافق بالاصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبت رکھتے ہیں۔ گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ اللہ اور غیر اللہ کو محبت میں برابر کردینا خواہ وہ کوئی ہو یہ مشرکین کا کام ہے۔
(سورۃ البقرہ۔ ۱۶۵)

حق تعالیٰ کی سچی محبت کا امتحان

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو بتوں کی محبت میں گھل گئے اور اپنی جان کو اسی دھن میں تباہ کردیا امر فرمائیں گے کہ اگر تمہیں ان کی سچی محبت ہے تو ان کے ساتھ جہنم میں جاؤ وہ صاف انکار کردیں گے اور ہرگز نہ جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے عشاق اور دلداروں سے کافروں کے روبرو فرمائے گا کہ اگر تم میرے دوست ہو تو جہنم میں جاؤ، وہ یہ حکم سنتے ہی سب کے سب جہنم میں کود پڑیں گے، اس کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

عوام کے نزدیک سب سے زیادہ قریب شئی اس کا نفس ہے، اس لئے وہ اپنے نفس کو چاہتے ہیں اور اللہ کی محبت بھی اگر ہوتی ہے تو وہ بھی اپنے نفس کے لئے (مثلاً اس واسطے کہ اگر ہم عبادت کریں گے تو وہاں راحت وآرام ہوگا) اور محققین یہ سمجھتے اور

جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود ہمارے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (یعنی ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہیں لیکن اے عام لوگوں تمہیں نظر نہیں آتا) اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی جان کو بھی نہیں چاہتے اور اپنے نفس کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی چاہتے ہیں اور اسی طرح ہر محبوب شئی سے اللہ ہی کے لئے محبت کرتے ہیں، تو سچی محبت اور ذاتی الفت ان ہی لوگوں کو ہے اور سچ تو یہ ہے کہ محبت میں سچے لوگ یہی لوگ ہیں اور جب اس پاک گروہ کو اللہ کی محبت اس درجہ ہوتی ہے کہ ہر شئی سے محبت اللہ ہی کے واسطے ہو جائے تو اس وقت محبوب کا ستانا بھی ان کے نزدیک انعام سے کم نہیں ہوتا بلکہ ستانے میں انعام کی نسبت اور زیادہ لطف آتا ہے کیوں کہ اس میں اخلاص خوب ظاہر ہوتا ہے، بخلاف انعام کے کہ اس میں اس قدر اخلاص مترشح نہیں ہوتا (کیوں کہ مثل مشہور ہے جس کا کھائے اس کا گائے) اور قیامت کے روز ان لوگوں کو علی الاعلان کفار کے روبرو حکم دیا جائے گا کہ اگر تم میرے دوست ہو تو جہنم میں داخل ہو جاؤ، وہ سنتے ہی اس میں گھس جائیں گے اس وقت عرش کے نیچے ایک پکارنے والا پکارے گا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

تو یہ انہی لوگوں کی ہمت ہے کہ جلتی آگ میں کود پڑیں گے، رہے وہ لوگ جو اللہ کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی امید پر کرتے ہیں تو وہ اللہ کی رضامندی کیلئے دیدہ و دانستہ آگ کو ہرگز اختیار نہ کریں گے یہ تو اسی سے ہو سکتا ہے جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ معیت اور قرب ذاتی ہو اور بار امانت کا حامل ہو۔ (تفسیر مظہری۔ گلدستہ ۱/۲۸۹)

حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال

ترمذی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ نماز بعد یہ دعا مانگ لیا کریں اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو منجانب اللہ کہا گیا کہ سوال کیجئے تو آپ نے یہ دعا مانگی:

اللّٰھم انی اسألک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین وان تغفر لی وترحمنی واذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون واسألک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقرب الی حبک۔

(ترمذی عن معاذ ؓ۔ وحاکم عن ثوبان ؓ الاحادیث القدسیہ رقم۔ ۱۴۴ ص ۱۱۰)

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق نیکیوں کے کرنے کی، اور بُرائیوں کے چھوڑنے کی، اور غریبوں کی محبت کی اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر دے، اور جب تو کسی جماعت پر بلا نازل کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے اٹھا لینا اس بلا میں پڑنے سے پہلے۔ اور میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت (بھی) جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور اس عمل کی (بھی) محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے۔

یہ دعا ایک حدیث قدسی کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز نماز فجر میں تاخیر سے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا اپنی جگہ جمے رہو پھر تاخیر کا سبب بتایا کہ رات اللہ نے جتنی توفیق دی نماز ادا کی پھر اللہ تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا تو رب العزت نے مجھ سے سوال کیا کہ ملاء اعلیٰ یعنی آسمان میں کس سلسلہ میں فرشتوں کی بحث ہو رہی ہے؟ تو میں نے عرض کیا مجھے نہیں معلوم یہ بات تین مرتبہ ہوئی پھر حق تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی خنکی میں نے سینہ میں پایا (خنکی یعنی تجلی رحمت وعلم) پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے جان و پہچان لیا کہ کس سلسلہ میں بحث ہو رہی ہے پھر حق تعالیٰ نے پوچھا تو میں نے بتلایا کفارات میں۔ سوال ہوا وہ کیا ہیں۔ میں نے جواب

دیا، پاؤں پیدل جانا (نماز) جماعت کے لئے نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا۔ اور وضو میں اسباغ یعنی خوب اہتمام جبکہ جی نہ چاہے، پھر سوال ہوا اور کس چیز میں، میں نے عرض کیا کھانا کھلانا، گفتگو میں نرمی اختیار کرنا، اور رات میں نماز پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں پھر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سوال کرو۔ تو میں نے یہ دعاء مانگی:

اللّٰھم انی اسألک فعل الخیرات۔ الخ

ترمذی میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ **یا محمد اذا صلیت فقل**۔ اے محمد جب نماز پڑھ لو تو کہو: **اللّٰھم انی اسألك فعل الخیرات**۔ الخ اس دعا میں نیکی کرنیکی کی توفیق، اور منکرات چھوڑنے کی توفیق، اور مساکین کی محبت، اور حق تعالیٰ سے مغفرت ورحمت، اور فتنہ وفساد سے مکمل حفاظت کے ساتھ آخرت کا سفر، اور حق تعالیٰ کی محبت حق تعالیٰ سے ہی، اور حق پرست حق آگاہ، اہل حق کی محبت...... پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ کہ اطاعت سے معرفت اور معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے محبوبیت کا مقام منتہی لوگوں کا ہے محبوبیت میں فناء اور فناء الفناء کا مقام آتا ہے پھر حیرانی ہی حیرانی ہے اور تسبیح وتقدیس کے سواء کچھ بھی نہیں۔

سبحانه ما اعظم شانه۔ سبوح قدوس رب الملائكة والروح ۔ باقی ذات رب ذوالجلال والاکرام کی ہے۔

یہ جو دعاء میں آیا ہے **فعل الخیرات وترك المنکرات**، یہی دونوں بازو ہیں تقویٰ اور قربِ الٰہی کے، رشد وہدایت کی اعلیٰ ترین منزل خیرات کے وجود وعمل سے اور معاصی ومنکرات کے چھوڑنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں، ایک سے وجودی وثبوتی ملکہ راسخہ کے نورانی رابطہ وتعلق مع اللہ کو عروج وترقی کی راہ ملتی ہے یعنی فعل الخیرات سے اور دوسرے ترک المنکرات سے حجابات وموانعاتِ ظلماتی سے خلاصی ونجات ملتی ہے۔

عروج وترقی کے لئے یہی دو عملی قدم ہیں کہ راستہ کو طے کرنے کی قوت وطاقت روحانی ونورانی ملجائے اور راستہ کی تمام رکاوٹیں ہٹ جائیں اور بندہ قرب ورضاء کی منزل پر پہنچ جائے۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عروج وترقی اور قرب ورضاء کے لئے جن دو صفات کا ہونا ضروری ولازمی ہے ان کو اللہ سے مانگا۔ تقویٰ تو امتثال اوامر یعنی حکم کو بجالانا اور اجتنابِ نواہی یعنی منکرات ومعاصی سے دوری کا ہی نام ہے۔

حب المساکین، مساکین کی محبت سے قلب میں لینت ونرمی، تواضع وتذلل اور طبیعت میں سلامتی جو عبدیت کی شان ہے باقی رہتی ہے اور پھر ذوق شوق کے ساتھ عبادت واطاعت کا جذبہ بحال رہتا ہے جس سے دل کی سلامتی اور خیر کا داعیہ اور اہل ایمان کے درد ودکھ میں شریک رہنا آسان وسھل ہوتا ہے یہ نعمت بھی اللہ سے مانگنی چاہیے تا کہ دل خراب نہ ہو اور دل کا رُخ مساکین کی محبت سے خیر وبھلائی کی طرف مائل رہے تا کہ انابت ورجوع کی شان باقی رہے۔

یا اللہ فتنہ کے وقت سے پہلے اپنے پاس بلا لینا

وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ (عن ابن عباسؓ)

وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ (عن معاذؓ)

اور جب تو ارادہ کرے کسی قوم پر بلا نازل کرنے کا تو اٹھا لینا مجھے اس بلا میں پڑنے سے پہلے، فتنہ خواہ جسمانی ہو یا روحانی، مادی ہو یا قانونی، عزت وآبرو کا ہو یا عفت وعصمت کا، قومی ہو انفرادی، سیاسی ہو یا سماجی، الغرض کسی بھی قسم کا ہو آج کل کے حالات میں جہاں ہر طرف فتنہ ہی فتنہ ہے، ملکی فتنہ، جاہ کا فتنہ، باہ کا فتنہ، قیادت کا فتنہ، سیاست کا فتنہ، لسانی وقومی فتنہ، اور بے شمار فتنے ہیں، اور نہ معلوم نت نئے اور کتنے فتنے وجود میں آئیں گے۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رب العزت سے تمام فتن سے

حفاظت ومحفوظ رہنے کی جامع دعا مانگی ہے۔آج پورے عالم میں مسلمانوں پر فتنوں کے دروازوں سے نہ معلوم کیا کیا نئے نئے فتنے مسلط کئے جا رہے ہیں اس لئے تمام عالم کے مسلمانوں کو خواہ عجمی ملک کے ہوں یا عرب ملک کے ہوں سب کو زبان نبوت سے نکلے ہوئے خوبصورت جامع دعاء کو ہر پنج وقتہ نمازوں کے بعد دعاء کا اہتمام کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء وحی الٰہی بن کر نازل ہوئی ان دونوں رسولوں نے بھی فتنہ سے اللہ کی پناہ اور سلامتی مانگی ہے، اللہ کافروں کا مسلمانوں کو تختہ مشق نہ بنائے۔

یا اللہ ہمیں کافروں کے لئے تختہ مشق نہ بنا

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۃ الممتحنہ)

اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا اور اے پروردگار ہمارے گناہ معاف کردیجئے بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔(حضرت تھانویؒ)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے عرضِ حال کیا۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ،

اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔(حضرت تھانویؒ)

اور پھر عرض حال بغرض سوال۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

فرمایا یعنی اے اللہ ہمارا بھروسہ فقط آپ پر ہے کہ سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری

ہی طرف آنا ہے **وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ** یہ عرض حال ہے، پھر سوال کیا یا اللہ، ہمیں بے ایمانوں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا، یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں اسلام اور مسلمان پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں، **واغفر لنا** - یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگذر کر۔ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ**، تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ومقہور نہ ہونے دے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا، مناجات کو محکم کرنے اور درخواستِ رحم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے ربنا کا دوبارہ ذکر کیا۔ **فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا**، یعنی کافروں کو ہم پر مسلط نہ کرنا کہ وہ ہم کو سخت ایذائیں دے سکیں اور ہم سے مواخذہ کریں اور اس وقت ان کے لئے فتنہ ہو، یعنی ان کو عذاب دینے کا سبب پیدا ہو جائے۔

زجاجؒ نے کہا! ان کو ہم پر غالب نہ کر، ہم پر ان کو قابو نہ دے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرنے لگیں۔

مجاہدؒ نے کہا۔ ہم کو انکے ہاتھوں عذاب نہ دے، نہ اپنی طرف سے عذاب نازل کر، ورنہ وہ کہیں گے کہ اگر یہ مومن حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے **واغفر لنا**، کبھی اپنے گناہوں کی وجہ سے مومن مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں۔ اور کفار کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اس لئے درخواست مغفرت کا ذکر کیا گیا۔ **انت العزیز**، یعنی تو ہی ایسا غالب ہے کہ جس کو اپنی پناہ میں لے لے اور تجھ پر بھروسہ کر لے کوئی اس کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ **الحکیم**، حاکم، واقف دعا کو قبول کرنے پر قدرت رکھنے والا۔ (تفسیر مظہری)

مسلمانوں کے لئے موحد اعظم کے نقش قدم پر فوز و فلاح

ربنا عليك توكلنا الخ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا۔ (کہ ہر چیز میں تو ہی کارساز ہے، اگر ہم کافروں سے دشمنی اور براءت اختیار کریں گے تو ان کی دشمنی کا اور ان سے علیحدگی کا ہمیں کوئی خوف واندیشہ نہیں اس لئے کہ ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کرلیا اور ہر پریشانی اور ضرورت کے لئے ہم نے دنیا سے اپنا رخ موڑ کر تیری ہی طرف اپنا رخ کرلیا اور کیوں نہ کریں جبکہ تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ (اے اللہ ہم کمزور ہیں مصائب وشدائد برداشت کرنے کی طاقت نہیں تو) اے پروردگار تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختہ مشق نہ بنانا اور ہم کو معاف کردینا۔ (اگر کسی وقت صبر واستقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔) اے (اللہ) ہمارے رب بے شک تو بڑی عزت وحکمت والا ہے۔ (کہ تیری ہی عزت وقوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہوسکتے ہیں)۔

اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختہ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مزاق اڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح وتنبیہہ کے لئے ہوگا۔ یقیناً اس بیان کردہ ضابطہ میں اے مسلمانوں) ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے اس میں (ایک عظیم سامان ہدایت واستقامت ہے) جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور قیامت کے روز کی (تو بیشک ایسے لوگ ابراہیم علیہ السلام کی روش اختیار کریں گے اور ان کو اس بات کی ذرہ برابر پرواہ نہ ہوگی کہ دنیا ایسے لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہے وہ دنیا کے موحد اعظم ہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنے ایمان واعتقاد سے اسی بات پر یقین واعتماد رکھیں گے کہ مستقبل کی کامیابی اور عزت وعظمت کفر اور کافروں سے اعلان برأت وبیزاری ہی میں ہے وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر

کافروں سے دوستی کا نٹھنا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لئے مہلک اور خطرناک ہے یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمان کی فلاح و کامیابی اور عظمت و ترقی موقوف ہے جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہوگا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل و ناکام بنائے گا) بس اللہ ہر حال میں بے نیاز قابل تعریف ہے (اس کو نہ کسی کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔ (معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ ۸ / ٦٥)

حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد فتنہ سے نجات کی کلید ہے

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ (سورۂ یونس)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے اللہ) پر یمان رکھتے ہو تو (سوچ بچار مت کرو بلکہ) اسی پر توکل کرو اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو (توکل کے لئے یہ لازم ہے کہ خلق پر نظر نہ رہے طمعاً یا خوفاً پس یہ منافی دعا کے نہیں) انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقہ میں ان کافروں سے نجات دیدے (یعنی جب تک ہم پر ان کی حکومت مقدر رہے، ظلم نہ کرنے پائیں اور پھر ان کی حکومت کے دائرہ سے نکال دیجئے) (بیان القرآن۔ حضرت تھانویؒ)

موسیٰ علیہ السلام نے جب ان اہل ایمان کو فرعون سے خائف دیکھا تو ان سے یہ کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو (اور یہ جانتے ہو کہ نفع اور ضرر سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے) تو اسی پر بھروسہ کرو (وہ تم کو دشمن کے فتنہ سے بچائے گا) اگر

تم اللہ کے فرمانبردار ہو (اور تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے)۔

زندہ کُنی عطائے تو ...... در بکشی خدائے تو
جاں شدہ مبتلائے تو ...... ہر چہ کُنی رضائے تو

ایمان واسلام اور توکل صادق اگر جمع ہو گئے تو دیکھ لینا کہ تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور فرعون کی عزت مبدل بہ ذلت ہو جائے گی۔ ایمان کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں اور توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں اور اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے ہیں۔

سپردم بتو مایہ خویش را ...... تو دانی حساب کم وبیش را

اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان وایقان میں سچے ہو تو تم پر توکل (یعنی اللہ پر اعتماد کرنا) واجب ہے اور توکل کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ اور سپرد کر دو اور اسباب ظاہری سے نظر کو ہٹا لو اس لئے اس آیت میں ایک حکم (یعنی حکم توکل) کو دو شرطوں پر معلق فرمایا اور ایک حکم کو دو شرطوں کے درمیان میں اسلئے ذکر کیا کہ نفس توکل کا وجوب نفس ایمان پر موقوف اور معلق ہے اور صدق توکل کا ظہور اسلام یعنی تفویض وتسلیم پر موقوف ہے، خوب سمجھ لو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر تجھے زید بلاوے تو چلا جانا اگر تجھ سے ممکن ہو) پس انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام کے اس موعظت بلیغہ کے جواب میں) عرض کیا (اے موسیٰ) ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا (وہی دشمن سے حفاظت کرے گا اب ہماری نظر صرف پروردگار پر ہے اور دعا کرتے ہیں) اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا۔ (تاکہ ایمان کی عزت ظاہر ہو) اور ہم کو اپنی رحمت سے اس کافر قوم کے فتنہ کی ذلت سے نجات دے۔ (یعنی کفر کا غلبہ ہم سے اٹھا لے)۔ (سورۂ یونس؛ معارف القرآن، حضرت کاندھلویؒ ۳/۶۲۱)

فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

فتنہ سے مراد ہے نشانہ عذاب، نزول عذاب کا مقام، یعنی اے ہمارے رب ان ظالموں کو ہم پر قابو نہ دینا کہ ہم کو یہ عذاب کا نشانہ بنا سکیں، یا یہ مطلب ہے کہ ان کافروں کے کفر اور سرکشی میں اضافہ کا سبب ہم کو نہ بنانا کہ براہ راست تیرے امتحان میں ہم مبتلا ہو جائیں، یا فرعون کے ہاتھوں ہم پر عذاب نازل ہو جائے اور پھر فرعون والے کہیں کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور اس کے کہنے سے ان کا کفر اور ترقی پر ہو جائے۔

ونجنا برحمتك:

یعنی ان کی مکاری اور شازش اور نحوست سے نجات دے دعاء سے پہلے توکل کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ دعا کرنے والے پر سب سے پہلے اللہ پر بھروسہ رکھنا لازم ہے تا کہ اس کی دعا قبول ہو سکے۔ (تفسیر مظہری ۳/۶۸۷)

خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء میں شان جامعیت

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہما السلام جو اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں وقت کے بڑے ظالم و کافر کے فتنہ سے نجات و سلامتی چاہ رہے ہیں ہمارے نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع دعاء مانگی کہ رب العزت فتنہ کافر کا ہو یا ظالم کا۔ فاسق و فاجر کا ہو۔ یا منافق و ملحد کا جان کا ہو یا مال کا۔ اسلام کا ہو یا ایمان کا اعمال کا ہو یا بدعملی کا، فسق و فجور کے شیوع کا ہو یا بے حیائی و بدکرداری کے ظہور کا، مادیات کا ہو یا روحانیات کا، خشوع و خضوع کے زوال کا ہو یا خلوص وللّٰہیت کی کمی اور خلل و فتور کا، غرض یہ کہ جس قسم کا فتنہ ہو اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو محفوظ فرمائے۔ فتنہ میں تمام شرور و فتن کی ہمہ گیری ہم جہتی سے پناہ چاہا گیا ہے۔ اس وقت کے حالات جو پوری دنیا میں امت خیر کے

خلاف منظم ومضبوط اور مستحکم پروگرام کے تحت چلایا جارہا ہے کیا مسلمان اور کیا غیر سبھی اس پروپیگنڈہ کے تحت امت خیر کو مطعون کئے ہوئے ہیں۔اس وقت میری درخواست تمام امت کے دینی قائدین، مصلحین، مبلغین، علماء، خطباء، دعاۃ سے ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کو دونوں اولوالعزم نبی کی دعاء یاد کرائی جائے اور سبھی لوگ اس دعا کا اہتمام کریں۔ مساجد میں ائمہ حضرات پابندی سے یہ دعا مانگیں۔تا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے باطل کے شرور وفتن سے امت اور ملت محفوظ رہے اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت باطل کے تمام ظاہری اور چھپے ہوئے فتنوں سے حفاظت فرمائے گا۔فتنوں سے نجات کیلئے دعا کا اہتمام کیا جائے دعا سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے، دعا رب العزت کے دروازہ پر دستک دینا ہے وہ ضرور کھولے گا اور نامراد نہیں بامراد کریگا۔

وَاَسْأَلُكَ حُبَّكَ، اور مانگتا ہوں تجھ سے تیری محبت ایک بندہ مومن کی سب سے عظیم سعادت اور خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے معبود ومسجود کو کائنات عالم میں سب سے زیادہ محبوب **وَاحَبّ** اپنے دل میں رکھے کیوں کہ اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی قلب کی سعادت ہے نہ ہی لذت اور نہ ہی اس سے بلند وبرتر کوئی نعمت وخوبی ہے کہ ماسواء اللہ سے دل خالی ہو اور اگر کچھ ہو تو وہ بس اللہ۔اللہ۔اللہ ہو اور اسی کی محبت دل میں **اَحَبُّ وَاَلَذُّ** ہو۔کیوں کہ عبودیت خاص ہے اللہ کیلئے اور اس راہ پر چلنے کیلئے دو بنیادی پر ہیں۔ غایت ونہایت درجہ کی اللہ سے محبت۔اور غایت ونہایت درجہ کی پستی وذلت۔اُن کی ہستی ووجود کی عظمت وقدرت کے سامنے اپنی پستی ونیستی اور ذلت وتقصیر کا اعتراف واقرار۔اور رب العزت کی جبروت وکبریائی، اور شان جلالی واکرامی کو ملحوظ رکھتے ہوئے غایت ونہایت درجہ کی محبوبیت واحبیت اللہ کا ہی حق ہے۔اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ہر محبوب میں یہ خاصیت نہیں کہ تمام مسموع اور سننے والی اور کان میں پڑنے والی

چیزوں سے کان کو بہرا کر لینے کا فیصلہ کر دے کہ فقط تم اپنے محبوب کی سنو، اور آنکھ کو محبوب کے چہرے کے علاوہ دوسرے کو دیکھنے سے اندھا کر لو۔ اور زبان کو محبوب کے ذکر کے علاوہ سے علیحدہ اور گنگ رکھو، اور دیکھو قلب میں محبوب کی محبت کے سوا کوئی چیز داخل نہ ہونے پائے، اور تصور و خیالات کی جولان گاہ پر قفل و تالہ ایسا لگادو کہ غیر اللہ کا خیال بھولنے سے نہ آئے اور جب خیال آئے تو محبوب کی تنزیہہ و تقدیس کے ساتھ اس کی تجلیاتی شکل و صورت ہی آئے۔ یہ حق صرف **هُوَ اللهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** کو ہے۔

الغرض حق جل مجدہ کی محبت یہ ہے کہ انہی کے احکامِ شریعت اور آدابِ عبودیت کو سنے، انہی کی قدرت و عظمت اور شان جلالی و جمالی کے شواہد و دلائل کو دیکھے، ہر وقت انہی کا دُھن و دھیان تصور و تخیل میں موجود ہو۔ زبان بولے تو انہی کا تعارف ہو اور زبان پر حق گویا ہو۔

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی — ومشواک فی قلبی فاین تغیب

اِجْعَلْ هِمَّتِیْ وَهَوَائِیْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ، (الحزب الاعظم)

مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی کی محبت کا سوال

وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ، اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو۔ جیسے اولیاء ابرار، اخیار، اتقیاء، صلحاء، اصفیاء، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور فرشتے یعنی یا اللہ جو مقربین بارگاہِ قدس ہیں ان کی بھی محبت عطاء فرما۔ جن کی ظاہری، باطنی، خلوت و جلوت، سرائر و ضمائر، یادِ حق اور رضاءِ حق میں لگی ہوئی ہے اور جو حق پرست و حق آگاہ، حضورِ حق کے حاضر باش لوگ و گردہ ہیں ان کی بھی محبت عطا فرما۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، (بخاری)

یعنی جو جس گروہ سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔

ان عاشقانِ پاک طینت کی محبت بھی حق تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہوگی کیونکہ بخاری میں روایت ہے۔ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُه لِلْحَرْبِ، اللہ والوں سے دشمنی حق تعالیٰ سے اعلان جنگ ہے۔ اس لئے بھی مقربین ومحبوبین بارگاہ سے محبت اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے۔

مناجات میں ہے۔ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ، (کنز العمال عن ابن عباس) اور اسی کو دوست رکھیں جو تجھے دوست رکھتا ہو۔

اعمالِ قرب الٰہی کا سوال

وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ اِلٰى حُبِّكَ ، اور اس عمل کی محبت جو قریب کردے تیری محبت سے یعنی اعمال تو بے شمار ہیں مگر جن اعمال سے قرب کا راستہ اقرب واسھل ہو کر جلد محبت الٰہی تک پہنچادے وہ مانگا جارہا ہے، یعنی وہی اعمال صالحہ وجود میں آئیں جو قرب ورضا کی منزل کو طے کرادے اور تیری محبت دل میں پیوست وجاں گزیں ہوجائے۔ حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل ہوجانا یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جو ہر مجاہدہ وریاضت اور جہد وسعی کو آسان وشیریں بنادیتی ہے اور پھر مولا کی محبت کا طالب تمام تر اپنی قوی اور قوتِ جسمانی اور روحانی، علمی وعملی توانائی وطاقت کو محبت الٰہی کے حصول کے لئے صرف کردیتا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ خلاق عالم۔ رب العٰلمین، رب العرش الکریم، حي وقیوم، قدوس وسبوح کی محبت، عبودیت واستحضارِ ذلت کے ساتھ انہماک اعمال صالحہ سے ملتی ہے اور ملے گی۔ اور محبت کا پیمانہ بھی عبادت واطاعت سے پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حُبَّ عَمَلٍ فرمایا کہ محبتِ الٰہی کا ظہور اعمال خیر اور صالح سے ظاہر ہوگا۔ حق تعالیٰ کی محبت کے طالب سے کب قرب ووصول کا عمل فوت ہوگا۔

محبت وہ باطنی کشش وطاقت ہے جو طاعت میں تعب وتھکن کی جگہ ذوق وشوق اور لذت وحلاوت پیدا کر دیتی ہے۔ پھر قدم تھمتا نہیں اور سیرابی ہوتی نہیں۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حضرت داؤد علیہ السلام نے پسندیدہ اعمال کا سوال کیا

حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے احب عبادت کی بابت سوال کیا تو پھر حق تعالیٰ کی جانب سے تفصیلی جواب آیا۔ آپ حدیث قدسی کے نورانی الفاظ میں پڑھ لیں حضرت داؤد علیہ السلام کا بارگاہ رب العزت میں سوال......

قَالَ دَاؤُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا يُخَاطِبُ رَبَّهُ، يَارَبِّ أَيُّ عِبَادِكَ أَحَبُّ اِلَيْكَ أُحِبُّهُ بِحُبِّكَ؟ يَا دَاؤُدُ أَحَبُّ عِبَادِيْ اِلَيَّ تَقِيُّ الْقَلْبِ نَقِيُّ الْكَفَّيْنِ لَا يَأْتِيْ اِلٰى أَحَدٍ سُوءًا وَلَا يَمْشِيْ بِالنَّمِيمَةِ، تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَا يَزُوْلُ، أَحَبَّنِيْ وَأَحَبَّ مَنْ يُحِبُّنِيْ وَحَبَّبَنِيْ اِلٰى عِبَادِيْ، قَالَ: يَارَبِّ اِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي أُحِبُّكَ وَأُحِبُّ مَنْ يُحِبُّكَ فَكَيْفَ أُحَبِّبُكَ اِلٰى عِبَادِكَ؟ قَالَ: ذَكِّرْهُمْ بِآلَائِيْ وَبَلَائِيْ وَنَعْمَائِيْ، يَا دَاؤُدُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُعِينُ مَظْلُوْمًا أَوْ يَمْشِيْ مَعَهُ فِيْ مَظْلِمَةٍ اِلَّا ثَبَّتُّ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزُوْلُ الْأَقْدَامُ،

(أخرجہ البیہقی وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔) (الاتحاف رقم ۱۶۴۱)

ترجمہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے رب العالمین سے خطاب میں فرمایا، رب العالمین آپ کے تمام بندوں میں آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ بندہ آپ کا کون ہے؟ تا کہ آپ کی محبت کی وجہ سے میں بھی اس سے محبت کروں؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے داؤد، مجھ کو تمام بندوں میں وہ شخص پسند ہے جو پاک دل، صاف ہاتھ جو کسی کے ساتھ

برائی نہ کرے، نہ ہی کسی کی غیبت و چغل خوری کرے، اتنا ثابت قدم ہو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے مگر اس کا قدم شریعت مطہرہ کے احکام سے نہ ٹل سکے، مجھ کو دوست رکھے اور اس کو بھی جو مجھ کو دوست رکھتا ہو، اور میری محبت میرے بندوں کے دلوں میں پیوست کرتا ہو۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا رب العٰلمین آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں، اور اس شخص کو بھی جو آپ کو دوست رکھتا ہے، لیکن آپ کے لئے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت کیسے پیدا کروں، اور یہ کیسے ممکن ہے، اللہ پاک نے ارشاد فرمایا، میرے بندوں کو میرے وجود کی، توحید کی، مستحق عبادت ہونے کی دلیل کائنات عالم میں میری قدرت ونشانی کے ذریعہ قائل کراؤ، اور جو عبادت واطاعت سے منہ موڑے اس کو میری زبردست وسخت پکڑ سے ڈراؤ، اور مطیع وفرمانبردار شخص کے لئے میری نعمتوں کو یاد دلاؤ (جو اس دنیا میں بھی مل رہی ہیں اور آخرت میں بھی ملیں گی، ورنہ ادنیٰ درجہ ہے کہ موجودہ نعمتوں کو ہی دیکھ کر مطیع وفرماں بردار بن جائے) اے داؤد وہ بندہ جو کسی مظلوم کی اعانت ومدد کرتا ہے یا مظلوم کی نصرت کے لئے چند قدم چلتا ہے میں اس کے قدم کو پل صراط پر مضبوط ومستحکم کردوں گا جب کہ عام لوگوں کے قدم اکھڑ جائیں گے۔

حق جل مجدہ کی محبت خاصان حق کی علامت ہے

حق جل مجدہ کی ذات سے محبت کمال ایمان اور خاصان حق میں ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن مجید نے اس عظیم نعمت کے حصول کا بہت ہی اہم اور آسان نسخہ تجویز کیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ (سورۂ آل عمران)

کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ کی محبت کا نسخہ اعظم بتلایا گیا ہے اتباع رسول اعظم ہماری کیا

مجال و بساط کے ہم حق جل مجدہ سے محبت کریں اور محبت کا دعویٰ کریں ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو جائیں جتنی فدائیت ہو گی اتنی حق تعالیٰ سے قربت و محبت ہو گی۔ اور اسی کے بقدر اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمیں اپنے رب سے شدید محبت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی علامت کے طور پر **اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ** نازل فرمائی کہ دعویٰ محبت کو اس کسوٹی پر پرکھ لو۔ دیکھ لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی ہیئت بناتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ یہ وصول الی اللہ کا سب سے اقرب ترین طریقہ ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ فکر و نظر کو اتباع رسول کے تابع کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک موقع پر فرمایا

جو شخص جتنا سنت کا اہتمام کرے گا اتنا ہی اسے قرب الٰہی حاصل ہوتا چلا جائے گا۔ قرآن حکیم میں حضرت حق جل مجدہ نے ایمان والوں کے لئے خبر دی ہے کہ **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ**، ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ ایمان والوں کو پوری کائنات عالم میں ہر فانی کے مقابلہ میں باقی سے اور آفاق و نفس کی ہر شی سے بالاتر حق جل مجدہ سے محبت ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلُ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (ترمذی عن ابی الدرداء وعن معاذ رضی اللہ عنہ)

اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان خاصان حق کی محبت کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اور ایسے عمل کی توفیق دیجئے جو آپ کی محبت تک ہم کو

پہنچا دے۔ یا اللہ۔ آپ اپنی محبت غالب کردیجئے میری جان، میرے مال، اور اہل اولاد پر، اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی کی طلب سے زیادہ آپ کی محبت کی طلب و جستجو ہو۔ اہل اللہ یا خاصان حق آخر حضور حق میں مقبول و محبوب کیوں ہوتے ہیں؟ آخر کون سی خوبی۔ کون سی ادا ان میں ہوتی ہے جو ان کو حق آگاہ بنادیتی ہے۔ جب کہ وہ بھی تو ہماری طرح ایک بشر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان کے سینہ میں ایک دل ہے اور اس دل میں خالق ارض وسماء ہے۔ ہمارا دل لاتعداد بتوں کا کباڑ خانہ ہے۔ کہیں مال کا بت، کہیں جاہ کا بت، کہیں باہ کا بت، ہم نے اپنے دل کو بت خانہ بنایا نہ کہ خانہ حق۔ دل کو ہم نے معصیت کے دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ اے کاش کے ہم نے دل کو کسی دل والے کے آئنہ میں دیکھا ہوتا تو ہمیں احساس ہوتا کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے کیا خوب کہا ہے:

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

دوستو! دل کو بنانا ہے تو کسی صاحب دل کی ہم نشینی اختیار کرو۔ پھر آپ کے دل میں اللہ ہوگا اللہ کا نور ہوگا۔ اللہ کی معرفت ہوگی، قرآن کا نور ہوگا۔ تقویٰ کی راہ آسان ہوگی دل کو اغیار سے نفرت ہوگی ذکر اللہ میں طمانیت ہوگی، پھر آپ مردانِ حق آگاہ ہوں گے، حضور حق کے حق آگاہ ہوں گے، کیا خوب کہا ہے خواجہ صاحبؒ نے:

کس کام کا وہ دل ہے جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے جس گل میں بو نہ ہو

پھر کہا ہوگا:

ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
وہ مست ہوں میں نغمہ انی قریب کا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس دل سوزی و دل دوزی کے ساتھ حق جل مجدہ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال کیا ہے اس کا اندازہ آپ کی مناجات کے عمیق الفاظ نبوت سے ظاہر ہوتا ہے نہ معلوم فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت حق کے خزانہ عرش عظیم کی کس موج نبوت میں یہ الفاظ کہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْیَتَکَ اَخْوَفَ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ وَاقْطَعْ عَنِّی وَاقْطَعْ عَنِّی حَاجَاتِ الدُّنْیَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْیُنَ اَھْلِ الدُّنْیَا مِنْ دُنْیَاھُمْ فَاقْرِرْ عَیْنِیْ مِنْ عِبَادَتِکَ۔ آمین۔

ترجمہ: یا اللہ کردے مجھے اپنی محبت کو تمام چیزوں سے مرغوب تر، اور کردے میرے نزدیک اپنے ڈر کو خوفناک تمام چیزوں سے، اور قطع کردے، مجھ سے دنیا کی تمام حاجتیں اپنی ملاقات کا شوق دے کر۔ اور جب کہ ٹھنڈی کردی ہیں تو نے اہل دنیا کی آنکھیں انکی دنیا سے، تو ٹھنڈی کردے میری آنکھ اپنی عبادت سے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مناجات کو از اول تا آخر پڑھ جائے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے علائق سے اپنے دیدۂ باطن کو پاک کر لیجئے اور ذوقیاتِ کی حس کو تیز کیجئے اور تجلیات نور نبوت میں غوطہ لگا کر دیدۂ باطن میں بقدر ہمت وارد غیبی کے آئینہ میں لقاءرب کے شوق کو جملہ حاجات وطلبات پر غالب رکھئے، دنیا دار اپنی فانی وخا کی دنیا پر خوش نظر آئے تو آپ اپنے رب باقی کی عبادت سے شاداں وفرحاں رہئے، دنیاءِ فانی پر نازاں رہنے والا ندامت وحسرت کے ساتھ فنا ہو جائے گا۔ اور رب کریم کی عبادت سے خاطر دل کو تسکین دینے والا ابدی بقاء کا انعام پائے گا۔

ایک موقع پر نبی امی فداہ وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ہے

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ اَللّٰھُمَّ کَمَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا فِیْمَا تُحِبُّ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن یزید الانصاری)

ترجمہ: یا اللہ نصیب کر مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت میرے لئے کارآمد ہو تیرے نزدیک۔ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے دیا ہے جو کچھ مجھے پسند ہے تو کردے اسے معین میرا اس کام میں جو تجھے پسند ہے۔ یا اللہ اور جو کچھ دور کیا تو نے مجھ سے ان چیزوں میں سے جو مجھ کو پسند ہے تو کردے اسے میرے حق میں فراغ ان چیزوں کے لئے جو تجھے پسند ہے ان دعاؤں میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی محبت کا سوال کیا ہے آج تو محبت کی بات نہ ہوتی ہے نہ ہی محبت کی بات کرنے والا کوئی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ سے محبت کی بات کی جائے تو اچھے خاصے لوگ تعجب وتحیر نہیں بلکہ مجرم گردانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت۔ ہم نے عوام کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے ڈرایا اور دور کیا محبت کی راہ نہ دکھلائی نہ قریب کیا ہم نے اپنے خالق و مالک کو پہچانا ہی نہیں عوام تو عوام خواص بھی محبت سے آشنا نہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری قوت وطاقت کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت حق تعالیٰ سے مانگی ہے۔ دوستو! عبادت واطاعت امتثال اوامر یا اجتناب نواہی ومنکرات، اذکار واوراد سبھی اعمال خیر میں دو شان ہے ایک خوف وخشیت اور عذاب وعقاب سے تحفظ کے داعیہ کے تحت۔ یعنی عبادت واطاعت حق تعالیٰ کے عذاب وعقاب سے بچنے کے لئے کی جائے تاکہ حق جل مجدہ کا عذاب وغضب نہ ہو یہ بھی محمود وقابل ستائش ہے مگر کبھی یہ ذہول کے وقت معاصی کا مرتکب بھی ہوگا اور عبادت میں خلل بھی آسکتا ہے اور ایک

شان ہے حق جل مجدہ کی محبت وعظمت کی بناء پر شوق وذوق میں وظیفہ عبدیت کوادا کر کے گناہ ومعاصی کو اللہ پاک کی عظمت ومحبت میں چھوڑتا ہے۔ عذاب جہنم کے خوف سے نہیں، عبادت سے قرب کا طالب ہے جنت کا نہیں، اذ کار واوراد کی پابندی محبت سے حکم ربی جان کر رضا ورب کا طالب بن کر ادا کرتا ہے نہ کہ احوال مشاہدہ میں مزا کا طالب بن کر طالبِ رضائے مولا کے اعمال میں خلل وفتور نہیں آئے گا۔ ہر قدم منزل کی طرف تیز تر ہوگا، جام محبت کا خمار استقامتِ عبادت واطاعت کی راہ کو شوق محبت میں آسان کرتی ہوئی گام بگام قرب کی لذت میں محبت کو مستحکم کرتی ہوئی ہر خواہشات نفسانی کو مرضیات ربانی پر قربان کردے گی محبت کی لذت پُر خار وادیوں کو طے کرا دیتی ہے ۔محبت اتباع پر مجبور کر دیتی ہے۔ کیوں کہ اس میں رضائے رب اور حضور حق کی حضوری کا استحضار، شوق لقاءِ رحمن کا داعیہ آتش محبت کو دیدۂ باطن میں گرم کرتی رہتی ہے۔ جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے۔ جب لگ جاتی ہے تو پھر سرد نہیں ہوتی، مگر یہ لگتی ہے اللہ والوں کی جوتیوں میں، چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ سراج سے سراج، اللہ والوں کے پاس اللہ ملتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ وَاجْعَلْنِیْ لَکَ، دوستو! اس محبت کا چسکہ جس کو لگ گیا ہے اس سے پوچھو یہ کیسی آبِ حیات اور غیر محدود جام محبت ہے یہاں سیرابی ہوتی نہیں، طلب بجھتی نہیں تحیر بڑھتا ہے بے قراری میں قرار ہے، جستجو میں وصال ہے، ہر لذت قرب پر صد بار استغفار ہے بالآخر نہ تو قرار ہے نہ ہی راہ فرار ہے اسی عالم بے قراری کا نام اہل اللہ کے نزدیک وصال یار ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَاءِکَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ وَفِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ۔ اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ۔

(حق جل مجدہ کی باتیں ۶۰۳)

دیدار الٰہی کے شوق کو غالب کر کے دنیاوی حاجتوں کو مٹا دے

وَاقۡطَعۡ عَنِّیۡ حَاجَاتِ الدُّنۡیَا بِالشَّوۡقِ اِلٰی لِقَائِکَ،

اور کاٹ دے مجھ سے دنیا کی حاجتیں اپنی ملاقات کا شوق دے کر۔

شوقِ لقاء پر آپ مختصر پہلے پڑھ چکے ہیں۔ یہاں نبوت وخاتمیت نے انمول وانوکھا اسلوب و پیرایہ اختیار کیا ہے۔ یعنی رب العزت دنیاوی حاجت وضرورت کو مجھ تک آنے ہی نہ دے۔ دنیاوی حاجتوں کو روک دے کہ وہ میرے پاس آنے ہی نہ پائیں، حاجاتِ دنیاوی کو آپ منع کر دیں کہ میرے قریب نہ آئیں، کاٹ دیں ختم کر دیں، ان کا راستہ بند کر دیں۔

بِالشَّوۡقِ اِلٰی لِقَائِكَ یعنی باقی ومبارک اور کریم چہرہ کو دیکھنے کا شوق حاصل ہونے کی وجہ سے تمام حاجات دنیا کو مجھ سے دور رکھ۔ رب اعلیٰ کے دید شوق میں ادنیٰ کو آنے سے روک دے کہ شوقِ لقاء اَلَذُّ وَاَلۡطَفُ ہے اور حاجات دنیا ارذل وحجاب ہے۔ شوقِ لقاء اللہ نعیم ونعمت کا اعلیٰ درجہ ورتبہ ہے، قلب سلیم ومنیب کی انتہائی آرزو وخواہش اور آخری طلب وامانی ہے۔ لقاء اللہ کا شوق جس کو فضل الٰہی سے میسر ہو جائے تو پھر اس کی ہر حاجت وخواہش اس شوقِ لقاء سے چھپ جاتی ہے اور معدوم ہو جاتی ہے۔ اور شوقِ لقاء اللہ شدید سے اشد، تیز سے تیز تر ہو جاتا ہے۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل الفکر، دائم الاحزان آخر کیوں رہتے تھے اس کا سبب شوقِ لقاء اللہ کی کیفیت کا استحضار رہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نہ کوئی اللہ کے قریب ہوسکتا ہے نہ کوئی رب العزت کی عظمت وکبریائی کی شان کو جان سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ کی معرفت وعلم تمام مخلوقات سے زیادہ حاصل تھی اس لئے آپ

کے قلب و باطن پر طلب و شوق کا جو وفور و غلبہ تھا وہ دوسرا کیا جان سکتا ہے، آپ کے مقدس و مبارک مناجات سے کچھ اتنہ پتہ لگتا ہے اور قلبِ نبوت و خاتمیت پر شوق لقاء اللہ کی جو حرارت علم و معرفت کے مقام کے سبب تھی اس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْیَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِكَ** کے خوبصورت نورانی و رحمانی، نبوی الفاظ میں فرمایا۔

کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ جب طور سیناء پر تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں ان پر کیفیت و جذبہ شوق لقاء اللہ جو ہونے والی تھی اس کی طاری ہوئی تو شوق لقاء کی شدت میں اپنی خستگی و بندگی کو بارگاہ رب العزت میں ظاہر کرنے کے لئے قمیص کا گریبان چاک کرلیا، لقاء اللہ کا شوق اور پھر شدتِ شوق اور موسیٰ کلیم اللہ کا شوق لقاء اللہ کی شدت، جبکہ معلوم ہے کہ حضرت کلیم اللہ میں شان جلالی کا غلبہ وظہور گاہ گاہ ہو ہی جاتا تھا۔ علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام۔ الغرض جس شخص پر حق تعالیٰ کی شان جلالی کی صفات غیر متناہی کی معرفت کا انکشاف ہو جائے۔ اور شوقِ لقاء کی طلب و جستجو کی شدت بڑھ جائے۔ اور یہ سب حق تعالیٰ کے فضلِ خاص سے پروان چڑھ رہا ہو اور روحانی تربیت نگاہِ ربوبیت میں ہو رہی ہو اور تصور تخلیل میں محض شوقِ لقاء اللہ ہی کا تسلط اور غلبہ ہو دراصل سارا کا سارا کرشمہ طلب و شوق کا ہے۔ جس کو جس چیز کی طلب و جستجو ہوتی ہے اور اس طلب میں جتنی شدت ہوگی اشتہاء اتنی ہی بڑھے گی۔ اور اشتہاء کی تکمیل جب تک نہیں ہو جاتی اس وقت تک تسکین و تسلی نہیں ہو پاتی۔ ایک شخص کو بھوک و پیاس لگتی ہے پھر وہ اس کی طلب و جستجو کرتا ہے، خواہش و تمنا کھانے پینے کے ارد گرد گھومتی ہے۔ جب کھانا پینا مل جاتا ہے اس کی خواہش بجھ جاتی ہے، طلب و جستجو مٹ جاتی ہے اور

شوقِ لقاء اللہ کی طلب وشدت کا مدار ذاتِ حق کی عظمت وقدرت، جلال وجمال کی صفاتِ تنزیہ وتقدیس کی قدوسیت وسبوحیت، فردیت واحدیت، صمدیت وجبروتیت اور صفاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ جو بقاء وابدیت کے ساتھ متصف ہے تو شوقِ لقاء میں بقاء ہی بقاء ہے۔ فانی سے باقی کا کوئی علاقہ نہیں۔ اس لئے دید کے بعد بھی شوقِ دید ختم وفنا نہ ہوگا۔ واللہ اعلم ثمین۔

شوق لقاء اللہ کی لذت ابدی وسرمدی ہے

اس لئے حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْیَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ** فرمایا۔ یعنی یا اللہ ہر فانی کو مجھ سے دور کردے اور باقی ذاتِ حق کی لقاء کے شوق اور خواہش وتمنا، آرزو وچاہت اور شدتِ اشتہاء کو تیز تر کردے کہ فانی حاجات وخواہشات فنا ہو کر ہٹ جائیں یا راہ میں مٹ جائیں اور باقی ذات حق کی لقاء کا شوق وطلب باقی رہ جائے۔ ہم اپنی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ بچوں کو لہو ولعب، کھیل تماشہ سے دلی دلچسپی ہوتی ہے اور حکمرانوں کو جاہ ومنصب کی چاہت وطلب اندھی رکھتی ہے آپ بچوں میں حکمرانی کی چاہ وطلب پیدا کرنا چاہیں تو ناممکن ہے دونوں کی خواہشات وتمنا اور چاہت الگ الگ ہے۔ جس طرح بچوں سے لہو لعب کو ختم کردینا ناممکن ہے حکمرانوں سے جاہ طلبی کو اسی طرح عارفینِ کاملین سے شوقِ لقاء اللہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو بچوں پر تعجب ہوتا ہے کہ لہو ولعب میں انہماک کی وجہ سے علم ومعرفت کی لذت سے آشنا نہیں، عارفینِ کاملین کو تعجب ہوتا ہے اس پر جو علم وریاست میں منہمک ہے اور شوق لقاء اللہ کی لذت سے آشنا نہیں۔ اس لئے کہ دنیا اپنی تمام تر رنگینیت وزینت کے ساتھ عارفین کی نگاہوں میں لہو ولعب سے زیادہ نہیں، اس

لئے کہ ہر چیز کی معرفت کے بقدر شوق ولذت اس چیز سے ہوتی ہے اور اس کے اندر بھی فرق تفاوت ہے شوق لقاء اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو معرفتِ حق حاصل تھی اس کی لذت کا اندازہ دوسری حسی وفانی چیزوں سے نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس کا کسی دوسری چیزوں سے موازنہ ہو سکتا ہے۔

پچھلے اوراق میں آپ لَذَّةُ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ پڑھ چکے ہیں ایسی فرحت وراحت بخش لذت ہے جس کا اندازہ دنیا کی کسی بھی لذت سے نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وَاقْطَعْ عَنِّیْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِكَ، شوقِ لقاء اللہ کی لذت و چاشنی حلاوت وشیرینی میں ذات وصفات باری تعالیٰ کی ابدی انوکھی وانمول شان ہے اور یہ دونوں جہاں کی سب سے عظیم نعمت ہے حاصل یہ کہ شوقِ لقاء اللہ کی لذت، ابدی وباقی لذت ہے اور بقی تمام لذتیں فانی ہیں کیوں کہ آخرت کی ہر چیز دوام وبقاء کی شان رکھتی ہیں اور دنیا فانی ہے تو ہر چیز نشان فنا ہے۔ دنیا میں کھاتے وقت چند سیکنڈ کھانے کی لذت زبان پر محسوس ہوگی پھر ختم ہو جائے گی۔ نہ کھانے سے پہلے نہ کھانے کے بعد لذت محسوس ہوگی۔ بخلاف جنت کے کھانوں کے کہ اگر لاکھوں چیزیں کھائیں تو طبیعت سیر نہ ہوگی اور اس کا مزہ بھی باقی رہے گا۔ اُكُلُهَا دَائِمٌ۔ جنت میں عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (نہ ختم ہونے والی بخشش) ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آدمی جب شطرنج کھیلتا ہے، بسا اوقات دن گذر جاتا ہے اور کھانا یاد ہی نہیں رہتا، کھانے کی طلب ولذت جیتنے کی طلب ولذت پر قربان ہو جاتی ہے، یعنی ایک وجدانی لذت دوسری حسی ووجدانی لذت پر قربان ہوتی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے دید وملاقات کی لذت پر تمام، لذت مادی، لذت حسی ووجدانی کو لذتِ

اُخروی اور لذت دیدار الٰہی اور لذتِ شوق لقاء پر قربان کرنی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کی ابدی و سرمدی لذت کا سوال کیا اور تمام مادی و فانی لذت کے سلسلہ کو ختم و فناء کر دینے کا سوال کیا

وَاللہُ اَعۡلَمُ وَاَتَمُّ وَاسۡتَغۡفِرُ اللہَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ۔ وَصَلَّی اللہُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا

یا اللہ میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ

وَاِذَا اَقۡرَرۡتَ اَعۡیُنَ اَھۡلِ الدُّنۡیَا مِنۡ دُنۡیَاھُمۡ فَاَقۡرِرۡ عَیۡنِیۡ مِنۡ عِبَادَتِکَ،

(حلیۃ الاولیاء۔ عن الھیثم بن مالک الطائی فیض القدیر رقم۔ ۱۵۱۷)

اور جب کہ دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں۔ میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ۔ اس دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک اہل الدنیا، جس کو دنیا دار کہا جاتا ہے دوسرے اہل الایمان، اھل الآخرۃ، اہل ایمان اور اہل آخرت، یعنی وہ خوش نصیب و خوش بخت، اہل بہشت و جنت دونوں کی خوشی و فرحت کا سامان الگ الگ ہے، ایک آدمی متاعِ فانی، مکان و دکان، بنگلہ گاڑی، اسبابِ فانی اردگرد کی لبھانے والی چیزوں سے وقتی خوشی حاصل کرتا ہے، فانی زندگی میں زوال پزیر و فانی زینت و رنگینیت سے شاداں و فرحان رہنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ اسباب ظاہری و متاع فانی بذات خود پریشانی کا بڑا سبب ہے کہ زوال و فنا ہونے والا ہے مگر اسی پر وہ اپنی خوشی و فرحت کی شادمانی تعمیر کئے ہوا ہے اور نگاہ کو جمائے ہوا ہے اپنی زندگی کا تمام تر سرمایہ فانی پر تعمیر کر رہا ہے اور اسی کو سرمایہ حیات بنائے ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ ایک دنیا دار اپنی دنیا کے اسباب و متاع پر خوش ہوتا ہے جبکہ وہ خوشی ہی وقتی و فانی ہے۔ تو اے اللہ میری آنکھ کو تو عبادت کے ذریعہ خوشی پہنچا کیوں کہ اس خوشی کو دوام

وقرار اور دنیا وآخرت کی تیری رضا کا مقام حاصل ہے، دنیا دار دل کو غیر اللہ سے لبھائے ہوا ہے تو ہم کو عبادت سے دل بستگی و وابستگی اور وارفتگی و دل لگی عطا فرما۔ دنیا دار کی خوشی چیزوں سے وقتی و فانی اور فانی دنیا تک محدود رہے گی جبکہ عبادت کی خوشی وقرار دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو کر ابدی خوشی اور حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنے گی۔ اور ابدی راحت و مسرت کا سبب ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ عبادت سے دنیا میں بھی راحت وسکون کی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔ عبادت سے دل کا سکون وقرار اور سرور وانبساط تو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدرجہ اتم واکمل حاصل تھا۔ تاہم امت کو تعلیم دینا مقصود تھا اور آپ نے مزید سے مزید رحمت الٰہی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کیوں کہ ہر شخص اپنے مقام کے مناسب کلام کرتا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بعد از خدا بزرگ تو ابن قصہ مختصر آسان بات ہے کہ اے رحیم و رحمن اپنی عبادت واطاعت میں مشغولیت وانہماکیت کی حلاوت ولذت کو ایسا غالب کردے کہ مال کے ساتھ اشتغال نہ ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

یا اللہ میرا بہترین دن وہ ہو جس میں تجھ سے ملوں وملاقات ہو

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ آخِرَہٗ وَخَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِمَہٗ وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْہِ، (رواہ الطبرانی عن انس مرفوعاً)۔

اے اللہ میری عمر کے آخری حصے کو میری زندگی کا بہترین حصہ کردے اور میرا آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں میری ملاقات وحاضری کا دن ہو۔ (الفتح الربانی ۱/۶۴۹)

مومن کی پوری زندگی ہی مومنانہ شان کی ہوتی ہے اور زندگی کے تمام تر گوشے ہر جہت واعتبار سے اعمال خیر اور زاد آخرت کے انمول خزانے کی فکر وجستجو میں گزرتے ہیں اور حتی الوسع پوری جدوجہد خیر کو جمع کرنے کی سعی وکوشش ہوتی ہے تاکہ حق تعالیٰ کی

ناراضگی سے بچ سکے اور رضاءِ حق کو پاسکے اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشی خیرِ امت کو اعمال وافعال خیر سے ہی ملے گی۔ فضل وخیر تو فضل وخیر کے اعمال سے ہی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو خیر سے جوڑا ہے، اللہ اکبر کبیرا، اس مناجات میں تو زندگی ہی کو خیر بنا دینے کی التجاء وتمنا پیش کی گئی ہے، اعمال خیر ہوں اور زندگی میں ہوں اس سے اونچی و بلند چیز مانگی گئی کہ آخری زندگی ہی خیر و بھلائی ہو جائے۔ یعنی یا اللہ زندگی کی ہر سانس ہر گھڑی، تمام تر ظاہر و باطن، تصور و خیالات، فکر ونظر ہی شریعت کے ہم رنگ ہو کر خیر و بھلائی اور رُشد وہدایت۔ تیری رضا اور رضوان کا نمونہ ہو جائے یہ ہے نبوت کی شانِ خاتمیت کہ دنیا سے رخصت ہونے کا دن جس قدر قریب ہوتا جائے زندگی بندگی کے طرز پر خیر ہی خیر ہو جائے، ہر لمحہ رضائے الٰہی کا اقرب ترین عروج کا ذریعہ بن جائے۔ وجود سے ظاہر ہونے والا ہر عمل خواہ حرکات وسکنات ہوں اعمال وافعال ہوں، گفتگو و کلام ہو، چلت ہو پھرت ہو الغرض جو بھی ہو وہ حق وخیر ہو اور حضورِ حق کی رضاء وخوشنودی کا ذریعہ ونمونہ ہو۔

باعثِ عبرت عمر اور سامان عبرت سفید بال

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوگی اور ستر سے آگے بڑھنے والے بہت کم ہوں گے۔ (ترمذی سند ابو یعلی، گلدستہ ۶ / ۶۲۱)

یہ مطلب نہیں کہ ساٹھ سال سے پہلے گناہ کرنے کا عذر قابل قبول ہوگا کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد ہی آدمی مکلف ہو جاتا ہے اور غور و تامل کر کے نصیحت پکڑنے کا اس کو موقع ہوتا ہے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دے تو پھر اس کی طرف سے کسی عذر کو

قبول نہیں کرتا۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ؕ

کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا۔ (شیخ الہندؒ) (فاطر:۳۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور فہم وفراست، اچھا برُا، سمجھنے کے لئے کافی وقت عطا کیا اور عمر بھی دی جس میں انسان سوچ سمجھ کر نیک و بد راستہ کا انتخاب کرتا اور سیدھی راہ اختیار کرلیتا۔ ساٹھ وستر سال کی عمر دنیا میں بسر کیا اور غفلت میں ڈوبا رہا اب کیا بنتا، وقت کھوچکا، عمر گواں چکا، فرصت کو ضائع کردیا۔ حضرت عکرمہؒ، ابن عباسؓ اور امام جعفر باقر سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال علماء، انبیاء سب نذیر ہیں۔ الغرض اس کا حاصل یہ ہے کہ عمر کے آخری ایام یعنی بندہ جب ساٹھ کا ہوجائے یا ساٹھ کے قریب عمر میں پہنچ جائے تو مکمل انابت اختیار کرلے اور فکر آخرت کا ہر اعتبار سے نمونہ بن جائے۔ میرے والد علیہ الرحمۃ کے آخری ایام میں جب کوئی اُنکے قریب دنیا کی باتیں یا دنیاوی امور کا تذکرہ کرتا تو ہاتھ سے منع فرمادیتے اور اشارہ سے کہتے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اور سننا بھی گوارہ نہ تھا اور ہمہ وقت نقشبندی طریقہ پر ہیبت باری کا استحضار تھا۔ بارہا اس کا تجربہ اس راقم کو بھی ہوا۔ اور خیر عمری آخرہ کا نمونہ دیکھا۔

آخری عمل بہترین عمل ہو

وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهٗ اور میرا آخری عمل میری زندگی کا بہترین عمل ہو۔

زندگی کا آخری عمل پوری زندگی کا نچوڑ اور عکس ہوتا ہے، سامنے وہی آتا ہے جو زندگی وحیات میں موجود ہوتا ہے یا جو دل میں ہوتا ہے وہی سامنے آتا ہے اس مناجات

میں حق تعالیٰ سے مانگا جا رہا ہے کہ آخری اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت میرا آخری عمل خیر و بھلائی ہو۔ خیر پر ہو حُسن خاتمہ اور کلمہ خیر۔ اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ۔ ہو ظاہر و باطن میں حق کی شہادت وطمانیت ہو۔ حدیث میں آیا کہ اعتبار تو خاتمہ کے وقت کا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے خیر پر خاتمہ فرمادے۔ آمین

بہترین ملاقات کا دن

وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْہِ

اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں ملاقات وحاضری کا دن ہو۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال
سنا ہے عاشقوں کو تجلی سے دیں گے تسلی
ہمیں تو اب موت کا انتظار ہونے لگا ہے

آپ کی ملاقات وزیارت ہی ہر سوال کا جواب ہے، آپ سے بلا شک وشبہہ مشکل حل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی ملاقات کا دن سب سے اچھا دن ہو۔ اللہ رب العزت رؤف الرحیم، میں، لفظ خیر کو ملاقات کے ساتھ مناجات میں پڑھ کر باطن میں وجد وسرور کی لہر دور جاتی ہے کہ جو ذات رؤف اور معروف اور ذی المعروف ہے خیر وبھلائی کو اپنے بندوں پر پھیلائے گی اور خیر بمعنیٰ مغفرت ورحمت کے ساتھ اپنے بندوں سے ملے گی اور ملاقات کے دن محض رحمت ہی رحمت کی وسعت کے ساتھ اپنے بندوں سے ملے گی اور ملاقات کے دن محض رحمت ہی رحمت کی وسعت کے ساتھ بندوں کا استقبال کرے گی اور خیرِ امت پر خیر کو ظاہر کرے گی۔ خیر وبھلائی کا مشاہدہ کرائے گی۔ وہ ذات جو خیر الناصرین، خیر الفاتحین، خیر الغافرین، خیر الراحمین، خیر الرازقین، خیر

الحافظین ہے، یعنی جس سے فتح ونصرت کی خیر، رزق وحفاظت کی خیر، مغفرت ورحمت کی خیر ملی تھی اسی سے لقاء وملاقات کے دن کی خیر مانگی جا رہی ہے کہ تمام خیرات دینے والے ملاقات کے دن بھی خیر کے ساتھ ملاقات کرنا۔ اور وہ دن بھی میرا خیر ہی کا دن ہو اور اے اللہ دَارُ الْبَقَاءِ میں خَیْرُ الِقَاءِ ہو وہ ساعتِ مبارک زندگی وبندگی کی ساعتِ خیر ہو کہ دَارُ الْبَقَاءِ میں خَیْرُ الِقَاءِ ہو کہ آپ کی لقاء تو خود ہی اعظم نعمت آخرت ہے۔ اور وہ پھر خیر وبھلائی کے ساتھ ہو تو دو نعمت ایک ساتھ ملے گی ایک تو لقاء کی دوسرے خیر کی جو نور علی نور کا مصداق ہوگی۔ یہ ہے نبوت کا اعجاز اور خاتمیت کی فصاحت وبلاغت، صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَلَّمَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا انْصَرَفَ مِنَ الصَّلٰوۃِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو اس دعا کو پڑھتے تھے۔ ہم لوگ بھی اتباع سنت کے طور پر مانگیں۔ اللہ توفیق دے۔
(الفتح الربانی ۱/۶۴۹)

وَلِیَّ الْاِسْلَامِ اپنی ملاقات تک ثابت قدم رکھ

یَاوَلِیَّ الْاِسْلَامِ وَاَھْلِہٖ ثَبِّتْنِیْ بِہٖ حَتّٰی اَلْقَاکَ (رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ عنہ)

اے اسلام اور اہل اسلام کے مددگار ثابت قدم رکھ مجھے اسلام پر یہاں تک کہ میں تجھ سے ملوں وملاقات ہو جائے۔ (طبرانی من انسؓ)

حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلاۃ السلام کی بعثت کے بعد صرف دین اسلام باعث نجات ہے اور دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اس کے سوا کوئی دین مقبول اور ذریعہ نجات نہیں۔ لہٰذا خاتم الانبیاء علیہ السلام کا دین دین اسلام کہلائے گا۔

جواَب قیامت تک باقی رہے گا۔اور حق تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام یعنی مسلمان کے نگراں اور مددگار ہیں اسلام کے اصول وفروع جو بنیادی ہیں اور عقائد وعبادات اور منہاج شریعت تمام کے تمام قرآن وحدیث میں محفوظ ومنضبط ہیں لہٰذا اسلام کی نگرانی وحفاظت تو منجانب اللہ ہورہی ہے جہاں تک تعلق ہے اہل اسلام کا یعنی مسلمان کا یہ ایک طویل بحث ہے وہ بھی قیامت تک اس سرزمین پر رہے گا خواہ آندھیاں طوفان، زلازل وفتن آئیں آتی رہیں قربانیاں لیتی رہیں اور اہل اسلام دیتے رہیں گے تاہم ہم کو اللہ تعالیٰ ہی اسلام پر باقی رکھے ہوا ہے یہ بھی اس کی نصرت ومدد ہے، اہل اسلام آج بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں محض اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت، خاتمیّت کا اقرار کرتے ہیں اور فخر کے ساتھ اعلانِ شہادتین کرتے ہیں قتل کئے جارہے ہیں ان کو زندہ جلایا جارہا ہے، گھر سے بے گھر کیا جارہا ہے۔عزت وعصمت پر آئی ہوئی ہے اور نہ معلوم کن کن مصائب ومسائل سے دوچار ہیں مگر پھر بھی استقامت کے ساتھ ایمان کو تھامے ہوئے ہیں یہ اسلام پر استقامت کی نعمت محض فضل باری اور نصرت ومدد الٰہی ہے، ظاہری غلبہ حکمت الٰہی سے کیوں نہیں ملی یا ملی تھی مسلمانوں نے ضائع کردیا۔اب تو فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ، کی دعا کریں تو غالب کر ہم کو کافر لوگوں پر، یہ اسلوب واشارہ ہمیں بتلا رہا ہے کہ ان کا غلبہ رہے گا۔اور ہم جہاں اللہ پاک سے بہت سی چیزیں مانگتے ہیں یہ بھی مانگا کریں۔الغرض اسلام اور اہل اِسلام دونوں کے ولی ونگراں حق تعالیٰ جل مجدہ ہیں۔اس مناجات میں ولی الاسلام سے ثبات واستقامت مانگی گئی ہے، ان کی لقاء تک تاکہ راستہ کے تمام فتنوں سے حراست وحفاظت نگاہِ ربوبیت میں ہوتی رہے

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴿۶۴﴾ (سورۂ یوسف)

اے ولی ونگراں، معین ونصیر، اپنی مرضیات والہیات پر نگرانی وحفاظت، مدد واستقامت اور تائید ونصرتِ غیبی کے ساتھ رُشد وہدایت کی راہ اسلام کی صراط مستقیم پر اپنی نگاہِ ربوبیت میں اپنی مبارک ومیمون ملاقات تک مجھے لے چلئے، تیری ہی نصرت ومدد سے تیری مبارک ملاقات ہواور اس راہ کی تجھ سے ہر مدد وثبات کا سائل ہوں۔

جس طرح تو ولی الاسلام ہے ولی لقاء بھی ہے۔ میرا ولی بھی تو ہی ہے، میرے اسلام کا ولی بھی تو ہی ہے۔ اور میری تمنائے لقاء کا بھی ولی تو ہی ہے۔ میری دنیا کا ولی بھی تو ہی ہے میری آخرت کا ولی بھی تو ہی ہے۔ میری دنیا کا ولی بھی تو ہی ہے۔

سبحانک، سبحانک، سبحانک-اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ وَلِیٖ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ وَاَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

ایک دیہاتی کی معنی خیز وحیران کن اللہ تعالیٰ کی تعریف

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی کہ ایک روز خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسی جگہ سے گزرے جہاں ایک دیہاتی واعرابی نماز میں دعا مانگ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اعرابی وگاؤں والے کی مناجات سن کر ایک شخص کو مامور ومتعین فرمایا کہ جب یہ نماز ودعا سے فارغ ہوجائے تو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوگیا تو حاضر خدمت کردیا گیا۔

اسی درمیان حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بعض خزانہ سے سونا ہدیہ میں پیش کیا گیا تھا تو وہ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دیہاتی کو ہدیہ میں دیدیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا تُو نے جو حق جل مجدہٗ کی بہت ہی خوبصورت تعریف کی ہے اس لئے یہ ہدیہ تم کو دے رہا ہوں۔

حق جل مجدہٗ کی خوبصورت تعریف کے الفاظ

يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ — اے وہ ذات جسے کوئی آنکھ (دنیا میں) نہیں دیکھ سکتی۔

وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنِ — اور نہ کسی کے وہم وگمان میں (اسکی عظمت وکبریائی) سما سکتی ہے۔

وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ — اور نہ ہی اس کی خوبیوں کو کوئی بیان کر سکتا ہے۔

وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ — اور جس ذات پر حوادث کا کوئی اثر نہیں۔

وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ — نہ ہی جس پر مصائب وحالات آسکتے ہیں۔

يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ — وہ جو جانتا ہے پہاڑوں کے ذرّوں کو۔

وَمَكَايِيْلَ الْبِحَارِ — اور سمندروں کے کیل و پیائش کو۔

وَعَدَدَ قَطْرِ الْاَمْطَارِ — اور بارش کے قطروں کو۔

وَعَدَدَ مَا اَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ اور رات کی تاریکی جن چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

وَاَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ — اور دن کے اُجالے جن چیزوں کو روشن کرتے ہیں۔

وَلَا تُوَارِیْ سَمَاءٌ سَمَاءً — اور نہ آسمان چھپا سکتا ہے آسمان کے اندر کی چیزوں کو۔

وَلَا اَرْضٌ اَرْضًا — اور نہ ہی زمین چھپا سکتی ہے زمین کے اندر کی چیزوں کو۔

وَلَا بَحْرٌ مَا فِیْ قَعْرِهٖ — اور نہ ہی سمندر اپنی تہہ میں اس سے کسی چیز کو چھپا سکتا ہے۔

وَلَا جَبَلٌ مَا فِیْ وَعْرِهٖ — نہ ہی پہاڑ کی سختی اپنے اندر کچھ چھپا سکتی ہے۔

اِجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِیْ آخِرَهٗ — میری آخری زندگی کو خیر وبھلائی بنا دے۔

وَخَيْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِمَهٗ — اور میرا آخری عمل خیر (یعنی حسن خاتمہ یعنی اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدا عبدہ ورسولہ)۔

وَخَيْرَ اَيَّامِیْ يَوْمَ اَلْقَاكَ — اور میری زندگی کے خیر وبھلائی کا سب سے بہتر ومبارک آپ سے ملاقات کا دن ہو۔

(یا ارحم الراحمین یہ آثم بھی اسی کا اُمیدوار ہے اور یہ نعمت ہر قاریٔ کتاب کو عطا کیجئے۔ آمین)

یہ تھی وہ دعا و مناجات ایک گاؤں والے اعرابی نے حضور حق میں پیش کی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند آئی اور اس شخص کو بلوا کر ہدیہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی بھی عجیب شان ہے کہ اپنی قدرت سے عامی و اعرابی کی قلب و زبان پر کبھی بھی اپنی ثناء و تعریف ایسی القاء و الہام کر دیتا ہے کہ دانا و بینا حیران ہو جاتا ہے۔ دراصل دل جب حق تعالیٰ کی عظمت و ھیبت اور قوت و قدرت اور کبریائی کی لامتناہی صفات جلالیہ و اکرامیہ کا صمیم قلب سے اعتراف و اقرار کر لیتا ہے اور دل انوارات و تجلیات سے بکھر جاتا ہے تو پھر قلب پر حق تعالیٰ کی عظمت کے بول کا الہام ہونے لگتا ہے اور خود ہی رب العزت اپنے بندہ کی زبان پر اپنی صفات و ثناء کے خوبصورت تعبیرات کا الہام کر دیتا ہے، یہ بھی اس کی ایک شان عطاء ہے۔ واللہ اعلم

یَامَنْ لَاتَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَاتُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ، وَلَايَصِفَهُ الْوَاصِفُوْنَ، وَلَاتُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَايَخْشَى الدَّوَائِرَ، يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ وَمَكَايِيْلَ الْبِحَارِ، وَعَدَدَ قَطْرِ الْاَمْطَارِ، وَعَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ، وَعَدَدَ مَا اَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَاَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَاتُوَارِيْ سَمَاءٌ سَمَاءً، وَلَا اَرْضٌ اَرْضًا، وَلَا بَحْرٌ مَا فِيْ قَعْرِهٖ، وَلَا جَبَلٌ مَا فِيْ وَعْرِهٖ، اِجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ اٰخِرَهٗ، وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ۔ (طبرانی)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اللہ رب العزت کی عظمت و ہیبت میں کھو جاتا ہے اور اس پر انوارات و تجلیات کی بارش ہونے لگتی ہے، ایسی کیفیت میں دل پر غیبی واردات کی آمد ہوتی ہے پھر بندہ بے چین ہو جاتا ہے کہ حضور حق میں وہ اپنے جذبات و کیفیات کو

کس طرح ادا کرے انہیں اوقات میں قدرت اپنے بندہ کے نطق وزبان پر کچھ الفاظ کا الہام کرتی ہے تاکہ ان کلمات کو پیش کر کے روح کی غذا فراہم کر لے اور اپنی ناقص عبدیت کو قدسی انوارات کا لطف وسرور فراہم کر کے رحیم وکریم کے رحم وکرم کے دریا میں غوطہ لگانے کا خوگر ہو جائے۔ ایسے اوقات میں قدرت کی فیاضی بھی خوب ساتھ دیتی ہے اور بندہ کے بول کی داد وتحسین بھی۔

مذکورہ اعرابی کی بھی کچھ اسی طرح کی حالت وکیفیت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی سن رہے ہیں اور صفات الٰہیہ کے بول کے ذریعہ دوسری دنیا میں حق تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ درود وسلام ہوں اس نبی مکرم پر کہ دیہاتی کو مناجات مکمل کرنے دیے اور پھر اس کے خوبصورت بول پر ہدیہ نبوی کا تحفہ عطا کیا۔

اللھم اجعلنا منھم۔ ثمین

آٹھ نورانی انمول کلماتِ دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْأَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَمُنَاصَحَةَ اَھْلِ التَّوْبَةِ وَعَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَھْلِ الْخَشْیَةِ وَطَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَةِ وَتَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرَعِ وَعِرْفَانَ اَھْلِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَلْقَاکَ۔ (الحزب الاعظم للقاری۔ مناجات)

یا اللہ میں مانگتا ہوں توفیق اہل ہدایت کی سی، اور عمل اہل یقین کے سے اور اخلاص اہل توبہ کا سا، اور ہمت اہل صبر کی سی، اور کوشش، اہل خوف کی سی اور طلب اھل شوق کی سی، اور عبادت اھل تقویٰ کی سی، اور معرفت اہل علم کی سی یہاں تک کہ میں ملوں وملاقات ہو تجھ سے۔ (حزب الاعظم ومناجات مقبول)

اس مناجات میں آٹھ ربانی ونورانی اعمال کا سوال کیا گیا ہے اور پھر ان کے ساتھ

حق تعالیٰ کی لقاء وملاقات کا آخری سوال پیش کیا گیا ہے۔

ہدایت یافتہ لوگوں جیسی توفیق

تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی – یا اللہ میں تجھ سے ہدایت یافتہ لوگوں جیسی توفیق طلب کرتا ہوں

اس میں دو چیز ہے ایک توفیق اور ایک مناجات میں یوں عرض کیا گیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ التَّوْفِیْقَ لِمَحَابِّکَ مِنَ الْاَعْمَالِ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق تیرے پسندیدہ اعمال کی

وَصِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ ...... اور سچے توکل کی تجھ پر

وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ ...... اور نیک گمان کی تیرے ساتھ

اس مناجات میں توفیق کو پسندیدہ اعمال کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ظاہری بات ہے پسندیدہ اعمال کی بجا آوری اور عملی شکل ہی علامت ونشانی ہے کہ توفیق ملی ہے کیوں کہ توفیق کا لفظ ہمیشہ نیکی اور خیر وبھلائی کے لئے بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نیکی کی توفیق ہوگئی یا اس کو نیکی کی توفیق ملی، یہ توفیق کا ملنا پہلی سعادت وخیر ہے جو بندہ کو اس کے رب کی طرف سے ملتی ہے پھر اعمال خیر کا وجود ہوتا ہے اور پھر ہدایت یافتہ لوگوں کو تو پسندیدہ اعمال صالحہ کی ہی توفیق ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین

دوسرے ہدایت یافتہ وراہ یاب لوگوں جیسی، توفیق یعنی انابت ورجوع الی اللہ اور حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی طلب وجستجو کا داعیہ وجذبہ پیدا ہونا اور اس درجہ کا قوی مضبوط اور مستحکم داعیہ کا ہونا کہ ارادہ ونیت اعمالِ خیر اور افعال واعمال صالحہ کی عملی شکل وصورت اختیار کرلیں۔ توفیق حق تعالیٰ کی جانب سے پہلے آتی ہے اور پھر عمل خیر کا وجود ہوتا ہے۔ اس مناجات میں توفیق اہل ہدایت جیسی یعنی وہ جو قرآن وحدیث میں مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ ہیں۔ جن پر حق تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اور وہ ابرار واتقیاء، صلحاء

وصدیقین اور صادقین ہیں ان لوگوں جیسی توفیق جو ہدایت کے روشن منارے ہیں۔

عمل اہلِ یقین جیسا

اہلِ یقین وہ خوش نصیب و بانصیب لوگ ہیں جن کے دل میں حق تعالیٰ کی جانب سے ایمان وبصیرت کا ایک نور ہے اور وہ نور حق تعالیٰ کی جانب سے وعدووعید آیاتِ بینات اور عالم غیب کی حقیقتوں سے مربوط ومستحکم کر کے شرح صدر کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے، ایمان وایقان کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے شک وریب کوختم کر دیتا ہے، شکوک وشبھات کی جولان گاہوں کی جگہ قوتِ ایمانی سے حق الیقین کی طمانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس امت کی صلاح وخوبی زہدویقین میں ہے یقین کی قوت سے قدم ربانیت کے حصول کی طرف بڑھتے ہیں اور عملی جدوجہد آسان وسہل ہوجاتا ہے۔غیب وچھپی ہوئی حقیقت کا یقین ایمان باللہ، ایمان بالغیب، ایمان بالکتب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسول، اور جنت وجہنم، قیامت، جزاءوسزا، حق تعالیٰ سے ربط وتعلق بڑھتا ہے۔اور ایمان میں قوت وزیادتی ہوتی ہے۔ یہ سب نعمتیں یقین سے ہی پھلتی پھولتی ہیں۔

اخلاص اہل توبہ جیسی

وَمُنَاصَحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃ

اخلاص، خلوص وللّٰہیت، حق پرستی، حق طلبی، حق کی تلاش وجستجو مشہور ہے۔حق طلبی بلاطلبی، یعنی حق کوطلب کرو حق کی رضاء کے لئے، حق کومزا کے لئے طلب نہ کرو، اہل توبہ جیسا خلوص واخلاص کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والا جس وقت توبہ کررہا ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے ماضی کے بیتے ہوئے دن کے افعال کی نحوست وظلمت سے نجات وخلاصی کے لئے بارگاہِ عالی میں رجوع ہوتا ہے اور پختہ عزم وہمت کرتا ہے کہ پھراُن افعال کو

نہیں کرے گا۔ اور اس پر حق تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور اپنے افعال کی نحوست وظلمت دونوں کے درمیان وہ ایک اضطراب وبیقراری کی کیفیت محسوس کرتا ہے گناہ کی ظلمت ونحوست اس کو وحشت کی طرف کھینچتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عظمت ومحبت جو بوجہ ایمان دل میں چھپی ہوئی ہے رحمت وسکون کی طرف کھینچتی ہے، ایک سفلی ہے اور دوسرا علوی ہے، سفلی میں بندہ کی صفات قبیحہ فانیہ ہے اور علوی میں حق تعالیٰ کی صفات قدیم رحمت ہے وہ غالب آتی ہے اور فانی کو مٹا کر بندہ کو آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں اور بندہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ گناہ اور ماضی کے بیتے ہوئے ظلماتی افعال کی نحوست وظلمت سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے۔

الغرض اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے وہ دوامی نہیں ہوتی البتہ اس کے اثرات یعنی ترکِ معاصی اور اجتناب گناہ کا جذبہ وداعیہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اس مناجات میں مانگا جا رہا ہے کہ وہ کیفیت اخلاص جو توبہ کے وقت ہوتی ہے وہ کیفیتِ دوامی عطا کیجئے، کہ اس وقت بندہ مکمل توجہ کے ساتھ گناہ سے چھٹکارا کے لئے رحمتِ حق کی طرف متوجہ رہتا ہے اور بابِ رحمت پر کھڑا ہو کر اپنے ظرف کے مطابق رحمتِ حق سے فیضِ ہدایت، طلبِ مغفرت، پروانہ رضاءِ الٰہی اور رضوان وجنت کا سائل بنا رہتا ہے۔ لہٰذا مناجات میں طلب کیا گیا ہے کہ اہل توبہ جیسی اخلاص عطاء کیجئے۔ اس وقت جو یکسوئی ہوتی ہے وہ اللہ ہمیشگی کے ساتھ عطا فرمائے آمین۔

ہمت اہل صبر جیسی

وَعَزْمَ اَهْلِ الصَّبْرِ

عزم وہمت اہل صبر جیسی عزم وہمت والے تو تمام رسول ہی ہیں ان میں پانچ رسول کو خصوصی طور پر اولوالعزم کہا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام،

حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم النّبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مناجات میں حق تعالیٰ سے عزم وہمت کی استقامت وبلندی مانگی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے، جن کو ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا، لیکن وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے، اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ لوگ نادان ہیں۔ (بخاری ومسلم)

غالباً نبی سے مراد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات مبارک تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کو مبہم الفاظ میں بیان فرمایا اور اپنی ذات کو چھپایا۔ (تفسیر مظہری، گلدستہ)

اہل عزم کا مقام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عائشہ! محمد اور آل محمد کے لئے دنیا مناسب نہیں، عائشہ! اللہ نے اہل عزم کیلئے دنیا کے مکروبات پر صبر رکھنے اور مرغوبات سے صبر (اعراض، گریز) کرنے کو ہی پسند فرمایا اور مجھے بھی اس امر کا مکلف کیا جس کا مکلف دوسرے اولوالعزم کو کیا تھا۔

میرے لئے اسی بات کو اس نے پسند کیا، اور فرمایا۔

فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ،

اور اللہ میرے لئے بھی طاعتِ الٰہی کے سوا کوئی چارہ نہیں جیسے انہوں نے صبر کیا میں بھی صبر کروں گا۔ اور جیسے انہوں نے محنتیں برداشت کیں میں بھی ویسی ہی محنتیں برداشت کروں گا۔ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (گلدستہ ۶/ ۹۸۳)

عزم وہمت صبر والوں جیسی کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل ایمان کو مختلف اذیتوں اور تکلیفوں

کا سامنا ہوگا اور یقینا ہوگا۔ مگر ہمیں صبر اور محض صبر ہی کرنا ہوگا۔ جزع وفزع ، شور وغل سے مکمل اجتناب واحتراز کرنا ہوگا کیونکہ یہی ہمارے لئے اللہ پاک کی جانب سے انتخاب کیا گیا ہے اور اس انتخابِ باری میں ہمارے لئے دنیا وآخرت کی بے شمار سعادتیں اور صلاح وفلاح رکھی گئی ہیں اور سب سے بڑی خوشخبری اس میں اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اجر وثواب بغیر حساب رکھا گیا ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ظالم و بے ایمان کی سزاء اللہ تعالیٰ نے دوزخ وجہنم رکھی ہے اور ان کو عذابِ نار کا مزہ چکھنا ہے۔ اہل ایمان صبر وتحمل سے رہیں اور ظالم سے انتقام کا ارادہ نہ کریں بلکہ ظالم و بے ایمان کو منتقم وقہار کے حوالہ کردیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اہل ایمان کو اللہ کی مرضی پر راضی رہنا ہوگا۔ اس مناجات میں اللہ تعالیٰ سے یہی مانگا گیا ہے کہ ہمیں رسولوں جیسی عزم وہمت تکالیف وآزاد پر دیجئے اور ہماری نگاہ اذیت وتکالیف پر نہ ہو بلکہ تیری ذات وتیرے فیصلہ پر ہو۔

قرآن مجید میں وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس جگہ آپ نے عزم وہمت صبر والو جیسا مانگا ہے۔

کوشش اہل خشیت جیسی

وَجِدَّ أَهْلِ الْخَشْيَةِ

اور کوشش اہل خشیۃ جیسی خشیت باری میں دلی سکون اور طمانیت ہوتی ہے، قرار ودل جمعی ہوتی ہے۔ اس لئے اہلِ خشیت جو لوگ ہوتے ہیں ان میں رب العزت کی عبادت واطاعت میں استقامت کی پختگی اور ہمہ تن بغیر کسی خلل کے عملی ہمیشگی کی شان ہوتی ہے۔ خشیت باری کی نعمت اہل تقویٰ، اہل دل، اہل اللہ کو ملتی ہے۔ جن کے قدم اعمال صالحہ اور رضائے رب میں جمے رہتے ہیں اور کسی طرح کا خلل نہیں آئے گا۔

طلب اہلِ شوق جیسی

وَطَلَبَ اَھْلِ الرُّغْبَۃِ،

اور طلب اہل شوق کی سی۔ اہل شوق وہ لوگ ہیں جن کا ایمان کامل واکمل ہوتا ہے۔ اور جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو محبت الٰہی اور شوقِ آخرت، شوق عبادت واطاعت اور پھر شوقِ رضاء ورضوان کی رغبت اور حیاتِ دنیا کی قدران کی نگاہ سے فوراً اُتر جاتی ہے۔ اس لئے مناجات میں طلب وشوق مانگا گیا ہے جس سے آخرت کی عافیت کی راہ چلنا آسان وسہل ہو جاتا ہے۔ اس راہ کی کلفت وپریشانی دفع ہو جاتی ہے اور شوق سے طاعات آسان اور ترکِ معاصی یعنی گناہ کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

یعنی طاعات سے وحشت نہ ہوگی بلکہ شوق سے رغبت ہوگی ایسی لذت وحلاوت ہوگی کہ، طبیعت شاداں وفرحاں رہنے لگے گی اور وصلِ الٰہی کا شوق اور اس کی طلب سب کی سب طاعات اور محبت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے، الحمد للہ کہ حسنات وطاعات سے اہلِ ایمان میں شوق تیز تر کر دیتی ہے، رغبت ومیلان بیٹھنے نہیں دیتا۔ ظاہری اعمال اور باطنی کیفیات دونوں سے ذاتِ حق کی رضاء وخوشی شوق کا آخری سرا ہوتا ہے۔ طاعات کی لذت، ایمان کی حلاوت، حسنات کی رغبت، حق تعالیٰ کی محبت، فکر ونظر میں اتباع سنت سے فرحت ہوتی ہے یہ سب شوق کا کرشمہ ہوتا ہے۔ پھر گناہ ومعاصی سے نفرت ووحشت ہونا لازمی وحتمی ہوتا ہے۔

عبادت اہل ورع وتقویٰ جیسی

وَتَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرَعِ،

اور عبادت اہلِ تقویٰ جیسی، اہل تقویٰ وورع وہ حضرات ہیں جو عمر بھر بھی غافل نہیں

ہوتے اور غفلت تو دور کی بات ہے کوئی سانس بھی اعمالِ تقویٰ اور یادِ حق سے خالی نہیں، ورع کا مقام تو تقویٰ سے بھی بلند ہے۔ فرائض، واجبات، سنن، مستحبات تو بہت اونچی چیز ہے نامناسب اور اداب عبادت وعبودیت سے بھی نہیں چوکتے، احتیاط کی منزل پر کھڑے ہوکر محتاط قدم اٹھاتے ہیں۔ ان کو اپنے مولیٰ جل وعلا کی لمحہ بھر بھی ناراضگی گوارہ نہیں۔ اہل ورع کا اللہ عزوجل سے ایک خاص رابطہ وتعلق ہوتا ہے جس کی وہ پاسداری کرتے ہیں، اپنی عبادت واطاعت میں ورع اختیار کرتے ہیں الغرض اہل ورع وہ ہیں جو شیطان کے دل پر چنگل کے حملہ سے مکمل بیدار رہتے ہیں اور اپنا تحفظ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے خیر دینکم الورع، تمہارے دین کی خوبی ورع ہے۔ حلال کو اختیار کرنا، شبہات سے مکمل دوری اختیار کرنا اہل ورع کا کام ہے۔

معرفت الٰہی کا آخری مقام لقاءِ حق ہے

وعرفان اھل العلم حتی القاک

اور معرفت اہل علم کی سی یہاں تک کہ میری ملاقات ہو تجھ سے علوم ربانیہ اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے ربانیت ومعرفت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی تنزیہ وتقدیس کے ذریعہ معرفت کا دروازہ کھلتا ہے، پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ عبادت سے معرفت اور معرفت سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے، اس مناجات میں یہ مانگا جارہا ہے کہ اہل علم جیسی ربانی معرفت عطاء کیجئے اور یہ معرفت بڑھتی اور تیز ہوتی جائے یہاں تک کہ آپ کی ملاقات ہو۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

آپ کی زیارت ہی ہر سوال کا جواب ہے۔ آپ سے بلاشک وشبہ مشکل حل ہوتی

ہے۔ دراصل علم کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اگر علم دین سے اللہ کی معرفت حاصل نہ ہو تو وہ بے سود و بے فائدہ ہے، جس قدر علم میں پختگی و رسوخ بڑھتا ہے۔ اللہ کی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے، حق جل مجدہ کی عظمت و ہیبت اور قدرت و قوت کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور جس قدر اللہ رب العزت کی معرفت و پہچان ہوتی جائے گی شوقِ لقاء اور پھر لقاء حق ہے، تو علم دین سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی ہوتی ہے اور شوق و ذوق ان سے ملنے کا ہونے لگتا ہے اور لقاء کے اشتیاق سے محبتِ الٰہی میں خستگی کے عالم میں عبدیت طے ہوتی ہے اور یہی ذریعہ بنتا ہے لقاء اللہ کا۔

نوٹ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ التسبیح سکھایا اور ارشاد فرمایا کہ تشہد کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام صغیرہ، کبیرہ، نئے پرانے، ظاہری اور چھپے ہوئے، جان بوجھ کر کئے ہوئے اور غلطی کے تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ اس روایت میں:

عِرْفَانُ اَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰى اَخَافُكَ، کے الفاظ ہیں یعنی معرفت اہل علم کی سی یہاں تک کہ میں آپ سے ڈروں۔ یعنی گناہ نہ کروں آپ سے ڈرتا رہوں۔

(واللہ اعلم ترغیب: ۱/ ۴۷۱)

نفسِ مطمئنہ اور دیدارِ الٰہی کا یقین

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْساً بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ (رواہ الطبرانی۔ الضیافی المختارۃ)

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، نفس مطمئنہ یعنی ایسا نفس جس کو تیری طرف سے اطمینان اور جمعیت کی دولت نصیب ہو، اور مرنے کے بعد تیری ملاقات و حاضری کا اس کو کامل یقین ہو، اور تیرے فیصلوں پر وہ راضی و مطمئن ہو، اور تیری طرف سے جو کچھ ملے وہ اس پر قانع ہو۔ (معارف الحدیث۔ ۵/ ۱۸۲، مناجات یوم الخمیس)

نفس کی قسمیں

محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں، اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو ''مطمئنہ'' کہتے ہیں:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر)

اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو ''نفس امارہ'' کہتے ہیں کیوں کہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ
(یوسف: رکوع ۷)

اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کا برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہر گز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو ''امارہ بالسوء'' کہتے ہیں:

پھر ہوش پکڑا نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا، ایسا نفس (جی) ''لوامہ'' کہلاتا ہے۔

پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بے ہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس ''مطمئنہ'' ہو گیا۔

یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے نفس لوامہ کی تفسیر نفس مومنہ کی ہے اور فرمایا کہ واللہ مومن تو ہمیشہ ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا ہے سیئات پر تو ظاہر ہی ہے اپنے حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بمقابلہ شان حق سبحانہ وتعالیٰ کے کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیوں کہ حق عبادت کو پورا ادا کرنا تو کسی کے بس میں نہیں اس لیے ادائے حق میں تقصیر اس کے سامنے رہتی ہے اس پر ملامت کرتا ہے۔

نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ

اور حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت وفطرت کے اعتبار سے اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ہوتا ہے یعنی انسان کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع اس کا نہیں ہوتا آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم
(معارف مفتی اعظم، ج۸، ص: ۶۲۳)

حسن نے کہا نفس لوّامہ سے مراد مومن کا نفس ہے مومن دنیا میں ہر طعام وکلام پر اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے لیکن کافر نہ اپنے نفس سے حساب فہمی کرتا ہے نہ اسکو برا کہتا ہے مقاتل نے کہا اس سے کافر مراد ہے ہر کافر قیامت کے دن اپنے نفس کو برا کہے گا۔

صوفیاء کی رائے

صوفیاء کہتے ہیں کہ نفس بدی کا حکم دیتا ہے لیکن آدمی اگر کوشش کر کے ذکر الٰہی کرے اور اللہ کی طرف سے کشش بھی اس کی مددگار ہوتو اپنے نفس کی برائیاں اس پر کھل جاتی ہیں وہ اپنے نفس کو ماسوی اللہ میں مشغول پاتا ہے اور مخلوق سے کامل طور پر تعلق منقطع کر لینے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی تو اس وقت خود اپنے کو ملامت کرتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے

لیکن جب اس کو فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور ماسوائے اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی سے ہی اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ پر اس نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نفس کی مثال

نفس کی مثال امام رازی نے کلب اور کتّے کی سی بیان فرمائی ہے اور فرمایا لیکن وہ کَلبْ جو معلَّم ہو یعنی شکاری کتّا تعلیم تربیت اس کی درندگی کو ختم کر کے اس کے شکار کو حلال اور پاک بنا دیتی ہے۔ جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کو منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنا دیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم و تربیت کے بعد جب مطمئنہ ہو جائے گا تو اس کے عمل اور تحریک میں بھی خیر اور پاکیزگی آجائے گی جبکہ اس کے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

نفس اور روح

حافظ ابن عبد البرؒ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ آدَمَ وَجَعَلَ فِیْہِ نَفْساً وَرُوْحاً فَمِنَ الرُّوْحِ عَفَافُہٗ وَفَھْمُہٗ وَحِلْمُہٗ وَجُوْدُہٗ وَسَخَائُہٗ وَوَفَائُہٗ وَمِنَ النَّفْسِ شَھْوَتُہٗ وَغَضَبُہٗ وَسَفَھُہٗ وَطَیْشُہٗ.

ترجمہ: کہ اللہ رب العزت نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا علم وفہم اور اس کا جود و کرم اور وفاء عہد ہے اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نفس مطمئنہ مانگا ہے

مطمئنہ کے لفظی معنی ساکنہ کے ہیں، مراد وہ نفس ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے سکون وقرار پاتا ہے، اس کے ترک سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور یہ وہی نفس ہوسکتا ہے جو ریاضات ومجاہدات کر کے اپنی بُری عادات اور اخلاق رذیلہ کو دور کر چکا ہو، اطاعت حق اور ذکر اللہ اس کا مزاج اور شریعت اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔
(معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو حق تعالیٰ کی جانب سے۔ کمالِ ایمان نبوت وخاتمیت کے اعلیٰ رتبہ ومقام کی حاصل تھی، یہ امت کو تعلیم دی گئی ہے اور اس کا یہ انمول نمونہ ہے۔

نفس مطمئنہ کی لقاءِ حق

مذکورہ صفات سے متصف نفس کو حق تعالیٰ کی لقاء کا یقین ہونا لازمی ویقینی ہے لقاءِ حق کا یقین ہی نفس کو مزید سے مزید اطمینان کی کیفیت میں اضافہ کرتا ہے قرآن مجید میں بھی نفس مطمئنہ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ہے۔

یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ. اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً.

قیامت کے دن حق تعالیٰ خطاب فرمائیں گے اے اطمینان والی روح اپنے

پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش یہ جو آیا ہے۔

اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ، یہ کیا ہے؟ یہی تو وہ لطف و ذوق ہے جو قدم کو تھمنے نہیں دیتا۔ جنت سے پہلے اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ، کا خطاب ہوگا، لقاءِ حق کا یقین بھی نفس مطمئنہ اور نفس مومنہ ہی کو ہوگا۔

رضا بالقضاء یعنی مقدر کی وجہ سے مکدر نہ ہونا

دوسری چیز ہے رضاء بالقضاء۔ یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے جو بھی قضاء وقدر ہو اس پر راضی وخوش رہنا۔ تقدیر پر راضی رہنے سے تمام کلفت ورنج سے نجات مل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت دل نشین ہو کر ایمان ویقین کی کیفیت میں رسوخ اور تعلق مع اللہ استوار ہوتا ہے۔ رضاء بالقضاء کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی مقدر کی وجہ سے طبیعت کو مکدر نہ کرے اور حق تعالیٰ کی ذات جو ارحم الراحمین، کریم الکرماء، رحیم الرحماء ہے اور بندہ پر خود اس کی ذات سے زیادہ مہربان ہے اس پر اعتماد و بھروسہ رکھے اور تقدیری مکتوبات کو مرغوبات ومحبوبات کی طرح دل وجان سے قبول کرے اور اسی پر شاداں وفرحاں رہے تا کہ ایمان ویقین میں بہار آجائے۔

قناعت نقد خوشی ہے

اس مناجات میں تیسری چیز جو مانگی گئی وہ عطاء الٰہی پر قناعت ہے ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے۔ جان ہو یا مال ومنال ہو، پیدائش سے لے کر موت تک اور پھر اس زندگی و وجود کی بقاء کے لئے جو کچھ ہے وہ سب کا سب عطاء ہی عطاء ہے۔ قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے بغیر کسی استحقاق کے جو مل گیا ہے اس پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا احسان جاننا اور اسی پر حمد وثنا بجالانا، اور خوش وخرم زندگی بسر کرنا، قناعت نقد خوشی ومسرت ہے۔

لقاء کی تمنا مومن کا سرمایۂ حیات ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَجِیْرُکَ مِنْ جَمِیْعِ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْتَ، وَاحْتَرِسُ بِکَ مِنْھُنَّ وَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ وَلِیْجَةً وَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ زُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ، وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّخَافُ مَقَامَکَ وَوَعِیْدَکَ وَیَرْجُوْا لِقَاءَکَ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّتُوْبُ اِلَیْکَ تَوْبَةً نَّصُوْحًا وَاَسْاَلُکَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَعِلْمًا نَجِیْحًا وَسَعْیًا مَشْکُوْرًا وَتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ، (عن انس وعن ابی ھریرہ رضی اللہ عنھما کنز العمال)

مناجات یوم الجمعہ ص ۷۸

ترجمہ: یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تمام ان چیزوں سے جو تو نے پیدا کیں اور تیری حفاظت میں آتا ہوں ان سے، اور بنادے میرے لئے اپنی جانب سے حضورِ حق کی حضوری وہم نشینی وحق آگاہی کے قابل اور کردے میرے لئے اپنے یہاں خاص قرب کا مقام اور اعلیٰ درجہ کی نیک انجامی، اور بنادے مجھے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے ہیں تیرے سامنے کھڑے ہونے سے اور تیرے وعید سے، اور تمنا رکھتے ہیں تیرے ملاقات ووصال کی اور بنادے مجھے ان لوگوں میں سے جو توبہ کرتے ہیں تیری طرف خالص توبہ اور مانگتا ہوں میں تجھ سے مقبول عمل۔ اور کارآمد وباعثِ نجات علم، اور کوشش (جو دنیا میں ہو) شکور (آخرت میں مقبول) ہو اور تجارت جس میں گھاٹا نہ ہو۔

(کنز العمال عن انس وابو ھریرہ رضی اللہ عنہ)

حق تعالیٰ کی نگاہِ ربوبیت میں حفاظت وحراست طلب کرنا

اس مناجات میں سب سے پہلی چیز امان وپناہ چاہا گیا ہے تمام مخلوقات کے شر وفتنہ سے کیوں کہ راہِ حق میں تصور سے زیادہ دشمنوں وبدخواہوں کا جھنڈ کچھ دیدہ اور کچھ نادیدہ موجود ہے ایک حق پرست اور حق آگاہ، حق کا متلاشی، حق پرستی میں مصروف رہے گا کہ راہ کی گندگیوں میں الجھے گا اس سے بچنے کی سہل ترین تدبیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ

سے ہی عرض کر دے کہ میرے مقصود آپ ہی اور آپ کی طرف آنے کے لئے قدم آپ کی توفیق سے اٹھ چکے ہیں اب آپ راہِ حق کے تمام دشمنوں و بدخواہوں سے خواہ دیدہ ہوں، نادیدہ ہوں میں ان سے آپ کی امان میں آکراُن سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ ہی سے اُن کے تمام شرور وفتن سے حفاظت وحراست چاہتا ہوں، ظاہری و باطنی دونوں فَاللهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو، محبت ومعرفت خود بدہ

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نقشبندی

جو اللہ کی پناہ میں امان پا گیا اور جس کی حفاظت وحراست ہوگئی پھر راستہ کی کوئی بھی دقت اس کو حق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ انشاء اللہ اور دوسرے مقام پر ایک طویل مناجات میں حق تعالیٰ سے حفاظت وحراست یوں مانگا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ احْرِسْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّذِيْ لَا تَنَامُ وَاكْنِفْنِيْ بِرُكْنِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ، الخ

یا اللہ نگہبانی کر میری اپنی اس آنکھ سے جو کبھی سوتی نہیں۔ اور آڑ میں لے لے مجھے اپنی اس قوت کے جس کے پاس کوئی نہیں پھٹک سکتا۔

اللہ پاک کی شان ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ، اس کو نہ اُونگھ آتی ہے نہ ہی نیند۔ بندہ جب حی وقیوم، قدرت وقوت والے رب کی حفظ وامان میں آجائے تو پھر اس کو کسی چیز کا خطرہ نہ ہوگا۔ پر یہ بات اسی شخص کے لئے ممکن ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت داخل ہوگئی ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا اللہ اپنا رازدار بنا لے

وَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ وَلِيْجَةً،

اور بنا دے میرے لئے اپنے یہاں حضوری کے قابل۔

حاضر باش، حق آ گاہ، **ولیجة** کے مختلف معنی آتے ہیں مثلاً پناہ گاہ، اندر جانے کا راستہ، بکثرت اندر آنے جانے والا، **الولیجة** کسی کے ساتھ رہنے والا، ہم راز، بھیدی، معتمد علیہ، ہر وقت کا ساتھی و راز دار۔

من یتخذہ معتمداً علیه من غیر اھله۔ (المنجد ۱۵۵۶)

غیر اہل کو معتمد علیہ بنا لینا۔ لغت میں یہ تمام معنی **ولیجة** کا لکھا ہے۔

حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی یہ انمول بول بول سکتے ہیں، اس لفظ میں جامعیت اور گہرائی و گیرائی کا سمندر چھپا اور پنہا ہے اور تمام کا تمام معنی اس مناجات میں صادق آتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات ملجاء و منجاء بھی ہے جبکہ وہ خالق ہے مخلوق میں حضرت محمد خاتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا معتمد علیہ بھی بنایا ہے راز دار بھی، عالم غیب کے رموز و اسرار کا بھیدی بھی، الغرض اپنی جناب کا حاضر باش اور حق آ گاہ بھی اور اپنی جناب میں آنے جانے والا بھی۔ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا**

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی خوب سے خوب عبدیت و جامعیت کا انمول اسلوب اپنایا اور درخواست پیش کیا کہ آپ ہی اپنی جانب سے مجھ کو **وَلِيْجَةً** یعنی خاص الخاص اپنا راز دار و بھیدی بنا لے اور اسی **وَلِيْجَةً** کی مناسبت سے آگے عرض کیا:

وَاجْعَلْ لِيْ عِنْدَكَ زُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔

اور کر دے میرے لئے اپنے یہاں خاص قرب اور اعلیٰ درجہ کی نیک انجامی۔

زلفی کو **ولیجة** سے اور **ولیجة** کو **زلفی** سے مناسبت ہے۔ دراصل یہ اُس عالم کی لطیف حقیقت ہے اور بارگاہ قدس کے قرب کی منزل اور ترجمانی ہو رہی ہے نبی خاتم کے لسان نبوت سے جس کا ظہور پورے طور پر عالم آخرت میں ہو گا اور اس وقت **ولیجة** اور **زلفی**، اور پھر **حسن مأب**، نیک انجامی کی حقیقت کھلے گی کہ وہ عالم عالم حقیقت ہو گا۔

حق تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے پیشی سے ڈرنا

وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَخَافُ مَقَامُکَ وَوَعِیْدُکَ،

اور بنادے مجھے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے ہیں تیرے سامنے کھڑے ہونے سے اور تیری وعید سے۔

بندہ کا جب ایمان وایقان آخرت پر اور حق تعالیٰ کے سامنے حساب وکتاب کے لئے پیشی کا احساس بڑھتا ہے تو اس کی کیفیت ہی اور ہوتی ہے، ان کو ڈر لگا رہتا ہے کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا ہے اور رتی رتی کا حساب دینا ہے تو اس ڈر اور خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور روگردانی سے بچتا ہے، اور پوری طرح تقویٰ وطہارتِ قلب کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس مناجات میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ یا اللہ آپ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان لوگوں میں بنادے جو تیرے سامنے حساب وکتاب کے لئے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں کہ خلوت وجلوت میں ظاہر باطن میں ہر قول وفعل میں، پوشیدہ وعلانیہ ہر وقت اور ہر حالت میں ان کو تیری عظمت کا استحضار معصیت سے روکتا ہے اور اپنی نفسانی وفانی لذتوں کو تیرے سامنے حساب وکتاب کی پیشی کے خوف وڈر سے چھوڑ دیتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اللہ کی عظمت ومحبت کا حق ہے کہ بندہ اس کی نافرمانی نہ کرے اور ان تمام اعمال وافعال سے اپنے کو بچائے اور دور رکھے جن اعمال وافعال پر وعید وسزا اور عذاب وعقاب کی دھمکی آئی ہے۔ الغرض جو حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور کھڑے ہونے سے اور پھر معصیت پر جو وعید آئی ہے اس سے ڈرے گا وہ گناہ کے قریب نہیں جائے گا۔

لقاء ووصال کی تمنا وآرزو

وَیَرْجُوْا لِقَاءَکَ،

اور تمنا رکھتے ہیں تجھ سے ملاقات ووصال کی

جب بندہ مومن کے قلب میں ایمان وایقان راسخ اور پیوست ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی محبت کی چاشنی وذائقہ وجدانی وذوقی طور پر محسوس ہونے لگتی ہے تو معبود ومسجود کی طرف دل کی کشش بڑھ جاتی ہے اور لقاءِ حق کی امید وتمنا اور آرزو ہر لمحہ لگی رہتی ہے اور شوقِ لقاء میں بندہ عبدیت کے اندر حسن وخوبی کا نبوی طریقہ اپنانے میں فرحت ومسرت اور سکون وسرور محسوس کرتا ہے طبیعت میں انبساط وابتسام کی لہر دوڑتی ہوئی کیفیت کا لطف اٹھاتا ہے کہ مقصود اس کا دار البقاء میں لقاءِ حق ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ دنیاوی تمام مکروہات کو مرغوبات میں بدل دیتی ہے اور زندگی وحیات کی صحیح سمت کی تعین کر دیتی ہے۔ مومن کا سب سے عظیم سرمایہ حق تعالیٰ کی لقاء اور ملاقات ہے۔ اس مناجات میں حق تعالیٰ سے ہی دیدارِ حق کی امید وتمنا رکھنے کی اپیل کی جا رہی ہے۔

توبہ نصوح یعنی سچی و پکی توبہ

وَجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَتُوْبُ اِلَیْکَ تَوْبَةً نَصُوْحاً،

اور بنادے مجھے ان لوگوں میں سے جو توبہ کرتے ہیں تیری طرف خالص توبہ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرلے پھر گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹے جیسے دودھ لوٹ کر تھن میں نہیں جاتا۔

حضرت حسن نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیماں ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

کلبی نے کہا کہ توبہ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) زبان سے استغفار کرنا (۲) اعضاء بدن کو (گناہوں سے) روکنا۔

(۳) دوبارہ نہ کرنے کا دل سے عہد کرنا۔ (۴) اور بُرے وبدکار دوستوں کو چھوڑ دینا۔

کلبیؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم

ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے۔

توبہ کے چھ ارکان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔

(۱) اپنے گزشتہ بُرے عمل پر ندامت۔ (۲) جو فرائض وواجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں ان کی قضاء۔ (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی۔ (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم وارادہ۔ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے دیکھ لے۔

(مظہری معارف القرآن مفتی اعظم)

حسن بصریؒ کا قول

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے توبہ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہ الٰہی میں استغفار کرو۔ (گلدستہ۔۷/۲۱۷)

صاف دل کی توبہ

صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ (تفسیر عثمانی) توبہ نصوح تمام ظلماتی حجابات کو صاف کر کے قبول رحمت وبرکت کے قابل دل کو بنا دیتی ہے اور پھر طبیعت آخرت کی طرف چل پڑتی ہے۔

توبہ کے بیان میں

سگِ اصحابِ کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں

میرے عزیز بھائی شمس الدین! اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے۔ یعنی توبۂ خالص و توبۂ خاص الخاص۔ یہ توبہ علیٰ قدرِ مراتب ہوتی ہے۔ اس میں کسی کی قید نہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

{تُوبُوا اِلَى اللهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ}

یعنی اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمھاری بہتری ہو جائے۔

یہ آیت شریف صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ حضرات ہمہ تن تائب تھے۔ کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپ رکھنے والے۔ گناہ پر اُن حضرات نے لات ماری تھی۔ اور پس پشت ڈال دیا تھا۔ طاعت و عبادت میں مشغول تھے۔ پھر سبھوں کو توبہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کے معنی کیا ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ ادنی اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر ساعت۔ مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعالِ حَسَن سے اَحسن کا قصد کریں، واقفانِ راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں۔ روشِ سالکانہ اختیار کریں۔ مقیمانِ آب و خاک پر فرض ہے کہ صرف عالم اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں، طیر کی قوت حاصل کریں اور حضیض سفلی سے اُڑ کر اوجِ علوی پر پہنچیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے۔ اس مقام

سے اس کو توبہ کرنا چاہیے۔ اور آگے قدم بڑھانا چاہیے۔

تُوْبُوْا اِلَی اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کی تفسیر یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے۔ مرتبۂ اسفل سے ترقی کرنا، مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچنا فرضِ راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا۔ اسی لیے شرع شریف میں حکم ہے کہ سِيْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْن (یعنی مفردوں کے آگے سیر کرو)۔ توبہ اگر صرف گناہ ظاہری سے ہوتی تو پیغمبروں کو توبہ کی حاجت کیا تھی۔ وہ تو گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے پاک ہیں۔ مگر ان حضرات سے بھی توبہ ثابت ہے اور وہ معناً اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تجلی ربانی ہوئی۔ عالمِ بے خودی کے بعد جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا تُبْتُ اِلَيْكَ (یعنی میں نے تیری طرف توبہ کی)۔ بہ ظاہر توبہ کا محل نہ تھا۔ دوستی میں اختیار سراسر آفت در آفت ہے۔ اس لیے آپ نے توبہ کی اور کارِ حَسَن سے کارِ احسن کی طرف رجوع کیا۔ آپ ہی پر موقوف نہیں خود حضرتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ہر ساعت ترقی مقام ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتے تھے۔ مرتبۂ اول کو مرتبۂ دوم سے کمتر سمجھتے تھے اس لیے آپ استغفار فرما کر صواب سے اصوب کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ یہیں سے اس جملہ کے معنی حل ہوتے ہیں کہ:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

(ابرار کے حسنات مقربین کے سیئات ہیں)۔

توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ رہا یہ کہ صفتِ رجوع مختلف ہوا کرتی ہے۔ جس حال جس معاملہ جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی۔ عوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں۔ خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا اور ہو رہا ہے اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اپنے کو صاحبِ قوت و طاقت کیوں سمجھے۔ ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا۔ عاجز و نیست کیوں نہ سمجھا۔ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے۔ جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سن لو۔ یہ مسئلہ توبہ کی جان ہے۔ توبہ کے لیے ہمیشگی شرط نہیں ہے۔ یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اس سے عمر بھر سرزد نہ ہو۔ نیت البتہ صحیح ہونا چاہیے۔ جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم نہ کریں گے۔ توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہوگا۔ اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا۔ اور توبہ کا ثواب اس کو ملے گا۔ ان بزرگانِ دین سے بڑھ کر تو مقامات و احوال و معاملات کا تجربہ کسی کو نہیں ہے۔ دیکھو اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ توبہ کے بعد پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی۔ ایک بزرگ کا قول ہے رحمہ اللہ علیہ کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اکہترویں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔ بعدہٗ پھر مجھ سے گناہ ظاہری نہیں ہوا۔ ایک بزرگ کی اور نقل ہے کہ توبہ کے بعد وہ معصیت میں گرفتار ہو گئے۔ نہایت ان کو ندامت ہوئی۔ ایک روز دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اگر ہم بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نہیں معلوم کیا حال ہمارا ہوگا۔ ممکن

ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ ہاتف نے آواز دی:

اَطَعْتَنَا فَشَکَرْنَاکَ ثُمَّ تَرَکْتَنَا فَاَمْھَلْنَاکَ فَاِنْ عُدْتَّ اِلَیْنَا قَبِلْنَاکَ

میری طاعت تو نے کی میں نے تیرا شکر کیا (یعنی تجھ کو جزا دی)۔ پھر بے وفائی تو نے کی اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ میں نے تجھ کو مہلت دی۔ اب اگر تیرے جی میں ہے کہ رجوع کرے تو میں تجھے صلح کے ساتھ قبول کرلوں گا۔ سبحان اللہ۔

اب اقوالِ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین توبہ کے متعلق سنو۔ حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْب وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَةِ وَتَوْبَة الْاَنْبِیَآءِ مِنْ رُّوْیَةِ عِجْزِھِمْ عَنْ بُلُوْغِ مَانَالَہٗ غَیْرُھُمْ مِنْ رُّوْیَةِ الْحَسَنَاتِ۔

عوام کی توبہ گناہ سے باز آنا ہے۔ خواص کی توبہ غفلت سے باز آنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی توبہ اس مقام سے ہے جس مقام میں وہ فی الحال موجود ہیں اور دوسرے نبی کو اس سے برتر مقام مل چکا ہے۔

حقیقتِ توبہ کے متعلق حضرت خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ: اَلتَّوْبَةُ اَنْ لَّا تَنْسٰی ذَنْبَكَ -توبہ کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کو تم نہ بھولو۔ اور ہمیشہ اس کی ندامت باقی رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بہت سے بہت بھی عمل صالح تم سے ہوں گے، تو عجب پیدا نہ ہوگا۔ اور حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اَلتَّوْبَةُ اَنْ تَنْسٰی ذَنْبَكَ -توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جو گناہ تم نے کیا ہے اس کو بھول جاؤ کیونکہ تائب کا درجہ محب کا درجہ ہے۔ وہ ایک گونہ دوستوں میں داخل ہے۔ ایک دوست کا دوسرے دوست سے سابق بے عنوانیوں کو دہرانا ہرگز جفا سے کم نہیں یہ قول اور وہ قول دونوں

بظاہر ضدّ یک دیگر ہیں۔مگر معنی میں ضدیت نہیں ہے۔معنی فراموش کرنے کے یہ ہیں کہ حلاوت اس گناہ کی دل سے نکل جائے۔تائب ایسا ہو جائے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں،ہی خیر،حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علی کو ایک خاص حالت میں یہ جواب ملا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت پڑھا مگر کسی چیز سے ہم کو اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس شعر سے ہوا ؎

اِذَا قُلْتُ مَآ اَذْنَبْتُ قَالَتْ مَحَبَّتُهٗ
وُجُوْدُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنْبٌ

(جب میں نے پوچھا ہم نے کیا گناہ کیا،تو اس کی محبت نے جواب دیا تیرا وجود ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے مقابلے میں سارے گناہ ہیچ ہیں۔)

اللہ اللہ تعالیٰ معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا وجود بھی گناہ ہے،اور باتوں کو کون پوچھتا ہے۔اے بھائی کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے۔اس وقت کی قدر کرنا چاہیے۔کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں۔توبہ سے غافل نہ رہو۔ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے،ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں۔اُن بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے تم چوک گئے،آنے میں بہت دیر لگادی۔تمھیں جوانی میں آنا تھا۔مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا،اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا۔کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ،میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔اے جناب توبہ وہ نعمت ہے کہ اگر مرنے کے قبل نصیب ہو جائے تو کیا کہنا ہے۔دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔میں جلد سے جلد آیا ہوں۔بھائی میرے،ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو،توبہ کرو تو سہی۔دیکھو توبہ تمھاری کیسی امید افزا ہوتی ہے۔تم کو جاننا چاہیے کہ ساحرانِ فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں۔سگِ اصحابِ کہف

سے تم زیادہ ناپاک نہیں۔ سنگِ طورِ سینا سے تم زیادہ جامد نہیں۔ چوبِ حنانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں۔ قطع نظر اس کے کوئی شخص جبش سے غلام لاکر اُس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو، جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے۔ ندا آئی۔ ٹھیک ہے، یہ کہنا تمھارا اس وقت مناسب ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمھارے دروازے پر ان کو بھیجتے، یا تمھارے ہاتھ ان کو بیچتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا۔ شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگادے گی۔ کیا ممکن یہ وہ مشتِ خاک ہیں، کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں۔ جب ہم نے قبول ہی کرلیا تو معصیت ولوث کی کیا مجال ہے جو کچھ کرسکیں ؎

سراسر ماہمہ عیبم بدیدی وخریدی تو

زہے کالائے پُرعیب وزہے لطفِ خریدارے

(میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو خریدا ہے۔ واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے، اور کیا خوب مہربان خریدار ہے۔)

والسلام

(مکتوب ۲)

دشمن کے خوش کرنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین کو اللہ تعالیٰ ابدی نیک بختی نصیب کرے اپنے منت اور کرم سے میری طرف سے سلام ودعا۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ کرنے کے بعد مرید کا کام دشمنوں کا خوش کرنا رہ جاتا ہے، اور یہ بڑا کھڑاگ ہے۔ سنو! گناہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول ان امور کا ترک جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ ان کی یہی توبہ ہے کہ حتی المقدور قضائیں ادا کی جائیں۔ دوسرے وہ جن کا اللہ اور بندے سے تعلق ہے۔ مثلاً شراب پینا، زنا کرنا، سود لینا، آوازِ مزامیر کا سننا۔ ان گناہوں سے تائب ہونے کی یہی صورت ہے کہ تم اعترافِ ندامت کے ساتھ پکا ارادہ کرلو کہ پھر نہ کریں گے۔ تیسرا گناہ حق العباد ہے اور یہ نہایت سخت ودشوار ہے۔ اس کے چند طریقے ہیں۔ جان ومال، ذاتیات، عورت، لونڈی اور دین کے نقصانات۔ اگر تم نے مال کا گناہ کیا اور تمھیں اس کی واپسی کی قدرت ہے تو تم پر واجب ہے کہ اس کو لوٹا دو۔ اور اگر ادائیگی سے مجبور ہو تو معافی چاہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوسکیں تو اس رقم کو اس روح پر صدقہ کر ڈالو۔ اگر یہ بھی نہیں ہو تو نیکیاں کرو اور الحاح وزاری کے ساتھ اللہ سے معافی مانگو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کرم سے قیامت کے دن تمہارے دشمنوں کو تم سے خوش کر دے۔ اگر تم نے کسی کی جان ماری ہے تو اس کے اقربا سے کہہ دو کہ وہ یا تو تم سے قصاص

لیں یا معاف کر دیں۔ اگر یہ ناممکن ہو تو تضرع وزاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو کہ قیامت میں تمھارے دشمنوں کو تم سے خوش کرا دے۔ اور اگر تم نے ذاتیات کے نقصان پہنچائے ہیں، کسی کی غیبت کی، تہمت جوڑی، گالیاں بکیں تو یہ لازم ہے کہ اس سے جا کر کہو ''بھئ ہم نے تمھاری طرف جھوٹی باتیں لگائی ہیں معاف کرو۔'' مگر ذرا سوچ سمجھ کر، ایسا نہ ہو کہ اس کا غصہ بھڑک اٹھے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کیونکہ جہاں اشتعال، غیض وغضب کا یقین ہو وہاں یہی اچھا ہے کہ اللہ کی درگاہ میں سر رگڑو۔ اور معافی کے خواستگار رہو۔ اگر تمہارا دشمن زندہ نہ ہو تو اس کی روح پر ایصالِ ثواب کرو۔ اگر تم نے کسی کی بیوی یا شرعی لونڈی کے ساتھ بدنیتی کی ہے یا اس سے بھی تجاوز کر گئے ہو تو یہ موقع نہ معافی کا ہے اور نہ ظاہر کرنے کا۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو اللہ ہی کے حوالہ کرو کہ وہ روزِ قیامت ان کو تم سے رضامند اور خوش کر دے۔ اور اگر ان کے اشتعالِ غضب کا خوف نہ ہو، اگر چہ یہ اتفاقی ہے تو معافی مانگ لو۔ اور دین کا گناہ وہ ہوا کہ کسی کی بیجا تکفیر کی یا کسی کو گمراہ کر ڈالا ہو، یہ بھی سخت دشوار ہے۔ تمھیں چاہیے کہ حتی الامکان اس شخص سے اپنی دروغ بیانی کا اظہار کر کے معافی چاہو۔ اگر ناممکن ہو تو نادم ہو کر درگاہِ ربانی میں سر ٹیک دو۔ یہاں تک کہ اس کو تم سے خوش کر دے۔ الغرض جیسے اور جس طرح ممکن ہو دشمنوں کو خوش اور راضی کرو۔ اور اگر غیر ممکن ہو تو صدق دل سے تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرو۔ تا کہ قیامت کے دن تمھارے دشمن تم سے رضامند اور خوش ہو جائیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے بڑی امید ہے کہ جب وہ بندے کی صداقت دیکھے گا تو اپنی رحمت سے اس کے دشمنوں کو خوش کر دے گا۔

اگر میرے کہنے پر تم نے عمل کیا اور ترکِ گناہ کا عزم بالجزم کر لیا، لیکن گزشتہ گناہوں کی قضائیں ادا نہ کیں اور دشمنوں کو خوش نہ کیا تو تم پر عتابِ الٰہی اب تک باقی

رہا۔ ذرا خبردار رہنا کہ یہ گھاٹی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے۔ سنو خواجہ ابو اسحق اسفرانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں تیس برس تک اللہ سے توبہ نصوح چاہتا رہا، مگر قبول نہ ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے متعجب ہو کر کہا۔ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ تمھیں تعجب ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو؟ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے۔ کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟''

بھائی جان، بندے کے لیے گناہ ایک بلا ہے اللہ کی پناہ، اس کی ابتدا سختی دل اور آخر کفر کی بدبختیاں۔ ابلیس اور بلعم باعور کے قصوں کو بھولنا نہ چاہیے۔ دیکھو اول اول دونوں سے گناہ ہی سرزد ہوئے۔ آخر کفر کی نوبت آ پہنچی۔ صلحا کہتے ہیں:

''گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہے، طاعت و عبادت میں لذت نہ ملے۔ کسی کی اچھی باتیں دل کو بُری لگیں۔''

اس لیے غفلت کا مطلق موقع نہیں۔ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے۔ میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر بھی گناہ کرو گے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ پھر توبہ کرلینا۔ اور دل سے یہ کہو کہ ممکن ہے کہ گناہ سے پیشتر ہی مجھے موت آ دبوچے، اس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہوں توبہ کرتے چلے جاؤ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں کرچ کرتے ہو، اتنی ہمت توبہ کرنے میں صرف کرو۔ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد۔ توبہ سے رُکنا شیطانی اغوا ہے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے، اور جبکہ توبہ پر ثابت قدم نہیں، تو توبہ کس کام آئے گی۔ ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا، یہ سب شیطانی چکمے ہیں۔ کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ گناہ کرنے تک زندہ رہو گے۔ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مرجاؤ۔ اس

قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمھارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو۔ اس وقت نیت خالص رہنا چاہیے۔ رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے ثابت قدم رکھا، سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پہلے گناہ بخش دیے گئے۔ تم بالکل پاک وصاف ہو گئے۔ اب اگر تمھارے سر پر بوجھ رہا تو صرف اس نئے گناہ کا۔ کیا یہ فائدہ کوئی معمولی فائدہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کی بخشایش ہو گئی۔ تمہارا فرض ہے کہ توبہ کیے جاؤ۔ گناہ ہوں تو ہوں، توبہ کرنے کے دو فائدے تھے، ایک تو گناہِ گزشتہ کی معافی دوسرے آئندہ گناہ سے باز رہنا، توبہ کے بعد بفرض محال اگر تم آئندہ گناہ سے باز نہ رہے تو کم از کم اتنا تو ہوا کہ گناہ گزشتہ معاف ہو گئے۔

حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے۔ توبہ کا لب لباب یہ ہے وہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے۔ اور تمہاری سچائی بارگاہِ ربانی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا۔ اور جو فرائض قضا ہوئے تھے بقدرِ امکان ادا ہو گئے، اور جو باقی رہے اُن کے لیے درگاہِ ربانی میں تم نے تضرع وزاری کی، بہترین طریقہ پاکی وطہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اس پر عمل کرو اور اپنے کو سچا تائب بنا ڈالو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک وصاف کپڑ پہن کر چار رکعت نماز نہایت حضورِ دل سے ادا کرو۔ اس کے بعد سجدے میں جاؤ۔ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو اللہ کے سوا تم کو کوئی نہ دیکھتا ہو۔ اور سر در یش کو خاک آلودہ کرو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ دل میں سوز وقلق ہو بہ آوازِ بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں ان کو دہراؤ۔ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہو کہ اے نفس وہ وقت آ گیا کہ تو توبۂ نصوح کرے اور تو اللہ کی طرف سچائی سے رجوع ہو۔ کیونکہ

تجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذاب الٰہی برداشت کر سکے۔ اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح مناجات کرو:

''اے اللہ بندۂ گنہگار بھاگا ہوا تیرے در پر پھر آیا ہے۔ بندۂ گنہگار رحمت کا طلبگار ہے۔ بندۂ گنہگار عذر لایا ہے۔ بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما۔ اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری طرف دیکھ۔ اے اللہ ہم کو بخش دے اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے۔ تو بخشنے والا اور بخشایش کرنے والا ہے''۔

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید
در چناں دریا کجا آید پدید
نہ گردد تیرہ ان دریا زمانے
ولے روشن شود کارِ جہانے

اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے، تو اتنے بڑے سمندر میں کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہوگا۔ اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا۔

اس اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

یَا مُجَلِّیَ عَظَائِمَ الْاُمُوْرِ یَامُنْتَهِیَ هِمَةَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا مَنْ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنَ اَحَاطَتْ بِنَاذُنُوْبُنَا وَاَنْتَ الْمَذْخُوْرُ لَهَا یَا مَذْخُوْرُ لِکُلِّ شِدَّةٍ کُنْتُ اَذْخُرُکَ لِهٰذِهِ السَّاعَةِ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمِ[1]

---

[1] اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ (جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا)۔

ترجمہ: ''اے بڑے بڑے امور کو روشن کرنے والے۔ اے مؤمنین کی ہمت کو انتہا تک پہنچانے والے، اے وہ ذات کہ جب ارادہ کیا کسی کام کے ہونے کا تو کہہ دیا اس کو کہ ہوجا، بس ہوگیا۔ میرے گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ اور ان گناہوں کو تو جمع کیے ہوئے ہے اے جمع کرنے والے۔ واسطے ہر شدت کے تجھ کو خزانچی بنایا اس گھڑی کے واسطے۔ پس رجوع کیا میں نے اس امید پر کہ تو میری توبہ کو قبول کرلے۔ بیشک تو قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

پھر خوب گریہ وزاری:......

یَا مَنْ لَا یَشْغِلُہٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ یَامَنْ لَا یَغْلِطُہُ الْمَسَائِلُ ۔ یَا مَنْ لَّایُبْرِمُہٗ اِلْحَاحَ الْمُلَحِّیْنَ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِکَ وَحَلَاوَۃَ رَحْمَتِکَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ

(اے وہ ذات کہ اس کو نہیں روکتا ہے ایک شخص کی بات کا سننا دوسرے شخص کی بات کے سننے سے۔ اے وہ ذات کہ غلطی نہیں کرتی ہے سوال کے سمجھنے میں۔ اے وہ ذات کہ اس کو مجبور نہیں کرتا ہے الحاح کرنے والوں کا الحاح۔ چکھا دے ہمیں اپنی معافی کا مزہ اور اپنی رحمت کی مٹھاس۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

پھر درود پڑھو اور اپنے اور جملہ مسلمانوں کے لیے مغفرت چاہو۔ اور طاعت و عبادت میں مشغول ہوجاؤ۔ کیونکہ تم نے توبۂ نصوح کی اور سب گناہوں سے پاک ہو گئے۔ اور ایسے پاک معصوم ہوئے جیسے آج کا پیدا۔ اللہ نے تم کو دوست بنالیا اور بہت کچھ اجر وثواب تمھارے ہاتھ آئے۔ اور تم پر اس قدر رحمت و برکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص بیان نہیں کرسکتا ہے۔ تمھیں دنیا اور آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی۔

اب ایک نکتہ سنو۔ کہ اگر باعیب قبول کرنا نہ ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا۔

میرا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام گندم کھانے کی وجہ سے دنیا میں نہ بھیجے

گئے۔ بلکہ خود خواہش ربانی یہی ہوئی کہ وہ بہشت سے دنیا میں جائیں۔ اس کے کیا معنی کہ قیامت کے دن سیکڑوں ہزاروں کبیرہ گناہ کرنے والے بہشت میں بھیجے جائیں اور آدم علیہ السلام صرف ایک زُلت کے سبب بہشت سے باہر کر دیے جائیں۔ اگر آدم علیہ السلام کے آنے کا باعث ایک گناہ سمجھا جائے، تو پھر اس کی کیا وجہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج میں مقام قاب قوسین تک پہنچ کر پھر واپس تشریف لائے۔ یہ جانا آنا دونوں اسرار سے خالی نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے سے یہ ہوا کہ فرشتوں نے درود پڑھ کر آداب واحترام سیکھے۔ اور واپس آنے سے اہل زمین نے آپ کے بیان سے رموز شریعت سیکھے وہاں پہنچ کر لَآ اُحۡصِیۡ ثَنَآءً عَلَیۡكَ (تیری حمد کی کوئی انتہا نہیں) اگر وردِ زبان ہوا۔ یہاں آ کر اَنَا اَفۡصَحُ الۡعَرَبِ وَالۡعَجَمِ (میں عرب وعجم میں سب سے بڑا فصیح ہوں) سے گوہر فشاں ہوئے۔ بہر حال جہاں تک ممکن ہو سجدے کیے جاؤ۔ اور نیاز مندانہ اور سائلانہ اس درگاہ میں حاضری دو۔ بندہ جب اِیَّاكَ نَعۡبُدُ (ہم تجھی کو پوجتے ہیں) کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ لایا ہے اس کو قبول کرو۔ اور جب اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کہتا ہے تو ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو دو۔ بادشاہوں کے خزانے کو سائلوں سے رونق ہوتی ہے۔ اگر غور کر کے دیکھو تو کوئی سائل خاک سے زیادہ خاکسار نہ پاؤ گے۔ آسمان و زمین عرش وکرسی سب چیزیں اس کو دی گئیں۔ مگر نیاز کا یہ حال ہے کہ ایک ذرہ بھی اس میں کمی نہ آئے۔ اور کوئی خزانہ خزانہ رحمت الٰہی کے مقابلے میں نہیں کہ تمام خلق کے لیے جس قدر ضروری تھا اس نے ہزار گونہ زیادہ دیا۔ اور دیتا رہے گا۔ مگر ایک ذرہ بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ والسلام (مکتوب ۳۰)

تجدیدِ توبہ کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین! تم کو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی بزرگی نصیب کرے۔ تمھیں معلوم ہو کہ مکرر سہ کرر درخواستیں تمھاری متقاضی تھیں کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ اور ہر سوال کے متعلق ارشاد تنبیہ کی جائے۔ تقاضا اس حد تک تھا کہ تم شکستہ خاطر ہونے لگے تھے۔ اس لیے چند مکتوب مسلسل لکھے جاتے ہیں۔ ان کو کافی غور کے ساتھ پڑھنا۔ اور قاضی صدر الدین سے حلِ مطالب کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ جب قاضی صدر الدین وہاں موجود ہیں تو کوئی مشکل، مشکل نہ رہے گی۔ آسان سے آسان ہو جائے گی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ بقدرِ وسعت عمل بھی کرتے رہو۔ کیونکہ اصل کام عمل ہے اور ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل نہ رہو۔ اور دل میں یہ ہمت رکھو کہ حق سبحانہ تعالیٰ توبہ کی حقیقت تک پہنچا دے۔ کیونکہ بغیر توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان جو عمل کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ اس میں حلاوت پیدا نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو، اس راہِ طلب میں قدم کون رکھتا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ اور ان احکام کے بوجھ کو کون اٹھاتا ہے، ایمان اٹھاتا ہے۔ اور اس خونخوار جنگل کو قطع کون کرتا ہے، ایمان کرتا ہے۔ اور اس بحرِ محیط سے پار کون ہوتا ہے، ایمان ہوتا ہے۔ اور شربتِ دیدار کون پیتا ہے۔ ایمان پیتا ہے۔ اور یہ دردِ عشق کس کو ہوتا ہے، ایمان کو ہوتا ہے۔ اور منزلِ مقصود کی تلاش کس کو ہوتی ہے، ایمان کو ہوتی ہے۔ اب اسی سے سمجھ لو کہ توبہ کو ایمان سے کیا تعلق ہے۔ اور ایمان کہاں تک ترقی کرتا ہے۔ ہر دل میں آفتابِ ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جلا توبہ سے حاصل ہو گی۔ جس درجہ میں درگاہِ توبہ وسیع ہو گی، اسی قدر آفتابِ ایمان کی روشنی ہو گی۔ اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی

حقیقت یہی ہے کہ طالب کے صفاتِ ذمیمہ صفاتِ حمیدہ سے بدل جائیں۔صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو گردش کہتے ہیں۔تم نے سنا ہوگا کہ پیرانِ طریقت مریدوں کو چلے کا حکم دیتے ہیں۔اس سے غرض کیا ہے۔یہی کہ مرید ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جائے۔جب ایسا ہوا مرید کی حالت بدل گئی، تو وہ ایک دوسری چیز ہو گیا۔تم جس کو دیکھ رہے تھے وہ شخص نہ رہا۔ایک دوسری ہستی نمودار ہو گئی۔کیونکہ جب صفت بدل گئی تو وہ شخص بھی بدل گیا۔اگرچہ صورتاً وہی شخصیت قائم ہے۔مگر صورت تو کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ایسی ہی گردش کے بعد جو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے اس کا نام حقیقت ایمان ہے۔اور قبل اس تبدیلِ صفات کے ساری کلمہ گوئی تقلیدی اور حرکتِ لسانی کے سوا کچھ نہ تھی۔بہت افسوس ہے کہ ایک جہان اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔اور حقیقتِ ایمان سے بے خبر ہے۔جس نے یہ کہا خوب ہی کہا۔مثنوی:

تا کے بہ زبان خدا پرستی
این است مگر ہوا پرستی
تا نہ گردی تو مسلمان از درون
کے توانی شد مسلمان از بُرون
تا کے بہ زبان نَفَس برآری
ایمان بہ دل است و دل نداری

(تو زباں سے کب تک حق پرستی کا دعویٰ کرے گا۔یہ تو نفس پرستی ہے۔جب تک تو دل سے مسلمان نہ ہوگا ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔جب تک دل میں ایمان کا وجود نہیں تو صرف زبان سے کب تک رٹتا رہے گا۔)

ایمانِ تقلیدی اور حرکتِ لسانی کا درجہ ہرگز ہرگز ایک خرلنگ سے زیادہ نہیں۔اب

تمھیں بتاؤ ہمارا تمھارا جیسا مرکب کیا بوجھ اٹھائے گا۔ اور کیا راستہ چل سکے گا۔ سوار کی راہ الگ کھوٹی ہوگی، اور منزل سے الگ جدا رہے گا۔ تم نے یہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی کا بوجھ مچھر نہیں اٹھا سکتا۔ بیت:

محرمِ دولت نہ بود ہر سرے
بارِ مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ہر شخص دولت کا اہل نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سواری کا بوجھ ہر ایک گدھا نہیں اٹھا سکتا۔)

رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا ہوگا تو اٹھائے گا۔ دوسرے کا کام نہیں۔ ہاں بھائی ذرا دل کو مضبوط کرو۔ اور اس مقام کی دشوار گزار گھاٹیوں سے اور خوفناک منظر سے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھبرا اٹھو، اور تمھارے دل میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ تم حیلہ شرعی ڈھونڈھ کر اور اَلْفِرَارُ مِمَّا لَا یُطَاقُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ (یعنی جس چیز کی طاقت نہیں اس سے الگ رہنا پیغمبروں کی سنت ہے)۔ پڑھ کر بھاگ کھڑے ہو۔ اس امر کے متعلق مجھے زیادہ لکھنے اور کہنے میں اسی بات کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ورنہ کچھ اور کہتا۔ دیکھو دیکھو ہرگز ہرگز اس درگاہ سے ناامید ہونا زیبا نہیں۔ وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں جس کسی کو نعمت ملتی ہے اس کی قیمت طلب نہیں کی جاتی بہتیروں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابھی وہ بت کے سامنے سجدے میں تھے اور چشم زدن میں ملک وفلک کے وہم وگمان سے باہر جا پہنچے۔ یہاں دیکھو کہ سجدہ گاہ کی گرمی تک باقی ہے، اُدھر دیکھو تو جن وانس وملک اس کا نشان ڈھونڈھ رہے ہیں، اور مطلق پتہ نہیں مل رہا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ آخر سرگرداں وحیران ہو کر ان کو کہنا پڑتا ہے کہ اللہ اللہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ جواب ملتا ہے کہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں،

اور چاہوں گا کروں گا۔ میری درگاہ میں چون و چرا کی مطلق گنجائش نہیں، اور علت کا بالکل دخل نہیں۔ یہاں کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں۔ کسی کو بایزیدؒ کا خطاب دیا جاتا ہے، کسی کو ابو جہل کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ایک کو اعلیٰ علیین پہنچا دیتا ہے اور ایک کو اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔ اگر سبب پوچھو تو کچھ پتہ نہیں۔ اور اگر تم کو چوں و چرا سے کام ہے تو اس کو عالمِ اسباب میں خرچ کرو۔ یہ وہیں کی بات ہے۔ وہیں اس کا گزر ہے۔ خیر حق تعالیٰ تمھیں اپنی حقیقت کی شناخت عطا فرمائے اور تمہاری خودی کو تمہارے دل سے دور کر دے

بِمَنِّہٖ وَکَمَالِ کَرَمِہٖ وَبِالنَّبِیِّ وَاٰلِہٖ

یعنی اپنے احسان اور لاانتہا بخشش اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آل کے طفیل۔

بھائی ہر چند تم حقیر اور خاکسار ہو، اگر ہمت بلند رکھو، مردوں کی ہمت کسی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ آسمان و زمین عرش و کرسی، بہشت و دوزخ یہ سب ان کی ہمت کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ مثنوی:

نے در غمِ دوزخ و بہشت اند
ایں طائفہ را چنین سرشتند
چنگ در حضرتِ خدائے زدہ
ہر چہ آن نیست پشت پائے زدہ
تا بہ جاروبِ لا نہ روبی راہ
کے رسی در سرائے اِلَّا اللہ

اس جماعت کو دوزخ اور بہشت کی پرواہ نہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ ربانی سے لَو لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ہر چیز ٹھکرا دی ہے۔ جب تک لَا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو اِلَّا اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

مردوں کی ہمت کا باز جس وقت پرواز کرتا ہے تو بے خس وخاشاک اور پاک صاف صحرا تلاش کرتا ہے۔اور کوئی پاک وصاف اور وسیع فضا صحرائے ربوبیت اور صحرائے وحدانیت کی فضا سے بڑھ کر ان کی نظر میں نہیں آتی۔ان کی بلند ہمت کعبہ یا بیت المقدس کے ارد گرد نہیں پھرتی۔اور زمین وآسمان کا طواف نہیں کرتی۔سبحان اللہ عزوجل عجیب کاروبار ہے کہ مرد اپنی جگہ پر ہاتھ پاؤں سمیٹے سر جھکائے ایک حالت سے بیٹھا ہے۔اور اسرار اس کے ہیں کہ کون ومکان سے پرے چکر لگا رہے ہیں۔واہ رے ہمت مردان کہ یہ بات آب وخاک (انسان) ہی کو نصیب ہوئی۔اور سب اس سے محروم رہے۔فرد:

حقا کہ بہ زِہ نیا درد کرد
ترکِ فلک اے پسر کمانم

اللہ کی قسم آسمان جیسا شہ زور میری کمان نہیں جھکا سکتا۔

سچ ہے تصوف ایک ایسی حرکت ہے جس کو ذرا قرار نہیں۔کیونکہ نہ ہو پانی جب ساکن ہوتا ہے،تو گندہ ہو جاتا ہے۔اَلْمَآءُ اِذَا طَالَ مَکْثُہٗ ظَھَرَ خُبْثُہٗ۔بخوبی ممکن ہے کہ صورۃً انسان ایک گوشہ میں بیٹھا ہو اور اسرار اس کے ملکوت وجبروت میں سیر کرتے ہوں کیونکہ متحرک چیز جب تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے تو ساکن نظر آتی ہے۔جیسے کمہار کا چاک جس وقت حرکت میں ہوتا ہے ساکن دکھائی دیتا ہے۔حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سماع کے وقت کیوں کھڑے نہیں ہوتے۔آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بدلی کی طرح چل پڑ رہے ہیں

تم غایت سرعت کی وجہ سے ہمارے دور کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو نسیم سحر اس طرح گزر جاتی ہے کہ ذرا بھی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ والسلام

مقبول اعمال

وَاَسْأَلُکَ عَمَلاً مُتَقَبَّلاً

اور مانگتا ہوں میں تجھ سے عمل مقبول۔ نصرت و مدد الٰہی سے توفیق ملتی ہے اور فضل الٰہی سے اعمال کو قبولیت کا مقام ملتا ہے۔ اس مناجات میں فضل کے اعلیٰ مقام کو مانگا گیا ہے کہ یا اللہ اعمال جو بھی وجود میں آپ کے توفیق سے ہوں سبھی بارگاہِ حق میں قبول ہوں، وَعِلْمًا نَجِيحًا، اور کار آمد یعنی علم نافع و نفع بخش وہ علم و روشنی جو حق و معرفت اور راہ حق کی راہ لگا دے ایک دوسری مناجات میں آپ نے یوں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ عِلْمًا نَافِعاً،

علم نافع بہت ہی ضروری ہے آج کے اس پُرفتن دور میں غیر نافع علم ہی کی وجہ سے بے شمار لوگ گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ایسی گمراہی جو عقیدہ توحید اور اسلامی بنیادوں کو ہلا دے اللہ اکبر آج یہ فتنہ بھی نام نہاد سطحی علم والوں کی طرف سے ملت کے حساس دل رکھنے والوں کے سامنے آ رہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اللہ ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے وہ علم و تحقیق کس کام کا جس سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب اور عذاب و عقاب اور لعنت و پھٹکار کا ذریعہ اور مورد بن جائے۔ اَعَاذَنَا اللہُ، علم نافع وہی ہو سکتا ہے جو رُشد و ہدایت اور فلاح و صلاح آخرت اور اللہ تعالیٰ کی انابت و خشیت پیدا کرے۔ آدمی مشرکانہ شعار و رسوم کا معین و مددتو نہ ہو اور نہ اس کی تائید کرے۔ ورنہ غضب اور لعنت کا مستحق ہو گا۔ ایسا علم جو لعنت و غضب کا ذریعہ بن کر نار جہنم کا پیش خیمہ ہو اللہ ہی اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین

قابل قدر کوشش

وَسَعۡيًا مَّشۡكُوۡرًا،

سعی و کوشش مشکور و مقبول، سب کی سب نبوی موتیاں ہیں جو خوبصورتی کے ساتھ پرو دی گئی ہیں۔ بندہ جو بھی کرے حق تعالیٰ کی جناب میں قبول ہو قابلِ رضاء باری ہو اور اس پر حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو شاباش کی داد و دھش ہو۔ انعام پا لے یہ تو ایمان کی اصل ہے۔

ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہو

وَتِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ،

اور تجارت جس میں گھاٹا نہ ہو۔ مومن کی تجارت۔ ایمان باللّٰہ، ایمان بالرسول، ایمان بالغیب، ایمان بالملائکۃ، ایمان بالکتٰب، ایمان بالقدر، ایمان بالبعث، ایمان بالساعۃ، ایمان بالجنۃ، ایمان بالنار، ایمان بالنبی الخاتم الغرض ارکان ایمان و اسلام اور اس سے جڑی ہوئی تمام حقیقتیں ایک مومن کی تجارت ہے اور یہ تجارت حق تعالیٰ سے ہے جہاں نفع ہی نفع ہے، نقصان و خسارہ کا کوئی تصور و گمان بھی نہیں ایمان و اسلام کے تمام اعمال ظاہرہ و باطنۃ جو خلوص و للّٰہیت کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے خاطر کئے جائیں وہ سب کا سب **تِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ** کا مصداق ہوں گے مثلاً قرآن مجید کی عقیدت کے ساتھ تلاوت، حق تعالیٰ کا خوف و خشیت، خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کی پابندی و ادائیگی۔ خوشی اور بشاشت کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی۔ ثواب و لقاءِ رحمن کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روزہ و صوم کی پابندی۔ ہر چھوٹا بڑا عمل اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ **تِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ** ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی آخرت میں جزاء دیں گے اور مومن کا نفع ہی نفع ہے۔

لسانِ نبوت سے دیدارِ الٰہی کے محبوبیت کی دعاء

① اَللّٰهُمَّ مَنْ آمَنَ بِکَ وَشَهِدَ اَنِّیْ رَسُوْلُکَ فَحَبِّبْ اِلَيْهِ لِقَاءَ کَ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَ کَ، وَاَقْلِلْ لَهٗ مِنَ الدُّنْيَا، وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِکَ وَيَشْهَدْ أَنِّیْ رَسُوْلُکَ فَلَا تُحَبِّبْ اِلَيْهِ لِقَاءَ کَ وَلَا تُسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَائَکَ وَکَثِّرْ لَهٗ مِنَ الدُّنْيَا۔

(طبرانی عن فضالۃ بن عبید۔ فیض القدیر رقم۔ ۱۵۰۰۔ ج ۲ / ۱۶۴)

اے اللہ جو تجھ پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقینا تیرا رسول ہوں تو اس کے لئے محبوب و پسندیدہ بنا دے اپنی ملاقات کو اور آسان و سہل بنا دے اپنے قضاوقدر کے فیصلہ کو، اور کم سے کم کر دے اس کے لئے دنیا کو اور جو نہ تجھ پر ایمان لاوے اور نہ میری۔ رسالت و خاتمیت پر ایمان لا کر شہادت دے تو اس کے لئے اپنی ملاقات پسندیدہ نہ بنا، نہ ہی اپنے قضاء وقدر کے فیصلہ کو آسان و سہل بنا، اور اس کے لئے دنیا کا دھانہ کھول دے۔ (طبرانی عن فضالہ بن عبید)

② اَللّٰهُمَّ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ، وَعَلِمَ اَنَّ مَا جِئْتُ بِهٖ هُوَالْحَقُّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَقْلِلْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَحَبِّبْ اِلَيْهِ لِقَاءَ کَ وَعَجِّلْ لَهُ الْقَضَاءَ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِیْ وَلَمْ يُصَدِّقْنِیْ وَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ مَا جِئْتُ بِهٖ هُوَالْحَقُّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ عُمْرَهٗ،

(بیہقی عن عمر بن غیلان۔ والطبرانی عن معاذ فیض القدیر۔ رقم ۱۴۹۹۔ ج ۲ / ۱۶۲)

اے اللہ جو مجھ پر ایمان لائے اور میری (رسالت و خاتمیت کی) تصدیق کرے اور اس بات کا یقین رکھے کہ جو کچھ (اللہ کی طرف سے) میں لے کر آیا ہوں وہ تیری جانب سے حق ہے تو اس کے مال و اولاد میں کمی کر دے اور اس کے لئے اپنی ملاقات کو محبوب و پسندیدہ بنا دے اور جلد اس کو دنیا سے اٹھا لے، اور جو مجھ پر نہ ایمان لائے اور نہ ہی میری (رسالت و خاتمیت کی) تصدیق کرے اور نہ اس کا یقین رکھے کہ جو کچھ

تیری جانب سے لایا ہوں وہ سچ وحق ہے تیری جانب سے، تو اس کے مال واولاد کو بڑھا دے اور اس کی عمر لمبی وطویل کر دے۔ (عمر بن غیلان۔ بیہقی۔ طبرانی عن معاذ)

اللہ ورسول پر ایمان دیدار الٰہی کی بنیاد ہے

اس مناجات میں اللہ ورسول پر ایمان کی نعمت کی بنیاد پر اعلیٰ ترین آخرت کی عظیم نعمت کی محبوبیت کی دعاء کی گئی ہے اور وہ نعمت دیدار الٰہی کی محبوبیت ومرغوبیت ہے کہ یا اللہ ایسے شخص کو جو تجھ پر ایمان لائے اور میرے رسالت وخاتمیت کی تصدیق اور عالم غیب کے جو حقائق تیری عطاء سے بیان کئے گئے ہیں جو اھل ایمان کے لئے آپ نے تیار کئے ہیں اس کی حقانیت کا یقین رکھتے ہوئے اس کی صداقت وشہادت دے۔ تو ایسے شخص کو مال واولاد کی قلت کے ذریعہ امور دنیا کی الجھنوں سے بچا کر آخرت کے اعمال کی فرصت دیجئے اور آخرت کی وسعت عطاء کیجئے۔ اس لئے کہ دنیاوی مال ومتاع کی وسعت انسان کو کم فرصت دیتی ہے اور کب فرصت دیتی ہے کہ ابدی وسرمدی حیاتِ جاودانی کے لئے فراغت وسہولت کے ساتھ طینت کی طہارت کے ذریعہ آخرت کو سنوارے، اس کے برخلاف جب دنیاوی خرخشے کم ہوتے ہیں تو بندہ فراغت ووسعت کے ساتھ عمل آخرت کی طرف انابت واخبات اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی قلت بھی انابت کا سبب بن جاتی ہے جبکہ کثرت میں مشغولیت وانہماکیت عبادت واطاعت میں خلل کا سبب بن جاتی ہے، فراغت کے ساتھ انابت کا موقع میسر نہیں آتا۔ الا ماشاء اللہ

ابن مسھرؒ کا قول

ابن مسھرؒ کا قول ہے کہ دنیاوی نعمتوں کو ہم پر سکیر ولپیٹ دیا جائے یہ بہت ہی عظیم ترین نعمت ہے اس کے مقابلہ میں کہ ہم پر دنیاوی مال ومتاع کی نعمتوں کا دھانہ کھول دیا جائے۔ اس لئے کہ حق جل مجدہ دنیا سے بالکل ہی راضی نہیں کیوں کہ اس کے ذریعہ وہ

اپنے دشمنوں کو عذاب وعقاب میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔اسی طرح وہ اپنے خاص بندوں کے لئے دنیاوی مشغولیت سے راضی نہیں ہوتا کہ جس چیز کو رب العزت پسند نہیں کرتے اس کے دوست پسند کریں، پھر اس کے کئی نقصانات ہیں، اگر دنیاوی مال ومتاع مل بھی گئی تو اس کی مشغولیت سے قساوت قلب، دل کی سختی، حفاظت وحراست کا دائمی ونقد عذاب، بڑھنے کی فکر، اور دل کی سختی سے **جُمُوْدُ الْعَیْنِ** یعنی خوف وخشیت سے آنکھ سے آنسو نہ آنا۔اطاعت وعبادت کی فرصت وفراغت کا نہ ملنا گناہ ومعاصی میں مال کی وجہ سے مبتلا ہونا، رضائے الٰہی کے کاموں میں خلل وفتور کا ہونا مناجات کی لذت کا چھن جانا، ایمان کی حلاوت کا محسوس نہ ہونا یہ سب بیماریاں مال کی فراوانی وکثرت سے پیدا ہوتی ہے۔حدیث میں آیا ہے

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ، دنیا کی محبت تمام برائیوں کی اصل ہے۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔اس لئے دعاء مانگی گئی ہے کہ جو اسباب غفلت ومشغولیت ہے اسی میں قلت ہوجائے تاکہ عبادت واطاعت کی فراغت وفرصت میسر آجائے۔

دیدارِ الٰہی کی تیاری کا جذبہ

فَحَبِّبْ اِلَیْہِ لِقَائِکَ، سو پسندیدہ بنادے اس کے لئے اپنی ملاقات۔

حق تعالیٰ کی لقاء وملاقات کی پسندیدگی ومحبوبیت، قلب سلیم ومنیب کی صفت کے بعد پیدا ہوتی ہے کہ بندہ انشراح وانبساط کے ساتھ ذات حق کی طرف متوجہ ہوجائے اور عقیدہ لقاءِ حق میں کشش کا وفور اور جذب محسوس کرے۔

نیز **حَبِّبْ اِلَیْہِ لِقَائَکَ**، سے مراد وہ تمام اعمال ظاہرہ وباطنہ جو شریعت وسنت کی روشنی میں خلوص وللٰہیت کے ساتھ محض حق تعالیٰ کی رضاء وخوشی کے خاطر اور جذبہ سے کئے جائیں اور جن کا مقصد محض حق طلبی بلا طلبی ہو، کیونکہ اعمالِ صالحہ سے ذات حق سے

انس و ربط بڑھتا ہے اور اس اُنس و ربط کے ازدیاد و ترقی سے معرفت کی راہیں کھلتی ہے اور معرفت کے بقدر محبت الٰہی کی روشنی دل میں اترتی ہے اور نورِ ایمان و ایقان سے روز افزوں دیدار و لقاء کی ہوک اٹھتی ہے اور بندہ مومن شوقِ لقاء میں خوب سے خوب تر اپنا تزکیہ و تصفیہ، لقاء کے جذبہ سے کرنے کی سعی و کوشش کرتا ہے اسی سے اس کے قلب میں تجلیہ کی فضل باری سے کوئی شان پیدا ہوتی ہے تب جا کر طینت کی طہارت میسر آتی ہے اور بندہ اپنی بساط پھر شوقِ لقاءِ حق اور دیدارِ الٰہی کے لئے بندگی کی راہ سے حق تعالیٰ کی شان تنزیہی و تقدیسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تمام اعمال کے ذریعہ حق تعالیٰ کی شان اور ان کی جناب کے قابل ملاقات کی تیاری کرتا ہے۔ کیوں کہ لقاء کا جذبہ اس رب العرش العظیم سے ہے جس کی شان ہر آن نرالی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے، جہاں تنزیہ ہی تنزیہ اور تقدیس ہی تقدیس ہے وہاں کی بازیابی کا واحد راستہ اور اصول فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ہے۔ بندگی کی راہ سے لقاءِ حق کی سمت و جہت کو شوق و رغبت سے محبوب بنالینا اور مقصودِ حیات اور حرزِ جان بنانا نبوی دعاء کا ہی کرشمہ ہے۔

قضاء و قدر کی آسانی

وَسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ.

اور آسان کردے اس کے لئے قضا و قدر کو جس بندہ میں شوقِ لقاء ہوگا وہ اپنے معبود کے قضا و فیصلہ کو کھلے دل سے قبول ہی نہیں بلکہ انشراح و انبساط کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور یہاں تو دعا دی جارہی ہے کہ ایمان باللہ اور رسالت کی شہادت دینے والے کو یا اللہ لقاءِ حق پسندیدہ بنادے اور قضاء کو سہل و آسان کردے کہ منجانب اللہ آنے والی کیفیت قبض کی ہو یا بسط کی، تنگی کی ہو یا فراخی کی، خوشی کی ہو، یا غمی کی اسی میں

بندہ کے لئے خیر کثیر چھپی ہوئی ہے اور وہ اپنے اللہ اور کریم رب سے اچھا گمان اور خوبی کی ہی امید وابستہ رکھتا ہے اور اسی سے اس کے قربِ الٰہی کی منزل طے ہوگی اور یہ پھر خاصانِ حق، حق آگاہ، اور حق پرست بنے گا۔ حق تعالیٰ تک پہنچنے کی یہی سب راہیں ہیں جو کبھی خوشی و بسط سے اور کبھی تنگی و قبض سے طے ہوتی ہیں بندہ کو دونوں ہی حالتوں میں اپنا مضبوط ربط حق تعالیٰ سے رکھنا ضروری ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

مہر سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
ای بھی سجن واہ واہ اوبھی سجن واہ واہ

قضاء وفیصلہ باری کو خوش دلی اور طمانیت سے جھیلنا اسباب طمانیت وسعادت میں سے ہے، اس سے حق تعالیٰ کی محبت وقربت کی لذت وحلاوت نصیب ہوتی ہے۔ دوستوں قضاء وقدر پر راضی رہنے سے بندہ وہاں پہنچ جاتا ہے، جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ بس اپنی جانب سے تسلیم ورضا اور تفویض کا راستہ اختیار کرے حق تعالیٰ۔ قضا وقدر کے ذریعہ بندہ کو مقام رضاء تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہم بندہ ہیں بس زندگی بھر بندگی کی راہ کو نہ چھوڑیں۔ دل جس قدر قضاء وقدر سے خوش ہے اسی کے بقدر رضاء کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

مومن کو فانی اسباب کی قلت سے سعادت کی راہ استقامت ملتی ہے

وَاَقْلِلْ لَهٗ مِنَ الدُّنْيَا،

یعنی ایمان باللہ وبالرسالت کی شہادت دینے والے کو دنیاوی مال واولاد جو امور آخرت میں خلل انداز ہو کم سے کم دیجئے کیوں کہ دنیاوی ساز وسامان اور مال ودولت

کی مشغولیت فکر آخرت سے غفلت پیدا کر دیتی ہے اس لئے دعا دی گئی کہ عیش وعشرت اور اسباب تنعّم ہی جو دھوکہ اور سببِ فتنہ ہے اسی کو کم دے دیجئے کہ دارِ غرور میں نہ الجھ سکے اور دارِ خلود کی سعی میں منہمک ومشغول رہے۔ فانی انسان کی عجیب صفت ہے کہ فانی کو ہی پسند کرتا ہے جبکہ فانی کو باقی اور باقی رہنے والی آخرت کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ اس نبوی جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یا اللہ بندہ جب ایمان باللہ وبالرسالت کا اقرار کر چکا تو پھر اس کا دل فانی میں نہ الجھایئے نہ اٹکایئے، اس کو ایمان کی اصل نعمت سے فکر آخرت کی طرف متوجہ رہنے کے خاطر فانی اور حقیر دنیا کی زائل ہونے والی اشیاء کم سے کم دے دیجئے۔ تاکہ اس کا دل دھوکہ کی جگہ سے سرد ودل گیر ہو جائے اور آخرت کی حقیقت اور دارِ خلود کی طرف منیب ہو جائے۔

رویا فانی پر، عطا ہوا قرب ولقاء دارِ بقا

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جس چیز کو اکثر لوگ باعث مسرت وفرحت اور کامیابی وکامرانی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں وہ غلط اور حقیقت امر کے خلاف ہے اس سے نقصان وخسارہ کے سوا کچھ بھی نہیں، اسباب کی قلت سے انابت ورجوع الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے، عبدیت وبندگی کا راز کھلتا ہے۔ قلب میں فراغت کی شان سے ذکر وفکر۔ مراقبہ ومحاسبہ کا موقع میسر آتا ہے، دنیاوی قلت میں مومن جب تنگی محسوس کرتا ہے تو حق تعالیٰ کی جانب تضرع اور رجوع ولجوع اختیار کرتا ہے۔ تاکہ دنیاوی قلت وتنگی دور ہو جائے اور حق تعالیٰ فانی قلت وتنگی کو وسعت وفراخی میں بدل دے مگر قربان جائے ارحم الراحمین کی وسعتِ رحمت پر کہ فانی اسباب کی کثرت کی جگہ قلب میں تضرع سے آخرت کی انابت کو ڈال دیتا ہے اور پھر فانی دنیا میں اسبابِ فناء کی کثرت سے دل روٹھنے لگتا ہے اور یہ کیفیت بڑھتے بڑھتے آخرت اور عالمِ بقاء کے

اسباب بقاء کی طرف انابت اختیار کر لیتی ہے اور جو تضرع وگریہ اس نے دنیاوی قلت پر اختیار کیا تھا وہی سبب بن گیا آخرت کی انابت کا، اس نے مانگی تو تھی دنیا اور عطا کی گئی آخرت، اس طرح رب العزت قلتِ مال واولاد سے مومن کی تربیتِ آخرت اور طہارتِ قلب، اور انابت الی اللہ کا انتظام کر دیتا ہے اور انابتِ باری کے تسلسل وربطِ پیہم سے قلب پر ایک لذت اور غایتِ اخلاص کی کیفیت وارد ہوتی ہے، اب وہی بندہ قلت میں سکون وطمانیت اور نور ھدایت اور آخرت کی تمکنت کا راز مناجات نبوت وخاتمیت سے محسوس کرتا ہے۔ صلاۃ وسلام ہو اس نبی رحمت پر جس نے راز عبدیت وعبودیت کو امت کے لئے اپنی مناجات سے کھولا اور ہماری معاش سے زیادہ معاد کی فکر کی۔ اور غیبی نظام کے تحت مومن کے دل کو حق آگاہی کی صفت کی راہ لگا دیا، بندے تو سبھی ہیں مگر کچھ خاصانِ الٰہی ہیں جن کو حق آگاہ اور حق پرست اور حق طلبی، غیبی اسباب کے تحت عطاء ہوتی ہے اس مناجات میں انہی بانصیب وبامراد مومنین وصالحین کیلئے دعا دی گئی ہے۔ جن کو رب العزت دنیاوی مشاغل سے بچا کر اپنی لقاءِ دارِ بقاء کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا اور بظاہر سبب اس کا قلت مال ومنال بنایا۔ بندہ روتا رہا فانی کے لئے اور فضل الٰہی سے عطا ہوتا رہا قرب ووصل اور لقاءِ دارِ بقا۔

فَسُبْحَانَهُ سُبْحَانَهُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَآخِرًا۔

اسباب شقاوت وبدبختی

وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِكَ وَيَشْهَدَ اَنِّي رَسُوْلُكَ فَلَا تُحَبِّبْ اِلَيْهِ لِقَائَكَ وَلَا تُسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ وَكَثِّرْ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا۔ (طبرانی عن فضالۃ)

اور جو تجھ پر ایمان نہ لائے اور اس بات کی شہادت نہ دے کہ میں تیرا رسول ہوں تو اس کو اپنی ملاقات پسندیدہ نہ بنا اور نہ سہل بنا اس کے لئے اپنی قضا اور اس پر دنیا کے

دھانے کھول دے۔

انسان کے اعمال وافعال دوقسم کے ہوتے ہیں یاتو سعادت ونیک بختی کی راہ لے جاتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی رضاءنصیب ہوتی ہے جس کا تذکرہ سابقہ کلمات میں ہوا تھا۔ یاپھر شقاوت وبدبختی کے اندھیرے میں دھکیل دیتے ہیں اور بندہ غیظ وغضب الٰہی کا ٹھکانہ بن جاتا ہے۔ ایمان باللہ اور رسالت سے انحراف وانکار شقاوت وبدبختی کی علامت ہے بلکہ تمام وکمال بدبختی کی اصل دونوں سے منہ موڑنا ہے۔ اور پھر اسباب غفلت کی فراوانی، مال ومتاع کی کثرت، اور صحت ونعمت کی بہتات، اور خواہش وتمنا کی موجودگی، خوشی وفرحت کی صبح وشام بہتات اسباب عیش وعشرت کی ریل پیل یہ تمام چیزیں سرکشی وطغیانی کا سبب بنتی جاتی ہیں اور غفلت وظلمت میں گھیرے پر گھیرا ڈالتی جاتی ہیں دل دنیا میں اٹکتا والجھتا جاتا ہے، ڈھیل پر ڈھیل ملتی رہتی ہے بندہ ہلاکت اور تباہی کے موج میں کھیلتا رہتا ہے عقل وشعور پر پردہ پڑا رہتا ہے اور اسی کو اپنی زندگی اور حیات کا مقصد اور کامیابی وکامرانی تصور کرتا رہتا ہے ایسی حالت میں وہ اللہ رب العزت سے ملنے کا تصور کیسے کرسکتا ہے۔ کیوں کہ بلا ومصیبت اس پر آئی نہیں۔ تنگی وتنگدستی کو دیکھا نہیں، بیماری وآزاری کا گذر ہوا نہیں، رنج والم سے سابقہ پڑا نہیں، یہ سب تو انکے نصیب ومقدر کا تھا جن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا تھا کہ غم وھم میں اللہ کو پکاریں، اور اللہ کو یاد کریں۔ اور اِن کے نصیب میں فانی خوشیوں میں مست ہوکر بدبخت ہونا مقدر تھا اور اُن کے مقدر میں رنج ومصیبت میں رہ کر بخت آور اور لقاءِ حق کا پیغام مسرت تھا۔ اِن کے حق میں موت جہنم کا دروازہ کھول دے گی اور اُن کے حق میں حق جل مجدہ فتح یاب جنت کردے گا ان کی تمام فانی خوشیاں یکدم کرب والم میں ہوں گی،

اُن کی تمام فانی غم خوشی وشادمانی میں منتقل ہوں گی۔ اِن کے حق میں مال و دولت کی کثرت اسباب عذاب وعقاب کا ذریعہ وسبب بنتی رہے گی اور اہل وعیال حتیٰ کہ انسان کے اپنے اعضاء جسم بھی ہلاکت وغضب کا ذریعہ بن کر تباہی و بربادی کے وادی میں پہنچا دیتے ہیں۔

طینت کی طہارت کا غیبی نظام

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ اللہ رب العزت جب کسی بندہ کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے پاس مال واولاد کو نہیں رہنے دیتا۔ کیوں کہ یہ چیزیں حب الٰہی میں خلل انداز ہوتی ہیں اور بندہ کے دل کی کیفیت کو ایک جانب جمنے نہیں دیتی اور بندہ کی محبوبیت کو منقسم کر دیتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی مقصودیت ومحبوبیت کو منتشر کر کے بانٹ دیتی ہیں تو گویا کہ محبت اللہ تعالیٰ اور مال واولاد میں مشترک ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو شرکت پسند نہیں۔ بلکہ شرک والے کی مغفرت نہیں ہو گی۔ اور حق تعالیٰ کی ذات قوتِ قاہرہ کی مالک وقادر ہے تو وہ اپنی قوتِ قاہرہ سے اپنے شریک کو ہلاک کر کے اور مٹا کے اپنے بندہ کو اور اس کے دل کو شرک سے پاک کر کے اپنا خالص بندہ بنا لیتا ہے۔ اسی کو اللہ والوں کے یہاں طینت کی طہارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الغرض حق جل مجدہ جس کو اپنی بارگاہ الٰہی کے لئے منتخب کرتا ہے تو اس کے دل کو اپنے اسماء وصفات کی تجلیات سے دھل کرا اپنی ذات کے لئے خاص کر لیتا ہے اور گندگی وآرائش کے اسباب مال واولاد کی قلت یا اِعدام سے قرب ورضا کی منزل طے کرا دیتا ہے، اس طرح بندہ کے دل کو فقط وحدہ لاشریک لہ اپنی ذات کے لئے پاک وصاف کر دیتا ہے۔

اللھم طھر قلبی عن غیر ک و نور قلبی بنور معرفتک

حرانیؒ کی رائے

حرانیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار بلاء بنایا ہے لہٰذا قلتِ دنیا میں رحمت رکھی اور کثرت میں نقمت۔

علامہ طیبی کی رائے

اللہ تعالی کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنی ولایت وقرب کی کرامت سے نوازنا تھا تو اللہ تعالی نے ان پر رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق پھیلا دیا جاتا تو وہ بغاوت وسرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ تعالی کی سنت ہے کہ وہ اپنے اولیاءِ مقربین کو غنا و تونگری کے بجائے فقر وتنگدستی میں ڈال دیتا ہے ایک حدیث کا مضمون ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اَحْمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یُظِلُّ اَحَدُکُمْ لَیَحْمِیْ سَقِیْمَہُ الْمَاءَ (گلدستہ ج۶، ۸۴۳)

امام غزالیؒ کی حکیمانہ بات

امام غزالیؒ نے فرمایا۔ گزر بسر سے زیادہ جو بھی چیز ہو گی وہ شیطان کا مستقر و محل وقوع ہے، کیوں کہ گزر بسر کے بقدر اگر میسر ہو تو اس سے قلب کو فراغت رہتی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کے پاس سو درھم ہو تو اس کے دل میں دسوں قسم کی خواہشات وتمنائیں پیدا ہوں گی اور پھر ہر خواہش وتمنا کی تکمیل کے لئے سینکڑوں درہم کی حاجت وضرورت پیش آئے گی۔ لہٰذا جب درہم نہیں تھا تو یہ احتیاج بھی نہ تھی اور یہ بے نیازی کے ساتھ فراغت قلب کی صفت میں تھا اور خوش تھا اب جب سو درھم ہوئے تو دسوں خواہشات پیدا ہوئیں فراغت قلب ختم ہوا انتشار کی کیفیت آئی اور ہر خواہش کی تکمیل کے لئے

مزید درا ہم درکار ہوئے مالدار بننے کا جذبہ ابھرا۔ مکان وکاروبار کی ھوک اُٹھی۔ لباس فاخرہ اور امتیازی اسٹنڈر استعمال کی اشیاء کا خمار دماغ میں آیا۔ پھر ہر چیز کے مناسب اشیاء کی تلاش ولگن، الغرض اس جستجو ولگن میں تھکن اور پھر عمق جہنم۔

(عادۃً دیکھا یہی گیا ہے کہ مال آیا پھر اچھے مکان اور اپنی رہائش اچھے اثاث، بیڈ لاکھوں کا، اس پر گدے لاکھوں کے اور گھریلو استعمال کا سامان پھر نوکر و نوکرانی۔ اور کئی کروڑ کا بنگلہ پھر نہ معلوم کیا کیا فتنہ غفلت اور ذکر وفکر سے دوامی عدیم الفرصتی کا عذاب۔

(اَللّٰهُمَّ احۡفَظۡنَا مِنَ الۡفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ بِجَدِّ الۡحَسَنِ وَالۡحُسَيۡنِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَصَحۡبِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ)

سعادت وشقاوت کا فرق

ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ متاعِ دنیا کی قلت انسان کو فراغتِ قلب کے ساتھ سعادت اور رُشد وہدایت اور فکرِ آخرت کی راہ عالم بقاء میں لقاءِ حق کی جانب قدم کو تیز کرتی ہے اور تضرع وگریہ وزاری جو قلت کی وجہ سے ہوئی تھی وہی سبب بن جاتی ہے مومن کیلئے عالم بقاء کی لقاءِ حق کے لئے، لہٰذا نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کیلئے قلتِ مال واولاد اور جلد موت کی دعا فرمایا اور جو ان نعمتوں سے محروم ہو اس کیلئے کثرتِ مال واولاد اور لمبی عمر کی دعا دی گئی ہے، تاکہ ہلاکت وتباہی اور غفلت زیادہ ہو جو سبب ہے عذاب وعقاب کا۔ دراصل دنیاوی اسباب ومتاع فتنہ ہی فتنہ ہے بیشتر لوگوں کے حق میں یہ تباہی وبربادی کا سبب بنا ہے ہاں چند سعادت مندوں کے پاس خیر وبھلائی کا ذریعہ بنی ہے۔ حدیث میں ہے:

نِعۡمَ الۡمَالُ لِلۡعَبۡدِ الصَّالِحِ، نیک بندوں کے حق میں مال بہترین ذریعہ ہے

آخرت کوسنوارنے کا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نبی خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کثرتِ مال واولاد کی دعافرمائی وہ اِن بحثوں سے خارج ہے اس لئے کہ ہر شخص کا حال مختلف ہوا کرتا ہے اور اختلاف احوال سے حکم بدلتارہتا ہے۔

بعض حدیث قدسی میں آیا ہے: اِنَّ مِنْ عِبَادِیْ مَنْ لَا یُصْلِحُهٗ اِلَّا الْغِنٰی، بعض بندوں کے احوال مالداری میں ہی فراغتِ قلب کاذریعہ بنتے ہیں۔ان تمام باتوں کافیصلہ انسان کی عملی زندگی سے ہوتا ہے، مال واولاد کی کثرت کے باوجود اطاعت وعبادت انابت واستغفاروالی زندگی دلیل سعادت ہے اور اگران چیزوں میں بندہ الجھ کرفرائض کوچھوڑتااورتوڑتا ہے۔غفلت ومعصیت میں زندگی ضایع کرتا ہے توپھر دلیل شقاوت وبدبختی ہے۔انسان کی زندگی بتلادیتی ہے کہ بندہ سعید ہے یا شقی۔ اللہ سعادت وفراغت عطافرمائے۔آمین

حق تعالیٰ سے ملاقات کا پسند ہونا

عن عبادة بن صامت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَاللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَاللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ قالت عائشةُ اَوْبَعْضُ اَزْوَاجِهٖ: اِنَّالَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَال: لَيْسَ ذَاكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذا اَحضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَیْءٌاَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبِّ لِقَاءَاللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذا حَضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَتِهٖ فَلَيْسَ شَیْءٌ اَكْرَهُ اِلَيهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَكَرِهَ لِقَاءَاللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔

(بخاری کتاب الرقاق باب ۴۱/رقم ۶۱۴۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی نہیں پسند کرتیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ بات نہیں ہے بلکہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کی خوشنودی اور اللہ کے یہاں اس کی عزت کی خوشخبری دے دی جاتی ہے اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں رہتی جو اس کے آگے (اللہ سے ملاقات اور اس کی خوشنودی کا حصول) ہوتی ہے، اس لئے اللہ سے ملاقات کا وہ خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی خبر دے دی جاتی ہے، اس وقت آنے والے عذاب سے اس کو زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ کی ملاقات پسند و چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے لگے اور آخرت کے لئے تیار رہ کر دنیا میں لمبی زندگی کو پسند نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے سے ملاقات چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری۔ ۲۳ / ۱۴۲۔ کشف الباری۔ ۵۷۲)

دو الگ چیزیں ہیں موت اور اللہ کی ملاقات

بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ لقاء اللہ سے موت مراد ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا راوی کو شک ہے کہ سوال کس نے کیا۔ بہر حال پوچھا گیا کہ موت تو ہمیں پسند نہیں، گویا کہ اللہ کی ملاقات موت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور موت کو تو ہم ناپسند کرتے ہیں کہیں ہم اللہ کی ملاقات ناپسند کرنے والوں میں تو داخل نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ موت اور اللہ کی ملاقات دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چونکہ موت اللہ کی ملاقات کا ایک ذریعہ اور پل ہے، اس لئے اسے بھی ''لقاء اللہ'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

حسان بن اسود رحمۃ اللہ کا قول ہے:

اَلْمَوْتُ جَسَر "یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

ارساد السادی: ۱۳، ۵۱۱ بحوالہ کشف الباری: ۵۷۳

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک حدیث کے اندر موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملاقات کے لئے موت کی تمنا کرنی چاہئے۔ بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے علّامہ قسطلانی نے جواب دیا۔ یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی محبت ہونی چاہیے اور وہ موت کے بغیر ممکن نہیں جب کہ دوسری حدیث میں موت کی تمنا سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں الگ الگ موقعوں کی ہیں، جب زندگی جاری ہو تو اس حالت میں موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے، نہی اور ممانعت اس حالت پر محمول ہے، لیکن موت کا وقت قریب آجائے اور عالم برزخ کا مشاہدہ ہونے لگے تو اللہ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہیے اور یہ خواہش کرنا ممنوع نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (کشف الباری۔ ۵۷۴ ارساد الساری۔ ۱۳ / ۵۱۲)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ، تم میں سے کوئی شخص ہرگز (دکھ اور تکلیف کی وجہ سے) موت کی تمنا نہ کرے میں کہتا ہوں (شاہؒ) اپنے پروردگار کے پہلو میں ادب انسانی میں سے یہ بات ہے کہ نہ دلیری کرے وہ کسی نعمت کو چھین لینے کا مطالبہ کرنے پر اور زندگی ایک بڑی نعمت ہے، اس لئے کہ وہ ذریعہ ہے نیکوکاری کو کمانے کا، پس بے شک شان یہ ہے کہ جب انسان مر گیا تو اس کے بیشتر

اعمال بند ہو گئے (صدقہ جاریہ وغیرہ بعض اعمال ہی جاری رہتے ہیں) اور وہ ترقی نہیں کرتا مگر مادی ترقی۔ اور نیز وہ (موت کی دعا) لاپروائی سے کسی کام میں گھس پڑنا ہے اور (حالات سے) زِچ ہو جانا ہے، اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہے۔

موت کی تمنا کیوں ممنوع ہے

حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے (اگر دل غم سے بھر جائے اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے) موت کی دعا کرنی پڑے، تو یوں دعا کرے، یا اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے، زندہ دکھ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہوں تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ (مشکوٰۃ، حدیث: ۱۶۰۰)

موت کی آرزو اور دعا کرنا دو وجہ سے ممنوع ہے

پہلی وجہ: موت کی دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی، دلیری اور بے باکی ہے، کیوں کہ موت کی دعاء، اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کرنا ہے کہ وہ اپنی بخشی ہوئی عظیم نعمتِ حیات چھین لیں۔ اس گستاخ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور زندگی نعمت اس لئے ہے کہ جب تک زندگی ہے نیکی کا موقع ہے اور دینی ترقی کا امکان ہے، مرتے ہی نیکوکاری کی بیشتر راہیں بند ہو جائیں گی، اور طبعی ترقی کے علاوہ ہر ترقی رک جائے گی، اور طبعی ترقی سے مراد مادی ترقی ہے، جیسے بچہ بڑھتا رہتا ہے اور جوان ہو جاتا ہے، یہ طبعی ترقی ہے، یہ ترقی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن آدمی کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہو جائے گا۔

دوسری وجہ موت کی تمنا بے دانشی اور لاپرواہی سے کسی کام میں گھس پڑنا ہے، اور بے قراری، بے صبری اور حالات سے زِچ ہو جانا ہے اور یہ دونوں باتیں بدترین اخلاق میں شمار ہوتی ہیں، آدمی کو دانشمند ہونا چاہیے اور عواقب پر نظر رکھنی چاہیے، نیز ہمت

وحوصلہ سے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔کیا موت کی تمنا اور دعا کرنے والا جانتا ہے کہ آگے اس کے لئے دسترخوان بچھا ہوا ہے؟ ممکن ہے کوڑا تیار ہو، پس بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لینے کی مثال صادق آئے گی۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳/ ۶۵۴)

کیا حق تعالیٰ کی ملاقات تم کو پسند وعزیز تر تھی؟

عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنہ قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْکُمْ ، مَا اَوَّلُ مَایَقُوْلُ اللّٰہ عزوجل لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَمَا اَوَّلُ مَا یَقُوْلُوْنَ لَہٗ؟ قُلْنَا: نِعْمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ھَلْ أَحْبَبْتُمْ لِقَائِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ یَارَبَّنَا، فَیَقُوْلُ! لِمَ؟۔ فَیَقُوْلُوْنَ ! رَجُوْنَا عَفْوَکَ وَمَغْفِرَتِکَ، فَیَقُوْلُ! قَدْوَجَبَتْ لَکُمْ مَغْفِرَتِیْ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَقَدْ اَوْجَبْتُ لَکُمْ عَفْوِیْ وَمَغْفِرَتِیْ۔

(اخرجہ ابن المبارک والطبرانی واحمدوابن ابی الدنیافی حسن الظن باللہ والطبرانی وابونعیم والبیھقی فی شعب الایمان عن معاذ ورواہ احمد عن عبید اللّٰہ بن زحر۔ ترغیب ۴/۳۳۶۔ الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیۃ رقم ۔۵۲۷۔ص ۵۰۸۔فیض القدیر رقم ۲۶۶۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو تم کو بتلادوں وہ بات جو پہلی بار حق جل مجدہ قیامت کے دن مومنین کو خطاب کرے گا، اور مومنین جو پہلی بات حق جل مجدہ سے عرض کریں گے؟ ہم نے عرض کیا ہاں ضرور ہمیں آگاہ فرمادیں یارسول اللہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حق جل مجدہ عزوجل مومنین سے ارشاد فرمائے گا کیا تم لوگوں کو میری ملاقات پسند وعزیز تر تھی؟ (یعنی تم لوگ مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟) وہ لوگ عرض کریں گے ہاں یارب؟ حق تعالیٰ سوال کریں گے کیوں ملنا چاہتے تھے؟ وہ لوگ عرض کریں گے ہمیں آپ سے (آج

کے دن کی) معافی اور مغفرت کی (قوی) امید تھی حق جل مجدہ فرمائے گا تحقیق کہ تمہارے لئے (میری ملاقات سے) میری مغفرت واجب ہوگئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ (میری دید و لقاء کے بعد) میں نے تمہارے لئے اپنی معافی و مغفرت واجب کردی۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی ترغیب: ۴/۳۳۶)

مومن کی لقاء المومنُ جل جلالہ سے دارِ بقاء میں ہوگی

مذکورہ حدیث میں ایک عظیم خوشخبری ہے تمام اہل ایمان کے لئے جن کا عقیدہ ہے حق تعالیٰ کی ملاقات اور حق تعالیٰ کی دید کی لذت و لطف، خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس والہانہ انداز میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو وہ پہلی ملاقات کی پہلی بات جو باری تعالیٰ عزوجل ایمان والوں کو خطاب کرے گا وہ ایک عجیب سوال سے ہوگا کہ کیا تم لوگوں کو میری ملاقات و لقاء کی دل و جان میں طلب و چاہت تھی، میری ملاقات کا شوق و ذوق تھا۔ مجھ سے ملنا پسند و عزیز تر تھا؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کا عرض ہوگا، ہاں اور خوب تر، عزیز تر تھا۔ اور باری تعالیٰ سے یہ ہم کلامی کا پہلا شرف ہوگا: یعنی بارگاہِ بے نیاز سے جس طرح یہ پہلا خطاب مومن کو ہوگا۔ مومن کا بھی یہ پہلا شرف ہوگا کہ بارگاہِ قدس میں عرض و نیاز مند ہوگا؛ سُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمُ شَانُهٗ-سوال بھی کیا انمول وانوکھا ہوگا، هَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ؟ کیا تم کو میری ملاقات کا شوق عزیز تر تھا؟

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

ترجمہ: آپ کی زیارت ہی ہر سوال کا جواب ہے۔ آپ سے بلاشک وشبہ مشکل حل ہوتی ہے۔

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے
تیری رفعتوں کا خیال ہے

مگر اپنے دل کو میں کیا کروں
اسے پھر بھی شوق وصال ہے

المومن جل جلالہ نے اپنے بندہ مومن کو ایمان عطا ہی اس لئے کیا تھا کہ المومن جل جلالہ سے لقاء، دارِ بقاء میں ہوگی۔ سبحان اللہ لقاء کی تجلی کرار ہا ہوگا اور سوال بھی لقاء کا کر رہا ہوگا اور حق تعالیٰ کی ہم کلامی کا مومن لطف دار بقاء میں اٹھا رہا ہوگا؛ وہ گھڑی وہ لمحہ وہ ساعت کتنی مبارک اور تجلیات و برکات سے پر ہوگی جس وقت امت کے مومنین المومن جل جلالہ سے ہم کلام ہوگا، اور سبوح وقدوس کی فیض ہم کلامی کی تجلی کے زیر سایہ ہوگا اور عفو وغفران کا دامن پھیلا دے گا۔ رب العرش العظیم بھی مومنین کی آروزئے لقاء باری کے مقصود وگوہر کو قبولیت سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمادے گا جاؤ تمہارے لئے مغفرت ومعافی کو واجب ویقینی بنادیا گیا۔ یعنی آثارِ معاصی وگناہ مٹادئے اور معصیت کی ظلمت تم سے دور کردی گئی اور پردہ پوشی تمہارے حق میں لکھ دی۔ یہی مطلب ہے حق جل مجدہ کے قول قَدْ اَوْجَبْتُ لَکُمْ عَفْوِیْ وَمَغْفِرَتِیْ، کہ تمہارے لئے میری عفو ومغفرت ضروری ویقینی ہوگئی۔ دارصل حق تعالیٰ اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ بندہ جب عفو ومعافی کے گمان ویقین کے ساتھ رب العزت سے ملے گا اور امید قوی رکھے گا تو حق تعالیٰ بھی اہل ایمان کے حسن ظن اور گمان کے ساتھ معاملہ فرمائے گا اور مومن کے گمان پر اس پر اپنی رحمتوں کو نچھاور کرے گا۔ بعض روایت میں قَدْ وَجَبَتْ لَکُمْ رَحْمَتِیْ بھی آیا ہے۔ امام طبرانی نے دوسند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ایک ضعیف اور روایت حسن ہے۔

حق تعالیٰ کی ملاقات کو فراموش کرنا بڑا خسارہ ہے

عَنْ اَبِیْ ھریرۃ ابی سعید رضی اللّٰہ عنہما: قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتیٰ بِالْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَہٗ، اَلَمْ اَجْعَلْ لَکَ سَمْعًا وَبَصَرًا، وَمَالًا وَوَلَدًا وَسَخَّرْتُ لَکَ الْاَنْعَامَ وَالْحَرْثَ، وَتَرَکْتُکَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟ فَکُنْتَ تَظُنُّ اِنَّکَ مُلَاقِیَّ یَوْمِکَ ھٰذَا؟ قَالَ یَقُوْلُ لَا فَیَقُوْلُ لَہُ الْیَوْمَ اَنْسَاکَ کَمَا نَسِیْتَنِیْ۔

(قال ابوعیسی الترمذی حدیث صحیح غریب۔ الاحادیث القدسیہ رقم۔ ۳۵۶)

حضرت ابوہریرہ وابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا، اور حق جل مجدہ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تم کو سننے والا، دیکھنے والا مال واولا دوالا، اور تیرے لئے چوپائے اور کھیتی مسخر نہیں کردی تھی اور تم کو عزت وسیادت دے کر، مستغنی وآسودگی نہیں دی تھی؟ تو کیا تیرا ایمان اس بات پر تھا کہ تو مجھ سے ملے گا (یعنی ایک روز تیری ملاقات مجھ سے ضرور ہوگی) وہ جواب میں کہے گا نہیں اس وقت حق جل مجدہ اس سے فرمائیں گے میں نے بھی تجھے (اپنی رحمت سے) بھلا دیا جس طرح تو نے (میری ملاقات کو) بھلا دیا۔ (ترمذی)

حق تعالیٰ کی جانب سے نعمتوں کی دادودہش اس لئے ہے کہ بندہ منعم حقیقی کو یاد رکھے اور اس کی تیاری میں ہمہ تن مصروف رہے اور ایمان کے ساتھ اعمال حتی الوسع بجالائے۔ اور کمی وکوتاہی کا بہرصورت اعتراف واستحضار رکھے اور توبہ واستغفار کی نعمت سے خوب تلافی مافات کرلے اللہ تعالیٰ ہمارے لاشریك لك رب ہیں ان کو معلوم ہے ہم کیا ہیں اور ہماری اوقات کیا ہے۔ اور ہمارے بساط میں کیا ہے؟ اس لئے انہوں نے توبہ واستغفار کی عظیم نعمت اور تحفہ دی ہے کہ اسی راہ تم عبدیت کو طے کرلو۔ اور یہ سب اس لئے کہ اُن سے ملنا ہے اور ضرور ملنا ہے۔ یہاں استغفار سے فائدہ اٹھانا ہے اور وہاں اُن سے مغفرت ورحمت لینا ہے وہ داتا ہیں اور ہم منگتا ہیں۔ داتا ومعطی سے لقاء ضروری ہے۔ لینے ہی کی نیت سے ملنے کا ارادہ رکھیں۔ جیسا کہ ماقبل کی روایت میں کہ

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ھَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِیْ؟ کیا تم میری ملاقات چاہتے تھے؟ یا اللہ ہمیں اپنی ملاقات کا شوق نصیب فرما۔ آمین

نیکوکار سے حق تعالیٰ ملنے کا مشتاق ہے

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: طَالَ شَوْقُ الْبَرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْھِمْ اَشَدُّ شَوْقاً۔

(الفردوس بماثور الخطاب ابوشجاع الدیلمی الھمدانی رقم ۸۰۶۷)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (خبردار) ابرار (یعنی نیک بندوں) کا شوق میری ملاقات و دیدار کے لئے بہت بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لئے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں۔

(الفردوس بماثور الخطاب ابوشجاع الدیلمی الھمدانی رقم ۸۰۶۷)

اللہ، دل جس سے زندہ ہے وہ آپ ہی تو ہیں

بِرونیکی بھی اللہ تعالیٰ کی کیا عجیب و انمول نعمتِ عبادت ہے نیکی کا وجود، معبود و مسجود کی دید کا شوق پیدا کرتا ہے۔ ہر انسان کے سینہ میں ایک دل ہے اور دل کا قبلہ اللہ ہے۔ دل کا شوق و جذبہ اور کشش اس بے نیاز ذات کی طرف ہے، جس اللہ سے دل زندہ ہے۔ جو دل کی حیات ہے اسی سے شوقِ ملاقات ہے، ابرار و نیکوکار کو یہ نعمت بھی تو اسی حیّ و قیوم نے دی تھی کہ بِرونیکی کی راہ لگا کر دل کو مخلوقات کے دلدل سے نکال کر حق کی راہ لگایا اور طلب کی آگ کو تیز کر کے غیر حق کو خاکستر کر کے حق کی روشنی ڈالی اور شوق دید کو جلاء بخشی۔ اللہ دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو، تم معبود ہو تم مسجود ہو، تم مقصود ہو، تم ہی مطلوبِ شوقِ دید ہو۔ سبحانہ سبحانہ۔

تم ہی تو ہو جس سے آرزوؤں کی امید ہے۔ اللہ اکبر کبیرا، یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ آدمی اپنے دل کو جس قدر بِرونیکی سے سنوارنا چاہتا ہے یہ آب گینہ وانمول نگینہ

بکھرتا نظر آتا ہے۔ خود سے بے اعتمادی بڑھتی ہے اور ذات حق سے اعتماد و اعتقاد مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ خستگی و بندگی میں اپنی ہستی کی پستی و نیستگی کا اعتراف و اقرار دامن گیر ہوتا ہے اور رب العزت کی شان کبریائی اور صفات جلالی و جمالی غیر متناہی کا ظہور تحیر میں تسبیح و تقدیس کا وردر کھنے پر مجبور کرتا ہے، وہ جس کے دید کا شوق ہی دراصل مومن کی اساس و بنیاد ہے۔ جس کو صبح و شام، خلوت و جلوت، ظاہر و باطن، رات و دن کے لمحات میں آہوں میں سجایا ہو ہو میں بسایا۔ پلکوں میں سنوارا، پتلیوں میں نکھارا، دل دل میں اتارا اگر ان سے ملنے کا شوق نہ ہو تو پھر کس سے،

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ جستجو و طلب، آرزو، و امید، تمنا و خواہش، ذوق و شوق، کسی صنم و بت اور طاغوت و تابوت کی طرف تو نہیں، ہم اپنے کو جھانک کر۔ ٹٹول کر دیکھ لیں کہ یہ کسی کباڑ خانہ اور غیر اللہ کا طالب تو نہیں۔ فانی و زوال پذیر اشیاء کا شائق و مشتاق تو نہیں۔ اگر ہماری موت اللہ نہ کرے اس حال میں آئی کہ دل غیر اللہ کا طالب تھا یا شایق تھا اور ہم پہنچ گئے اللہ تعالیٰ کے پاس تو ہم رب العزت کو کیا منہ دکھلائیں گے پھر ہمارا حال العیاذ باللہ ہوگا۔

نظر سوءِ دنیا قدم سوءِ عقبیٰ
کہاں جا رہا ہے کسے دیکھتا ہے

اس حدیث کی وضاحت بہت ہی آسان ہے کہ بندہ مومن، نیکوکار کے دل میں جنتی طلب اور شوق دید الٰہی اور رؤیت باری کی ہے اس سے زیادہ حق تعالیٰ اس بندہ سے ملنا پسند کرتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْراً تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعاً وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیْهِ ذِرَاعاً

تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعاً وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُه هَرْوَلَةً،

جو اللہ تعالیٰ کی جانب (عبادت و اطاعت ذکر و فکر سے) ایک بالشت قریب ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی جانب (اپنی رحمت وعنایت سے) ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں، اور جو ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک گز قریب ہوتے ہیں اور جو چل کر جاتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑ کر آتے ہیں۔

یعنی بندہ کی انابت و توجہ کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کی عنایت ورحمت دوگنی ہوتی ہے ظاہر سی بات ہے بندہ بندہ ہی ہے اور رحمن ورحیم کی شان نرالی ہے۔ حق تعالیٰ خالق ہیں۔ بندہ کچھ نہیں تھا بلکہ ناپاک قطرہ قابل گھن نطفہ تھا تو اس نے اپنی کمال قدرت ورحمت سے انسان سمیع وبصیر بنا دیا۔ اب اسی کا بنایا ہوا انسان اس کی الوہیت وربوبیت کو مان کر اس کی جانب متوجہ ہوا ہے اور اپنے خالق و مالک کا قرب ووصول چاہتا ہے تو وہ اپنی مخلوق کی مدد ونصرت کرتا ہے تا کہ اس کا بندہ بے نوا، اس کی جناب میں قرب ووصول کو پالے، اس لئے وہ اپنے بندہ کی افاضہ رحمت وہدایت کے نور اور حسن توفیق اور خلوص وللّٰہیت کے نزول سے رہنمائی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ معصیت کی ظلمت وکدورت کو دور کرتا ہے اور ظلماتی حجابات کے ازالہ کے ساتھ نورانی افاضہ سے قرب ووصول کے راستہ کو سہل ومنور کرتا ہے، اس طرح بندہ کشاں کشاں۔ درجہ بدرجہ، دھیرے دھیرے استقامت ومداومت کے ساتھ قرب کی منزل طے کر لیتا ہے اور شوقِ لقاء پروان چڑھتا رہتا ہے۔ پھر **مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ** کا مصداق بن جاتا۔

اور **وَاَنَا اِلَيْهِمْ أَشَدَّ شَوْقًا**: خالق کی دید کا شوق مومن کی فطری وطبعی طلب ہے۔

وہ ذاتِ بے نیاز جس نے نطفہ کو وجود دیگر عقل وشعور اور جوہر آگہی دی وہ اپنے مالک اور وجود بخشنے والے کو نہ تلاشے نہ ڈھونڈے اس کی جانب جذب وکشش نہ پائے۔ دل کی ہوک اس کی جانب نہ اٹھے، اس کے قرب ووصل کی جستجو وطلب نہ ہو تو وہ انسان ہی نہیں حیوان چوپایہ سے بھی بدتر ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا مصداق ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات میں عقلی وشعوری جذب وکشش ہے۔ انسان کی جس طرح تخلیق میں وہ اکیلا ہے اسی طرح انسان کی تسکین کا تمام آفاقی وانفسی سامان اسی کے خزانہ غیب میں ہے۔ انسان کے وجود کے بقاء کے لئے اس دنیا میں اس نے وسائل پیدا کئے ماننے والا، نہ ماننے والا دونوں ہی خالق کے پیدا کئے ہوئے وسائل کو استعمال کرتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔ مگر اُس عالمِ بقا میں صرف اہل ایمان کو راحت وعافیت کی بقاء نیکوکار کو ملے گی اور وہاں وسائل کام نہ آئیں گی نفع نہ دے گی بلکہ محض اور فقط عالم بقاء میں فضائل ہی فضائل سے فضل باری کا حصول ہوگا اہل فضائل کو ابرار کہا جاتا ہے، اہل فضائل کو نیکوکار کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن اہل فضائل کو ان کی آرزو وتمنا کے مطابق شوقِ دیدار کو پورا کیا جائے گا اور ان کی ملاقات رب العرش العظیم سے ضرور ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ آمین

قَالَ الْعِرَاقِی لَمْ أَجِدْ لَهُ اَصْلًا اِلَّا اَنَّ صَاحِبَ الْفِرْدَوْسِ ذَكَرَهُ مِنْ حَدِيْثِ اَبِی الدَّرْدَاءَ وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ وَلَدَهُ فِیْ مَسْنَدِ الْفِرْدَوْسِ اَسْنَادًا، (تخریج احادیث الاحیاء للعراقی- ۴/۱۵۳۷)

سترہ انمول معرفت بھری حدیث ہے

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ الْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ، وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِیْنِیْ، وَالْحُبُّ أَسَاسِیْ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰهِ أَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی کَنْزِیْ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلاَحِیْ، وَالصَّبْرُ دَوَائِیْ، وَالرِّضَا بِاللّٰهِ تَعَالٰی غَنِیْمَتِیْ، وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِیْ، وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسْبِیْ، وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ، وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلاَةِ۔ (احیاء علوم الدین: ۴/۳۶۱) قَالَ الْعِرَاقِیْ: ذَکَرَهُ الْقَاضِیْ عَیَاضُ مِنْ حَدِیْثِ عَلِیْ وَلَمْ أَجِدْ لَهٗ إِسْنَاداً اھ۔ قُلْتُ: وَسَئَلَ عَنْهُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ فَتَاوِیَةٍ فَقَالَ لاَ أَصْلَ لَهٗ، قَالَ ابْنُ السُّبَکِیْ: لَمْ أَجِدْ لَهٗ إِسْنَادًا۔

(تخریج احادیث الاحیاء للعراقی: ۵/۲۳۷۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کیا ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ،	معرفت میرا راس المال ہے،
وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ	عقل میرے دین کی جڑ،
وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ،	محبت میری اساس وبنیاد ہے،
وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ،	شوق میری سواری ہے،
وَذِکْرُ اللّٰهِ أَنِیْسِیْ،	ذکر اللہ میرا مونس ہے،
وَالثِّقَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی کَنْزِیْ،	اللہ تعالیٰ پر اعتماد میرا خزانہ ہے،
وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ،	حزن وغم میرا ساتھی ہے،
وَالْعِلْمُ سَلاَحِیْ،	اور علم میرا ہتھیار ہے،

وَالصَّبْرُ دَوَائِیْ، صبر میری دواء ہے،

وَالرِّضَا بِاللّٰہِ تَعَالٰی غَنِیْمَتِیْ، اللہ تعالیٰ کی رضاء میری غنیمت ہے،

وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ، اور عجز و عاجزی میرا فخر ہے،

وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، اور زھد میرا پیشہ ہے،

وَالْیَقِیْنُ قُوْتِیْ، اور یقین میری غذا ہے،

وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، صدق میرا اشفارشی ہے،

وَالطَّاعَۃُ حَسْبِیْ، اور طاعت میری عزت ہے،

وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ، اور جہاد میری خصلت ہے،

وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ، اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،

احیاء علوم الدین: ۴/ ۳۶۱

یہی روایت دوسری جگہ یوں ہے ثمین۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِہٖ فَقَالَ: اَلْمَعْرِفَۃُ رَأْسُ مَالِیْ، وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِیْنِیْ، وَالْحُبُّ أَسَاسِیْ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ أَنِیْسِیْ، وَالثِّقَۃُ کَنْزِیْ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ، وَالصَّبْرُ دَوَائِیْ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ، وَالْعَجْزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، وَالطَّاعَۃُ حَسْبِیْ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ، وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ) وَفِیْ حَدِیْثٍ آخَرَ (وَثَمَرَۃُ فُوَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ، وَغَمِّیْ لِأَجْلِ أُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی: ۱/ ۲۸۸) وَفِیْ حَاشِیَۃِ الشِّفَاءِ: ھٰذَا الْحَدِیْثُ

ذَکَرَہُ فِی الْاَحْیَاءِ، وَقَالَ الْعِرَاقِیُ، اِنَّہُ لَا أَصْلَ لَہُ، وَقَالَ السَّیُوْطِیُ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّہُ مَوْضُوْعٌ، وَاٰثَارُ الْوَضْعِ لَائِحَۃٌ عَلَیْہِ وَھُوَ یشبہ کَلَامُ الصُّوْفِیَۃِ۔ وَالْمُؤَلِّفُ ثِقَۃٌ حجۃ فحسن الظن بہ انہ ما رواھا الا عن بینۃ وان لم تکن عندنا بینۃ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے بارے میں سوال کیا۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَۃُ رَأْسُ مَالِیْ،	معرفت میرا رأس المال ہے،
وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ	اور عقل میرے دین کی جڑ ہے،
وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ،	محبت میری اساس و بنیاد ہے،
وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ،	شوق میری سواری ہے،
وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ،	اور ذکر اللہ میرا مونس ہے،
وَالثِّقَۃُ کَنْزِیْ،	اور اعتماد میرا خزانہ ہے،
والحزن رفیقی	اور حزن میرا ساتھی ہے،
وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ،	اور علم میرا ہتھیار ہے۔
وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ،	اور صبر میری چادر ہے
وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ،	رضاء میری غنیمت ہے۔
وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ،	عاجزی میرا فخر ہے
وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ،	زھد میرا پیشہ ہے۔
وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ،	یقین میری طاقت ہے۔
وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ،	اور صدق میرا سفارشی ہے۔

وَالطَّاعَۃُ حَسْبِیْ، اور طاعت میری عزت ہے،

وَالْجِہَادُ خُلُقِیْ، اور جہاد میری خصلت ہے،

وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ، اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،

ایک دوسری روایت میں ہے:

وَثَمَرَۃُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ، اور میرے دل کا سکون یادِ الٰہی میں ہے،

وَغَمِّیْ لِاَجْلِ اُمَّتِیْ، اور میرا غم میری امت کے لئے ہے،

وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ، اور میرا شوق ذاتِ حق کی طرف ہے،

الشفاء فی حقوق المصطفیٰ: ۱/ ۲۸۸

اس حدیث کو امام ابن تیمیہ کے خاص شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب مدارج السالکین میں اور عشق رسول اور حب نبی میں فنا فی الرسولِ الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ قاضی عیاضؒ اپنی ممتاز کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، اور حجۃ اللہ فی الاسلام امام غزالیؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب احیاء علوم الدین میں اور علامہ ھرویؒ نے منازل السائرین الی الحق المبین میں نقل کیا ہے۔

اور ابھی ماضی قریب میں مکتبۃ الفقیر نے انمول حدیث کے نام سے ایک ضخیم کتاب ۵۵۹ صفحات کی ہمارے پیرو مرشد محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی اطال اللہ بقائیہ کی شائع کی ہے۔ جس میں اسی ایک حدیث کے مخفی خزانہ کو کھولا گیا ہے اور حضرت نے فیض نبوت میں غوطہ لگا کر نبوی خزانہ کو بکھیرا ہے۔

معرفت میرا راس المال ہے

① اَلْمَعْرِفَۃُ رَأْسُ مَالِیْ۔ معرفت میرا راس المال ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ (المائدہ:۸۳)

ترجمہ: اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔

علّامہ ھرویؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

اَلْمَعْرِفَةُ: اِحَاطَةُ بِعَيْنِ الشَّيْءِ كَمَا هُوَ اَيْ اِدْرَاكُ الشَّيْءِ فِيْ ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِيْ هُوَ بِهٖ هُوَ وَذٰلِكَ اِدْرَاكُ الْعُرْفَانِ۔

ترجمہ: معرفت نام ہے کسی چیز کی حقیقت کا منکشف ہوجانا یعنی ذات وصفات کے اعتبار سے چیز کی حقیقت کا احاطہ کے ساتھ منکشف ہوجانا کہ کسی طرح کا خفا اور پوشیدگی نہ رہے۔

معرفت اللہ کی ہو جائے گی،
پہلے اپنے آپ کو پہچان لے

معرفت پہچان وشناخت کو کہتے ہیں، آداب زندگی جو بندگی کی راہ سے طے ہوتی ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ انسان اول اپنی اصلیت وحقیقت کو پہچانے اور پھر خالق ومالک رب العالمین کی معرفت حاصل کرے۔ زندگی کا یہ دو اصل سرمایہ اور پوجی جب ہاتھ آئے گا اور ساتھ دے گا تو پھر بندہ بندگی کے آداب سے معرفت کو حاصل کریگا۔

انسان کی اصلیت وحقیقت

اپنی معرفت وپہچان تاکہ بندہ پر اس کی اصلیت وحقیقت کھل جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① (الدھر)(شیخ الہندؒ)

ترجمہ: کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی۔

اگلی آیت میں اللہ نے فرمادیا:

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ

ایک دورنگی بوند سے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

ترجمہ: بھلا وہ نہ تھا ایک بوند منی کی جو ٹپکی (عورت کے رحم میں) پھر تھا لہو جما ہوا پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا۔ (شیخ الہندؒ، قیامہ)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ (عبس)

ترجمہ: کس چیز سے بنایا اسکو ایک بوند سے بنایا اسکو پھر اندازہ پر رکھا اسکو۔ (شیخ الہندؒ)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ (الطارق)

اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے، بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے۔ (شیخ الہندؒ)

ان آیتوں میں انسان کو اس کی حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے تاکہ وہ راہ عبودیت اور اطاعت سے روگردانی نہ کرے اور اس ذاتِ عالی، خالق کائنات کی معرفت وشناخت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور سرمایہ حیات بنائے۔

رب العزت کی معرفت وشناخت

جب انسان پر اس کی اپنی حقیقت منکشف وعیاں ہوگئی اور خوب واضح ہوگیا کہ وہ

ایک بوند تھا جو رب سمع و بصر۔ گفت و شنید، اخذ و بسط ہوش و گوش، دانا و بینا، عقل و شعور، فہم و فراست اور ان گنت و لاتعداد نعمتوں سے مالا مال ہے یہ سب آخر اُس کو کس نے دیا؟ اور کیوں دیا؟ جب اس سوال کا جواب تلاشنے کی جستجو و طلب اور کوشش کی جاتی ہے تو راہِ حق کھلتی ہے اور وہ ذاتِ حق بندہ کی خود مدد و نصرت سے معرفت کی راہ ہموار کرتی ہے اور کبھی محبت الٰہی قائد بنتی ہے اور کبھی خوف الٰہی سائق بنتی ہے، محبت الٰہی کے فیضان سے بندہ نُعمائے الٰہیہ۔ یعنی رب العزت کی نعمتوں پر غور و خوض سے معرفتِ حق کو حاصل کرتا ہے۔ اور کبھی حالت خوف میں عذاب و عقاب کے استحضار سے معرفتِ حق کی منزلوں کو طے کرتا ہے۔

اسماء وصفات سے معرفت حق حاصل ہوتا ہے

رب العزت کی معرفت و شناخت اسماء وصفات کے ذریعہ بندہ کو حاصل ہوتی ہے کیوں کہ اس تک پہنچنے کا واحد ہی ایک راستہ ہے، ذاتِ حق میں غور خوض مخلوقات کی پرواز سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نشاندہی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان واذن اور اجازت پر موقوف ہے اور جہاں اجازت نہیں ہوگی اہل معرفت رُک جائیں گے، مثلاً مخلوق کا وجود خالق پر اور مرزوق سے رزاق پر دلیل قائم کیا جاتا ہے الغرض تمام موجودات کا وجود قدرت کے شواہد ہیں اور صفاتِ حق کی شہادت ہیں۔ حق جل مجدہ نے انسانی ضمیر و فطرت اور طبیعت میں ایک نورِ الٰہی رکھا ہے جس نورِ بصیرت سے انسان اپنے پیدا کرنے والے اور عقل و شعور کو جلا بخشنے والے۔ اور مخلوقات میں حق تعالیٰ کی صنعت و تخلیقی عجائبات سے عظمت و کبریائی کی شانِ بے نیازی منکشف ہوتی ہے اور پھر حق تعالیٰ کی شناخت و معرفت کا دروازہ کھلتا ہے۔ عبادت و اطاعت سے بھی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

الغرض قرب و وصل الٰہی کی اساس و بنیاد معرفت الٰہی پر ہے راس المال اصل سرمایہ اور پوجی کو کہتے ہیں جو روز اول کاروبار میں لگایا جاتا ہے معرفت والے کو عارف کو کہتے ہیں۔ عارف یعنی اہل معرفت کی نگاہ اپنی پوجی پر نہیں ہوتی وہ تو رب العزت کی معرفت کو اپنی پوجی اور سرمایہ بناتا ہے۔ اب جس کا سرمایہ اور رراُس المال، اصل پوجی حق تعالیٰ کی معرفت ہو، اسکی نظر اسباب پر نہیں، احوال پر نہیں، موانعات وحجابات پر نہیں بلکہ مسبّب الاسباب اور ماوراء اسباب اللہ کی ذات پر ہوتی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ نمونہ کے طور پر ایک مثال سے بات آسان ہوجائے گی۔

عارف اہلِ معرفت کی ہمت و پرواز

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو اس مکان کے ساتوں دروازوں پر قفل وتالہ ڈال رکھا تھا، جب یوسف علیہ السلام کو زلیخا کا ارادہ معلوم ہوگیا، تو وہاں سے بھاگے اس دروازہ کی طرف جس پر قفل تھا اور معرفت الٰہی اور نورِ بصیرت نے ہمت وارادہ میں قوتِ یقین کا کام دیا اور نظر ونگاہ بند دروازوں اور مقفل تالوں سے ہٹ اور کٹ کر حق تعالیٰ کی ذات پر جمی تھی، پیچھے سے زلیخا بھی، ان کو پکڑنے کے لئے دوڑی، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر عفت وعصمت کی لاج و بھرم رکھی اور یوسف علیہ السلام پر معرفت الٰہیہ اور اعتماد علی اللہ کا کرشمہ ظاہر ہوا اور تمام بے عقل اور ظاہر و مادہ پرست یہ سوچیں گے کہ بھلا دروازہ بند ومقفل اور کنجی بھی یوسف علیہ السلام کے پاس نہ تھی تو اس کی طرف بھاگنا فضول حرکت تھی۔ کیا بھاگنے سے دروازے کھل سکتے تھے مگر یوسف علیہ السلام کی یہ حرکت فضول نہ تھی معرفت کی برکت اور حق تعالیٰ کی جانب سے معرفت الٰہیہ کے ظہور کی رحمت تھی۔

قفل خود بخود سب دروازوں کے کھل کر گرتے رہے اور یوسف علیہ السلام آگے بڑھتے

رہے اور معرفت پر معرفت حاصل ہوتی رہی اور اعتماد علی اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی رہی، الغرض عارف اور صاحب معرفت پر بس حرکت ضروری ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے بند دروازوں کی طرف ہمت سے بھاگنے کی حرکت کی اور عارف کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی وہ تو مسبّب الاسباب کو دیکھتا ہے اور اس پر بھروسہ کر کے وہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے جو بظاہر قدرت سے باہر ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کی امداد سے عارف اور اہل عرفان کی مدد ہوتی ہے یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کو تو رب العزت کی معرفت حاصل تھی تو بند دروازوں کی طرف یقین سے بھاگے، مگر زلیخا کیوں بھاگی ان کو پکڑنے جبکہ اسی نے دروازوں کو مقفل کیا تھا، یا کرایا تھا؟

اس کو تو معلوم تھا کہ یوسف بھاگ نہ سکیں گے دروازے بند و مقفل ہیں۔ دراصل اہل معرفت کی صحبت میں اہل کید و خداع جب کبھی کوئی دغا وفریب دینا چاہتے ہیں اور صاحب معرفت اور اہل عرفان کو کسی داغ سے داغدار کرنا چاہتے ہیں تو معروف وحق جل مجدہ ان کائدین وخائنین، اور حاسدین ومعاندین کے کید وخداع سے عارف اور اہل معرفت کی حفاظت وحراست کرتا ہے اور اہلِ کید وخداع اپنے کبید وخداع کو بھول جاتے ہیں۔ اُن کا شیطانی عمل، معرفت والے کے نور ایمان وایقان اور نور عرفان سے دب جاتا ہے یا جل جاتا ہے اور معرفت والے کا تعلق ذالمعروف سے ہوتا ہے اور وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے وہ اپنے کو رسوا نہیں کرتا، اہل کید کو رسوا کر دیتا ہے۔ آپکو اسکی مثال شریعت میں نصوص قطعیہ سے بہت ملے گی۔ جہاں انکار کی قطعا گنجائش نہیں جبکہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، صلحاء اتقیاء، ابرار واخیار کے واقعات کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ بہرحال زلیخا کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ دروازہ بند ہے اور یوسف علیہ السلام کے پیچھے بے تحاشا بھاگی اور یوسف علیہ السلام کید سے بعافیت بچ گئے۔

عقل در اسباب می دارد نظر
عشق میگوید مسبّب رانگر

عقل اسباب کو دیکھتی ہے عشق و معرفت مسبب کی طرف دیکھتا ہے

اس لیئے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ، خود نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں مافوق الاسباب، محیر العقول واقعات ہوئے ہیں جو دلائل النبوّۃ کے طور پر محدثین نے نقل کیا ہے۔ عارف کو فناء تام حاصل ہوتا ہے نہ وہ اپنے کو دیکھتا ہے نہ ہی اپنے کمالات پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، وہ خود کو یا کمالات کو گناہ جانتا ہے، اس کا مشرب ہوتا ہے۔ وَجُوْدُكَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِهٖ ذَنْبٌ، تیرا وجود ہی گناہ ہے اس پر کسی گناہ کو قیاس نہ کیا جائے۔ عارف، عارف باللہ ہوتا ہے اور بس؛ اس کی نگاہ معبود و مسجود پر ہوتی ہے وہی اس کا محبوب ہے کیونکہ اس پر وجود حق و کمالات حق کا انکشاف ہو چکا ہے اور یہ انکشاف جس درجہ منکشف ہوگا وہ اتنا ہی اپنے سے بے خبر اور خبیر و علیم سے باخبر ہوگا۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۔ (فرقان ۵۹)
رحمن کی خبر کسی باخبر سے پوچھ۔

رحمن، اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو حضور خاتم علیہ السلام سے زیادہ کون جاننے والا ہے جن کو اولین وآخرین کا علم عطا ہوا۔ تو اللہ کی معرفت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کس کو ہوگی۔ اس لیئے آقا نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ، معرفت میرا اصل مال ہے۔

عقل میرے دین کی اصل ہے

(2) وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ۔ اور عقل میرے دین کی جڑ ہے۔

قرآن مجید میں عقلمندوں کو اُوْلِی النُّهٰی (طٰہٰ) اور اُوْلِی الْاَلْبَاب (آل عمران) اور

اُولُوا الْاَلْبَاب۔ (الحجر) ناموں سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کی صفاتِ حمیدہ پر ان کو یہ خطاب عطا ہوا ہے، عقل جب نقل کو اپنا امام و پیشوا بنا لیتی ہے تو حقیقت میں عقل کو غیب کی روشنی اور ربانی شعور و آگہی کا راستہ کھل جاتا ہے اور عقل پھر نرے عقل نہیں رہتی عقل سلیم بنتی ہے یعنی فہم و فراست کی سلامتی، شریعت و سنت کی اتباع سے عقل بالغ ہوتی ہے اور پھر عقل عالم غیب کے حقائق سے وحشت کی جگہ سکون و طمانیتِ قلب کا لطف اٹھاتی ہے، عقل سلیم قرآن و حدیث کے احکام کی اتباع سے نور بصیرت کی راہ نور فراستِ ایمانی پر عقل کو تسلیم و رضاء کا مقام بخشتی ہے، شریعت کے ہر حکم کی علت اپنی جگہ مسلم ہیں مگر عقل سلیم عقل منیب بن کر علت و حکمت کی جستجو نہیں کرتی حکم کی بجا آوری سے رضاء و تسلیم کی شان پیدا کر کے رب العزت کی جانب سے شریعت کو نعمت و رحمت جان کر حمد و شکر کا زمزمہ پیش کرتی ہے۔ اور عقل رب العزت کی قدرت و قوت، ہیبت و جبروت، اور شان کبریائی کی کھود و کرید کی جگہ جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے، حیرت و عجز کی راہ معرفت اور عبادت و اطاعت سے اپنی ذلت و عبودیت پر فخر و ناز کرتی ہے کہ خلّاق عالم نے ایک مشتِ خاک کو ایمان و عقل سے نوازا۔ اور اپنی ذات و صفات پر ایمان عطا کیا۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آں کہ ایماں داد مشت خاک را

عقل وہی عقل ہے جو دین و ایمان کی راہ چل پڑے،

اس لئے قرآن مجید نے ان لوگوں کی تعریف و توصیف بیان کی جو کلام اللہ، ملائکۃ اللہ، رسول اللہ، صفات اللہ، اور مخلوقات اللہ، نظام قدرۃ اللہ میں غور و خوض کر کے دل کا رُخ حق کی طرف پھیر لیا اور جس اللہ نے وحدانیت والوہیت ربوبیت و مالکیت اور بعث و نشور کے عقیدہ و رسوخ کے ساتھ اپنی حاکمیت کا دل پر نور ایمان ڈالا اس پر حمد و ثنا

کرے۔ عقل کی خوبی یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے وعدوں کا شوق وذوق، وعیدوں کا خوف وڈر اور راہِ حق کی جانب رُشد وہدیات کی جستجو وطلب، حق تعالیٰ کے وجود پر حجت ودلیل، بارِ امانت کو جو قبول کر چکی ہے اس پر استطاعت وقدرت کے بقدر ہمت سے عمل پیرا ہو، قرآن مجید نے، عقلِ سقیم والے کو تو شَرَّ الدَّوَابِّ کہا ہے۔ انعام وچوپایہ میں بھی بدتر نام دیا ہے۔ عقل کا کام ہے معبود کو پہچاننا اور اس کی بجا آوری جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے، پرندے بھی اپنے محسن کو جانتے اور اس کی مانتے ہیں، شیر جو درندہ ہے وہ بھی اپنے محسن وتربیت دینے والے کے حکم پر سرکس میں کرتب دکھلاتے ہیں۔ پھر وہ انسان جو سب کو پہچانے اور اپنے مالک ومعبود کو نہ پہچانے بلکہ اس کی مخالفت کرے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، وہ حیوان ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔

ہماری شریعت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مکلف ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ عقل وشعور والا ہو مجنون ودیوانہ سے اللہ کی شریعت مخاطب ہی نہیں اسلئے اس دین میں عقل کی بڑی اہمیت اور قدر ومنزلت ہے۔ اور ہمارے رسول اللہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَقْلُ اُصُلُ دِیْنِیْ عقل میرے دین کی جڑ ہے۔

وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ محبت میری بنیاد ہے

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: دوست رکھتا ہے اللہ ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اللہ کو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءِ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ (متفق علیہ)

ترجمہ: جو اللہ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو اللہ کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے۔

محبت کی مایت و حقیقتِ محبت

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو (محبت کہتے ہیں) یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اس کو عشق کہتے ہیں۔ محبت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غیر مامور بہ ہے مگر نعمت ہے اور وہبی ہے پھر اس میلان کے آثار میں رضائے محبوب کو رضائے غیر پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی ہے (جو فرض اور واجب ہے) پھر اس ترجیح کے باعتبار محلِ ترجیح کے اقسام ہین چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے۔ اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے، بدوں اس کے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں۔ کوئی اوسطاً اور واجب۔ کوئی اعلیٰ و مستحب۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ)

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ چیزیں) تم کو اللہ اور رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارہوں۔ تو تم منتظر رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم یعنی سزا بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنیوالوں کو ان کے

مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

(ان مذکورہ بالا) اشیاء کا زیادہ پیارا ہونا جو بُرا ہے مراد اس سے وہ محبت ہے جو احکامِ الٰہیہ دینیہ پر عمل کرنے سے باز رکھے۔ میلانِ طبعی مراد نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکموں پر عمل کرنا دوسری سب چیزوں سے زیادہ محبوب اور پیارا ہونا چاہیئے ورنہ اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث ہوگا)۔

محبت کے آثار و درجات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ، اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ سے محبت میں بہت مضبوط ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بلا تخصیص سب مسلمانوں کی ایک شان اور حالت کو بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کی محبت میں نہایت مضبوط ہوں اگر پورے طور سے مضبوط ہیں تو کاملِ ایمان ہوگا ورنہ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا ایمان ہوگا۔
مثلاً ایک مضبوطی کا درجہ یہ ہے کہ ربِّ کریم کے متعلق سن کر بے چین ہو جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ محض ربّ کریم کا ذکر سن کر دل میں ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوا ور نافرمانی کے چھوڑنے کی فکر ہو جائے۔ اور اطاعت کرنے کے خیالات پیدا ہو جائیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس خیال کے ساتھ ہی اس پر عمل بھی شروع کر دیا یعنی نافرمانی کے سامان کو الگ کر دیا اور یہ پختہ قصد کر لیا کہ اب کوئی حرکت حکم کے خلاف نہ کریں گے اور اس قصہ کو نباہ دیا (اور شریعت کے تمام احکام پر پابندی کے ساتھ عمل کرنا بھی شروع کر دیا) یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے (اور یہی مقصود ہے)۔

محبت کی قسمیں طبعی و عقلی

محبت طبعی اور عقلی، محبت طبعی اختیاری نہیں۔ اس کا حدوث و بقا بالکل غیر اختیاری

ہے اور امرِ غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا ۔ بخلاف محبتِ عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقاء اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبتِ عقلی افضل و راجح ہے۔ محبتِ طبعی کا منشا جوشِ طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا۔

محبت کے تین سبب

محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں:

(1) یا تو یہ کہ کوئی ہم پر احسان کرتا ہے اور اس کے احسان کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہو۔

(2) یا تو یہ کہ وہ خود نہایت حسین و جمیل ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلانِ خاطر ہو۔

(3) یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعثِ محبت ہو۔ سو انعام ونوال وحسن و جمال اور فضل وکمال اعلیٰ وجہ الکمال اللہ تعالیٰ ہی میں پائے جاتے ہیں تو جب تک یہ کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوبِ حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کی محبت بھی ختم نہ ہوگی اور چونکہ رب کریم کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں اس لئے کاملین کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے حبِ عقلی نہیں ہو سکتی۔ ہاں حبِ طبعی یعنی عشق غیر اللہ سے بھی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حبِ عقلی ہے نہ کہ طبعی۔ اسی لئے نصوص میں حبِ طبعی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں بلکہ جا بجا حب کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ حب طبعی مطلوب نہیں بلکہ حب عقلی مطلوب ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حب عقلی والوں (یعنی کاملین) میں حب طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے باقی جن پر حب عقلی کا غلبہ ہوتا ہے

بعض اوقات ان میں محبت طبعیہ بھی ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر محبتِ طبعیہ کا غلبہ ہے۔ مگر وہاں محبت طبعیہ پر حب عقلی غالب ہوتی ہے اس لئے جوش زیادہ رہتا ہے ۔لیکن گاہے گاہے کاملین پر بھی حب طبعی کا غلبہ ہو جاتا ہے بہر حال کاملین تو حبِ طبعی وعقلی دونوں کے جامع ہوتے ہیں مگر ان میں غلبہ عقلی کو ہوتا ہے اور ناقصین میں حبِ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ گو کمالِ مطلوب نہیں مگر محمود ضرور ہے اور جو دونوں سے کورا ہے وہ خطرہ میں ہے۔ پس محبت کا ہونا ضروری ہے بغیر محبت کے نری طاعات وعبادات کافی نہیں۔ کیوں کہ ان کا بھروسہ کچھ نہیں۔ بقولِ محققین کے شیطان اسی لئے گمراہ ہوا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محض ضابطہ کا تعلق تھا۔ محبت وعشق نہ تھا۔ اور ملائکہ میں عشق ومحبت کا اثر موجود تھا اس لئے حکم کے ساتھ ہی سب فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ اسی لئے عراقی رحمہ اللہ طریق محبت کی تمنا کرتے ہیں۔

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

راہِ قلندر سے مراد طریقِ عشق ہے اور رسم پارسائی سے طریق عبادت رسمی۔

مطلب یہ ہے کہ طریق عباداتِ رسمی بہت دور دراز ہے اس میں وصول دیر سے ہوتا ہے کیوں کہ خودی دیر سے نکلتی ہے، فنا جلدی نصیب نہیں ہوتی اور طریقِ عشق سے بہت جلد فنا حاصل ہو جاتی ہے اور فنا محبت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ (تفصیل کے لئے بابِ احوال میں فنا کا بیان ملاحظہ ہو۔) خلاصہ طریق یہ ہے کہ وہ اعمال اور محبت کا جامع ہوتا ہے عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدوں بھاپ کے دھکیلنے سے چلنا اور بھاپ سے چلنا۔ اگر انجن میں بھاپ نہیں تو دھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی؟

(یعنی بہت مختصر سارا راستہ طے کرے گی) اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اڑ گئی۔ تو عمل مثل ریل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح کے ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے ٹھیلتے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ کسی سبب سے پہیے لائن سے اتر گئے۔ اس لئے اترتے ہی کھڑی ہو جاوے گی اور اگر خدانخواستہ بھاپ کے زور سے اڑی چلی جا رہی تھی کہ پہیے لان سے اتر گئے تو پرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈرائیور مع سواریاں ہلاک ہو گیا۔ ایک قیامت برپا ہو گئی تو بس اگر بھاپ ہونے کی صورت میں یہ لائن پر رہی تو مسافت امن اور تیزی سے قطع کرتی رہے گی اور اگر لائن کو چھوڑ دیا تو تہس نہس ہو جاوے گا۔ اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں ایک یہ کہ بھاپ نہیں لیکن لائن پر ہے۔ اس صورت میں رفتار ضرور کم ہو گی لیکن خطرہ نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ بھاپ تو ہے لیکن لائن پر نہیں۔ یہ حالت نہایت خطرناک ہے۔ اور ایک حالت نور علی نور ہے کہ بھاپ بھی ہو اور لائن پر بھی ہو (تو) وہ بھاپ محبت ہے اور لائن صراطِ مستقیم شریعت کی ہے جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمالِ شریعت کو رخصت کر دیا تو وہ قطعِ طریق تو کیا کرتا الٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن شریعت پر عمل کرتا رہا تو رفتار گو نہایت سست ہو گی مگر کوئی خطرہ نہیں۔ عمل اور محبت کو جمع کر لو۔ یہ البتہ وہ ریل ہو گی جس میں بھاپ بھی ہے پہیے بھی درست ہیں اور لائن پر بھی ہے۔ پھر دیکھو کیسی جلدی مسافت قطع ہوتی ہے۔

محبت کو جو کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبت ہی کافی ہے۔ عمل کی ضرورت نہیں بلکہ بھاپ (محبت) کے اصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہی پہیوں

کی تیزی کا ذریعہ ہے لیکن اگر سرے سے پہیے ہی نہ ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے اسی لئے جس میں محض جوش وخروش ہو۔ اس میں سوائے اس کے کہ ''حق حق اور الا اللہ کے نعرے لگا لئے اور بھی کچھ ہے؟ نفع کیا؟ یہ جوش وخروش تو ایسا ہے جیسا اس ریل کا جس کے انجن میں آگ اور بھاپ بھی دہک رہی ہے مگر پہیے ٹوٹ گئے ہیں تو یہ بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی دھواں دیئے جاوے اور ٹیں ٹاں، ٹیں ٹاں، کیے جاوے اور کیا کر سکتی ہے کیا مسافت قطع کر لے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ الٹا شور سے پریشان کرے گی۔ کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی۔ پہیے بھی ہوتے اور لائن پر بھی ہوتی (یعنی جس میں محبت اور جوش تھا اس میں شریعت کے مطابق عمل بھی ہوتا) تب لطف تھا (کہ سفر کتنا جلدی اور اطمینان سے طے ہوتا)۔

محبت وعشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی قول اور فعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔ تمام مصائب محبین کو آسان ہو جاتے ہیں کہ نہ قید خانہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے نہ فاقہ سے کلفت۔ ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں مگر خوش ہیں۔ کیوں کہ ان کے پاس ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی وہ آغوشِ محبت میں رضائے محبوب ہے لذتِ طاعت ہے۔ لذتِ مناجات ہے۔ لذتِ قرب ہے (اس لئے کہ) محبت سے معرفت بڑھتی ہے طاعت وفرمانبرداری میں لطف آنے لگتا ہے۔

طریقِ کار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (الآیۃ)

آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم (بزعم خود) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا

اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

محبت گو خود غیر اختیاری ہے مگر اس کا طریقہ اختیاری ہے جس پر محبت کا پیدا ہونا عادۃً ضروری ہے اور اختیاری کاموں میں اللہ تعالیٰ نے ہر کام کی تدبیر بتلائی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کی پابندی کریں انشاء اللہ بہت تھوڑے دنوں میں اللہ تعالیٰ سے محبت کامل ہو جائے گی (جس کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے)۔

حق تعالیٰ سے محبت کامل پیدا کرنے کا طریقہ

(۱) دین کا علم سیکھیں۔

(۲) اعمال میں ہمت کر کے ظاہراً بھی اور باطناً بھی شریعت کے پابند رہیں۔

(۳) شقِ راحت کو اختیار کریں بشرطیکہ کوئی محذورِ شرعی لازم نہ آئے کیوں کہ راحت میں حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) رب کریم کے احکام کی پوری طرح اطاعت کریں۔ کیوں کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے۔ اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔

(۵) نیک عمل میں بہ نیتِ ازدیادِ محبت، استقامت کے ساتھ مشغول رہیں۔

(۶) تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کریں۔

(۷) محبانِ حق سے علاقہ پیدا کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں اور یہ بہت ضروری ہے اگر آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھیں۔

(۸) تنہائی میں کسی وقت اللہ کی نعمتوں کو سوچا کریں۔ پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کریں۔

(۹) اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ محبت عطا فرمائیں۔

(۱۰) یہ مراقبہ کیا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھ کو چاہتے ہیں اس

سے بندہ کے قلب میں بھی محبت پیدا ہوگی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو۔ساری پریشانی (دور ہوجائے گی)۔

طریقِ تحصیل

دنیا کے علائق کو قطع کرنا یعنی غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکالنا کیوں کہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے کمالات واوصاف وانعامات کو یاد کرنا اور سوچنا۔
(۱۶۹۔شریعت وطریقت)

مراقبہ محبتِ حق

یہ مراقبہ کیا کرے کہ حق تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں یہ مراقبہ بے حد مفید ہے۔اس سے بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو،مگر جہاں یہ مراقبہ کیا،ساری پریشانی رفو چکر،کیوں کہ یہ یقین کریگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی کو مجھ سے محبت ہے تو اس مصیبت میں ضرور میرا کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ورنہ محبت میں محبوب کو کون تکلیف دیتا ہے۔

اہلِ شوق

وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ: شوق میری سواری ہے۔

شوق کی ماہیت

جس چیز کا مِنْ وَجْهٍ علم ہو اور مِنْ وَجْهٍ علم نہ ہو اس کو بکمالہ جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا۔شوق کہلاتا ہے۔ (تعلیم الدین حضرت تھانویؒ:۱۲۳)

شوق کسے کہتے ہیں؟

شوق کا لفظ قرآن مجید میں تو استعمال نہیں ہوا۔تاہم حدیث پاک میں استعمال ہوا

ہے۔علماء کے نزدیک شوق اس جذبے کو کہتے ہیں جو مُحِبّ کو محبوب سے ملاقات کیلئے بے قرار کردیتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے، یہ وہ حالت ہے، یہ وہ دل کا جذبہ ہے جو محب کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے ملاقات کرے اس کو عربی میں شوق کہتے ہیں۔

اہلِ شوق کی تسلّی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْلِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ

جو اللہ تعالیٰ کی ملاقت کا امیدوار ہے۔تو اللہ کی مدت (یعنی موت) تو آنے والی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَسْئَلُكَ النَّظَرَ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ، (رواہ النسائی)

تجھ سے تیرے وجہ مبارک کی زیارت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔

حقیقتِ شوق

جس محبوب چیز کا من وجہ علم ہو اور من وجہ علم نہ ہو اس کو بکمالہٖ جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا (شوق کہلاتا ہے) ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں انس کا رنگ غالب ہوتا ہے اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں مثلاً بات بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ۔مگر لوگ انہی آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور انس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہوجاتے ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضائے طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو۔نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہوجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوق کی ایک حد بیان فرمائی ہے:

اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰى لِقَائِكَ مِنْ غَيْرِ ضَرَّآءَ مُضَرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ

یعنی یا اللہ! میں آپ سے آپ کی ملاقات کا شوق، بغیر کسی تنگی میں پڑنے کے جو نقصان دینے والی ہو اور بغیر کسی گمراہ کن آزمائش میں مبتلا ہونے کے طلب کرتا ہوں۔

چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑ جاتا ہے اور اصل مقصود اور ذریعہ قرب، اعمال اور امتثالِ اوامر ہی ہے اور کبھی غلبہ شوق میں ادب کی حد سے گزر جاتا ہے اور سخنانِ بے ادب، جیسے اکثر عشاق غلبہ حالت میں کہتے ہیں، کہنے لگتا ہے اور یہ بے ادبی موجبِ ضرر دین ہے۔ گو غلبہ کی حالت میں عفو (یعنی معاف) ہے مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادب وطاعت اور محبت کے جامع ہیں اس لئے (مذکورہ بالا) دعا فرماتے ہیں اس سے ضرر اول کی بھی نفی ہوگئی جو سبب انقطاع اعمال ہو جاوے اور ضرر ثانی کی بھی نفی ہوگئی جو بے ادبی کی طرف مفضی ہو جائے۔

طریقِ تحصیل

محبت کا پیدا کرنا (اس کی تحصیل کا طریق ہے) کیوں کہ محبت کیلئے شوق لازم ہے۔
(تعلیم الدین ۷۷، شریعت وطریقت: ۱۵۲، مقالاتِ حکمت نمبر ۳۴، اشرف المسائل)

ذکر اللہ میرا مونس ہے

④ وَذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ - اور اللہ کا ذکر میرا مونس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الفتح: ۴)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اتارا تسکین اور اطمینان کو مومنین کے دلوں میں۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ

وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں بیٹھتے ہیں لوگ کہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا مگر گھیر لیتے ہیں ان کو ملائکہ رحمت، اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمتِ الٰہی، اور اترتی ہے ان پر تسکین اور اطمینان، اور یاد کرتا ہے اللہ ان کو ان میں جو ان کے پاس ہیں یعنی ملائکہ کی جماعت میں۔ (تعلیم الدین: ۱۶۴)

مونس غمخوار کو کہتے ہیں۔ غم کی حالت میں جو تسلی اور سکون دے وہ انسان کا مونس کہلاتا ہے۔ (انمول حدیث: ۱۴۱)

اللہ کی یاد سے اُنس کا سبب

ایک بات ذھن نشین رہے کہ دو چیز جدا جدا ہیں ایک ہے نزولِ رحمت وسکینت اور دوسری چیز ہے حجابات وموانعات کا دور کرنا۔ اور اس سے آگے کی چیز ہے نزولِ رحمت وسکینت کا ادراک، اور گناہ ومعاصی کے ظلمت ونحوست کا احساس، دونوں حالتوں کا اثر انسان پر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ ذکر اللہ اور یادِ الٰہی کے تسلسل اور مداومت و استقامت سے بندہ میں فرحت وسرور اور انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یادِ حق اور نامِ حق میں انس وتسلی اور سکون وسرور کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اُس کو اس کے بغیر چین نصیب نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ذکر اللہ سے اللہ کے نام کی تجلی، صفات وشئون کی ذاکر پر نازل ہوتی ہے اور وہی صفاتِ الٰہیہ کی تجلی اس کو ذاتِ حق کی طرف متوجہ ومائل رکھتی ہے وہ نامِ حق لے کر حق کی یاد سے انس پیدا کرتا ہے اور چونکہ نام حق یا۔ یادِ حق ذریعہ ووسیلہ بنا ہے حق تعالیٰ سے انس کا اس لئے حدیث میں آگیا کہ یادِ الٰہی میرا مونس ہے ورنہ مونس حقیقی تو رب العرش العظیم ہے۔ چونکہ ذکر اُن کا اُن کے انس کا وسیلہ بنا ہے

اس لئے اُنس کی نسبت ان کے نام و یاد کی طرف کر دی گئی ہے اور اس جہان میں ان کی ذات تک رسائی ان کے نام سے ہی ممکن ہے اسی کا ہم کو شریعت نے حکم دیا ہے، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ بندہ جتنی دیر یادِ حق میں مشغول رہتا ہے۔ سکنیت وطمانیت کا نزولِ پیہم و مسلسل ذاکر پر رہتا ہے۔ بہت ہی مشہور ہے کہ ذاکر، ذکر سے مذکور تک پہنچ جاتا ہے مذکور تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ، اللہ، اللہ کرنے سے بندہ کا مونس اللہ تعالیٰ خود ہی بن جاتا ہے۔

دوسری چیز جو حجاب وموانعات بنی ہوئی تھی وہ تھا شیطان کی جانب سے غفلت ونسیان، بندہ جتنی دیر یادالٰہی اور ذکر اللہ سے غافل رہتا ہے اس پر حجاب وظلمت رہتی ہے، سکنیت وطمانیت کا نزول موقوف ہو جاتا ہے اس ظلماتی حجابات اور رکاوٹ کو دور کرنے کا واحد طریقہ وراستہ ذکر اللہ اور اللہ کی یاد ہے۔ یاد خواہ زبان سے ہو یا زبان وقلب سے ہو یا جوارح واعضاء سے ہو۔ زبان سے زیادہ موثر قلب کا ذکر ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جوارح اور اعضاء کا ذکر ہے۔ مثلاً نماز میں مشغولیت قرآن کریم کی تلاوت میں انہماک، یا مراقبہ میں استغراق کی کیفیت حاصل یہ کہ ذکر اللہ، سے راحت وطمانیت، سکون، تسلی، اُنس وقرار اور ہم وغم دور ہو جاتے ہیں، اللہ کے نام میں بڑی قوت وطاقت ہے، اللہ کا نام فرش پر لیا جاتا ہے اور عرش سے انوارات وتجلیات کا سماء بدھ جاتا ہے شیطان ایسے بندہ سے بھاگتا ہے۔ اس لئے شیطان کی پہلی طاقت ور کوشش ہوتی ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روک دے۔ اللہ تعالیٰ نے عرش سے ہمیں چوکنا کیا ہے اے کاش کہ ہم بھی ہوش وگوش سے کام لیتے۔ یا اللہ آپ ہی نادیدہ

دشمن سے ہمیں بچائے گا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ (مجادلہ:۱۹)

ان پر شیطان غالب آ گیا اور شیطان نے اُنہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا۔

انسان کو پتہ نہیں ہو پاتا کہ غیبی رحمتیں و برکتیں آ رہی ہیں اور ان کا ہمارے دیدہ باطن پر کیا رنگ چڑھتا ہے۔ شیطان کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ ذکر اللہ کا حفاظتی ہتھیار اس سے چھین لے اور وہ ہے اللہ کے ذکر سے غفلت، جیسے غفلت ہوئی شیطان حملہ کر کے مسلط ہو جاتا ہے، اور نزولِ رحمت موقوف ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ (الزخرف)

جو کوئی رحمن کی یاد سے غفلت اختیار کرے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

اللہ اکبر یہ کتنے نقصان کی بات ہے کہ شیطان بندہ کا ساتھی اور ہر وقت کا ساجھی بن جائے۔ اور پھر وہ ہمیں اپنی مرضی سے اللہ و رسول کی ناراضگی کے کاموں میں مشغول کر دے اور غفلت و ظلمت میں معصیت کی راہ لگا دے۔

شیطانی حملہ سے بچنے کا طریقہ ذکر اللہ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ (اعراف)

یقیناً جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (تھانویؒ)

اس آیت سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ شیطان تو حملہ کرے گا ہی مگر حق آگاہ، حق پرست، حق کی انابت رکھنے والا لمبی غفلت اور دیر نہیں کرتا۔ کیفیت بدلتے ہی غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے اور اللہ کی امان و پناہ میں آجاتا ہے اور غفلت سے چوکنا ہو کر رجوع الی اللہ اور لجوع الی اللہ اخیار کر لیتا ہے، اور غفلت کا شیطانی پردہ چاک کر دیتا ہے اور یہ اللہ کے ذکر و یاد سے ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نقشبند تو روز اول ہی سالک کو آگہی کی تعلیم دیتے ہیں اور ہوش در دم کا وظیفہ تلقین کرتے ہیں۔

الٰہی رحم کن ایں عاشقان پاک طینت را

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا ذکر اللہ، اور یادداشت سے جب انس ملتا ہے، طبیعت کو سکون و سرور کی نعمت میسر ہوتی ہے تو جب اللہ رب العزت سے ملاقات ہو گی تو دوستو کیا کیا ملے گا اور جس کا نام مونس بنتا ہے اس کی ذات سے ملاقات کا عالم کیا ہو گا۔ دوستو اللہ، اللہ کو دل میں بسا لو، آنکھوں میں سجا لو، خیالوں میں جما لو، خواہش و تمنا کو اللہ، اللہ کا خوگر بنا لو، یا اللہ ہمیں بس تو اپنی حفاظت و حراست میں رکھ کر ذکر اللہ کو جان و جہان بنا دے۔ آمین

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ (رواہ مسلم، ترجمان: ۳/۳۰۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حالت میں ذکر اللہ کرتے تھے

اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں، لیکن سب سے صحیح بات وہ ہو گی جس کی واقعات بھی شہادت دیں، کتاب الدعوات اور کتاب الاذکار کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیل و نہار میں جتنے مختلف حالات پیش آتے تھے آپ ہر

جدید حالت پر حق تعالیٰ کی جدید طور پر یاد تازہ فرمایا کرتے تھے، مثلاً صبح ہوتی تو آپ کے کلمات جدا ہوتے، شام ہوتی تو جدا ہوتے، قضاء حاجات کے لئے تشریف لے جاتے تو تعوذ کے خاص کلمات پڑھتے اور جب فارغ ہوکر باہر تشریف لاتے تو خاص انداز کا شکر ادا فرماتے اسی طرح کھانے پینے، سونے جاگنے، گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے، غرضیکہ انسانی زندگی کے جتنے مختلف شعبے ہیں سب کے متعلق آپ کے مقدس کلمات حدیثوں میں مدون موجود ہیں، اس کے علاوہ آپ کی شریعت میں ایک باب ایسا بھی ملتا ہے کہ اگر انسان اس پر مداوت کے ساتھ عمل پیرا رہے تو اس کی نیند بھی عبادت میں شمار ہوجاتی ہے پھر کچھ کلمات ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو پڑھ لیا جائے تو اگر مخصوص اوقات کے اذکار کی ادائیگی میں غفلت ہوجائے تو ان کے پڑھنے سے اس کی بھی تلافی ہوجاتی ہے اور اس طرح انسان کی تمام زندگی گویا ذکر اللہ ہی میں شمار ہونے لگتی ہے، اس کے علاوہ ایک حالت میں بھی گو آپ کی زبان مبارک سے مختلف اذکار ثابت ہوتے ہیں مگر بظاہر حدیث کی مراد وہی مختلف حالات ہیں جو انسانی زندگی میں مختلف طور پر پیش آتے ہیں، اہل جنت کی جنت میں یہی صفت ہوگی وہ بھی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیں گے انبیاء علیہم السلام میں دوام ذکر کی یہ صفت اسی عالم میں موجود ہوتی ہے، پھر وہ اپنی امت کو بھی اس صفت کے پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ میں انسان کے انہی مختلف اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ حدیث مذکور اسی قسم کی آیتوں کی شرح سمجھنی چاہیے۔ (ترجمان السنۃ۔ ۳/ ۳۰۵)

قرآن مجید کی آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط

(سورۂ فاطر:۱۰)- کے تحت یعنی اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ (علّامہ عثمانیؒ)

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح صرف کلمہ توحید اور تسبیحات بغیر عمل صالح کے کافی نہیں اسی طرح عمل صالح اور امر ونواہی کی پابندی بھی بغیر کثرت ذکر اللہ کے بے رونق رہتی ہے، ذکر اللہ کی کثرت ہی اعمال صالحہ کومزین کر کے قابل قبول بناتی ہے۔
(معارف القرآن، مفتی شفیعؒ)

کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالی سے ہے اُن کا اوپر چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لئے ان کیلئے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا، اور اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں بلکہ کسی کے سہارے ہے اسلئے اعمال صالحہ کیلئے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اُٹھانے کے ہیں جس کیلئے کوئی اُٹھانے والا چاہئے۔
(معارف کاندھلویؒ، گلدستہ، ج٦ ص:٦١٠)

شاہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے، تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں، جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر پورا غلبہ حاصل کریں گے، کفر دفع ہوگا، اسلام کو عزت ہوگی۔ مکاروں کے سب داؤ، گھات باطل اور بے کار ہوکر رہ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مسلمانوں کی عزت و رفعت اعمال صالحہ اور کثرت ذکر اللہ سے مربوط اور جڑی ہوئی ہے۔ جب تک امت مسلمہ اس نہج وڈگر پر نہیں آتی بارگاہِ حق سے نصرت و مدد نہ ملے گی۔ سنت اللہ اور عادۃ اللہ یہی ہے، تفصیل کا موقع نہیں۔ (ثمین)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی حکیمانہ باتیں

اذکار کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ (الاية)

وہ لوگ (ہر حال میں) دل سے بھی۔ اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔
کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ (رواہ البیہقی)

ہر شے کا صیقل (چمکانے والا) ہے اور قلوب کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر کے معنی لغت میں یاد رکھنا ہے۔ اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔ یاد رکھنا، دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری زبان سے یاد کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں اور حقیقی، ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر لسانی (یعنی زبان سے یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی، ذکر اللہ کا فرد کامل ہے۔ اگر دونوں جمع ہو جاویں۔ یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آ گئی ہو کیوں کہ حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں۔ جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق الناس وغیرہ۔ اس میں

تمام احکامِ شریعت آ گئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب، اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق پیدا کر لینا ہے اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دِل کا لگاؤ۔ اور دل کے لگاؤ کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے۔ جس کو عرف میں ''دل میں بس جانا'' کہتے ہیں اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے۔ اس تعلق مذکور کی، جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد، تو یاد کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اور یاد سے (اصل) مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے، بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ پس ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت ذکر ایک حقیقتِ ذکر (جو لوگ پورے اعمال شرعیہ بجا نہیں لاتے اور صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں۔ ان کو صورتِ ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقتِ ذکر حاصل نہیں) مگر ذکرِ اسمی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے۔

کیوں کہ ؎

از صفت وز نام چہ زائد خیال
واں خیالش ہست دلال وصال

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی)

اس کے متعلق مختلف احکام ہیں، بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان میں ذکر لسانی افضل ہے۔ باقی ذکرِ قلبی، جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے۔ اجر اس پر بھی ہے۔ مگر اس میں قلب سے ذہول کا قوی اندیشہ رہتا ہے (کیوں کہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے۔ اور ذاکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکر لسانی کرنا چاہیئے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہیے۔

اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو لسانی تو باقی رہے گا اور وقت ضائع نہ ہو گا اور اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر لسانی افضل ہے (مگر اس ذکر لسانی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ اور بس جائے) اور اللہ کی نافرمانی روک دے اور فرمانبرداری پر کمرِ ہمت چست کر دے۔ یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں۔ اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوں گی۔ بلکہ ذکر کی صورت ہوں گی۔

محققین صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ، اللہ کرنا گو ذکر نہیں۔ مگر مقصود کے لئے تیار ہونا ہے۔ اس واسطے بحکمِ ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لئے تکرار مؤثر ہوتا ہے اور اس لئے تجربہ کافی ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ طریقہ سنت سے ثابت ہو۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اس کو مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جاوے اور ان کی یاد دل میں بسائی جاوے۔ کسی وقت ان سے غافل نہ ہو اگر چہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ اگر چہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرہ عاجلہ مرتب نہ ہو۔ چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے۔ یعنی ان کا بندہ کی طرف توجہ فرمانا (ثابت ہے) چنانچہ ارشاد ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ - کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا (البقرہ ۱۵۲)۔

(مزید براں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

یعنی ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے۔ خود بھی فی نفسہٖ ضروری ہے اور

دیگر ضروریات کی جڑ بھی ہے گو شعائرِ دین (یعنی دین کی کھلی علامات) سے نہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے۔ مگر (جس طرح) جڑ بدوں شاخوں کے کارآمد نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح محض ذکر بدوں دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔

مراتبِ ذکر

ذکر کے مراتب مختلف ہیں۔ جنت اور دوزخ اور عذاب وثواب کا یاد کرنا بھی اللہ ہی کی یاد ہے جیسے بعض لوگ باوجود تقاضا کے چوری نہیں کرتے۔ مال گذاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے کیوں کہ ان کو ایک چیز یاد آئی ہے۔ یعنی سزا وقید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کردے۔ ذکر اللہ ہے اب اگر کسی کو جنت ودوزخ کی یاد معاصی سے روکے۔ اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے اور کسی کو اللہ اللہ کرنا معاصی سے روکے۔ اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسبِ حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیے مثلاً بعضوں کیلئے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے۔ ان کے واسطے یہی ذکر ہے یہ ذکر کی حقیقت ہے اور یہی تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی جڑ ہے۔ اب میں چند آیاتِ (قرآنی) ذکر کرتا ہوں اور ان آیات کے ذکر سے مقصود یہ دکھلانا ہے کہ تمام اعمال سے مقصود ذکر ہے اور وہی تمام اعمال کی روح اور اساس ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

① اَلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ
وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ
وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ
وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (الاحزاب ۳۵)

اس آیت میں اسلام وایمان وقنوت وصدق وصبر وخشوع وتصدق وصوم وحفظ فروج کا ذکر ہے۔ اوران سب کو ذکر پر ختم کیا ہے۔ جس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ ان سب میں سہولت ذکر اللہ سے ہوجاتی ہے۔

۲ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ (النور)

اس میں ذکر اللہ سے عدمِ غفلت کو اقام الصلوٰۃ وایتاء الذکوٰۃ سے عدم غفلت پر مقدم فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عدم غفلت عن الذکر مقدم ہے اس کے بعد عذاب وثواب کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ خوفِ عذاب ورجاء ثواب بھی ذکر اللہ میں داخل ہیں۔

۳ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ (طٰہٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ سے مقصود ذکر ہے۔

۴ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۴۹)

اس کا ربط قریب یہ ہے کہ یہ جملہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى کی علت ہے۔ یعنی نماز میں یہ خاصیت اس لئے ہے۔

اِنَّ فِيهَا ذِكْرَ اللّٰهِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ فَلِاَجْلِ تَاثِيْرِ الذِّكْرِ تَنْهٰى الصَّلٰوةُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔

⑤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ (الاعلیٰ)

اس میں صلوٰۃ کو ذکر پر مرتب فرمایا گیا ہے جس سے ذکر کا دخل نماز میں معلوم ہوا اور روزہ کے بارے میں ارشاد ہے۔

⑥ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (البقرہ ۱۸۵، الحج ۳۷)

اس کا روزہ میں دخل ہونا مذکور ہے۔

⑦ حج کے بارے میں ارشاد ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (البقرہ ۱۹۸)

⑧ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرہ ۲۰۳)

⑨ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ (الحج ۳۶)

⑩ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (البقرہ ۲۰۰)

یہ چونکہ حج مرکب ہے۔ اعمال متعددہ سے جا بجا ذکر کا حکم ہوا ہے تاکہ ہر عمل میں اس سے اعانت ہو۔

⑪ لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ (المنافقون ۱۰)

یہ انفاق سے پہلے ذکر کا امر ہے اور پھر انفاق کا یہ ترتیب ظاہراً بتلا رہی ہے کہ ذکر کو انفاق میں دخل ہے جیسا اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، کی جا بجا ترتیب اسی پر دال ہے۔

⑫ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ (الحج ۲۸)

⑬ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (الانفال ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خوف وخشیت وہی معتبر ہے جس کا منشاء ذکر اللہ ہے نیز معلوم ہوا کہ ذکر کو خوف میں، جو کہ اعمالِ باطنہ سے ہے دخل ہے۔

⑭ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۖ (آل عمران ۱۳۵)

اس میں استغفار کو ذکر پر مرتب فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ذکر استغفار کا سبب ہوجاتا ہے۔ وہذا مشاہد۔

⑮ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ (البقرہ ۱۵۲)

ظاہر ترتیب سے ذکر کا دخل شکر میں معلوم ہوتا ہے۔

⑯ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ (الانفال ۴۵)

ثبات عند اللقاء، صبر کا اعلیٰ فرد ہے۔ اس کی سہولت کے لئے ذکر کا امر اس پر دال ہے کہ ذکر کو صبر میں بھی دخل ہے۔

⑰ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (المنافقون ۹)

اس میں دلالت ہے کہ ذکر کو اس میں بھی دخل ہے۔

⑱ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَجۡعَلُہٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾ (الزمر)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کو عدمِ انہماک فی الدنیا میں بھی دخل ہے۔

⑲ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ (النساء)

اس میں دلالت ہے کہ ریاء کا علاج ذکر ہے۔

یہ مقامات کا بیان تھا کیوں کہ اعمال ہی کو مقامات کہا جاتا ہے اب احوال میں غور کیا جائے تو ان میں بھی ذکر کو دخل ہے چنانچہ ارشاد ہے:

⑳ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ (الرعد ۲۸)

اس سے ذکر اللہ کا دخل اطمینان میں ہے جو کہ منقسم ہے مقام وحال کی طرف معلوم ہوا۔

㉑ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿ؕ۲۸﴾ (الرعد)

کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے۔

اطمینان کے دو درجے ہیں، ایک تو مقام ہے جو تصدیق واذعان کا درجہ ہے اور ایک حال ہے جس کو سکون وانس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق اطمینان کے لئے ذکر اللہ کو سبب بتلایا ہے۔ اس لئے اس کے عموم میں مقام وحال دونوں داخل ہیں۔

㉒ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ (الاعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کو اضمحلالِ وساوس ونزغاتِ شیطانیہ میں دخل ہے نیز ارشاد ہے:

㉓ وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ (حم السجدہ ۳۶)

㉔ وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا (الزخرف ۳۶)

معلوم ہوا کہ ذکر کو عدمِ تسلط شیطان میں دخل ہے۔ (اعمال واحوال کے علاوہ دیگر

معاملات میں بھی ذکر کو دخل ہے چنانچہ) ارشاد ہے:

㉕ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾

(مریم) (مع الایۃ السابقۃ واللاحقۃ)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کو اعتقاد بعثت میں دخل ہے۔

㉖ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ (ال عمران)

اس میں دلالت ہے کہ صحت استدلال میں بھی ذکر اللہ کو دخل ہے اس طرح سے کہ ذکر اللہ سے عقل میں نورانیت آجاتی ہے اس نورانیت کی بدولت خطاء فی الاستدلال سے حفاظت رہتی ہے۔

㉗ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾ (الجمعہ)

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشغولی معاشی کے وقت بھی ذکر سے غفلت نہ چاہئے نیز اس طرف بھی کہ ذکر سے معاش میں برکت بھی ہوتی ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ میں فلاح کی یہ تفسیر ہوسکتی ہے۔

㉘ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط (الحشر ۱۹)

اس میں دلالت ہے کہ حقوق نفس ادا کرنے میں ذکر کو دخل ہے۔

㉙ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ (سورۂ ق)

اس سے معلوم ہوا کہ امم سابقہ کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرنے میں بھی ذکر کو دخل ہے۔

۳۰ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ (النساء ۱۰۳)

اس میں اشارہ ہے کہ نماز ادا کر کے اپنے کو ذکر سے فارغ نہ سمجھیں بلکہ ذکر میں برابر مشغول رہیں۔

۳۱ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝۱۲۴ (طٰہٰ)

اس سے اعراض عن الذکر کا موجبِ خسران دارین ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

۳۲ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ (الاعراف ۷۴)

۳۳ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (الاعراف ۷۴)

۳۴ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ط (ابراھیم ۵)

۳۵ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶ (الانفال)

ان آیات میں نعمتِ دنیویہ یاد دلائی ہیں۔

۳۶ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا لا (الاعراف ۵۱)

اس میں یومِ قیامت کو کہ یومِ ثواب وعقاب ہے یاد دلایا ہے۔

۳۷ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ (ص)

اس میں بھی یومِ حساب کے یاد نہ رکھنے پر وعید فرمائی ہے۔

۳۸ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا لا (الاعراف ۵۱)

اس میں یوم اللقاء کو یاد دلایا ہے۔ (مزید برآں) ذکر کی کوئی حد نہیں حالانکہ نماز

کے واسطے ایک حد ہے کہ اوقاتِ مکروہ میں حرام ہے۔ روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایام خمسہ میں حرام ہے۔ زکوٰۃ وصدقہ کے واسطے حد ہے کہ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنٰی کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے۔ مثلاً فرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لئے حجِ نفل جائز نہیں جس کے اہل وعیال کے حقوق ضائع ہوں۔ مگر ذکرِ حقیقی کے لئے کوئی حد نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے كَانَ يَذْكُرُ اللهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور اس کا غیر محدود ہونا یہاں تک ہے کہ بیت الخلاء میں زبان سے ذکر کرنا گو ممنوع ہے کیوں کہ زبان بیت الخلاء میں ہے مگر دل سے اللہ کو یاد کرنا، کہ وہی ذکر حقیقی ہے۔ ممنوع نہیں کیوں کہ قلب بیت الخلاء میں نہیں اور یہاں سے صوفیہ کے اس قول کی ایک لطیف تائید ہوتی ہے کہ لطیفہ قلب جسم سے باہر ہے وہ دوسرے عالم میں ہے اسی واسطے پاخانہ میں ذکر قلبی ممنوع نہیں کیونکہ قلب یہاں نہیں ہے، اور اگر کوئی اس تحقیق کو نہ سمجھے یا نہ مانے تو وہ یوں کہے کہ قلب ذاکر مثل تعویذ ملفوف کے ہے اور تعویذ ملفوف پاخانہ میں لے جانا جائز ہے۔ اور گو زبان بھی ملفوف ہے۔ مگر زبان سے ذکر جبھی ہو سکتا ہے جبکہ لبوں اور دانتوں کو حرکت ہو۔ اور جب لب و دندان کو حرکت ہوگی تو زبان مستور نہ رہے گی مکشوف ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص بدوں لب و دندان کی حرکت کے پاخانہ میں اس طرح ذکر لسانی کرے کہ زبان مکشوف نہ ہو تو یہ صورت جائز ہے۔ مگر وہ ذکر ہی نہیں۔ کیوں کہ ذکر و تلاوت کے لئے تصحیح حروف ضروری ہے۔ اور بعض کے نزدیک سماع صوت بھی لازم ہے اور اس کے لئے کشف لسان لازم ہے اور بغیر اس کے جو ذکر ہوگا۔ وہ حکماً ذکر ہے نہ حقیقتاً۔

طریق الی اللہ کا خلاصہ

خلاصہ طریق الی اللہ کا کل دو چیزیں ہیں۔ طاعت اور ذکر، معصیت سے طاعت فوت ہوجاتی ہے اور غفلت سے ذکر مختل ہوجاتا ہے۔ اسلئے اپنا اصلی کام طاعت و ذکر پر دوام رکھنے اور معصیت سے بچنے کو سمجھے (اور شریعت کے تمام احکام کو بجالائے) کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو احکام کے واسطے ہی سے ہوگی پس ذکر اللہ کے مختلف مراتب ہیں۔ اسی واسطے مشائخ نے ذکر میں تدریجی رفتار رکھی ہے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہؒ تو ذکر لسانی میں بھی تدریج اختیار کرتے ہیں کہ بارہ تسبیح میں اول لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم ہے۔ یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیوں کہ اس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں تو اس کو چاہئے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے تیغ لا سے نفی کرے۔ جب ان کی نفی ہوگی اور دل اغیار سے خالی ہوگیا تو صرف ذکر اثبات الا اللہ بتلاتے ہیں۔ جس میں محض ذاتِ حق پر توجہ ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے۔ اس لئے بعضے مشائخ اس کے بعد ذکر ھو ھو کی تعلیم کرتے ہیں۔ جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے۔ اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ (واللہ اعلم) (شریعت وطریقت: ۲۵۹ تا ۲۶۷)

⑤ اَلثِّقَةُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی کَنْزِیْ

اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا میرا خزانہ ہے

اس دارِ فانی میں اعتماد و بھروسہ سے باہم انسانی امور اور کام ہوتے ہیں اگر وثوق واعتماد نہ ہو تو زندگی تلخ اور کرب و بے چینی کا شکار ہوجاتی ہے انسان انسان پر اعتماد کرتا ہے اور جانور بھی ہم جنس جانور پر اعتماد کرتا ہے۔ جنگل کے سبھی جانور پھاڑ کھانے والے جانور سے بھاگتے ہیں اور اعتماد نہیں کرسکتے۔ اور اگر کرلیں تو خود کی زندگی ان کی تباہ

و برباد ہو جاتی ہے اب تو انسان بھی درندگی اور معیار انسانیت سے نیچے آ گیا یہ ایک المیہ ہے، تاہم ابھی بھی اکثیریت انسانوں کی انسانیت سے پُر امید اور اعتماد و بھروسہ رکھتی اور اعتماد کرتی ہے۔

رب العزت کی ہر صفات اور تمام کمالات جو اس نے اپنی ذات وصفات کے بارے میں انبیاء ورمرسلین۔ اور آسمانی کتابوں اور اپنے کلامِ الٰہی میں اطلاع دی اور ہمیں آگاہ کیا ہے وہ سب کی سب حق اور سچ ہیں اور وہ تمام صفات بروز قیامت جزاء وسزاء کی شکل میں ظاہر ہوں گی اور بدرجہ اتم واکمل، اہل ایمان پر خوب سے خوب تر بڑھ چڑھ کر فضل ونعم کے ساتھ ہوں گی اور غیروں کو عدل وانصاف کے ساتھ سزا ملے گی۔

ہمارا ایمان اور دین واسلام اور شریعت ہمیں پر یقین اور پُر اعتماد بنانا چاہتی ہے کہ دیکھو حق تعالیٰ کے وعدوں کا یقین آنکھ سے دیکھی ہوئی چیزوں سے زیادہ رکھو۔ کان سے سنی ہوئی باتوں سے زیادہ وثوق رکھو۔ آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے اور کان غلط سن سکتا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے جو خبر غیب سے دی ہے وہ حرف بحرف صحیح وسچ ہی سچ ہیں۔ وہ خود حق ہے اور حق ہی کی خبر دیتے ہیں اور اُن کا ہر وعدہ ہر وعید، ہر اطلاع مبنی پر حق وصداقت ہے قرآن وحدیث نے جو حقیقت عالم غیب کی بتلائی اس پر اعتماد ویقین مومن کا خزانہ ہے اور پھر ذات باری تعالیٰ تو منبع ومبدأ ہیں خزانہ کے تو ان کی ذات پر اعتماد کرنا ایسا خزانہ ہے جس میں تمام تر ہدایت وسعادت، رحمت ومغفرت اور دنیا وآخرت کی عافیت وراحت اور سکون وطمانیت کی ضمانت پوشیدہ ہے۔

اھل ایمان کو یہ نعمت جو ملی ہے کہ حق جل مجدہ کی ذات پر اعتماد ووثوق حاصل ہے یہی وہ مایہ ایمان اور جوہرِ ایقان ہے جو دنیاوی تمام کلفتوں اور صعوبتوں کو خوشیوں اور

خوبیوں کے عالم میں حق کے وعدوں پر اعتماد کے ساتھ ذوق وشوق سے بارگاہ بے نیاز کی جناب کی ملاقات پر امادہ کرتی ہے اور منزل کو قریب کر دیتی ہے، اور آخرت کا سفر خوبی وخوشی کے ساتھ طے ہوجاتا ہے۔ اسی لئے وہاں عالمِ آخرت میں پہنچ کر سوال کریں گے: **فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا**؟ تو وہ جن کو اللہ کے وعیدوں پر یقین واعتماد نہ تھا جواب میں۔ کہیں گے **نعم**۔ ہاں...... پھر انجام کی اطلاع دی گئی ہے۔ لہٰذا مومن کا خزانہ اللہ کے وعدوں پر یقین واعتماد اور وثوق ہی تو ہے۔ کہ خواب گاہوں سے رات کی تاریکیوں میں نرم وگرم بستر ے کو چھوڑ کر۔ آہ وبکاء گریہ درازی۔ قیام وقعود، رکوع وسجود، تفرع والحاح، دعاء ومناجات سے رب کو منانے میں تن کو کھپاتے ہیں۔ رب نے بھی کیا خوبصورت تعبیر میں ان کو تسلی وتشفی دی ہے۔

ترجمہ: ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاددلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے، اور ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔ (سجدہ آیت۔ ۱۵، ۱۶، ۱۷)

حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ اعتماد ویقین کی قوت ہی غیبی تمام وعدوں سے مومن کا مضبوط رشتہ جوڑتی ہے اور اعمالِ صالحہ اور طاعات وقربات کو سھل وآسان بناتی ہے بخاری شریف میں روایت ہے کہ حق تعالیٰ

اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ہی اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی عظیم نعمت ہے کہ بندہ کا خزانہ اعتماد علی اللہ ہو، اعتماد وہی کرسکتا ہے اور کرتا ہے جس کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے خوب مضبوط و مستحکم ہو، عبادت و اطاعت سے عبدیت و عبودیت کی راہ ہر لمحہ حضورِ حق کا حاضر باش ہو۔ حق تعالیٰ بندہ کے اچھے گمان و اعتماد کو وجود کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔ اگر خیر و بھلائی کی امید ذا المعروف سے وابستہ کئے ہوا ہے تو وہ جو اَعَزُّ الْاَکْرَامُ ہے۔ رحم و کرم کی شان کا اُس بندہ پر افاضہ کر دیتا ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، کا یہی مفہوم ہے۔ مسلم

اور دوسری حدیث کی کتابوں میں دو اشخاص کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے ایک عابد اور دوسرے گنہگار کا، عابد اپنے عبادت و اطاعت پر غن کرتا تھا اور گنہگار کا اعتماد و حسن ظن اللہ رحمن و رحیم پر تھا۔ ایک روز عابد نے غن میں آ کر کہہ دیا۔ کہ اللہ تمہاری مغفرت نہیں کرے گا۔ یہ بات اللہ رحمن و رحیم کو ناگوار و ناپسند آئی کہ اُس نے حق تعالیٰ کی قدرت میں دخیل بن کر ایسی بات کہی جو کسی غیر اللہ کو اس کا حق نہیں، عابد۔ جہنم رسید ہوا، اور گنہگار (سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو گناہ سے باز کیوں نہیں آتا تھا۔ تو اس نے جواب دیا، یا رحمن و رحیم میری نگاہ گناہ پر نہیں مجھے تو تیری) رحمت و مغفرت پر اعتماد و حسن ظن اور کامل یقین تھا) بالآخر اللہ رحمن و رحیم نے اپنی رحمت سے مغفرت کر دی تفصیل۔ (حق جل مجدہ کی باتیں۔ رقم ۶۵۷ / ۴۸۱)

اور تجلیات قدسیہ حدیث ۲۷۸ دیکھیں۔ الاحادیث القدسیہ رقم الحدیث ۳۴ / ۳۵ دیکھیں۔ حاصل کلام یہ کہ مومن کو محض اللہ تعالیٰ پر ہی جملہ امور دنیا و آخرت میں اعتماد و وثوق رکھنا چاہیے۔ مناجات میں بھی ملتا ہے۔

حَتّٰی اَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّهَا وَحُسْنِ ظَنِّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقُ النُّوْرِ۔

اور بھروسہ کروں تجھ پر تمام کاموں میں اور مانگتا ہوں نیک گمان کو تیرے ساتھ پاک ہے پیدا کرنے والا نور کا۔ (الحزب الاعظم)

حزن میرا ساتھی ہے

٦ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ۔ اور حزن میرا ساتھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ (توبہ)

تو وہ اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں، کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔

شمائل ترمذی میں خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت میں وارد ہے:

کان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل غمگین رہتے تھے۔

دَائِمَ الْفِكْرِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔

لَيْسَ لَهٗ رَاحَةٌ۔ کسی گھڑی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چین نہیں آتا تھا۔ شمائل حبیب ۷۸۔

حزن کی تعریف

الحزن: تَوَجُّعٌ لِغَائِبٍ اَوْ تَاَسُّفٌ عَلٰی مُمْتَنِعٍ تَوَجُّعٌ لِغَائِبٍ۔ ای تَاَلُّمٌ لِمَطْلُوْبٍ غَائِبٍ عَنْهُ۔

غائب کے لئے رنجیدہ رہنا۔ یعنی اپنے مطلوب کے رنج والم میں کھو جانا جو اس سے اوجھل ہے۔

اَوْ تَاَسَفَ عَلٰی مُمْتَنِعٍ۔ اَیْ عَلٰی اَیَّامِ عُمْرِهٖ الَّتِیْ مَضَتْ بِلَا عَمَلٍ اَمْتَنِعَ رَدَّهَا۔ (منازل السائرین ۹۲)

اور افسوس کرنا ممتنع پر۔ یعنی زندگی کے وہ ایام جو بلاعمل گزر چکے اس پر افسوس کرنا کہ اب وہ وقت واپس نہیں آسکتا اس کو حزن وملال کہا جاتا ہے۔

اھل جنت کو حزن وملال نہ ہوگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حزن دائمی ساتھی تھا اور اس کے اسباب خارجی تھے جو آپ کو بر بنائے رحمت تھے۔

خوف وخشیت اور وجل ورھبت اور حزن کی تعریف وفرق

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں پانچ لفظ استعمال ہوئے ہیں اور محدثین نے ان کو بہت ہی باریک ولطیف فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علاّمہ ابن حجر ہیثمیؒ نے شرح الشمائل میں لکھا کہ یہ چار لفظ قریب المعنیٰ ہیں اور ان کے معانی آپس میں ملتے جلتے ہیں اور علماء نے بہت ہی باریک فرق بیان کیا ہے۔ اور حزن ایک دوسری چیز ہے۔

① خوف

میں عقوبت وسزاء جان پر واقع ہونے کا خطرہ وامکان ہوتا ہے اور بندہ کے دل میں جس سے ڈر رہا ہے اس کی جانب سے دل میں ایک اضطراب وبے چینی کی کیفیت سما جاتی ہے۔ یہ بھی بعض نے کہا کہ خوف میں نقل وحرکت ہونے لگتی ہے۔ جیسے ایک آدمی اپنے دشمن کو دیکھ کر بھاگنے یا بچنے اور چھپنے کی تدبیر کرتا ہے اور ظاہری اور حسی طور پر محسوس ہوجاتا ہے کہ بندہ ڈر رہا ہے اس کو خوف کہتے ہیں۔

② خشیت

میں جو ڈر ہوتا ہے وہ سامنے والے کی عظمت ومعرفت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں دل کو سکون قرار کی کیفیت نصیب ہوتی ہے مومن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت انگ انگ میں پیوست ہے وہ دل سے ڈرتا ہے کہ میرا مالک ومعبود۔ میرا مسجود مجھ سے ناراض نہ ہوجائے اور وہ دیدہ باطن میں رب العزت کی محبت کی پاسداری میں

ناراضگی سے بچنے کے لئے اغیار کی آمیزش سے ڈرتا ہے گناہ و معصیت سے بچتا ہے۔
جلوت کی حالت سے زیادہ خلوت و گوشہ نشینی میں غفلت سے ظاہر و باطن کو بچاتا ہے اس کا نام خشیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (فاطر:۲۸)

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔
(یعنی اگر علم عظمت کا محض اعتقادی اور عقلی ہے تو یہ خشیت بھی اعتقادی عقلی رہے گی اور اگر علم عظمت درجہ حال تک پہنچ گیا ہے تو خشیت بھی درجہ حال کی ہوگی کہ اس کے خلاف سے طبعی نفرت و تکلیف ہونے لگے گی) نیز علم و معرفت کے بقدر ہیبت و خشیتِ باری تعالیٰ کا رسوخ و ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا اَتْقَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَشَدُّکُمْ لَہٗ خَشْیَۃً۔

میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اختیار کرنے والا ہوں۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کس کو معرفت ہو سکتی ہے اس لئے آپ معرفتِ الٰہیہ کے ختم نبوت کے مقام پر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقویٰ اور خشیت تمام امت کے متقیوں اور اھل خشیت کے مقام میں زیادہ تھی۔ بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ بروز قیامت امت کے تمام اھل تقویٰ اور اھل خشیت کا تقویٰ و خشیت بھی جمع کر دیا جائے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقویٰ و خشیت امت کے تقویٰ و خشیت پر غالب و اغلب ہوگا۔ اور ایک کو جو بحر بیکراں سے نسبت ہوتی ہے ایک امت کا ہوگا اور بحر ناپیدا کنار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہوگا۔ اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ

بروزِ محشر خاتم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقویٰ اور خشیت تمام خلائق کے مقابلہ میں مقامِ خاتمیت پر ہوگا۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس نبی پر جس پر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ والسلام بھیجا۔

وجل کی تعریف وکیفیت

③ اَلْوَجَل: گھبرانا۔ ڈرنا۔ خوف کھانا۔ خَفْقَانِ الْقَلْبِ عِنْدَ ذِكْرِ مَنْ يَخَافُ سَطْوَتُهُ۔

حق جل مجدہ کی سطوت وجبروت کا جب تذکرہ ہو تو دل کا دھڑکنا۔ رب العزت کی عظمت ومحبت کی ھیبت میں کانپ اٹھنا، جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو ان پر ایک عظمت وھیبت کی کیفیت چھا جاتی ہے اور لرزہ تاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال:۲)

ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔

② اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الحج:۳۵)

وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جائیں اُن کے دل۔ (شیخ الہندؒ)

③ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ (المومنون)

اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (شیخ الہندؒ)

④ یعنی وجل اس خوف اور ڈر کو کہتے ہیں جو دل میں سمایا ہو یا دل میں عظمت ومحبت کی پاسداری میں بیٹھ جائے اور بندہ لاکھ چھپانا چاہے مگر وہ چھپ نہ سکے اور عبادت واطاعت، حمد وثنا، استغفار وانابت سے ظاہر ہو ہی جائے۔ ورنہ بندہ محض نام باری تعالیٰ سن کر کیوں ڈرے گا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل پر اللہ کے نام کی تجلی کا عکس پر چکا

ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور سطوت وہیبت اپنا ایسا رنگ چڑھا چکی ہے کہ بندہ چاہ کر بھی چھپا نہیں سکتا اور اب قال سے حال کی طرف رواں دواں ہو چکا ہے۔ہم نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ اللہ کا مبارک نام آتے ہی جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گیا۔تھوڑی دیر کے لئے ہم تو انکے پاس ہوتے مگر وہ کہیں اور ہوتے الغرض وجل میں خوف وڈر کو بندہ چاہ کر بھی چھپا نہیں پاتا۔اور ضبط نہ کر سکے، اور حق جل مجدہ کی جانب سے وارد پر قابو نہ پاسکے آثار سے نمایاں ہو جائے کہ بندہ کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خوف، محبت کی نمائندگی کر رہا ہے۔(واللہ اعلم)

رہبت کی تعریف

④ وَالرَّهْبَةُ: اَلْاِمْعَانُ فِي الْهَرْبِ مِنَ الْمَكْرُوْهِ

ناپسندیدہ ومکروہ سے بچنے کی تدبیر میں ہمہ تن کوشش کرنا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۹۰ (الانبیاء)

اور وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز۔

يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا - وہ رغبت وخوف یعنی راحت اور تکلیف کی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی عبادت ودعا کے وقت امید وبیم دونوں کے درمیان رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے قبول وثواب کی امید بھی رہتی ہے اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے خوف بھی۔

(قرطبی۔معارف القرآن۔٦/ ٢٢٥)

ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے: عنوان- بَابُ سَوَالِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا فِيْ اُمَّتِهٖ کے تحت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد بنو معاویہ میں دو نفلیں پڑھیں اور لمبی

دعافرمائی۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آج آپ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جوآپ نہیں پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ رغبت ورہبت والی نماز ہے۔یعنی اور نمازیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں جن سے مقصود بندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار ہوتا ہے مگر میں نے یہ نماز رغبت ورہبت والی پڑھی ہے۔میں نے اس نماز میں کچھ دعائیں مانگی ہیں یہ امید باندھ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں،اور اس ڈر کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہ فرمائیں۔(اس طرح اس نماز میں رغبت ورہبت دونوں جمع ہوگئے)۔الخ (حدیث نمبر:۲۱۷۲)

حدیث کے الفاظ ہیں: اِنَّھَا صَلاۃُ رَغْبَۃٍ وَرَھْبَۃٍ

رغبت میں جس قدر شوق ہوتا ہے،رہبت میں اتنا ہی خوف ہوتا ہے۔

ایک لفظ ہیبت بھی بولا جاتا ہے۔جس کی تعریف ہے **تعظیم مقرون بالحب** تو خوف عوام کیلئے ہے یا اس میں عموم ہے اور **خشیۃ** علماء عارفین کیلئے ہے،اور **الھیبۃ** محبین کیلئے ہے، **وَالْاِجْلَال** مقربین کیلئے ہے،اور علم ومعرفت کے بقدر انسان پر **اَلْھَیْبَۃُ** اور **اَلْخَشْیَۃُ** ہوتی ہے۔ (الفتوحات الربانیہ:۳/۲۶۹)

حزن کیا ہے؟

حزن عربی کا لفظ ہے،جس کا ترجمہ غم،دکھ،افسوس،ملال،رنج یہ سب الفاظ حزن کے لئے بولے جاتے ہیں۔عربی میں علامہ ھرویؒ نے جو لکھا ہے وہ تعریف بہت ہی پیاری ہے۔حزن بندوں کے ساتھ لگا ہوا ہے،حزن سے خالی اس زمین پر کوئی بھی فرد نہیں۔خواہ وہ ملال وافسوس فانی کے فوت ہونے کا ہو یا حاصل نہ ہونے پر ہو۔

دنیاوی حزن وملال آخرت کی کلید ہے

دنیا میں تو حزن مُلال،اھل ایمان کو ہر لمحہ ہر آن ہر گھڑی لگا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کی

عبادت واطاعت نہ ہوسکی، اگر ہوئی بھی تو عبادت کا حق اور معرفت واحسان سے نہ ہوسکی، بارگاہِ رب العزت کے شایان شان نہ ہوسکی جب نبی خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی یہ فرمادیا کہ:

سُبْحَانَکَ مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَمَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

اے اللہ تو پاک و بے نیاز ہے ہم آپ کو جو پہچاننے کا حق تھا نہ پہچان سکے اور جو آپ کی عبادت کا حق تھا ایسی عبادت نہ کرسکے۔ اے اللہ آپ کی تعریف وثناء جو آپ نے خود اپنی ذات کے لئے کیا ہے ویسی ہم سے ادا نہ ہوسکی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو صفت آئی ہے کہ طویل الاحزان۔ وہ اسی قسم کا حزن وملال تھا۔ یا امت کا غم لاحق تھا۔ اعداء اسلام واعداءِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آقا کو مختلف طرح سے اذیت دیتے اور ستاتے؛ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ م (یٰسین:۷۶)

اے محبوب ان کی بات سے آپ کا دل غم زدہ نہ ہوا۔

اہل جنت جب فضل باری سے جنت کے باغ و بہشت میں پہنچ جائیں گے تو بول پڑیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط (فاطر۔ ۳۴)

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (رنج وغم) دور کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی خبر دی ہے کہ وہاں حزن وملال نہ ہوگا۔

وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ حزن دنیا میں ہے آخرت میں نہیں۔

اہل ایمان کو ہر وقت حزن وملال ہے۔ کچھ اپنا، زیادہ اسلام اور مسلمانوں کا، بد دینی اور نت نئے شر وفساد کا۔ یہی ترقی کا سبب بن جاتا ہے اور ہر وقت امت کا غم اور ملت کا رنج تو سنت نبوی ہے۔ یہ کسی کسی کو ملتا ہے۔

علم میرا ہتھیار ہے

⑦ وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ۔ علم میرا ہتھیار ہے۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کمالات تو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر ہیں۔ اور تا قیامت رہیں گے، ان کو اپنوں کے سواء غیروں نے بھی تسلیم کئے ہیں اور کتابوں میں مکتوب ومحفوظ ہیں۔ اُن کمالات میں جو سب سے روشن اور واضح کمال ہے وہ ہے آپ کا علم ودانش، اور عالم معاد کی تفصیلات سے انسانیت کو روشناس کرانا، او روادی ظلمات سے نکال کر عالم آخرت کی تجلیات وانوارات سے سیراب کرنا، انسانیت اپنے معبود کی عبادت سے محرومیت کے سبب عقاب وعذاب کی مستحق بن چکی تھی۔ علّام الغیوب حق جل مجدہ نے محض اپنے فضل وکرم سے خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علوم کے خزانے عطاء کئے۔ اور نبوت ورسالت کیا ہے، وہ ایک ایسا علم ہے کہ فرش پر عرش سے علم کو اخذ کر کے مخلوقات کو رُشد وہدایت اور مرضیات باری تعالیٰ سے باخبر کرتا ہے، الٰہیات کی نشاندہی کرتا ہے انسانیت کے اعمالِ خیر وشر پر نزولِ رحمت ولعنت کی اطلاع سے امت کو خیر وبھلائی پر استقامت اور شر وبرائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ حق وباطل کے التباس وآمیزش سے امتیاز وافتراق کی نمایاں شان عطا کرتا ہے۔ ان تمام امور کی انجام دہی علم نبوت اور منصب رسالت وخاتمیت سے ہوتی ہے۔ اور علومِ نبوت باطل وناحق کا دفاع کرتی ہے اور الٰہیات وربّانیت کی حفاظت کرتی ہے۔ حلال وحرام کی تمیز،

پاک وناپاک کا شعور، خبیث وطیب کا فرق۔ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علوم کا خزانہ ملا تھا اور اس خزانہ کی صداقت پر قرآن مجید کی ہر آیت شہادت ہے۔

کمالاتِ علوم نبوت

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالاتِ علوم نبوت حدِ شمار و بیان سے بھی ماوراء ہیں قرآن مجید کی ہر آیت اور زبان نبوت سے نکلی ہوئی ہر انمول باتیں علوم ربانی کا انکشاف ہیں اور حقیقت وصداقت کی راہ سے رشد وہدایت کی راہ گامزن کرنے والی ہیں۔ نبوت کا اسلحہ وہتھیار تو علوم ربانی ہیں کج فہم وکوتاہ عقل ضد وعناد کی روش اگر اختیار نہ کرتے تو نورِ نبوت کا فیض اتنا عام وتام ہے کہ کوئی محروم نہ رہ سکے، نورِ نبوت پر ایمان نہ لانے والے بھی علوم نبوت کا انکار نہ کرسکے۔ آئندہ اوراق میں آپ اس کی چند مثالیں غور سے پڑھ لیں۔ حق تعالیٰ ہمارے قلوب کو علوم نبوت، نورِ نبوت کے فیض سے فیضیاب فرمائے اور دنیا وآخرت کی ہر سعادت سے نوازے۔ آمین

صحابہ کرام کے مختلف سوالات کا جواب مرحمت فرمانا

۹ ۸ ٦ ١- اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ خَرَجَ حِیْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰی لَھُمْ صَلٰوۃَ الظُّھْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَی الْمِنْبرِ فَذَکَرَ السَّاعَۃَ وَذَکَرَ اَنَّ قَبْلَھَا اُمُوْرًا عِظَاماً ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّسْأَلَنِیْ عَنْ شَیْءٍ فَلْیَسْأَلْنِیْ عَنْہُ فَوَ اللّٰہِ لَا تَسْأَلُوْنَنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ بِہٖ مَادُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ فَاَکْثَرَ النَّاسُ الْبُکَاءَ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِکَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَکْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِي بَرَكَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا قَالَ فسكت رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ عمر ذلک ثُمَّ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عَرَضِ هٰذَا الحَائِطِ فَلَمْ اَرَ كَا الْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدُ اللّٰهِ بن عتبة قال قالت ام عبد اللّٰه بن حذافة لعبد اللّٰه حَذَافَةَ مَا سَمِعْتُ بِابْنٍ قَطُّ اَعَقَّ مِنْكَ اَاَمِنْتَ اَنْ نَكُوْنَ اُمَّكَ قَدْ قَارَفَتْ بَعْضَ مَا تُقَارِفُ نِسَاءُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَفْضَحَهَا عَلَى اَعْيُنِ النَّاسِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ وَاللّٰهِ لَوْ اَلْحَقَنِيْ بِعَبْدٍ اَسْوَدَ لَلَحِقْتُهٗ۔

(رواہ مسلم فی باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم والبخاری فی کتاب الاعتصام)

۱۶۸۹۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد باہر تشریف لائے، لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو چکے تو منبر پر کھڑے ہوئے، اور قیامت کا ذکر چھیڑا، اور اسی ضمن میں بیان فرمایا کہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے، پھر فرمایا جو شخص کسی چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے، وہ مجھ سے دریافت کرے، اللہ کی قسم تم جو بھی مجھ سے سوال کرو گے میں تم کو اس کا جواب دوں گا، مگر اس وقت تک جب تک میں اس جگہ موجود ہوں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو بہت روئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ جملہ فرما رہے تھے، تم پوچھو، آخر عبد اللہؓ

بن حذافہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے پوچھا فرمایئے، یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے۔ جواب میں فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، جب اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار فرماتے رہے تم مجھ سے پوچھو تو حضرت عمرؓ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ہم راضی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے اسلام ہمارا دین ہے اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے جب کہ آپ نے حضرت عمرؓ کے یہ کلمات سنے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے ابھی مجھ پر جنت و دوزخ دونوں اس دیوار کی طرف پیش کئے گئے میں نے آج بھلائی اور برائی کا جو منظر دیکھا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے مجھ سے بتایا، انھوں نے کہا کہ عبد اللہ بنؓ حذافہ کی والدہ نے عبد اللہ بن حذافہ سے کہا تجھ جیسی نافرمان اولاد میں نے کبھی نہیں دیکھی، تیرے پاس اس کی کیا ضمانت تھی کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نازیبا حرکت نہ کی ہوگی، اگر ایسا ہوا ہوتا تو تم اس کو تمام لوگوں کے سامنے رسوا کئے ہوتے عبد اللہؓ بن حذافہ نے کہا اللہ کی قسم اگر آپ مجھ کو کسی حبشی غلام کی اولاد قرار دیتے، تو بلا شبہ میں اپنے کو اُسی کے ساتھ منسوب کرتا۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود کے سوالات اور آپ کا جواب دینا

- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَضَرَتْ عَصَابَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ خَلَالٍ نَسْئَلُكَ عَنْهَا لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا نَبِيٌّ فَقَالَ سَلُوْنِيْ عَمَّا شِئْتُمْ وَلٰكِنِ اجْعَلُوْا لِيْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَمَا اَخَذَ يَعْقُوْبُ عَلٰى بَنِيْهِ اِنْ اَنَا حَدَّثْتُكُمْ بِشَيْئٍ تَعْرِفُوْنَهٗ صِدْقًا لَتُتَابِعُوْنِيْ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالُوْا لَكَ ذٰلِكَ قَالَ فَسَلُوْنِيْ مِمَّا شِئْتُمْ قَالُوْا اَخْبِرْنَا عَنْ اَرْبَعِ خِلَالٍ اَخْبِرْنَا عَنِ

الطَّعَامِ الَّذِیْ حَرَّمَ اِسْرَائِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلُ التَّوْرَاةُ وَاَخْبِرْنَا عَنْ مَاءِ الرَّجُلِ کَیْفَ یَکُوْنَ الذَّکَرُ مِنْهُ حَتّٰی یَکُوْنَ ذَکَرًا وَکَیْفَ یَکُوْنُ اُنْثٰی حَتّٰی یَکُوْنُ اُنْثٰی وَاَخْبِرْنَا کَیْفَ هٰذَ النَّبِیُّ الْاُمِیُّ فِی التَّوْرَاتِ وَمَنْ وَّلِیُّهٗ مِنَ الْمَلَائِکَةِ قَالَ فَعَلَیْکُمْ عَهْدُ اللّٰهِ وَمِیْثَاقُهٗ لَئِنْ اَنَا حَدَّثْتُکُم لَتُتَابِعُوْنِیْ فَاَعْطَوْهُ مَاشَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِیْثَاقٍ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اِسْرَائِیْلَ مَرِضَ مَرَضًا شَدِیْدًا طَالَ سَقَبَهٗ فِیْهِ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَاِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقِمِهٖ لیحر مَنْ اَحَبَّ الشَّرَابَ وَاَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْهِ وَکَانَ اَحَبُّ الشَّرَابُ اِلَیْهِ اَلْبَانَ الْاِبِلِ وَاَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْهِ لَحُوْمَ الْاِبِلِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدَ عَلَیْهِمْ فَقَالَ فَاَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ–عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِیْظٌ اَبْیَضُ وَاَنَّ مَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِیْقٌ اَصْفَرُ فَاَیُّهُمَا علا کَانَ الْوَلَدُ وَالشَّبَهُ لَهٗ بِاِذْنِ اللّٰهِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰے هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ هٰذَ االنَّبِیَّ تَنَامُ عَیْنَاهُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُهٗ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ قَالُوْا اَنْتَ الْاٰنَ حَدِّثْنَا مَنْ وَلِیُّکَ مِنَ الْمَلَائِکَةِ فَعِنْدَهَا نُجَامِعُکَ اَوْ نُفَارِقُکَ قَالَ وَلِیِّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا وَهُوَ وَلِیُّهٗ قَالُوْا فَعِنْدَهَا نُفَارِقُکَ وَلَوْکَانَ غَیْرُهٗ لَاتَّبَعْنَاکَ وَصَدَّقْنَاکَ قَالَ فَمَا یَمْنَعُکُمْ اَنْ تُصَدِّقُوْا بِهٖ قَالُوْا اِنَّهٗ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلَائِکَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا

لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِلٰی قَوْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِيْنَ۔ (ابوداؤد طیالسی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دن یہود کی ایک جماعت حاضر ہوئی انھوں نے کہا یارسول اللہ! ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے بیان فرما دیجئے کیوں کہ ان باتوں کا جواب صرف نبی ہی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جن چیزوں کے متعلق چاہو، مجھ سے سوال کرو۔ لیکن تم اس کا عہد کرو کہ اگر میں تم کو ایسا جواب دیدوں جس کی صداقت تم کو بھی تسلیم ہو تو تم اسلام قبول کرلو گے، اور اس بات کا بھی عہد کرو جس کا عہد یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے لیا تھا یعنی یہ کہ تم اللہ کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ گردانو گے۔ ان لوگوں نے کہا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد ہے۔

اب آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو انھوں نے کہا چار باتوں کا جواب دیجئے پہلی یہ کہ وہ کھانا کیا تھا، جس کو توریت کے نزول سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا؟ دوسرے یہ بتایئے کہ مرد کی منی سے جب لڑکا بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے، اور لڑکی بنتی ہے تو کیسے بنتی ہے؟ تیسرے یہ بیان فرمائے کہ تورات میں اس نبی کی علامت کیا بیان کی گئی ہے؟ چوتھے یہ کہ فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولی بنا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنے اوپر اللہ کا یہ عہد لازم کرلو کہ اگر میں نے ان کا جواب دے دیا تو تم لوگ اسلام کے باب میں میری پیروی کرو گے، اس پر انھوں نے وعدے کئے؛ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ میں تم کو اس اللہ پاک کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی تھی، کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل جب سخت بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا تو انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی تو وہ اپنے اوپر کھانے پینے کی اس چیز کو حرام کرلیں گے جو سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگی، پینے کی چیزوں میں ان کو سب سے زیادہ پسند اونٹ کا دودھ تھا، اور کھانے میں اونٹ کا گوشت (بعد صحت انھوں نے ایسا ہی کیا) یہ جواب سن کر یہود نے کہا اے اللہ بے شک یہی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی، کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی زرد پتلی، ان میں جو غالب ہوتی ہے، بچہ اللہ کے حکم سے اسی کے مشابہ ہوتا ہے، یہ سن کر یہود بول اٹھے، اے اللہ بات بے شک یہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور جس نے تورات اتاری، کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے، انھوں نے کہا بے شک یہی بات ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہ، یہود نے کہا اب آپ یہ بیان فرمائیں کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رفیقِ کار ہے؟ اس کے بعد یا تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ یہ ہمارا آخری سوال ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے ولی اور رفیق کار جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کسی نبی کو بھیجا یہی اس کے ولی اور رفیق ہوئے، یہود نے کہا بس اسی بات پر ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں، اگر ان کے سوا کوئی اور فرشتہ آپ کا رفیق ہوتا، تو بلا شبہ ہم آپ کی پیروی کر لیتے، اور آپ کی تصدیق کرتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کی تصدیق کرنے سے تم کو کیا چیز روکتی ہے؟ انھوں نے کہا فرشتوں میں یہ ہمارے دشمن ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

(سورۃ البقرہ)، (ابوداؤد طیالسی)

فائدہ: اس حدیث میں ان سوالات کے جوابات ہیں جو یہود کی طرف سے کئے گئے ہیں جوابات میں کوئی گنجلک نہیں ہے نہ کوئی رورعایت ہے۔ بے کم وکاست جو کچھ صحیح جواب ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دیا ہے اور ان یہود نے سب کی خود تصدیق کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے ہیں وہ بالکل

درست اور صحیح ہیں، بات جہاں آکر یہود کے خلاف ہوتی ہے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے، انھوں نے یہاں پہنچ کر اپنی دشمنی کا اظہار کیا، کہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حق بات کے سلسلے میں یہود سے کوئی ایسی بات پسند نہیں فرمائی جس سے وہ محسوس کریں کہ حق گوئی اور حق پر جمے رہنے میں ہماری رعایت کی گئی۔ اللہ کے دوست و دشمن میں میل ملاپ کی کوئی بات تک زبان پر لانا گوارا نہ ہوئی۔

(رواہ ابوداؤد الطیاسی)

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود کا روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب

-عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَینَمَا اَنَا اَمْشِیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ حَرْثٍ اَوْ خِرَبِ الْمَدِیْنَۃِ وَھُوَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی عَسِیْبٍ مَعَہٗ فَمَرَرْنَا عَلٰی نَفَرٍ مِنَ الْیَھُوْدِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْہُ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لَا تَسْأَلُوْہُ اَنْ یَجِیْءَ فِیْہِ بِشَیْءٍ تَکْرَھُوْنَہٗ فَقَالَ بَعْضُھُمْ وَلَنَسْأَلَنَّہٗ فَقَامَ اِلَیْہِ رَجُلٌ مِّنْھُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَکَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ یُوْحٰی اِلَیْہِ فَقَالَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے بعض کھیت یا ویرانے میں چل رہا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ایک شاخ پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں ہم یہود کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے، ان میں سے بعض نے اپنے بعض سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرو، بعض نے کہا مت پوچھو کہیں ایسا نہ کہ اس کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہو جائے جس کو تم ناگوار سمجھو بعض نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے

ایک شخص کھڑا ہوا، اور اس نے کہا کہ اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) روح کیا ہے؟ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے، مجھے معلوم ہوگیا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہوگی، پھر ان کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، **یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ** یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور جو کچھ ان کو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ (بخاری)

علمائے یہود سے معلوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اھل مکہ کا سوال کرنا اور جواب پانا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَتْ قُرَيْشُ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وُعُقْبَةَ بْنَ اَبِيْ مُعِيْطٍ اِلٰى اَحْبَارِ يَهُوْدَ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالُوْا لَهُمْ اَسْأَلُوْهُمْ عَنْ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) وَصِفُوْا لَهُمْ صِفَتَهٗ وَاَخْبِرُوْهُمْ بِقَوْلِهٖ فَاِنَّهُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَعِنْدَهُمْ عِلْمٌ مَالَيْسَ عِنْدَنَا مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِيَاءِ فَخَرَجَا حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلُوْا اَحْبَارَ يَهُوْدَ وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَصَفُوْا لَهُمْ اَمْرَهٗ وَبَعْضَ قَوْلِهٖ وَقَالَا اِنَّكُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ وَقَدْ جِئْنَاكُمْ لِتُخْبِرُوْنَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا قَالَ فَقَالَتْ لَهُمْ اَحْبَارُ يَهُوْدَ سَلُوْهُ عَنْ ثَلَاثٍ فَاَمُرُكُمْ بِهِنَّ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِهِنَّ فَهُوَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَّاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَالرَّجُلُ مُتَقَوِّلٌ فَرَوْا فِيْهِ رَاْيَكُمْ سَلُوْهُ عَنْ فِتْيَةٍ ذَهَبُوْا فِي الدَّهْرِ الْاَوَّلِ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهِمْ فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ لَهُمْ حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ وَسَلُوْهُ عَنْ رَجُلٍ طَوَّافٍ بَلَغَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا مَا كَانَ نَبَأَهٗ وَسَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ مَاهُوَ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِذَالِكَ فَاِنَّهٗ نَبِيٌّ فَاتَّبِعُوْهُ وَاِنْ هُوَ لَمْ يَفْعَلْ فَهُوَ رَجُلٌ

مُتَقَوِّلٌ فاصنعُوا فِی اَمْرِہٖ مَا بَدَالکُمْ فَاَقْبَلَ النَّضْرُ وَ عُقْبَۃُ حَتّٰی قَدِ مَا مَکَّۃَ عَلٰی قُرَیْشٍ فَقَالَا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ قَدْ جِئْنَا کُمْ بِفَصْلٍ مَّا بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قَدْ اَمَرَنَا اَحْبَارُ یَھُوْدَ اَنْ نَسْأَلَہٗ عَنْ اُمُوْرٍ فَاَخْبَرُوْاھُمْ بِھَا فَجَاءُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فقال یَا مُحَمَّد خَبِّرْوُنا فنساء لوھ عمّامر وھم بہ فقال لھم رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُکُمْ وَجَاءَ جِبْرَئِیْلُ مِنَ اللّٰہِ بِسُوْرَۃِ الْکَھْفِ فِیْھَا خَبَرَ فاسَأَلُوْہُ عَنْہُ مِنْ اَمْرِ الْفِتْیَۃِ وَالرَّجُلِ الطَّوَّافِ وَقَوْلِ اللّٰہِ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ۔۔۔ الخ۔ (ذکر بہ محمد بن اسحق کما فی الجواب الصحیح - ترجمان السنہ ج ۴ ص ۴۸۱ و ۴۸۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں، کہ قریش نے نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابو معیط کو مدینہ منورہ یہودی علماء کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان علماء سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بارے میں پوچھو، اور ان سے ان کا حال بتاؤ اور ان کو یہ بھی بتاؤ کہ وہ ہم کو قرآن سناتے ہیں، اس لئے وہ لوگ پہلی کتابوں کے جاننے والے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو علم حاصل ہے وہ ہمیں حاصل نہیں، چنانچہ وہ دونوں چل کر مدینہ منورہ آئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باب میں علماء یہود سے پوچھا، ان علماء یہود سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات بھی بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض اقوال بھی نقل کئے انھوں نے علماء یہود سے پوچھا، ان علماء یہود سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات بھی بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض اقوال بھی نقل کئے انھوں نے علماء یہود سے کہا کہ آپ حضرات تورات کے عالم ہیں، ہم اسی واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہم سے ہمارے اس ہم وطن کے متعلق بیان کریں علماء یہود نے ان سے کہا کہ تم جا کر (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے) تین باتیں پوچھو، اگر وہ یہ باتیں بتا دیں تو بے شک وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اور اگر نہ بتائیں تو سمجھنا کوئی

افترا پرداز آدمی ہے۔ پھر جو سلوک تم مناسب سمجھنا کرنا۔

① ان جوانوں کے بارے میں پوچھنا جو پہلے زمانہ میں اپنے شہر سے باہر چلے گئے تھے، کہ ان کا معاملہ کیا ہے؟ کیوں کہ ان کا قصہ عجیب قصہ ہے۔

② اور پھر تم اس آدمی کے متعلق سوال کرنا جس نے زمین کے مشرق و مغرب حصے کی سیاحت کی تھی، کہ ان کا واقعہ کیا ہے۔

③ تیسرا سوال روح کے متعلق کرنا کہ وہ کیا ہے اگر وہ ان چیزوں کے متعلق بتا دیں تو بلاشبہ وہ نبی ہیں، ان کی پیروی کرنا اور اگر وہ یہ نہ بتا سکیں تو سمجھ لینا کہ وہ ایک بات بتانے والے آدمی ہیں، پھر ان کے ساتھ جو سلوک چاہنا کرنا، نضر اور عقبہ علماء یہود کی یہ باتیں سن کر مکّہ مکرمہ واپس ہوئے اور یہاں پہنچ کر کہا، اے قریش! ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات لے کر واپس ہوئے ہیں، جو تمہارے اور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہے علماء یہود نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند باتیں پوچھیں پھر انھوں نے اس کی تفصیل بیان کی چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں آپ ان باتوں کے متعلق بتائیں، پھر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سوالات کئے جن کا علماء یہود نے ان کو حکم دیا تھا، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں انکا جواب دے رہا ہوں، اور اتنے میں جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں ان جوانوں کا اور اس سیاح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ" الخ

(الجواب الصحیح ترجمان السنہ ج ۴ ص ۴۸۱ و ۴۸۷)

فائدہ: قریش کے سنجیدہ افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت معلوم کرنے کے لئے باضابطہ علماء و یہود کے پاس اپنے نمائندے بھیجے کہ وہ جا کر ان سے نبوت کی علامت پر گفتگو کریں جن سے خود اپنی تشفی ہو سکے اور کوئی ذہنی خلفشار باقی نہ رہنے پائے، چنانچہ وہ آکر اپنے بیاں میں کہتے ہیں کہ ہم فیصلہ کن باتیں لے کر آئے ہیں، اور

پھر وہ خدمت نبوی میں ان سوالات کو لے کر حاضر ہوتے ہیں، اور سوال کرتے ہیں، جواب میں وحی کا نزول ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے جوابات بیان کرتے ہیں اور وہ اس سے مطمئن ہو کر واپس ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی سرعت اشاعت میں ان چیزوں کو بڑا دخل ہے۔ سمجھدار طبقہ جن میں ضد نہیں تھی ان کے دلوں میں یہ بات پہلے جا گزیں ہو چکی تھی کہ یہ سچے نبی ہیں، کیوں کہ وہ ہر پہلو سے جانچ چکے تھے دیکھ چکے تھے اور اطمینان حاصل کر چکے تھے۔

علم نبوت کے ہتھیار نے حق و باطل کے اشتباہ کو ختم کر دیا

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْکُثُ اَبُو الدَّجَّالِ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مُنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَوَیْہِ فَقَالَ اَبُوْہُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَاَنَّ اَنْفَہٗ مِنْقَارٌ وَاُمُّہٗ اِمْرَاَۃٌ فِرْضَاخِیَّۃٌ طَوِیْلَۃُ الثَّدْیَیْنِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرَۃَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِی الْیَھُوْدِ بِالْمَدِیْنَۃِ فَذَھَبْتُ اَنَا وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبَوَیْہِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھِمَا فَقُلْنَا ھَلْ لَّکُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَکَثْنَا ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِھِمَا فَاِذَا ھُوَ مُنْجَدِلٌ فِی الشَّمْسِ فِیْ قَطِیْفَۃٍ وَلَہٗ ھَمْھَمَۃٌ فَکَشَفَ عَنْ رَّاْسِہٖ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا وَھَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ (رواہ الترمذی)

ابنِ صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ اور اس کی عجیب وغریب صفات کا بیان

ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دجّال کے باپ کے گھر تیس سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا، پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خراب، ایک دانت باہر نکلا ہوا ہوگا وہ بالکل نکمّا ہوگا، سوتے میں اگر چہ اس کی آنکھیں بند ہوں گی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ لانبا، چھریرے جسم والا، چونچ کی طرح اس کی ناک ہوگی۔ اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے ہوں گے۔

ابو بکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام اس کے دیکھنے کے لئے گئے۔ جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیان فرمائی تھی ہم نے پوچھا تمہارے کوئی بچہ ہے؟ انھوں نے کہا تیس سال تک تو ہمارے کوئی بچہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے وہ بالکل نکما ہے۔ اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبر دار رہتا ہے، ہم جوان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے اس نے اپنا سر کھول کر کہا تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے کہا کیا تُو نے ہماری باتیں سن لیں وہ بولا ہاں میری آنکھیں ہی سوتی ہیں ورنہ میرا دل جاگتا رہتا ہے۔ (ترمذی شریف)

جزری کہتے ہیں کہ روایات مذکورہ میں لفظ اَضرس کاتب کی تصحیف ہے اصل میں اَضَرَّ شَیءٍ ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے اس بنا پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ

سرتاپا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ ضرس لغت میں اگر چہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر **توسعا** اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لمبا نوکیلا دانت مراد ہوسکتا ہے اور اضرس کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہوسکتا ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں لفظ "**طالعةٌ نابه**" موجود ہے اس کا ترجمہ بھی یہ ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہوگا اس بنا پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صیّاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ "**تنام عيناه**" ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی۔ جس کا علاقہ عالمِ ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا علاقہ شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اس طرح مرکز ہدایت اور مرکز ضلالت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے۔

كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔

روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجّال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرما دیا تھا اور چونکہ وہ ابن صیّاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھا، اسلئے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعثِ تحیر بن گیا تھا کہ کہیں وہی دجال تو نہیں کیوں کہ جلد اول کی ختم نبوت کی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے دجال اکبر کے علاوہ تیس سے ستر دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی امت میں پیدا ہوں گے اور دعوئے نبوت کریں گے بہر حال چونکہ اس بچہ میں دجال کا اور اس کے ماں

باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا اسلئے اسکے دجال ہونے میں خائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔ (ترجمان السنہ۔ ۴/ ۴۱۳)

ابن صیّاد کے سلسلہ میں علم نبوت کا الٰہی و ربانی ہتھیار

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِ قَالَ لَقِیَه رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ یَعْنِیْ ابْنَ صَیَّادٍ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ لَه رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ هُوَ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَرُسُلِهٖ مَاذَا تَرٰی قَالَ اَرٰی عَرْشًا عَلَی الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرٰی عَرْشَ اِبْلِیْسَ عَلَی الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰی قَالَ اَرٰی صَادِقِیْنِ وَکَاذِبًا اَوْ کَاذِبِیْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَیْهِ فَدَعُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ کا اور ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آمنا سامنا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یقینی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس پر وہ بدبخت بولا: اچھا کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا یہ جملہ سن کر آپ نے فرمایا: میں تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اور سب رسولوں پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو عرشِ ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک جھوٹا، یا دو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو اس کو خود

ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپؐ سے یہی سوال گیا اس پر آپ کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیوں کہ تردید بھی اسی بات کی کی جاتی ہے۔ جس کا کوئی امکان بھی ہو لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دے دیا اور خاص اس کے سوال کے جواب میں اعراض بھی کر لیا۔ اس کے بعد جب آپ نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتایا۔ آپ نے وضاحت فرما دی کہ وہ تو عرش شیطان ہے اس نے بھی اپنے اعوان وانصار کے لئے ایک عرش بچھا رکھا ہے۔

اس کے بعد جب آپؐ نے اس کے پاس خبریں لانے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہوگئی کیوں کہ نبی کو خبر دینے والے میں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں تو یہ اس کے کاہن ہونے کی دلیل ہے اس لئے اس کے بعد آپ نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہوگئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیّاد میں دجالیت کی علامات میں تدریج بھی ہے جیسا کہ وقد نفرت عینہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(ترجمان السنہ۔ ج ۴/۴۲۱)

صبر میری چادر ہے

⑧ وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ۔ اور صبر میری چادر۔

اور ایک روایت میں ہے:

وَالصَّبرُ دَوَائِیْ - اور صبر میری دوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

① یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا۔ (آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والوں صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔ (شیخ الہندؒ)

② وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (النحل۔ ۱۲۷)

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ (حضرت تھانویؒ)

یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا، سھل کام نہیں، اللہ ہی مدد فرمائے تو ہوسکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اُف نہ کرے۔ (عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجَباً لِاَمْرِءِ الْمُؤْمِنِ اَنَّ اَمْرَهٗ کُلَّهٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذَالِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْراً لَّهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْراً لَّهٗ۔

(رواہ مسلم۔ ج ۲ ۱۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تعجب ہے مومن پر کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور یہ مومن کے سوا کسی کو میسر ہی نہیں اگر اس کو خوشی پہنچی تو شکر کیا۔ اور اگر سختی پہنچی تو صبر کیا پس اس کے لئے بہتر ہے۔ (مسلم)

صبر کی ماہیت وتعریف

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں، ایک دین پر اُبھارتی ہے دوسری ہوائے نفسانی پر، سو محرک دینی کو ہوا پر غالب کردینا صبر ہے۔ علّامہ ھرویؒ نے یوں لکھا ہے:

اَلصَّبْرُ هُوَ حَبْسُ النَّفْسِ عَلَی الْمَکْرُوْهِ عَقْلُ اللِّسَانِ عَنِ الشِّکْوٰی، مَنَازِلَ السَّائِرِیْنَ۔ (۱۴۳)

ناگوار بات پر نفس کو جمانا (احکاماتِ شریعت ابتداء میں نفس پر ناگوار ہوتی ہے نفس کو شریعت پر جمانا اور شریعت پر استقلال کے ساتھ استقامت اختیار کرنا) اور زبان پر حرف شکایت جزع وفزع کے ذریعہ نہ لانا۔ نیز، اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والے کو ایک وہ نعمت دی ہے جو عادۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطاء ہوئی ہیں۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (بقرہ۔۱۵۷)

کتاب وسنت میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاءِ کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صابرین کی بشارت میں صلوٰۃ کا لفظ اس لے استعمال فرمایا کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اُن عنایاتِ خاصہ سے سرفراز فرماتے ہیں۔ جو انبیاء کی صلوٰۃ وعنایات کی ہم رنگ ہوتی ہیں اس لئے کہ مصائب اور حوادث میں صبر وتحمل سے کام لینا اور کوئی کلمہ شکایت زبان سے نہ نکالنا اور ربِّ ذوالجلال کی طرف رجوع کرنا انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔

کما قال تعالیٰ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

(الاحقاف:۳۵)

جس طرح عالی ہمت رسول صبر کرتے رہے ہیں تم بھی صبر کرو۔

صلوٰۃ ورحمت کا فرق

اس لئے صابرین کو صلوٰۃ وعنایات خاصہ سے سرفراز فرمایا اور جان ومال کا جو نقصان ہوا اس کے عوض میں عنایات عامہ یعنی طرح طرح کی راحتوں اور مہربانیوں سے نوازا، اس بیان سے صلوٰۃ اور رحمت میں فرق واضح ہوگیا، صلوٰۃ سے عنایات خاصہ مراد ہیں جو دینی اور دنیوی اور ظاہری اور باطنی برکات کا موجب ہیں اور رحمت سے عنایات عامّہ مراد ہیں۔ جو دنیا میں فوت شدہ جان ومال کا عوض اور نعم البدل ہیں اور ایسے ہی لوگ علاوہ اس کے کہ وہ عنایات خاصّہ اور عنایات عامّہ کے مورد ہیں۔ ھدایت یافتہ بھی ہیں

کہ عین مصیبت کے وقت میں جب کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کلمہ شکایت کا زبان سے نکل جائے اور ربِ ذوالجلال کی ناراضگی اور دوری اور مہجوری کا سبب بن جائے ایسے وقت میں قرب ربّانی اور اس کی خوشنودی کا راستہ نکال لیا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے کمالِ ہدایت یہی ہے کہ ہر طرف سے اپنے مطلب کا کھوج لگائے۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ

(التغابن ۱۱)

کوئی مصیبت بغیر اللہ کے حکم کے نہیں پہنچتی اور جو ایمان مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر ہدایت اور معرفت کی راہ کھول دیتے ہیں۔

فاروق اعظمؓ کا قول

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے:

نِعْمَ الْعَدْلَانِ وَنِعْمَ الْعَلَاوَةِ، یعنی اس آیت میں حق تعالیٰ نے صابرین کے لئے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ایک صلوٰۃ اور دوسرے رحمت اور تیسرے ہدایت، فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ صلوٰت اور رحمت جو ایک دوسرے کے قرین اور عدیل ہیں یہ دونوں کیا اچھے عدیل ہیں اور ہدایت ان عِدلین کے علاوہ ہے یعنی ایک زیادتی ہے جو صلوٰت اور رحمت پر زیادہ ہے۔ (تفسیر معارف القرآن کاندھلویؒ۔ ۱/ ۳۲۶)

صبر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا۔ (الآیۃ) اے ایمان والو! صبر کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَجَبًا لِاَمْرِءٍ مُّؤْمِنٍ اَنَّ اَمْرَهٗ کُلَّهٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا

لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ۔ (رواہ مسلم)

مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور یہ کسی کو میسر نہیں مگر مومن ہی کو۔ اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچی صبر کیا۔ پس اس کے لئے بہتر ہے۔

صبر کی حقیقت

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر ابھارتی ہے دوسری ہوائے نفسانی پر۔ سو ''محرک دینی کو محرک ہویٰ پر غالب کر دینا'' صبر ہے۔ اور اس کی حقیقت ہے۔

حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ۔ یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا۔ آپ سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار امر خواہ کچھ ہو۔ اب کہیں تو حبس کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اور کہیں محض حبس ہی حبس ہوتا ہے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا (تو اس عنوان سے) ناگواری کے اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں:

① صبر علی العمل۔ ② صبر فی العمل۔ ③ صبر عن العمل۔

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا۔ یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا تلفہ ان کو ادا کرتے رہنا اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا طاعات بجالانے کے وقت اللہ کے حقوق و آداب کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا۔ مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تیسری قسم ہے صبر عن العمل۔ یعنی نفس کو، ما نہی اللہ عنہ (جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے

روکا ہے ان) سے روکنا اور شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا (اس کے علاوہ ہر ممنوع امر سے رکنے کو صبر ہی کہا جاوے گا۔ مثلاً صبر عن الشہوت، شہوت میں شہوت رجال ونساء وشہوت لباس وشہوت طعام وشہوت کلام (وغیرہ) بھی داخل ہے اسی طرح تمام معاصی سے نفس کو روکنا یہ بھی صبر میں داخل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

وہ صبر کرنے والے ہیں باساء میں اور ضرآء میں اور باس کے وقت۔

باساء سے مراد فقر وتنگدستی۔ حاصل یہ ہے کہ فقر اور تنگدستی میں صبر کرے۔ یعنی اللہ پر نظر رکھے۔ مخلوق کے مال ودولت پر نظر نہ کرے نہ ان سے توقع رکھے اس میں قناعت توکل کی تعلیم ہوگئی اور ضرآء سے مراد مطلق بیماری۔ خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ ظاہری بیماری میں صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھرے۔ اللہ سے دل میں مکدر نہ ہو اس میں تسلیم ورضا کی تعلیم ہوگئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ امراضِ قلبیہ کے مقتضا پر عمل نہ کرے۔ عمل سے ان کا مقابلہ کرے اور بأس سے مراد مطلق شدت وپریشانی جو بھی لاحق ہو۔ اس پر مستقل مزاج رہے جس کا ایک فرد صبر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے پس اب صبر کا حاصل یہ ہوگا کہ موحد کامل بن جائے۔ جب مقامِ صبر کامل ہوجاتا ہے تو توحید بھی کامل ہوجاتی ہے۔ پس یہ ایسا جامع خلق ہے کہ بہت سے اخلاق اس کے اندر داخل ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے:

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ - (یعنی صبر نصف ایمان ہے)۔

توصبر فی نفسہ تمام اعمال شرعیہ کو عام ہے یعنی جس وقت جس کام کا امر ہو اس پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ پس اگر کسی وقت معمولات کے ترک کا امر ہو تو اس وقت ترکِ معمولات ہی صبر ہوگا۔

نعمت و مصیبت

حالات دو قسم کے ہیں۔ نعمت اور مصیبت۔ نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی ہے اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں۔

حَالَۃٌ غَیْرُ مُلَاءِ مَۃٍ لِلنَّفْسِ، (مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو) اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت مصیبت اور ایک حقیقتِ مصیبت۔ جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے (اور حقیقت میں مصیبت ہے) اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت اس کی ہو۔ عارفین کو مصیبت کا احساس ہوتا ہے مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا کیوں کہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ اور ان حکمتوں پر بھی جو اللہ نے مصائب میں رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانٹا لگتا ہے وہ بھی اس کے لئے حسنہ ہے ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں چراغ گل ہو گیا۔ آپ نے انا اللہ پڑھا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے فرمایا ہاں! جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو۔ وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔

مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری ہوتی ہے عبادت کے اندر بھی ہوتی ہے۔ پس صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہوا۔ مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ جزع فزع نہ کرنا اور عبادت میں صبر یہ ہے کہ باوجود ناگواری کے نفس کو اس پر جمانا اور ناگواری کی پرواہ نہ کرنا۔ چنانچہ دونوں کی نسبت ارشاد ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا. (آل عمران ۲۰۰)

اے ایمان والوں! خود صبر کرو مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔

"اِصْبِرُوْا" تو مصائب میں صبر کرو اور "صَابِرُوْا" دوسروں کو صبر کی تعلیم دینا اور "رَابِطُوْا" عبادت کے اندر جمار ہنا۔ چنانچہ رباط کی تفسیر حدیث میں یہ آئی ہے کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری کے انتظار میں بیٹھے رہنا اور یہی مفہوم صبر کا بھی ہے کہ معصیت میں اس کا نام صبر ہوا اور عبادت میں اسی کو رباط سے تعبیر فرمایا اور صرف عبادت کے متعلق ارشاد ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (الآیۃ)

اے ایمان والوں! صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو۔

یہاں دونوں (صبر اور نماز) کا جمع کر کے بیان کرنا قرینہ اس کا ہے کہ صبر وصلوٰۃ کا مجموعہ ایک ہی چیز ہے۔ یعنی صبر علی الصلوٰۃ (نماز پر صبر کرنا) اور یہ اسی قید سے محکوم علیہ ہے۔ لَكَبِيْرَةٌ کا ورنہ خالی صلوٰۃ میں کوئی گرانی نہیں۔

اس مضمون پر حدیث: اسباغ الوضوء علی المکارہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کی علامت وضو کو باوجود ناگواریوں کے کامل کرنا، دال ہے یعنی جاڑے کے دن ہیں۔ سردی بہت ہو رہی ہے۔ جی نہیں چاہتا مگر اس حالت میں بھی وضو کو پورا کیا۔ حدیث شریف میں ''مکارہ'' کا لفظ ہے جس سے ناگواری کا عموم صاف معلوم ہوتا ہے۔ (اب یہ سوال رہ گیا کہ) صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے وہ کس صورت میں ہے یعنی کوئی شخص کسی سے انتقام لینے یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر ہے اور نہ کرے بلکہ صبر کرے۔ تب اجر ملے گا یا اگر قادر ہی نہ ہو۔ پھر صبر کرے۔ اس پر اجر ملے گا؟...... (جواب یہ کہ) بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں۔

① انتقام بالمثل لینا۔ اس کا ترک کرنا صبر ہے۔ یہ قدرت کے ساتھ مشروط ہے۔

② زبان سے بُرا بھلا کہنا، سامنے یا پسِ پشت بد دعا دینا اور اس پر **غیر قَادِرٌ عَلَی الْاِنْتِقَامِ** بھی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے اس کا ترک صبر ہے اسی طرح اہلِ میت گو مدافعت پر قادر نہیں لیکن نوحہ وشکایت پر تو قادر ہیں۔

لہٰذا ان کے حق میں اس کا ارتکاب بے صبری اور اس سے رکنا صبر ہے اور جو کسی فعل پر بھی قادر نہ ہو جیسے اندھا کہ دیکھنے پر بالکل قادر نہیں لیکن تصور یا عزم بصورتِ ابصار یا تمنائے ابصار للابصار (یعنی کسی ناجائز امر کو دیکھنے کے لئے ارادہ کرنا کہ اگر نظر ہوتی تو دیکھتا یا دیکھنے کے لئے نظر کی خواہش کرنے) پر تو قادر ہے لہٰذا اس کی بے صبری یہی ہے اور اس کا ترک صبر ہے۔ ان سب صورتوں میں ہر شخص کو اس کے مناسب صبر پر اجر ملتا ہے۔ تفصیل (بالا) تو اجرِ صبر میں ہے اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے اس میں صبر کی قید نہیں۔ اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے، ایک صبر کا، دوسرے تکلیف کا اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر ملے گا اور بے صبری کا گناہ ہوگا۔

ضرورت صبر

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے ایمان والوں! (طبیعتوں میں سے غم ہلکا کرنے کے بارہ میں) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو۔

بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس آیت میں صبر کی (ضرورت اور اس کی) فضیلت بیان ہوئی ہے کہ حق تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے ایک یہ کہ معیت سے اعانت

ومدد کی معیت مراد ہو یعنی تم صبر کر کے دیکھو دشوار نہ رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی اوران کی مدد کے بعد کوئی دشوار، دشوار نہیں۔ دوسرے یہ کہ مصیبت سے حالیہ مراد ہو پس مطلب یہ ہوگا کہ صبر کی دشواری کو اس مراقبہ سے آسان کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔ اس مراقبہ کے بعد صبر میں دشواری نہ رہے گی۔ نیز فرمایا:

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اس کا حاصل یہ ہے کہ نفسِ ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے کہ اس میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور مصیبت کے ذریعہ سے ایمان کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے یعنی مصیبت کے ذریعہ سے وساوس و معاصی کا میل دھودیا جاتا ہے اور دعویٰ اور غرور و تکبر کم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت منکشف ہو کر سمجھ آجاتی ہے۔

۱- استحضارِ عظمتِ حق ہوتا ہے پس انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے۔

۲- مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کو خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کرسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں جس سے وہ اس درجہ عالیہ کو پالیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں اہل مصائب کو دیکھ کر اہل نعم کہیں گے:

يَالَيْتَ جُلُوْدُنَا قُرِضَتْ بِالْمَقَارِيْضِ فَنُعْطِيْ مِثْلَ مَا اُوْتُوْا،

یعنی- ''کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں، تاکہ آج ہم کو بھی یہ درجات ملتے'' (جو اہل مصائب کو عطا کیے گئے ہیں)۔

۳- حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو حق تعالیٰ معاملہ کو اسی کے سپرد کر دیتے ہیں اور جو صبر کرتا ہے اس کی طرف سے حق تعالیٰ خود انتقام لیتے

ہیں۔کبھی دنیا میں مزا چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت پر پوری سزا کو ملتوی رکھتے ہیں۔

طریق کار

①-حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡن

یعنی مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے۔غلام کو چاہئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے۔اس لئے اس موقع پر تصرفِ حق پر راضی رہنا چاہئے۔واقعہ (مصیبت) کو از خود نہ سوچیں بلکہ اپنے کام میں لگیں۔

② مصیبت کے وقت اول تو اپنے گناہوں کو یاد کریں تاکہ اپنی خطا کا استحضار ہوکر مصیبت سے پریشانی نہ ہوکیوں کہ اپنی خطا پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے کی شکایت نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا پھر اجر کو یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے۔پس ثواب کو یاد کر کے غم کو ہلکا کریں اور مصیبت میں ثابت قدم رہیں (اللہ کی شکایت نہ کریں۔کوئی بات ایمان (اور اسلام) کے خلاف زبان و دل پر نہ آئے۔

③-اور یہ مت سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ یہ خیال خطرناک ہے۔اس سے تعلق ضعیف ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہوجاتا ہے۔مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھیں یا ایمان کی آزمائش سمجھیں اور اس کے ثواب کو یاد کریں۔

④-شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے (اس پر کاربند رہیں)

⑤-اور یہ بات سمجھ لیں کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اور اس میں نفع ضرور

ہوگا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔ اگر چہ دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آوے۔

طریقِ تحصیل

قوت ہویٰ (یعنی خواہشات وجذبات نفسانی) کو ضعیف اور کمزور کرنا (طریقِ تحصیل ہے)۔ شریعت وطریقت۔ ۱۵۳، ۱۵۹۔

رضا میری غنیمت ہے

⑨ وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ، اور رضا میری غنیمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ،

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ (البیّنہ۔۸)

② اِرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (الفجر ۲۸)

اپنے پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاءُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ،

(رواہ احمد والترمذی)

آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا ہو۔

رضا کی ماہیت

حکم قضا پر اعتراض نہ کرنا، نہ زبان سے نہ دل سے، بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی، یہ بھی آثار محبت سے ہے۔ تعلیم الدین: ۱۶۵

حضرت علی دقّاق نے فرمایا

لَيْسَ الرِّضَاءُ اَنْ لَّا يَحِسَّ بِالْبَلَاءِ اِنَّمَا الرِّضَاءُ۔ اَنْ لَا يَعْتَرِضَ عَلٰى

اَلْحُکْمِ وَالْقَضَاءِ۔ (قشیریہ)

رضا یہ نہیں کہ بلاو تکلیف کا احساس نہ ہو۔ رضا یہ ہے کہ حق جل مجدہ کے فیصلہ وقضاء پر شکوہ واعتراض بندہ نہ کرے۔

علّامہ ھرویؒ نے فرمایا

اَلرِّضَا: اِسْمٌ لِلْوُقُوْفِ الصَّادِقِ حَیْثُ مَاوَقَفَ الْعَبْدُ،

یعنی رضا نام ہے بندہ کا حق جل مجدہ کی جانب سے جو بھی احوال آئیں جس حال میں آئے اس کو بغیر کسی تردد و کشمکش کے قبول کرنا۔

لِلْوُقُوْفِ الصَّادِقِ ای وَھُوَ الْوُقُوْفُ مَعَ مُرَادِ الْحَقِّ حَقِیْقَۃً بِغَیْرِ تَرَدُّدٍ، حَیْثَ مَاوَقَفَ الْعَبْدُ، ای عَلٰی اَیِّ حَالٍ کَانَ۔

رضا کی حقیقت

رضا کی حقیقت، تَرْکُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَی الْقَضَاءِ (یعنی) قضا پر اعتراض نہ کرنا ہے۔ نہ زبان سے نہ دل سے بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی ہے پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے۔ اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اوّل حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔ قضا پر راضی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اس کے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لیے طبیعت اس تکلیف کو بلا کلفت گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے۔ یا (آپریشن کرانے یا) فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا (اپریشن کرانا) اور فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت وتندرستی سے

مریض کو آگاہی حاصل ہے لہٰذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند وممنون رہتا ہے، اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت وصدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے، تو وہ ضرور مسرور وشاداں ہوگا جس وقت مولائے حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے وہی مناسب ہوتا ہے، اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہئے، جب اللہ تعالیٰ (بظاہر) ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے؟! جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے لیے مناسب وہی حالت ہے جس میں اللہ نے مجھ کو رکھا ہے۔ (البتہ) دعا کرنا خلافِ رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جاوے بلکہ ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو (قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگدل نہیں ہوتے) یہی رضا کی علامت ہے دعا کی حقیقت دعا کے بیان میں ملاحظہ ہو اور اگر اس موقع پر صبر کا بیان بھی دیکھ لیا جاوے تو مفید ہوگا۔

طریق تحصیل

یہ آثارِ محبت میں سے ہے۔ اس کی تحصیل کا جداگانہ طریق نہیں (سو حصول محبت کے ساتھ ہی رضا بھی حاصل ہو جاتی ہے)۔ (شریعت وطریقت: ۱۴۵)

میں راضی کہ اللہ میرا رب ہے

رضاء ایک عظیم نعمت و کیفیت ہے جو تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کو مضبوط و مستحکم کرتی ہے اس کے درجات مختلف ہیں۔ رضا کا طالب یا رضا کے مقام کی جستجو کرنے والا اپنے ارادہ و تمنا کو رب تبارک وتعالیٰ کی رضاء میں فنا کر دیتا ہے۔ یعنی اپنے ارادہ واختیار کو چھوڑ دیتا ہے گویا اس کی اپنی کوئی خواہش نہیں۔ حق جل مجدہ کی بھیجی ہوئی قضاء وقدر کا استقبال کرتا ہے، اس میں عوام وخواص کا فرق ہے۔

عوام کی رضا یہ ہے کہ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، یعنی میں اللہ سے راضی ہوں کہ وہ میرا رب و پالنہار ہے۔ معنی ہوئے کہ میں اقرار کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں کہ اللہ جل مجدہ صرف میرا معبود ہے میں اللہ رب العزت کے رب ہونے پر راضی ہوں دل سے خوش ہوں شاد ہوں اور غیر اللہ کی جو پرستش ہو رہی ہے اس سے دُکھی اور دل ازار ہوں۔ یعنی میری رضا اور رغبت، خوشی و مسرت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے وابستہ ہے اور غیر اللہ سے نفرت و ناراضگی میں شدت وحدت ہے۔

وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، اور میں محمد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت خاتمیت سے راضی ہوں

یعنی اب راہِ نجات اور ہدایت وسعادت محض اتباع ختم نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منحصر ہے اس کے علاوہ جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ میرے نزدیک ملعون، مردود، منحوس، مجنون، کذاب ودجال، دشمنِ اسلام اور شیطانِ رجیم ولعین سے زیادہ قابل لعنت ونفرت اور لعین ورجیم ہے، حقیر کہا کرتا ہے کہ شیطانِ لعین نے بھی رسول اعظم کی ختم نبوت کو تسلیم کیا جبکہ اس پر پابندی لگ گئی کہ آسمان کی خبریں کاھن وساحر کے پاس چوری کر کے نہیں لا سکتا پھر وہ شخص کتنا بڑا ملعون ہوگا جو حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم نہ کرے۔

دِین اور اِسلام

وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا، اور میں اِسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے۔

وَاِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامِ،

بلاشبہ دینِ (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ (آل عمران:۱۹)

اِسلام کے معنی سونپ دینے کے ہیں، مذہبِ اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن اللہ واحد کے سپرد کر دینے اور اسکے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے۔ گویا اسلام انقیاد و تسلیم کا اور مسلمانی، حکم برداری کا دوسرا نام ہوا۔ یوں تو شروع سے اخیر تک تمام پیغمبر یہ ہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر طاعت و فرمانبرداری اور خالص اللہ واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام دنیا کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں، وہ تمام شرائع سابقہ حقہ پر مع شی زاید مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم اور ملقب ہوئیں۔

بہر حال اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ دین و مذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہوسکتا ہے وہ یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے کو حق سبحانہ وقدوس کے سپرد کر دے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے بے چون و چرا گردن تسلیم جھکا دے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے اس کے سوا کوئی دین مقبول اور ذریعہ نجات نہیں۔ (معارف القرآن۔ گلدستہ ۱/ ۴۰۷)

رضا کے تین درجات ہیں پہلا رضا باللہ تعالیٰ

حاصل یہ کہ رضا کا پہلا درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے رب ہونے کی وجہ سے ایسا راضی ہو کہ غیر اللہ سے بیزار رہو اور شرک سے متنفر ہو اور تمام تر شرک سے پاک وصاف ہو، اس کی تین علامات ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ سے تمام مخلوقات کے مقابلہ میں محبت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو۔ دوسری یہ کہ تمام مخلوقات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت وہیبت دل میں پیوست ہو۔ تیسری یہ کہ رب العزت کی اطاعت کو سب چیزوں پر مقدم وغالب رکھے، ان تینوں باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ کبھی بھی کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض کو آگے پیچھے نہ ہونے دے اور دل حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے بے چین وبے تاب ہو۔ جب ادا ہو جائیں تو پھر استغفار وعجز وندامت ہو یہ رضا باللہ کی دلیل وعلامت ہوگی۔

رضا کا دوسرا درجہ ہے رَضَا عَنِ اللہِ تَعَالٰی

دوسرا درجہ ہے رضا عن اللہ تعالیٰ یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے جو بھی قضاء وقدر ہو۔ جو بھی فیصلہ ہو۔ جیسے بھی احوال ہوں۔ اس سے راضی اور خوش رہنا۔ زبان پر کسی قسم کا شکوہ وشکایت کا نہ لانا اللہ ہمارے رب ہیں رحیم ورحمن ہیں وہ ہم پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے احوال دوا ہیں جو کڑوی ہے مگر شفاء حتمی ویقینی ہے اور ان کی خوشی ہماری خوشی پر مقدم ہے کہ وہ ہمارے خالق ومالک ہیں۔ اس کی بھی تین علامت ہیں۔ پہلی یہ کہ بندہ میں استقامت واستقلال کی صفت ہو۔ یعنی ہر حال میں عبادت واطاعت، ذکر وفکر ہو اور فتور وخلل نہ آنے پائے اور دل میں سکون وقرار ہو۔ دوسرے مزاج میں چڑچڑاپن نہ آنے پائے اور بندہ اخلاق حمیدہ اور صفاتِ حمیدہ سے نہ نکلے، احوال ومصائب میں

بدخُلقی کا مظاہرہ نہ کرے، جس طرح خوشی، بسط کی حالت میں خوش مزاج اور خوش اخلاق تھا احوال میں اُس سے بھی زیادہ انبساط وابتصام کی کیفیت ہو نظر احوال پر نہ ہو بھیجنے والے خالقِ و مالک کی طرف ہو، کسی سے اگر دل آزاری ہو جائے تو لڑائی وجھگڑا سے اجتناب واحتراز، اور ترک خصومت کی راہ اختیار کرلے۔

تیسرے ان احوال سے خلاصی ونجات کے لئے خوب تضرع والحاح کے ساتھ گریہ وزاری کو اپنا شیوہ بنائے۔ کام تو زاری سے بنے گا زور سے نہیں، وہاں زور نہیں چلتا زاری سے کام بنتا ہے۔ بس حق کی جناب میں بکھر جائے، وہ تو ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہے، اس نے توڑا اسی لئے ہے کہ تم بکھر کر اس کے حضور میں پہنچ جاؤ، اُس کی جناب کا عجیب وغریب معاملہ ہے۔ جو ٹوٹ ٹوٹ کر، پھوٹ پھوٹ کر، بکھر بکھر کر گیا وہ ضرور سنور گیا۔ پنپ گیا، وہاں پہنچنے کا یہی سہل راستہ ہے۔ اس نے یہ سب نازل کیا تھا ہی اس لئے کہ وہ تم کو لانا چاہتا ہے۔ جذب کرنا چاہتا ہے، یہ ہے رَضَا عَنِ اللهِ تَعَالٰی۔

تیسرا درجہ ہے اللہ کی رضاء سے راضی رہنا

یعنی الرضا برضا اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی اپنی خواہش وتمنا ہی کچھ نہ ہو یعنی حق جل مجدہ کی جانب سے جو بھی احوال آئیں اس سے راضی وخوشی کا اظہار کرے اور کسی قسم کی ناگواری اور دلی رنج وغم کا کوئی ظہور نہ ہو، اور حق تعالیٰ کی رضا سے راضی رہنے کا یہ حال ہو کہ جانبِ راجح اور جانبِ ترجیح سے بھی خاموشی وسکوت کو حق تعالیٰ کی رضا جانے اور خطرناک حالات میں بھی اپنی جانب سے تمیز وفرق کی راہ نہ نکالے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود نے آگ میں ڈال دیا تو جبرئیل علیہ السلام خلیل اللہ کے پاس آئے اور سوال کیا: هَلْ لَكَ حَاجَةٌ، آپ کو کوئی ضرورت ہو تو بتلایئے۔

خلیل اللہ نے حق تعالیٰ کی رضا و ارادہ کے آگے اپنے ارادہ کو فنا کر دیا اور مقام رضا کو حاصل کر لیا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ فرمایا:

اِنْ کَانَ مِنْکَ فَلَا وَاِنْ کَانَ مِنَ اللّٰہِ فَبَلٰی،

اے جبرئیل یہ پیش کش اگر آپ کی جانب سے ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ میں آپ کی خوشی کے خاطر یہاں نہیں آیا۔

لہٰذا آپ کی مدد بھی نہیں چاہتے۔ اور اگر آپ رب تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بھیجے گئے ہیں تو جو آپ کو حکم باری ہے آپ اس کو نافذ کیجئے میں تو تسلیم و رضاء کا مظہر ہوں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ حضرت خلیل اللہ نے رضاء الٰہی پر اپنی رضاء کو قربان کر دیا، یہ ہے الرضا برضاء اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الرِّضَاكَ۔

تسبیح وتحمید رضاء باری کے شان کے مناسب

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سکھلایا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ۔ (اخرجہ مسلم رقم: ۲۷۲۶۔ الفتوحات الربانیہ: ۱/ ۱۴۴)

ایک روز خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نماز گاہ میں چھوڑ کر نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جب سے یہیں بیٹھی ہوئی ہو۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے چار کلمات تین بار تجھ سے جدا ہونے کے بعد ایسے کہے ہیں کہ ان کو اگر وزن کیا جائے تو تیری تمام وظائف پر بھاری ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مذکورہ کلمات پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ، یہاں حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید مخلوقات کے تعداد کے بقدر کی گئی ہے، جس کا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، اور تسبیح وتحمید ہے۔

رِضَا نَفْسِہٖ یعنی حق تعالیٰ کی خوشی کے بقدر اور اللہ کی تسبیح وتحمید ہے عرش کے وزن کے بقدر، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید ہے ان کے فرمودات کلمات کی تعداد کے بقدر، ان تمام کلمات میں ان کے اجر وثواب کی کشادگی وفراخی کا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکشاف کیا ہے۔ کیوں کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کافی دیر بعد نماز فجر اپنے عبادت گاہ میں بیٹھی اوراد ووظائف میں مشغول تھیں۔

ترمذی کی حدیث ۳۵۷۶ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوپہر کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو دیکھا وہ تاہنوز اسی جگہ تھیں جہاں نبی علیہ السلام چھوڑ کر گئے تھے موجود تھیں تو ان کو یہ تحفہ عطا ہوا تھا۔ مگر ترمذی کے تمام کلمات تین تین بار ذکر کئے گئے ہیں۔ (ترمذی ابواب الدعوات تحفہ ۸ / ۲۱۵ رحمۃ اللہ ۳۱۱)

الغرض ان کلمات کے پڑھنے والے کو اجر وثواب بغیر حساب ملے گا کیوں کہ مخلوقات کی تعداد یا حق تعالیٰ کی خوشی ورضاء کی حد ومقدار اور عرش عظیم کا وزن اور اللہ پاک کی باتوں کے تعداد کو۔ مخلوق نہیں جانتی صرف اور محض ذات باری جانتی ہے، لہٰذا اس کے اجر وثواب کو بھی اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے۔ تو گویا خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تسبیح وتحمید کو بھی حق تعالیٰ کی رضاء وخوشی کی تعداد ومقدار سے جوڑ دیا جس کو مخلوق جان نہیں سکتی۔ یہ ہے رضاء میری غنیمت ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

حق تعالیٰ کی خوشنودی کے ذریعہ حق تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ کا سلیقہ

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ
وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

(رواہ مسلم عن عائشہ رضی اللہ عنہا رقم ۴۸۶) الفتوحات الربانیہ ۱/ ۵۲۰ والترمذی عن علیؓ رقم ۳۵۶۶، ابوداوٗد رقم ۱۴۲۷، والنسائی ۱۸۴۷، قال الترمذی حدیث حسن، فیض القدیر رقم ۱۵۲۱ تحفہ ۸/ ۲۲۳

یا اللہ میں تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں تیری ناخوشی سے، اور تیری عفو کی پناہ میں تیرے عذاب سے، اور تیری پناہ میں آتا ہوں خود تجھ سے، میں تیری تعریف پوری طرح کر ہی نہیں سکتا ہو، تو اسی تعریف کے لائق ہے جو تو نے خود اپنی ذات کی کی ہے۔

کمالات نبوت کا انوکھا اسلوب وطریقہ

اس دعا و مناجات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی ناراضگی اور خفگی سے بچنے کے لئے بارگاہِ رب العزت میں حق تعالیٰ کی خوشی و رضا کو وسیلہ وذریعہ بنایا ہے گویا کہ یوں عرض کیا جارہا ہے کہ یا اللہ وہ تمام اشیاء وکمالات ذاتیہ جو آپکی خوشنودی وخوشی کا ذریعہ ہیں میں انہی کا وسیلہ پکڑتا ہوں آپ کی ناراضگی وخفگی سے پناہ وامان کے لئے اور آپ ہی کے دامنِ عفوء میں آپ کے عقاب سے امان چاہتا ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بچہ ماں سے جب پٹ رہا ہو تو ماں ہی سے چمٹتا اور لپٹتا ہے اور بالآخر ماں کی رحمتِ و ممتا اس کو تھام لیتی ہے اور آپ کی رحمت کو سہارا بنا تا ہوں آپکے ہر ناراضگی کا اور آپ کی حمد وثنا جو آپ نے کی ہی اس سے زیادہ میری قدرت میں بھی نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ،

حقیر یہ کہا کرتا ہے کہ یہ الفاظ بھی ختم نبوت کی شہادت پیش کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ وَزِنَةَ عَرْشِکَ وَمِدَادِ کَلِمَاتِکَ۔

رب العزت تیری رضا وخوشی ضروری ہے

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنَّ عَافِیَتَکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُکَ اَوْیَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام قلت واختلفت الروایات فی الفاظ الدعا کما فی قرۃ العیون)

اے اللہ تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت ورسوائی کی، اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے، کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا، اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے، جب تک تو راضی نہ ہو، تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

(سیرۃ المصطفیٰ:۱/ ۲۳۴ فضائل اعمال:۲۰)

اس مناجاتِ خاتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اول سے آخر تک بار بار پڑھئے اور سفر میں ایک

مسافر جو داعی الی اللہ ہے اس کی مظلومیت، غربت، مسافرت اور اضطرار کی کیفیت کا اندازہ لگائیے۔ اجابت دعا کیلئے نبوت ورسالت ہی کا وصف کافی و افی تھا۔ جبکہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ پھر نور علی نور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نبی و رسول کے ساتھ مضطر و مظلوم بھی ہیں بارگاہِ قدس میں دعا کر رہے ہیں تو اپنی ذاتِ ستودہ صفات کے لئے اللہ تعالیٰ سے رضا اور مقام رضا کا قرب مانگ رہے ہیں۔ اپنے مظلومیت وغربت کا دُکھڑا سنا کر غضب الٰہی سے امن و امان اور عقاب وسخط سے پناہ چاہ رہے ہیں، اور جو کچھ بھی اہل طائف نے دل آزاری اور جسم آزاری کی ہے اس کا غم نہیں غم تو یہ ہے کہ میرے مولا تو اپنی ناراضگی کا غم نہ دے، اور میرے رب تجھ کو تیرے چہرہ مبارک کے نورِ کرم کا واسطہ جس سے تو نے کائناتِ عالم کو فیضیاب و روشن کیا، شان جلالی کے بجائے رحمت کی شان جمالی کا افاضہ فرما کر آغوشِ کنفِ رضا میں رکھنا، اور سُن لے میرا رب، میرا تو تیرے سوا کوئی بھی نہیں، یہ تو تیرا حق ہے کہ تجھے راضی کروں، اے نورِ کرم والے کریم، میری نگاہِ مقصود اور تمنا و آرزو اور مطلوب محض رضائے معبود ہے۔ اگر تو راضی ہے لَكَ الْعُتْبٰى، تو یہ تیرا حق ہے۔ مولا یہ میرا کمال نہیں یہ بھی تو تیری عطاء سے شانِ رضا کا مقام ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ، یہ ہے شان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب و جستجو رضا میری غنیمت ہے۔ سچ جانئے رضاء باری مکمل اور کامل و اکمل محض غنیمت ہی غنیمت ہے یہ انسانی اعمال سے نہیں ملتی محض عطاء باری اور فضل باری سے ملتی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ بِفَضْلِکَ الْعَظِیْمِ یَا ذُوْالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

(آمین)

جنت میں رضا آخری عطا ہوگی

عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِنِ الۡخُدۡرِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ، اِنَّ اللّٰہَ یَقُوۡلُ لِاَھۡلِ الۡجَنَّۃِ، یَا اَھۡلَ الۡجَنَّۃِ، یَقُوۡلُوۡنَ لَبَّیۡکَ رَبَّنَا وَسَعۡدِیۡکَ، فَیَقُوۡلُ ھَلۡ رَضِیۡتُمۡ؟ فَیَقُوۡلُوۡنَ، وَمَالَنَا لَا نَرۡضٰی وَقَدۡ اَعۡطَیۡتَنَا مَالَمۡ تُعۡطِ اَحَدًا مِنۡ خَلۡقِکَ؟ فَیَقُوۡلُ أَنَا اَعۡطِیۡکُمۡ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِکَ، قَالُوۡ یَا رَبِّ وَأَیُّ شَیۡءٍ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِکَ؟ فَیَقُوۡلُ اُحِلَّ عَلَیۡکُمۡ رِضۡوَانِیۡ فَلاَ اَسۡخَطُ عَلَیۡکُمۡ بَعۡدَہٗ اَبَدًا، (اخرجه البخاری فی کتاب الرقاق باب صفة الجنة والنّار، (الاحادیث القدسیه ۳۰۳ رقم الحدیث ۳۹۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حق جل مجدہ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا اے اہل جنت، جواب میں عرض کریں گے رب العزت ہم حاضر ہیں، اللہ عزوجل معلوم کرے گا کیا تم لوگ راضی وخوش ہو، وہ عرض کریں گے۔ ہم کیوں نہیں خوش اور راضی رہیں کہ آپ نے ہمیں وہ عطا کیا جو اپنی مخلوق میں کسی کو نہیں دیا۔ اللہ فرمائے گا میں اس سے بھی افضل و بہتر تم کو عطا کروں گا۔ وہ سوال کریں گے اللہ پاک اب اس سے افضل و بہتر کیا ہوگا، اللہ پاک ارشاد فرمائیں گے اب آج تم لوگوں پر میری رضاوخوشی مباح وحلال ہوگئی اب میں تم لوگوں سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری۔ الاحادیث القدسیہ: ۳۰۳)

مومنوں کیلئے جنت اور رضا کا وعدہ

اُحِلَّ عَلَیۡکُمۡ رِضۡوَانِیۡ اَیۡ اُنۡزِلَ عَلَیۡکُمۡ رِضۡوَانِیۡ۔

کا مشاہدہ تو وہاں پہنچ کر انشاء اللہ ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ، اللہ تعالیٰ کی رضا بہت ہی بڑی ہے۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ کی رضا ہر فوز وفلاح کا سبب اور ہر سعادت وکرامت کی کلید ہے، کیوں کہ جب غلام و بندہ کو معلوم ہو جائے کہ اس کا آقا وسید اس سے راضی وخوش ہے تو پھولے نہیں سماتا اور اس سے اس کی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچتی ہے، اور دل کو سرور وسکون اور ہر چیز سے زیادہ دلی خوشی ومسرت ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ مولا اور آقا اپنی رضا کا اعلان کردے اور بندہ کو آگاہ کردے کہ میں تم سے اب کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ پھر بندہ کے دل میں مالک کی تعظیم وتکریم کی ایک خاص لہر دوڑ جاتی ہے۔ پھر اس میں ہم کلامی بھی ہو رہی ہے اور رؤیت باری بھی ہو رہی ہے۔ سچ ہے جس کا نام، اللہ، ہے وہ معطی الجزیل بھی ہے اس کی رضا، جو وہ عطا کرے گا وہ جنت کی تمام نعمتوں پر فائق وفائز ہوگی۔ سچ ہے تمام نعمائے دینوی واخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے، جنت بھی اس لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی وروحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا، مگر سب سے بڑی نعمت محبوبِ حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رضا میری غنیمت ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهِ الْكَرَامَةَ الْعَظِيْمَةَ الْبَاهِرَةَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَبِجَاهِ نَبِيِّكَ الْاَمِيْنِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا.

عاجزی میرا فخر ہے

(۱۰) وَالْعَجْزُ فَخْرِیْ۔ عاجزی میرا فخر ہے۔

بعض روایت میں اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔ آیا ہے فقر میرا فخر ہے، دونوں بھی فخر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور خُلُقِ عظیم کے شاہکار۔

عاجزی کی حقیقت کمالِ عبدیت ہے

اپنے آپ کو کم و کمتر سمجھنا اور اسی حقیقت کو مدنظر رکھ کر اگلے کے سامنے پیش آنا۔ عاجزی کہلاتا ہے۔ یہ بھی ایک فناء الفناء کا مقام ہے اور اس سے حجابات، ظُلمات، موانعات دور ہوتے ہیں اور پھر فتوحات غیبیہ، انوارات ربانیہ، تجلیات الٰہیہ، اور نزولِ سکینت اور واردات ہدایت اور پھر استقامت کی نعمت میسر آتی ہے عجز و نیاز، اپنی ہستی کی نیستی، پستی و پامالی اچھی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ (البقرہ ۱۱۲)

یعنی ہاں جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں اپنے کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ جب اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو پھر اپنی رائے کہاں رہی اپنی آرزو اور اپنی خواہش کہاں رہی۔ عجز و نیاز جو اسلام کا حسن و جمال ہے اگر ذرہ برابر جز میں بھی خودرائی ہوگی تو سپردگی کہاں رہے گی۔ اسی کا نام ہے تفویض الی اللہ۔

عارف شیرازی کہتے ہیں:

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نسیت
کفر ست دریں مذہب خود بینی و خودرائی

عالم عاشقی میں اپنی فکر اور اپنی رائے بالکل بے کار ہے اس طریق میں خود بینی اور خود

رائی کفر ہے۔

الغرض عجز ایک ایسی نعمت ودولت ہے کہ بابِ رحمت سے جوڑ دیتی ہے یہ بھی یاد رہے کہ اپنی بے بسی وبے کسی اور سپردگی کسی غرض سے ہوتی ہے اور کبھی خوف وڈر سے اور کبھی محبت وعظمت سے۔غرض سے ہو یا پھر خوف سے ہو یہ بھی تسلیم ہے کہ سپردگی تو ہے۔تاہم محققین کے نزدیک حق طلبی بلا طلبی۔سپردگی وعجز **وَهُوَ مُحْسِنٌ** کے قبیل سے ہو یعنی خالصاً اللہ کے لئے ہو۔حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سپردگی احسان کا مقام ختم نبوت کے شان کا تھا اس لئے آپ نے فرمایا **اَلْعِجْزُ فَخْرِیْ**، میرا عجز وسپردگی باعث صد عزت وشرافت ہے۔

حضرتِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سبھی انبیاء علیہم السلام نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کیا ہے۔ظاہر ہے کہ بابِ رحمت اور باب عطا سے ہی تمام تر ظاہری وباطنی نعمتیں جڑی ہوئی ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ اُس باب سے مستفید ومستفیض ہوتے ہیں اور ہر لمحہ اُن کا بارگاہِ قدس سے مربوط، اور علائق سے محفوظ رہتا ہے، ان کی تربیت نگاہِ ربوبیت میں ہوتی ہے، ان پر حق تعالیٰ کی تجلیات ورحمات کا نزول اور وارد کا انکشاف ہوتا رہتا ہے اور اُسکا سبب عبدیت ومسکینت ہی تو ہوتی ہے کیوں کہ جس قدر عنایات باری کا فیضان ہوتا ہے اسی قدر اپنی پستی وخستگی کا اعتراف مزید سے مزید تر قبول وصول کیلئے خود بینی وخودرائی کو مٹانی پڑتی ہے اور اس وقت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی ہدایت بہت کام دیتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ** (مشکوٰۃ:۵۱۱۹)

عزت تو رب العزت کو زیب دیتی ہے

عجز کو تواضع ہی کہا جاتا ہے یا تواضع کو عجز کہا جاتا ہے۔جو شخص اللہ کیلئے تواضع کرے

تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں۔ گرنے والے کو اٹھایا جاتا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے والد نے لکھا کہ بارگاہ رب العزت میں باریابی وحضوری کے لئے جانا چاہتا تھا تو تمام دروازے پر جم غفیر اور بھیڑ دیکھا کہ ہمت نہ ہوئی۔ ذکر وتلاوت، نماز، روزہ، اوراد وظائف الغرض تمام دروازوں پر ازدھام تھا ایسے ایسے اشخاص ذاکرین جن کا ظاہر و باطن انگ انگ بال و بُن ہمہ تن ذکر ہی ذکر یہی حال تمام اعمال صالحہ سے مزین تلاوت، نماز، روزہ وغیرہ حضرات کا تھا۔ میں جان گیا اپنے دامن میں اتنی مقدار میں کچھ بھی نہیں۔ تو دیکھا کہ یہاں بس نہیں تو عجز وذلت کے دروازہ پر چلا گیا تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور کوئی ازدہام نہیں تو بارگاہِ رب العزت اور حق جل مجدہ کی جنابِ قدس میں باریابی بسہولت ہوگئی۔ ذلت بندہ کو زیب دیتی ہے اور عزت رب العزت کو، ذلت سے عبدیت کا نور ملتا ہے، عاجز پر نظر کرم ہوتی ہے۔

سالھا تو سنگ بودی دل خراش
آزمور ایک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

یعنی پتھر دل پر بارش کا پانی کب سبزہ زار اگاتا ہے۔ انسان جب مٹی کی طرح مٹاتا ہے تو رنگ برنگ کے پھول وپھل لگتے ہیں۔ انسان کے وجود کا ذریعہ نطفہ ہے جو ماءمھین ہے پھر وہ کیوں راہ عجز اختیار کرنے سے بھاگتا ہے پھر اپنے خالق ومالک کے روبرو اعتراف واقرار انکساری سے منہ موڑتا ہے، عجز ہی میں ہماری عزت کا راز ہے، رفعت وبلندی، تعلّی وتکبر تو حق تعالیٰ کی شان ہے اس راہ سے بندہ غضب وعقاب کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور عجز وانکساری، تواضع وخستگی کا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت ﷺ

کو حکم دیا گیا تھا۔

عجز و تواضع کا حکم تو منجانب اللہ ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا، وَلَا یَبْغِ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ.

(اخرجه ابن ماجه۔رقم ۴۲۱۴ مصباح الزجاجة۔ ۳/ ۱۵۰۳ الادب المفرد ۴۲۶ الجامع الاحادیث القدسیه رقم ۸۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حق جل مجدہ نے مجھ پر وحی کی کہ میں تواضع و انکساری اختیار کروں اور کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔

نبوت کے ساتھ بندگی و عاجزی چاہتا ہوں

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہَ قَالَتْ۔ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَةَ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیْ جِبَالُ الذَّھَبِ، جَاءَنِیْ مَلَکٌ اَنَّ حُجُزَتَہٗ لَتُسَاوِیَ الْکَعْبَةَ، فَقَالَ۔اِنَّ رَبَّکَ یَقْرَأُ عَلَیْکَ السَّلَامُ وَیَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِیّاً عَبْداً وَاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا؟ فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامَ، فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَکَ، قَالَ فَقُلْتُ نَبِیًّا عَبْداً۔ قَالَتْ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ لَا یَاْکُلُ مُتَّکِئًا۔ یَقُوْلُ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ۔

(الجامع الاحادیث القدسیه رقم ۸۵۶ اخرجه ابوالشیخ فی اخلاق النبی ۱۹۸/۱۹۷) اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۳/۳۶۸۳۔ کنز العمال ۱۱/۳۲۰۲۸ مجمع ۹/۱۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے، میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا۔ اس کے تہہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی، اس نے کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے، اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟

نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی، (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے۔ (ترجمان السنۃ: ۲ / ۴۷۵)

(نوٹ) تفصیل کیلئے عاجز کی کتاب تجلیات القدسیہ حدیث نمبر ۸۵۵ / ۸۵۶ / ۸۵۷ / ۸۵۸ / ۸۵۹ دیکھ لیں۔

بارامانت ملنے کا سبب عجز و بے مائیگی بنی

جس بارامانت کو قبول کرنے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور انسان نے اس کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھالیا، اس کی بے مائیگی اور بے نوائی کام آئی خاک کے ذرہ نے سوچا کہ اگر اس بار عظیم کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تو اس کے پاس کیا ہے جو لے لیا جائیگا اور خاک کے نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر اُتار دیا جائے گا، وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی ھل من مزید کا نعرہ لگا رہا ہے۔

آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور ہمت بڑی، ہر چند فقر و فاقہ گدائی و بے نوائی اس کی خمیر میں داخل ہے، لیکن جب آفتاب امانت آسمان وجود میں درخشاں ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال سے تقدیس و تسبیح کے چمنستان سے اپنی غذا حاصل

کررہے تھے، عاجزانہ اپنی بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف کیا
فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا - اور اس بار گراں کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔
آسمان نے کہا میری صفت رفعت ہے، زمین نے کہا میرا فرش خاکی ہے، پہاڑ نے کہا میرا منصب پہرہ داری اور ایک پاؤں پر کھڑا رہنا ہے، جواہرات نے عرض کیا کہ کہیں ہمارے شیشہ میں بال نہ آجائے، اس خاک بیباک کے ذرہ نے فقر و فاقہ کی آستین سے دستِ نیاز نکالا اور اس بارِ امانت کو سینہ سے لگالیا، اور دو عالم میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا، اس نے کہا میرے پاس کیا ہے جس کو چھین لیں گے جب کسی چیز کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں، مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس چیز میں ملائیں گے، مردانہ وار بڑھا اور اس بوجھ کو جس کو سات آسمان و زمین نہ سہار سکے ہنسی خوشی اٹھالیا اور **ھل من مزید** کا نعرہ لگایا۔

حضرت مخدوم بہاری ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں شہباز محبت کو سینہ آدم کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا، آسمان کی بلندی اور عرش و کرسی کی وسعت سے گذرتا ہوا اس نے دل عاشق کو اپنا نشیمن بنایا، آب و خاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں آب و خاک ہی کے اندر ہیں اور جو کچھ اس دنیا میں آتا ہے۔ آب و خاک ہی کے ساتھ آیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ نظر آتا ہے نقش بدیوار سے زیادہ نہیں۔ کہنے والوں نے کہا ہے کہ شہباز محبت نے آشیانہ عزت سے پرواز کی عرش کے پاس سے گذرا عظمت دیکھی گزر گیا، کرسی پر پہنچا وسعت دیکھی گزر گیا آسمان پر پہنچا رفعت دیکھی آگے بڑھ گیا خاک پر پہنچا محنت دیکھی اُتر گیا اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر یوں ادا کیا ہے۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

(دعوت عزیمت: ۳/ ۲۷۵)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول اہل معرفت اور اہل مشاہدہ کے لئے کلید ہے بہت ہی عمیق اور گہری ہمہ گیر حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے:

سُبۡحٰنَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلۡ لِقَلۡبِہٖ سَبِیۡلاً اِلاَّ بِالۡعَجۡزِ عَنۡ مَعۡرِفَتِہٖ،

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے تک پہنچے کے لئے عاجزی کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بنایا۔

کسی عارف نے اس کو یوں ادا کیا ہے:

تواضع کا طریقہ سیکھ لو، لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

ایک اور عارف نے کہا:

جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں عبدیت کا کمال درجہ نصیب فرمائے اور تواضع عجز کی صفت احسانی سے مالا مال فرمائے۔ آمین

والزھد حرفتی ،زہد میرا پیشہ ہے

① بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (ھود ۸۶)

اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

② لِکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ (الحدید)

تا کہ فوت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو۔ اور جو تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ صَلَاحُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدِ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَل (رواہ البیہقی)

اول بہتری اس امت کی یقین اور زہد ہے اور اول بگاڑ اس امت کا بخل اور طولِ امل ہے۔

زہد کی حقیقت

الزھد اسقاط الرغبة عن الشی بالکلیة هروی ۱۰۱

کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ ہے کہ مال کو اڑا دیا جائے۔ لیکن زہد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے اور نیز زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آوے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ مصیبت باقی رہے۔ (ترمذی شریف)

زہد کی علامت

اس حدیث میں زہد کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق میں سے ہونے کے سبب علامات میں سے بھی ہے اور اس میں بڑی غلطی رفع کر دی ہے۔ اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذاتِ مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو اور اسکے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے گو غیر مصرف ہی میں سہی اور جو بلا ومصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو بس ان کے نزدیک بزرگی کی شرط یہی ہے اس حدیث

میں بتلا دیا گیا ہے کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ اپنے مقبوض سے زیادہ حق تعالیٰ پر اعتقاد ہونا۔ اور مصیبت گو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب کا مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ ثواب کا سبب ہے اور آیت سے استدلال ظاہر ہے۔

زہد کی اصل وہ نورِ ہدایت اور علم ہے

وماعندا اللہ خیر وابقی (الشوری ۳۶)

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز وسامان مکھی کے پَر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر و پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی۔ جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلہ میں پھٹے پرانے چتھیڑا کی ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

زہد کے درجے

زہد کے کئی درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر جبراً بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اس حالت کو زہد کہنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور......

تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے پس اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نفس نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زہد کے

کمال کا درجہ ہے۔

(حاصل کلام یہ ہے کہ) زہد ترکِ لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیلِ لذات، زہد کیلئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو۔ نفیس نفیس کھانوں، کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہئے نفس کو خوب آرام میں رکھے لیکن اس سے کام بھی لے کہ......

مزدورِ خوشدل کند کار بیش

(حقیقت یہ ہے کہ) جس کی نظر اللہ اور ما عند اللہ پر ہے اس کی نظر میں سونا اور چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں کیا (لہٰذا) مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے۔ متاعِ دنیا ہے۔ سب سے امید قطع کر دی جائے جو شخص ایسا کرے گا اس کا قلب راحت میں رہے گا کیونکہ زہد، قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتا ہے۔

طریق تحصیل دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرنا اور سوچنا۔ (شریعت وطریقت ۱۴۸)

زہد پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزھد مطبوع ہیں۔

زہد، مہلکات سے بچنا اور منجیات کا حاصل کرنا ہے

وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ - اور زہد میرا پیشہ ہے۔ اس کا مطلب آسان اور سہل لفظوں میں یہ ہے کہ جب بندہ میں حق پرستی غالب ہو جائے نفس پرستی کے مقابلہ میں اور حق طلبی کی شان کو مغلوب کر دے دنیا طلبی پر اور فانی اور دنیاوی لذتوں اور شہوتوں، خواہشوں کے پیچھے اپنے کو تباہ و برباد نہ کرے۔ دنیاوی ضرورتوں کو محض بقدر ضرورت حق تعالیٰ کی نعمت کے طور پر استعمال کرے اور شکر و حمد بجالائے۔ نعمت کو معین و مددگار عبادت کی

نیت سے نعمت ہی جانے۔ حصولِ لذت اور فضولِ شہوت کا ذریعہ نہ بنائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حبّ دنیا- یعنی دنیا سے محبت مہلکات یعنی ہلاک وتباہ کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔

اور ترکِ لذاتِ دنیا انسان کیلئے منجیات یعنی نجات دینے والی چیزوں میں ہے۔ بس زہد یہ ہے کہ دِنیا بقدر ضرورت نعمت جان کر معین عبادت کے تصور کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ حصول لذت وشہوت کی نیت قطعاً نہ ہو۔ ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو رغبت کا نہ ہونا ہی شرح صدر کی علامت ونشان ہے۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اسلام کے لئے سینہ کا کھل جانا۔ نور ربانی کا حاصل ہونے کی علامت کے طور پر بتلایا ہے۔ دراصل جب دل پر دنیا کی بے ثباتی وذلت اور آخرت کی دوامی نعمت ورحمت کھل جاتی تو فانی وذلیل کی رغبت جاتی رہتی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوامی وباقی کی طرف طبیعت کی رغبت وشوق کا میلان تیز تر ہوتا ہے۔ اور دل دنیا سے روٹھ جاتا ہے اور اُٹھ جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے۔ اور طبیعت عبادت واطاعت، رُشد وہدایت، برکت ورحمت مغفرت وجنت کی طرف اٹک جاتی ہے۔ بابا رشتہ سب سے توڑ، بابا رشتہ رب سے جوڑ۔ یہ زہد کا ماحصل ہے۔

زہد کا ظہور وعلامتِ شرح صدر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (سورۃ زمر ۲۲)- تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرحِ صدر کا مطلب پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکام کا سمجھنا عمل

کرنا آخرت کی طرف طبیعت کا چلنا دنیا سے نفرت اور آخرت کی رغبت کا پیدا ہونا آسان ہو جاتا ہے، یہی تو زہد ہے)۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے، تو خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

① اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ، ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا۔

② وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ،

اور دھوکہ کے گھر یعنی دنیا (کی لذائذ اور زینت) سے دور رہنا۔

③ والتأهب للموت قبل نزوله،

رواه الحاکم فی المستدرک والبیهقی فی شعب الایمان۔

اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔ (معارف ۷/ ۵۵۱)

زہد شریعت، زہد طریقت، زہد حقیقت

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ حضرت، زہد کسے کہتے ہیں؟ فرمایا زہد کے مختلف درجات ہیں ایک ہے عوام الناس کا زہد- وہ یہ کہ انسان اللہ کی خاطر حرام کو چھوڑ دے، پھر فرمایا کہ جو ضرورتِ زندگی سے زاید چیزیں ہیں اُن سے بے رغبت ہو جانا خواص کا زہد ہے، اور وہ چیزیں جو انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر اپنی طرف کرتی ہیں، اگر چہ خلاف شرع نہیں ان کو چھوڑ دینا اخص الخواص کا زہد ہے۔

① زہد شریعت یہ ہے کہ اسباب سے نظریں ہٹا کر مسبّب کی طرف نظریں جماؤ۔

② زہد طریقت یہ ہے کہ اپنے دل کی نگاہیں غیر سے ہٹا کر اپنے اللہ پر جماؤ۔

③ زہد حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی خودی یعنی میں کو اتنا مٹائے کہ بس ایک اللہ کے سوا کچھ بھی نہ رہے۔ (انمول حدیث ۳۸۸)

تین طرح کے زاہدین ہوتے ہیں

① **خائفین کا زہد**- کچھ لوگ جہنم کے عذاب سے ڈر کر گناہ و معصیت اور حرام

چھوڑ دیتے ہیں۔ اسے خائفین کا زھد کہتے ہیں۔

۲ **راجئین کا زھد**۔ بعض لوگ جنت کی تمنا میں معصیت کو چھوڑ دیتے ہیں تا کہ جنت کے امیدوار بن جائیں، ان کا یہ ڈرنا راجئین کا زھد کہلاتا ہے۔

۳ **محبین کا زھد**، یہ ان لوگوں کا زھد ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہر طرف سے بے رغبت ہو چکے ہوتے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے دور کر دے اسے ترک کرنا زھد ہے، طمع و لالچ۔ حرص و امل کو چھوڑ دینا ہی تو زھد ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک روایت نقل کی ہے:

اَزْهَدُ النَّاسِ مَنْ لَمْ يَنْسَ الْقَبْرَ وَالْبَلَاءِ

سب سے بڑا زاھد وہ ہے جو قبر کو نہ بھولے۔

یعنی موت کا آنا اور قبر کی تنگ و تاریک کوٹھری میں تنِ تنہا رہنا۔ اور تمام تر مراحل کا وحشت و دہشت کے ساتھ جھیلنا۔ ان باتوں کا ہمہ وقت فکر و نظر اور تخیل و دماغ پر مسلط رہنا۔ ترکِ لذات اور ترک زینت آسائش پر امادہ کر دیتا ہے، دنیا کی رنگینیت و زیبائش سے طبیعت کو متنفر رکھتا ہے۔

والبلاء۔ ناخوش گوار حالات کا سامنا۔ یعنی فناء اور اعضاء جسم کا بکھر جانا۔ انسان

اپنی جسمانی قوت وصحت کی حفاظت اور پھر اُس کے حُسن و جمال کے خاطر نہ معلوم کیا کیا تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ اور بالآخر ایک دن اِس سے حیات اور جان نکال لی جائے گی اور قبر کی گہرائی میں سپرد خاک کردی جائے گی اور وہاں مٹیاں اس کے خوبصورت رخسار کو کھاجائیں گی۔ جن بازوؤں کی مثل پر ناز تھا اسے خاک میں ملادیں گے نہ مثل رہے گا نہ مثل والے اور ان پر کیڑوں مکیڑوں کی حکمرانی ہوگی، کھاکر اسکے وجود کو مٹادیں گے۔

وَتَرَكَ اَفْضَلَ زِيْنَةِ الدُّنْيَا، اور دنیا کی پسندیدہ ومرغوبات کو چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی بڑا زاھد وہ ہے جو دنیا کو برت سکتا تھا۔ مگر فکر آخرت اور حق طلبی اور حق پرستی میں ایسا مگن اور منہمک اور مست و یاد مولا میں سرشار ہے کہ دھوکہ دینے والی زینت سے نگاہ پھیر چکا ہے، دل پر آخرت کی حقیقت منکشف ہو چکی ہے اب دھوکہ نہ کھائیے گا۔

وَاٰثَرَ مَا يَبْقىٰ عَلىٰ مَا يَفْنىٰ - اور باقی رہنے والی کو فانی یعنی مٹنے والی پر فوقیت دیدے۔ یعنی آخرت کو اور ہر وہ قول وعمل جو آخرت سے قریب کردے اس کو چُن لے، انتخاب کرلے، چھانٹ لے، اور انہیں کو تمام دنیا اور اسباب دنیا کے مقابلہ میں اپنی زندگی کا نصب العین ومحور بنالے۔

بعض حکماء کا قول ہے

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا مِنْ ذَهَبٍ فَانٍ وَالْآخِرَةُ مِنْ خَزَفٍ بَاقٍ
لَاخْتَارَ الْعَاقِلُ الْبَاقِيَ عَلَى الْفَانِيْ

اگر دنیا پوری سونے کی فانی ہو اور آخرت ٹھیکرے کی باقی ہو تو ایک عقلمند باقی و ہمیشہ رہنے والی کو فنا ہونے والے سونے کے مقابلہ میں اختیار کرے گا۔

سیدھی سادی بات ہے جو ختم ہونے والی ہے مٹنے اور فنا ہونے والی ہے، تباہ و برباد ہونے والی ہے، نیست و نابود ہونے والی ہے اپنے وجود کو معدوم کی حالت میں لے جانی

والی ہے۔اس کا انتخاب، دانا و بینا، ہوشمند و عقلمند، فہم و فراست والا، سمجھدار و شعور والا، کبھی بھی نہیں، اور کسی حال میں بھی نہیں اس کو پسند کرے گا کے مٹنے اور ختم ہونے والی کا انتخاب پائدار اور مستحکم اور ہمیشگی کے ساتھ جو چیز موصوف ہو اس کے مقابلہ میں کر لے۔

ایک نکتہ غیبی

یہاں ایک نکتہ بھی یاد رہے کہ روح انسانی ابدی تو نہیں مگر ازلی ضرور ہے یعنی اب اس کو دوام و بقاء حاصل ہے۔صفاتِ روح کی جو بھی ہو وہ ایک الگ چیز ہے۔جس کا یہ موقع نہیں، عقلمند تو وہ ہی ہے جس کی عقل بھی بالغ ہو اور عقل کا بلوغ اللہ والوں کے یہاں، ایمان باللہ، ایمان بالرسالہ اور ختم نبوت کا عقیدہ کے ساتھ فکر آخرت، اور آخرت کی حیاتِ جنت کی سعی و کوشش ہو، روح جب بیدار ہوتی ہے تو خود باقی ہونے کی وجہ سے باقی چیزوں کو پسند کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے، تو روح باقی چیزوں کو گرچہ وہ اہل دنیا کو نگاہ میں ہلکی پھلکی کیوں نہ ہو باقی و ابدی اور ہمیشگی کی صفت والی چیزوں کو ہی پسند کرتی ہے اور بات چل رہی ہے زہد کی اور زاہد کی، تو زہد بھی یہی ہے کہ زاہد راہ میں اور سفر آخرت کیلئے تمام وزنی اور بھاڑی کو لے مٹنے والی کو دیکھے بھی نہیں۔چھوئے بھی نہیں اور باقی اور پائدار اور ہمیشہ رہنے والی کو چھوڑے بھی نہیں خواہ وہ اہل دنیا کے نزدیک بے قدر ہی کیوں نہ ہو، زھد یہی ہے کہ آخرت میں کام آنے والی چیزوں کی قدر کر لی جائے، روح کی خاصیت یہی ہے کہ روحانیات کو تقویت دینے والی اشیاء کو منتخب کر لے اور قول و عمل سے مزین کر لے، فانی اور مٹنے والی چیزوں کی آخرت میں کوئی قیمت نہ ہو گی اور باقیات وصالحات کی ہی قیمت ہو گی۔لہٰذا زاہد زہد کی برکت سے بفضل ربانی زوال پذیر چیزوں سے منہ موڑ لیتا ہے اور باقی اور باقیات وصالحات کی طرف راغب ہو کر لے لیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں،

لذتوں، شہوتوں سے محفوظ فرمائے اور زہد کی صفات سے مزین فرمائے۔ آمین

کل کس نے دیکھا ہے ؟

وَلَمْ يَعُدَّ غَدًا مِنْ اَيَّامِهٖ ، اور آنے والے دن کو اپنی زندگی میں شمار نہ کرے۔
یعنی کل کس نے دیکھا ہے کیوں کہ ایسا آدمی موت کو اپنے دونوں آنکھوں کے درمیان دیکھتا ہے اور سانس کی جو مقدار متعین ہے اس کو پوری کررہا ہے اور زادِ آخرت کی تیاری میں لگا ہوا ہے ہمہ تن آخرت کا توشہ سمیٹ رہا ہے، وقت جو بھی مل رہا ہے اس کو غنیمت جان کر قیمتی بنا رہا ہے۔ اس کی نگاہ کل پر نہیں آج اور ابھی کو اعمال صالحہ سے مزین و معین آخرت بنا رہا ہے۔

رزائل سے تخلّی اور محاسن سے تحلّی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ، اپنے کو مٹا دو قبل اس سے کہ تمہاری موت آئے۔

یعنی جس طرح مردہ سے گناہ و معصیت سرزد نہیں ہوتا تم بھی اپنے کو اس طرح نیکیوں کا عادی وخوگر بنالو اور اپنی خواہش و تمنا کو حق جل مجدہ کی رضا و خوشنودی میں مٹا دو۔ فکر و نظر کو شریعت و سنت کے تابع کردو کہ اپنی کوئی خواہش نہ رہے۔

وَعَدَّ نَفْسَهٗ فِي الْمَوْتٰى ، (رواہ البیهقی عن الصحاک۔ فیض القدیر رقم ۹۶۳)
اور اپنے کو مردہ میں شمار کرے،

اس لئے کہ دو چیز ہے ایک تخلی اور دوسری چیز ہے تحلّی۔

تخلی کا مطلب ہے رزائل سے زندگی کو پاک وصاف رکھنا اور دنیاوی زیب وزینت سے احتراز واجتناب کرنا زھد کیلئے یہ تَخَلِّيْ عَنْ زِيْنَةِ الدُّنْيَا۔ یعنی دنیاوی

زینت سے زندگی کو پاک وصاف رکھنا بنیادی ستون واہم ترین اصول ہے، اور **تَحَلّٰی بِقَصْرِ الْأَمْرِ** ،یعنی حق جل مجدہ کے حکم کی اعلیٰ ترین بجا آوری اور امتثال سے **يُوْجِبُ مَحَبَّةَ لِقَاءِ اللهِ**،حق جل مجدہ کی محبت جاں گزیں اور پیوست ہوجاتی ہے۔ اور شاہِ راہ محبت الٰہی کا سراغ مل جاتا ہے۔ منزل کی نشاندہی ہوجاتی ہے، باطن پر غیبی واردات وانوارات کا نزول ہونے لگتا ہے، ظلمت وکدورت جو حجاب ورکاوٹ بنے ہوئے تھے دل سے دور ہوجاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

زہد کی دنیا میں آخری منزل

زاھد- راہِ زہد میں حق جل مجدہ کے احکام وآداب کی پاسداری میں فنا ہوجاتا ہے، اس کی نگاہ کا نقطہ عروج بس مولا اور مولا کے حکم کی بجا آوری کا نشہ وخمار ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس میں کھوجاتا ہے اور جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر **يُوْجِبُ مَحَبَّةَ لِقَاءِ اللهِ**، اللہ پاک کی ملاقات کی محبت کا جام اس کو پلادیا جاتا ہے۔ جس سے وہ حکم کی اتباع واطاعت میں ذات حق عزوجل کی لقاء کو قوی سے قوی تر مضبوط ومستحکم کرتا ہے اب اس کو عبادت میں احسان کی کیفیت کا احساس وادراک ہوتا ہے۔ سجدہ کا قرب، مناجات کی لذت، تلاوت کی حلاوت، اطاعت وعبادت میں رب العزت کی جانب سے عزت اور معصیت میں ذلت ونقمت کا انکشاف وظہور رہوتا ہے پھر اس کو ایک اور نعمت، رحمتِ باری سے ملتی ہے۔ وہ **وَمَحَبَّةَ لِقَائِهٖ تُوْجِبُ مَحَبَّةَ الْخُرُوْجِ مِنَ الدُّنْيَا**،یعنی اللہ پاک سے ملنے اور ملاقات کی طلب ومحبت اس کو دنیاوی لذات وشہوات، نفسانی وشیطانی تمام کید وفریب اور زیب وزینت سے دور رہنے پر امادہ کرتی

ہے۔ اعلیٰ ہمیشہ ادنیٰ اور کم تر پر فوقیت رکھتا ہے، اعلیٰ اور ربِّ اعلیٰ اس کو مل گیا تو وہ ادنیٰ اور کم تر فانی کو باقی پر کیوں ترجیح دے گا۔

وَهٰذَا نِهَايَةُ الزُّهْدِ فِيْهَا، یہی زہد کی دنیا میں آخری منزل ہے۔ یہاں ایک بات ذہن نشین رہے کہ اسلام میں زہد ہے، رہبانیت نہیں۔ زہد میں اللہ و رسول کی کمال اتباع و اطاعت ہے حلال کا استعمال اتباع سنت کی نیت سے زہد ہے۔

لہٰذا زہد و رہبانیت میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کمال اتباع خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توفیق بخشے۔ آمین

زہد سے حکمت ملتی ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِی الْخَلَّادِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلَقَّی الْحِکْمَةَ. (شعب الایمان۔ترجمان السنۃ ۲/۲۲۸)

حضرت ابوھریرہ اور خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم سخنی کی صفت پیدا کر دی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیوں کہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھا دی جائے۔ (شعب الایمان)

حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القا فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکات ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلمات حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اسکے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکات ایمانی

اسی طرح لگ جاتی ہیں، جیسا ڈاکٹروں کی نظر میں متعدی امراض۔ ترجمان السنۃ ۲/۲۲۸

وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، (اور یقین میری طاقت وقوت ہے)

یا

وَالْیَقِیْنُ قُوْتِی، (اور یقین میری غذا ہے)

اور اگر اس کو **قُوْتِیْ** پڑھا جائے تو ترجمہ ہوگا **یقین میری غذا ہے۔**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَفِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِلْمُوْقِنِیْنَ۔ (الذاریات ۲۰)

اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ تھانویؒ

وبالآخِرَۃِ ھم یوقنون۔ (بقرہ:۴)

اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ (تھانویؒ)

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

نَجَاءُ اَوَّلِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بِالْیَقِیْنِ وَالزُّھْدِ، وَیُھْلِکُ آخِرُھَا بِالْبُخْلِ وَالْاَمَلِ، (ابن ابی الدنیا۔ فیض القدیر، رقم: ۹۲۵۶)

اس امت کی نجات یقین اور زھد میں ہے اور آخری زمانہ میں امت ھلاک ہوگی بخل اور لمبی امید وتمنا میں۔

یقین کی تعریف

اَلَّذِیْ ھُوَ مِنْ صِفَاتِ الْعِلْمِ الْقَطْعِیِّ الَّذِیْ فَوْقَ الْمَعْرِفَۃِ،

یقین، قطعی علم کے صفات میں سے ہے جو معرفت سے اوپر کی چیز ہے۔

فَعَلٰی قَدْرِ قُرْبِھِمْ مِنَ التَّقْوٰی اَدْرَکُوْا مِنَ الْیَقِیْنِ (فیض القدیر ۹۲۵۶)

یعنی تقویٰ وطہارت قلب کے ذریعہ جس قدر حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ یقین کی

کیفیت منکشف ہوتی ہے۔

علم کے تین درجے

عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں:

پہلا علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔

دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر اس کا پانی چلو میں لے لیا۔

تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں پہنچ کر اس میں غوطہ لگا لیا۔ معارف القرآن کاندھلوی

حضرت صاحب تفسیر مظہری کی رائے

میں کہتا ہوں کہ علم الیقین ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

ایمان کی خوبی

حق جل مجدہ کا اہل ایمان پر بڑا عظیم فضل وکرم ہے کہ بے شمار نعمتیں عطاء باری سے اھل ایمان کو ملی ہیں، اُن نعمتوں میں ایک غیبی نعمتِ کبریٰ یقین کی نعمت ہے۔ روز اول سے ایمان بالغیب کی ھدایت دی گئی اور اسی تعلیم اور حکم ربانی پر ہماری رُشد وہدایت کو منحصر اور موقوف رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور جملہ مغیبات اور چھپی ہوئی چیزوں کا مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہم کو آگاہ کیا کہ ان پر آنکھ سے دیکھی ہوئی چیزوں سے زیادہ بھروسہ ویقین رکھو اور اُن حقائق کو جو تمہاری آنکھ نہیں دیکھتی اور نہ اس دنیا میں اُن کا مشاہدہ کرنے کی تمہارے اندر تاب وسکت ہے نہ ہی قدرت واستطاعت ان کو ہو بہو۔ من وعن اسی طرح مانو جس طرح تم کو حق تعالیٰ نے نبی برحق حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ باخبر کیا ہے۔

دراصل یقین بھی اسی وقت بنتا ہے جب عملی قدم وثوق واعتماد کے ساتھ تیز تر ہوتا

ہے اور یقین کی کیفیت پر جو غبار و ظلمت چھایا ہوا ہوتا ہے وہ اعمال کی برکت سے دھیرے دھیرے دھلتا اور صاف ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ حضرات جن کو اللہ رب العزت نے ذوق و شوق کے ساتھ عبادت و اطاعت ذکر و فکر، اوراد و اشغال اور استقامت کے ساتھ تلاوت کی توفیق دی ہے ان میں یقین کی قوت و طاقت بہت ہی عمیق و گہری ہوتی ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جن میں عملی کوتاہیاں ہیں۔ آخر رات کی تاریکی میں نرم و گرم بستر و خواب گاہوں سے کون سی طاقت گہرے نیند سے اٹھا کر مصلّٰی پر کھڑا کر دیتی ہے، وہ یقین ہی تو ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کیلئے وہ تیار ہے جو آنکھ نے دیکھا نہیں کان نے سنا نہیں۔ اُسی کے حصول کے لئے یقین کے ساتھ راتوں کو نیند قربان کر کے بارگاہِ بے نیاز میں نیاز مندانہ سربسجود ہوتا ہے یقین کی قوت انسان کو اللہ کے نام پر جان قربان کرنے کی سعادت سے شہادت کا مقام دلاتی ہے۔ اللہ ہمیں آخرت کے تمام وعدوں پر یقین کی نعمت سے مالا مال فرمائے اور دلوں پر انوارات و تجلیات کا مشاہدہ۔ آمین

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یقین کی نعمت اللہ تعالیٰ سے مانگا

قوتِ یقین ایسی عظیم نعمت و طاقت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک سبھی نے مختلف اوقات و احوال میں رب العزت سے اس کا سوال کیا اور مناجاتِ انبیاء و رسل میں محدثین نے ان کو ذکر کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ایمان و یقین کا سوال کیا، حق جل مجدہ نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو انہوں نے بیت اللہ کا سات چکر طواف کیا اور دو رکعت جہاں اب مقام ابراہیم ہے، وہاں نماز ادا کی، پھر انہوں نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاعْطِنِیْ سُؤْلِیْ، وَتَعْلَمُ مَا عِنْدِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّہٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبَ لِیْ وَرَضِّنِیْ بِقَضَائِکَ.

(الجامع الاحادیث القدسیہ رقم ۲۳۰، تجلیات قدسیہ ۲۳۰، کنز العمال ۱۲۰۳۴/۵، الجامع الازہر للمنادی ۱۱۴/۲)

اے اللہ بے شک تو میرے چھپے ہوئے اور ظاہری احوال کو جانتا ہے۔ تو میرے عذر کو قبول فرما۔ اور تو میری حاجتوں کو جانتا ہے تو میرے سوال کو پورا کردے اور جانتا ہے جو کچھ میرے ساتھ ہے، میرے گناہوں کی مغفرت کردے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے ایمان کا جو پیوست ہو جائے دل میں، اور سچا یقین کہ رسوخ ہو اس بات کا کہ مجھے کوئی چیز نہیں پہنچے گی مگر جو لکھی ہوئی ہے میرے حق میں، اور مجھے اپنے قضا و قدر پر راضی رکھ۔

آدم علیہ السلام کے دعا کی اجابت کا ظہور

جب آدم علیہ السلام نے مذکورہ دعا مانگ لی تو بارگاہِ رب العزت سے حضرت آدم کو وحی الٰہی آئی اے آدم آپ نے ایسی دعا مانگی ہے جو میں نے قبول کرلی اور آپ کی مغفرت کردی اور تمام ہم و غم کو ختم و دور کردی گئی اور سنئے آپ کی ذریت میں سے جو کوئی آپ کے بعد اس دعا کے ذریعہ بارگاہِ حق میں مناجات کرے گا تو وہ تمام نعمتیں جو آپ کو دی گئیں ہیں ان کو بھی دی جائے گی اور مزید یہ کہ اسکی نگاہوں کے سامنے سے فقر و تنگدستی دور کردی جائے گی اور ہر تجارت کرنے والے کی تجارت سے اس کو اپنے نصیب کا حصہ ملے گا اور اس کے پاس دنیا نہ چاہتے ہوئے بھی آئے گی اگرچہ وہ ارادہ نہ کرے۔

یقین کا مفہوم شارحین کے نزدیک

اس مناجات میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ

کسی کو ملتا ہے اور جو اچھی یا بری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حق تعالیٰ کے فیصلہ سے آتی ہے، اس سے راضی رہنا اور دل جمعی کے ساتھ اس پر جمنا یقین صادق کا مصداق ہے۔ اگر، مگر، قیل وقال، ایسا ہوتا تو یوں ہوتا - ان باتوں سے ایمان کامل اور یقین صادق میں عدم پختگی کا اشارہ ملتا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے ایمان جو دل میں اتر جائے اور یقین کو تقویت پہنچائے، اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاء

ترمذی ونسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ وَمِنْ طَاعَتِکَ مَاتُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَاوَلَا غَایَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تَسَلَّطَ عَلَیْنَا مَنْ لَایَرْحَمُنَا۔ (اخرجه الترمذی والنسائی)

یا اللہ ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی طاعت سے اتنا حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ سے اپنی جنت میں پہنچا دے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے اور ہماری سماعتیں اور ہماری بینائیاں، اور ہماری قوت کو کام کا رکھ، جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اور اس کی خیر کو ہمارے بعد باقی رکھنا، اور ہمارا انتقام اس سے لے جو ہم پر ظلم کرے، اور ہمیں اس پر غلبہ دے جو ہم سے دشمنی کرے اور ہمارے دین میں ہمارے لئے

مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو نہ ہمارا مقصودِ اعظم بنا، اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا، اور نہ ہماری رغبت کی منزلِ مقصود، اور ہم پر اس کو حاکم نہ بنا جو ہم پر مہربان نہ ہو۔

تہجد کے وقت طویل دعا کا ایک جملہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تہجد کی نماز سے فارغ ہوئے تو ایک طویل دعا مانگی جو ترمذی میں ۱۴۴۱۳ میں درج ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا لَّیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ (الخ)

اے اللہ مجھے ایسا ایمان ویقین نصیب فرمائیں جس کے بعد کفر نہ ہو۔

یعنی کوئی بھی بات مجھ سے احکام شرعیہ کے خلاف سرزد نہ ہو۔ (تحفہ ۸/۸۴)

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا میں یوں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّہٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرِضًی مِنَ الْمَعِیْشَۃِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ،

یا اللہ، میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو جائے اور وہ پختہ یقین جس سے میں سمجھ لوں کہ مجھ تک کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو تو میرے لئے لکھ چکا ہے اور اس چیز پر رضامندی جو تو نے معاش میں میرے حصہ میں کر دی ہے۔

(کنز العمال عن ابن عمرؓ)

ایک جگہ مناجات میں آیا ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ فِی الْحَقِّ بَعْدَ الْیَقِیْنِ (مناجاتِ مقبول جمعہ)

یا اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں حق بات میں اعتقاد کے بعد شک لانے سے۔

ان تمام مناجات کا حاصل یہ ہے کہ ایمان ویقین یہ دو ایسی نعمت ہے کہ اس میں تمام دنیا و آخرت کی سعادت چھپی ہوئی ہے اور ایمان کو ترقی ہوتی ہے یقین سے اور یقین کو ترقی ملتی ہے اللہ و رسول کے وعدوں پر عملی قدم سے اور عملی قدم توفیق اور فضل الٰہی سے

طلب صادق پر عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل اور یقین صادق کی لازوال نعمتوں سے نوازے آمین ثم آمین اور قلوب کو شکوک وشبہات سے پاک فرمائے آمین ثم آمین۔ایک روایت میں خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ، (الخ)

یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اھل ہدایت جیسی توفیق اور اھل یقین جیسے اعمال۔

یقین کی کیفیت کے ساتھ اعمال میں ایک غیبی قوت وطاقت ہوتی ہے جس سے اعمال میں رغبت وشوق کی ایک نورانی کڑی جری رہتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں یقین کی قوت وطاقت عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

صدق میرا سفارشی وساتھی ہے

وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ اور صدق میرا شفارشی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (محمد:۲۱)

ترجمہ: اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہونا۔(تھانویؒ)

اللہ تعالیٰ سے سچا رہنا یہ ہے کہ ہر حکم ربانی کو عملاً ماننا چاہئے اور بات بھی اچھی اور معقول کہیں اور ثابت قدم رہ کر ثابت کردیں کہ اللہ پر ایمان سچا ءپکا ہے اور ہر طرح کی قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار رہیں اسی میں اھل ایمان کی خیر وبھلائی ہے۔ (واللہ اعلم)

صدق کا بیان

اَلصِّدْقُ اِسْمُ الْحَقِیْقَةِ الشَّیْءِ بِعَیْنِهٖ حُصُوْلًا وَوُجُوْدًا، (ہروی رحمۃ اللہ علیہ)

صدق نام ہے شی کی حقیقت کا بعینہٖ جبکہ وہ شی حاصل بھی ہو اور اسکا وجود حقیقی محسوس ہو۔

یعنی حال و کیفیت بھی حاصل ہو۔ صدق سے مراد یہاں خاص قسم کا صدق ہے۔ یعنی مقامات میں صادق ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

(ترجمہ) مومن تو وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر کچھ تردد نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ پورے سچے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

مَرَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ وَهُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَصِدِّیْقِیْنَ اِلٰی قَوْلِ اَبِیْ بَکْرٍ لَا اَعُوْدُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ پر گذر ہوا وہ اپنے غلام پر لعنت کر رہے تھے۔ آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لعنت کرنے والے اور پھر صدیق۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

حقیقتِ صدق اور افعال، اقوال، احوال کا صدق

جس مقام کو حاصل کرے، کمال کو پہنچا دے، اس میں کسر نہ رہے (صدق کہلاتا ہے) اور اس کے معنی پختگی کے ہیں اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ تمام احوال و افعال و اقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکا ہے۔ شریعت میں صدق عام ہے۔ افعال کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی، اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی ہو یعنی واقع کے مطابق ہو۔ جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو۔ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو۔ پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں پس جو احوال خلافت سنت ہوں وہ احوالِ کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں۔ اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔ نیز صدقِ احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحبِ حال پر باقی رہے۔ یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہوگئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا۔ یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہنا چاہیے کہ جو حالت طاری ہو، وہ مقام ہو جائے۔

حقیقتِ صدیقیت سے راسخ فی الدین مراد ہیں

محققین نے حقیقت صدیقیت کی یہ بیان کی ہے کہ عقائد شرعیہ نظریہ کا اس کو ذوقاً ادراک ہونے لگے اور اعمالِ شرعیہ اس سے طبعاً صادر ہونے لگیں۔ پس نظریات اس کے نزدیک بدیہیات ہو جائیں اور عبادات، عادات ہو جاویں۔ اوّل ثمرہ ہے قوتِ قدسیہ کا، اور ثانی کمال خلق کا ثمرہ ہے اور صرف ثانی میں اکمل ہونا شہادت ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو۔

اس آیت میں اوّل تقویٰ کا امر ہے۔ متقی کے معنی کامل فی الدین (تقویٰ کے بیان میں) ثابت ہو چکے ہیں كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سے مقصودِ مذکور کے طریق کا بیان ہے کہ حاصل اس کا معیت مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ہے۔ پس صادقین سے معنی مشہور صادقین فی القول مراد نہیں بلکہ راسخ فی الدین مراد ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے

بعض انبیاء علیہم السلام کو صدیق فرمایا ہے (جیسا کہ اس آیت میں ہے):

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا.

اور اسی صدیقیت کا درجہ نبوت کے بعد ہے پھر شہداء و صالحین کا درجہ ہے۔

(خلاصہ یہ کہ) جس طاعت کا ارادہ ہو۔ اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا۔ مثلاً نماز کو اس طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے۔ یعنی اس کو مع آدابِ ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا۔ علیٰ ہذا اتمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے اس کا اختیار کرنا صدق ہے۔

طریقِ تحصیل

صدق، مابہ الکمال کے جاننے پر موقوف ہے۔ (لہٰذا) ہمیشہ نگراں رہے اگر کچھ کمی ہو جاوے تو اس کا تدارک کرے۔ اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جاوے گا۔ (یہی صدق کا طریق تحصیل ہے)۔ (شریعت وطریقت ۱۶۲)

صدق و سچائی صفات باری تعالیٰ ہے

یہ جو فرمایا گیا کہ صدق و سچائی میرا اشفارشی ہے اس کو آسان و سھل طریقہ سے سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھیں کہ حضور خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ، سچائی نجات کا ذریعہ ہے۔

اور جھوٹ ھلاک کرتا ہے۔ دراصل **اَلصِّدْقُ** سچائی کو۔ **اصدق القائلین** حضرت حق جل مجدہ سے مناسبت اور ربط ہے اور **الصدق** سچائی تو خود ذاتِ حق جل مجدہ کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا۔ (بقرہ ۸۷)

اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

ایک دوسرے مقام پر حق جل مجدہ نے فرمایا:

وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا (بقرہ ۱۲۲)

اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا۔

یعنی قیامت کا آنا، ثواب وعقاب کے تمام وعدوں کا پورا ہونا صحیح وسچ ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اهل ایمان کے لئے باغ وبہشت اور جنت کی راحت ومسرت اور پُربہار زندگی کا وعدہ حق تعالیٰ کی جانب سے سچا وپکا وعدہ ہے۔ صاحبِ ایمان جب صدق سچائی کو اپناتا ہے اور قول وعمل، ظاہر وباطن، اعمال وافعال میں صداقت ویگانگت۔ ہم رنگ وہم آہنگ کی صفات جو الٰہی خُلُق وصفت ہے کمالِ رسوخ پیدا کرلیتا ہے تو یہ صفت اس کے لئے باعث نجات اور باعثِ شفاعت بارگاہ رب العزت میں بنتی ہے۔ اسی کو حدیث میں اَلصِّدۡقُ شَفِیۡعِیۡ، کہا گیا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بہت ہی واضح طور پر آیا کہ روزہ اور قرآن کریم بارگاہِ رب العزت میں سفارش وشفاعت کریں گے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صدق وسچائی صفاتِ باری تعالیٰ ہونے کی وجہ سے بندہ کی شفاعت وسفارشی بنیں گے یا یوں تعبیر کرلی جائے کہ صدق وسچائی صفتِ شفاعت ونجات میں سے ہے۔

صدق وسچائی صفاتِ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صفات امتِ رحمۃ للّعلمین ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ، (۳۳)

اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ جانا جس نے اس کو، وہی لوگ ہیں ڈروالے (شیخ الہندؒ)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے

سچ مانا وہ مومن ہے۔(گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق جاء بالصدق سے مراد حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور **وَصَدَّقَ بِهٖ** سے مراد امتِ رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آیت کا مصداق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (صدق یعنی) لا الٰہ الا اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اور آپ نے خود اس کی تصدیق کی یعنی لوگوں تک اس کو پہنچایا اس تفسیر پر **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ**، سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کی طرف اشارہ ہوگا۔(گلدستہ ۶/ ۳۴۳)

اہل ایمان صادق بھی ہیں اور مُصدّق بھی۔صدق سچائی پر تو ہیں ہی اور مصدق بھی ہیں سچائی کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔اور اہل باطل کاذب جھوٹے میں اور مکذب بھی کے سچ کو جھٹلاتے ہیں۔اہل باطل کی سزا اس سے پہلے والی آیت میں جہنم اور اہل ایمان کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

صادق ومُصَدِّق کو عطاءِ باری

لَهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓءُ الْمُحْسِنِيْنَ، (۳۴)

ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۳۵ زمر)

تا کہ اتار دے اللہ تعالیٰ ان پر بُرے کام جو انہوں نے کئے تھے اور بدلے میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔(شیخ الہندؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ متقین و محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو بُرا

کام ہو گیا وہ معاف کر دے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

امام مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے گا اور بُرے اعمال کا بدلہ نہیں دے گا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں۔ سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں۔ یہی متقی، پارسا اور پرہیز گار ہین جو اللہ سے ڈرتے رہے اور کفر و شرک سے بچتے رہے اُن کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ تو محض سچائی کی تصدیق یعنی ایمان سے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور نیکیاں جو بھی ہوں گی قبول ہوں گی اور یہ محض عطاء باری تعالیٰ ہو گی، اسی کو حضرت فداہ ابی و امی خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلصِّدْقُ شَفِیْعِیْ کہ سچائی میرا سفارشی ہے

گویا کہ سچائی شفاعت تو ہے ہی اسمیں بشارت بھی ہے یعنی صدق و سچائی میرے لئے بشارت ہے۔

حاصل صدق

اب یہ بات خوب واضح اور روشن ہو گئی کہ صادق اور مصدق یعنی سچے کو اور سچائی کی تصدیق کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے متقین کا خطاب دیا اور جزاء میں ان کو محسنین کے فہرست میں رکھ کر وہ سب کچھ عطاء ہو گا جو بروز قیامت محسنین کو عطاء ہو گا۔ اور بطور اکرام و اعزاز صادق سچے کو اور مصدق سچائی کی تصدیق کرنے والے کے ساتھ خاص فضل و کرم یہ ہو گا کہ اَسْوأ۔ بُرے گناہ کو اُن سے ہٹا دیا جائے گا اور احسن۔ نیکیاں قبول کر لی جائے گی یہ ہے اَلصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، صدق میرے لئے باعث بشارت ہے یا باعثِ شفاعت و سفارشی ہے پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ نبی خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جامع و انمول اور نورانی کلمہ فرما دیا:

اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ، سچائی نجات اور جھوٹ ہلاکت ہے۔

سچائی تو اونچی شئ ہے، سچائی کو سچ جاننا تصدیق کرنا بھی باعث نجات وبشارت ہے۔
پہلا مرحلہ صدق کا نبوت ورسالت ہے اور دوسرا مرحلہ صدق کا امت کو ملا ہے اور وہ صدق کی تصدیق ہے جس کو قران حکیم نے **وَصَدَّقَ بِهٖ** سے تعبیر کیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، دونوں کے لئے ہے

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا رِضَاءً نَفْسِكَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ نَبِيِّكَ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

ذکر خیر آنے والوں میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے بہت سی حقیقتیں مانگی۔ان میں ایک اہم اور آئندہ آنے والی نسلوں میں بروز قیامت تک کے لئے مانگی وہ لسانِ صدق یعنی ذکر خیر اور طریقہ خیر کا سوال کیا تاکہ اس پر لوگ چلیں اور ہمیں اس کا ثواب ملے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نقل کیا ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ (الشعراء ۸۴)

اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں۔(شیخ الہندؒ)

اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔ (تھانویؒ)

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرزمانہ میں میرے گھرانہ سے نبی ہو اور امت ہو اور میرا دین تازہ کریں، چنانچہ یہ ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور اُن کی نسل سے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا جنہوں نے ملّت ابراہیمی کی تجدید کی اور

فرمایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ، اور كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

صادقین کی معیت کا حکم باری ہے

اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ ۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔ (شیخ الہندؒ)

یعنی سچوں کی محبت رکھو اور انہی جیسا کام کرو۔

مُدْخَلِ صِدْق اور مُخْرَجِ صِدْق

حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکّہ سے مدینہ کی ہجرت کے وقت حضرتِ حق جل مجدہ نے ایک دعاء کی تلقین فرمائی اور اُس دعاء کی برکتوں کا خوب ظہور بھی ہوا اور ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۸۰)

اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔ (شیخ الہندؒ)

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لیجائیو، اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔ (تھانویؒ)

آیت کا مطلب

مدخل صدق سے مراد ہے مدینہ منورہ۔ مطلب یہ ہے کہ یا اللہ مدینہ منورہ میں میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے، وہاں خلاف طبع اور ناگوار صورت پیش نہ آئے اور

میرا داخل ہونا آپ کی رضا و خوشی کے ساتھ ہو، آپ کی جانب سے مکمل فتح و نصرت اور تائید غیب کی معیت جہاتِ ستہ سے میری معین و ممد ہو اور مخرج صدق سے مراد ہے۔ مکہ مکرمہ سے خیر خوبی کے ساتھ نکلنا ہو کہ گھر بار اور وطن کی محبت میں دل الجھا نہ رہے اور یہ نکلنا محض آپ کی خوشی اور رضا کا ذریعہ ہو اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کے وقت معاندین اور تعاقب کرنے والے کفار و مشرکین کے شر و فساد سے خیر و خوبی اور عافیت کے ساتھ ہر قدم پر حفاظت و حراست میں رکھا اور مدینہ منورہ کو ظاہراً و باطناً اہل ایمان اور ہادی اسلام کیلئے جائے امن و امان، شہر ایمان و قرآن ابدالآباد کے لئے بنا دیا گویا کہ صادق و امین علیہ السلام کیلئے مدینہ منورہ مدخل صدق ایسا بنا کہ آج بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہیں آرام فرماں ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی صَادِقِ الْاَمِیْنِ۔

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدمِ صدق کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ،

اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو کہ اُن کے لئے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں۔ (شیخ الہندؒ)

اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس پہنچ کر ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ (تھانویؒ)

قدم صدق سے مراد بلند مرتبہ ہے جو اہل ایمان کو ملنے والا ہے اور قدم کو صدق کے ساتھ لانے سے مقصد یہ ہے کہ یہ بلند مرتبہ جو ان کو ملنے والا ہے وہ حق اور حتمی و یقینی ہے اور قائم و دائم اور باقی رہنے والا۔ لازوال ہے جو کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔ دنیاوی عہدوں اور منصبوں کی طرح نہیں کہ ختم ہو جائے۔ خواہ زندگی میں یا موت کے وقت۔ گویا حق

تعالیٰ کی جانب سے صدق کا لفظ لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ جو مرتبہ اھل ایمان کو حضرتِ حق جل مجدہ کی جانب سے ملنے والا ہے وہ حتمی و یقینی اور کامل و مکمل۔ اور ازلی و لازوال بھی ہے تو مفہوم قدم صدق کا یہ ہوا کہ اھل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کیلئے ان کے رب کے پاس بڑا درجہ و مرتبہ بلند ہے جو یقینی طور پر ملے گا وہ لازوال نعمت و دولت ہو گی۔

قدم صدق و سچائی

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ لفظ صدق لانے میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جنت کے درجاتِ عالیہ صرف صدق و سچائی اور اخلاص ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں نرا زبانی جمع خرچ اور صرف زبان سے کلمہ ایمان پڑھ لینا کافی نہیں جب تک دل اور زبان دونوں سے سچائی کے ساتھ ایمان اختیار نہ کر لیا جائے جس کا لازمی نتیجہ اعمال صالحہ کی پابندی اور بُرے اعمال سے پرہیز ہے۔

گلدستہ۔ ۳/ ۲۴۱۔ بحوالہ معارف القرآن۔

امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ زید بن اسلم نے کہا ان کیلئے قدم صدق ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت (تفسیر مظہری) ابن عباس کہتے ہیں قدم صدق سے مراد یہ ہے کہ پہلے ہی بیان پر تصدیق کرنا اور سعادت حاصل کر لیتا ہے اور اپنے اعمال کا اجر حسن پانا ہے۔

متقین کیلئے مقعد صدق کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر۔ ۵۴/ ۵۵)

جو لوگ ڈرنے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔ (شیخ الہندؒ)

پرہیز گار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ

کے پاس، (یعنی جنت کے ساتھ قرب بھی ہوگا) (تھانویؒ)

یعنی متقین اپنی سچائی کی بدولت اللہ اور رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مقعد صدق کے معنی مجلس اور مقام کے ہیں اور صدق بمعنی حق ہے مراد یہ ہے کہ یہ مجلسِ حق ہوگی جس میں کوئی لغو و بیہودہ بات نہ ہوگی۔ ان تمام مذکورہ باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اَلصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، صدقِ دخول، صدق خروج، لسانِ صدق، قدم صدق، مقعد صدق، اقوال کی صداقت، اخلاص وللّٰہیت کی صداقت، اعمال کی صداقت، افعال کی صداقت، حرکات وسکنات کی صداقت، احوال کی صداقت، ربط و تعلق مع اللہ کی صداقت، ظاہر و باطن کی صداقت، اعمال و اخلاص کی صداقت، تو صدق وسچائی باعثِ شفاعت و بشارت ہے جس کی اطلاع خاتم الانبیاء نے دی۔

وَصَلَّ اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صدق وسچائی باطل کو ہلاک کر دیتی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جو مکمل صداقت و حقیقت کی کتاب الٰہی ہے ایک مردِ مومن کی قوتِ ایمانی اور فراستِ رحمانی کی مبنی پر حقیقت وصداقت بات آیات بینات کی شکل میں نازل فرمائی ہے۔ فرعون کے خاندان کا ایک فرد جو ایمان کو چھپائے ہوا تھا، ناصحانہ انداز میں بڑی قیمتی وحتمی بات کہہ دی۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی بات چل رہی تھی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو۔

اس کے جواب میں اُس مومن آلِ فرعون نے کہا کہ تم محض اس بات پر ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ رب العزت کی جانب سے کھلی نشانیاں معجزات لا چکا ہے تو سُن لو اور کان کھول کر دل کے کان سے سُن لو۔

وَاِنۡ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيۡهِ كَذِبُهٗ

اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ۔

یعنی اس کا جھوٹ اس کو خود ہی رُسوا کردے گا اور وہ جم نہیں پائے گا۔ تو جو شخص خود اپنے ہی کرتوت سے ہلاک ہوگا تم اس کی ہلاکت وقتل کی تدبیر کیوں کر رہے ہو۔ جھوٹے کو اس کا جھوٹ خود ہی تباہ و برباد کر دیتا ہے اور جھوٹے پر تو اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ

لیکن یہ بھی سن تو اور غور سے سنو۔

وَاِنۡ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِىۡ يَعِدُكُمۡ (المومن: ۲۸)

اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیشگوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑیگا۔

سچائی حق کو باطل پر غالب رکھتی ہے

اللہ تعالیٰ نے ہی کہا ہے:

رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ

ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں۔

مردِ مومن نے بہت ہی عظیم حقیقت کا انکشاف کیا کہ سنو جس طرح جھوٹ جھوٹے کو رُسوا اور ناکام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کو برسرِ بازار، علانیہ ذلیل وخوار ہی نہیں بلکہ پھلنے پھولنے نہیں دیتا۔ اسی طرح صدق وسچائی کو منصور من اللہ اور تائید غیبی سے فتح ونصرت اور کامرانی وکامیابی سے ہم کنار کر کے صادقین کو عزت وشرافت کا مقام عطا

کرتا ہے، صادقین ہمیشہ سرخرو اور فوز و فلاح کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ تو اے فرعون اگر موسیٰ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو سُن لو جو وہ وعدہ کر رہے ہیں وہ ضرور بالضرور اُن کے جھٹلانے والے کو اور تم کو اُن وعید کا حصہ پہنچ کر رہے گا اور وہ ہے دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی۔ جھوٹا کب اپنی تباہی چاہتا ہے مگر جھوٹ بول کر خود ہی تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور سچا مکذبین و جھٹلانے والے کی ہلاکت کبھی نہیں چاہتا بلکہ ناصحانہ و مشفقانہ نصیحتیں کرتا ہے مگر جھٹلانے والا صادقین کے نہ چاہنے کے باوجود صدق کو جھٹلا کر ہلاکت و تباہی کے گہرے وادی میں پہنچ جاتا ہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **مَنْصُوْر مِّنَ اللهِ** ہیں کہ مردِ مومن کی گوہر نایاب بات کہ سچائی و صداقت کو نصرت اور تائید غیبی کی قوت ربانی، سربلندی و سرخروئی کا مقام اور بالادستی کا تنفیذی نظام مافوق الاسباب، عقل و خرد اور فرد و بشر کے تصور و خیال کو مبہوط اور مفلوج کر کے مغلوب کر دیتا ہے، جس کا ظہور بالآخر پوری قوم کی مع فرعون غرق یابی سے نبوت کی صداقت اور صدق کے شوکت کی شہادت کا باب قیامت تک ثبت ہو گیا اور وہ ملعون و مردود جو موسیٰ علیہ السلام سے مادی کروفر کے غرور میں مخمور تھا ابدالآباد کے لئے نارِ جہنم میں ڈالدیا گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا محیر العقول کرشمہ ہے کہ پانی جس کی خاصیت ہے برودت، آگ کو بجھا دینا، مگر اللہ رب العزت نے فرعون کو پانی میں غرق کر کے جہنم رسید کر دیا، یعنی برودت کی موت سے حرارت نار کی ابدی سزا میں منتقل کر دیا، سچ ہے وہ **فعال لما یرید** ہے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا دعوۃ نبوت کی صداقت و سچائی نے باطل کی ظاہری قوت و حکومت کو ابدی ذلت کے ساتھ ہلاکت و ہزیمت کی بے بسی کی حالت میں غرق آب کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ان تمام خزائن و

اموال اور قصور فراعنہ کا سرور وسکون کے ساتھ رب السموات والارض کی جانب سے مالک بنادیا گیا، یہ تمام کرشمہ کا ظہور صدق وصداقت کی الٰہی وغیبی قوت وتائید کا معجزہ تھا، مختصر یہ کہ وَاِنْ یَکُ صَادِقًا یُصِبْکُمْ اور اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ اور اَلصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، کا ظہو ہمیشہ صادقین کے لئے ہوتا رہے گا۔ شرط یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ بندہ صدق پر جم جائے اور اصدق القائلین حق جل مجدہ سے تائید ونصرت کا منتظر ہے اور بس سچائی وصداقت کو ہمیشہ سربلندی وسرخروئی ہی ملی ہے، ملتی رہے گی۔ صداقت کو قربانی کی قیمت بھی کبھی دینی پڑتی ہے اور کبھی صداقت کی قیمت شہادت کے مقام تک پہنچادیتی ہے اور اَلصِّدْقُ شَفِیْعِیْ، سچائی بڑا اسفارشی ہے- کے ذریعہ پوری دنیا میں دلائل وبراہین کے ذریعہ غالب آئے۔ اے کاش کہ امت اور ملت اس حقیقت کو اپنا نصب العین بنا کر صدق وصفا پر جم جاتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے تمام داخلی وخارجی امور میں صدق وسچائی کو اپنانے کی توفیق بخشے۔ اور ہمیں صدق الاحوال، سِر وعلن میں بنائے۔ سرائر وضمائر کی صداقت نصیب فرمائے۔ آمین

طاعت میری عزت ہے

وَالطَّاعَۃُ حَسْبِیْ، اور طاعت میری عزت ہے۔

طاعت میرے لئے کافی ہے، طاعت میری شرافت ہے، طاعت میرا حسب ہے۔
طاعت کا مفہوم ہے بلاچوں وچرا حکم کو خوش دلی کے ساتھ ماننا اور حکم کو پورا کرنے میں سعادت اور خوش نصیبی ونشاط کو محسوس کرنا۔

قرآن واحادیث کے مجموعہ میں اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ اور رسول کے قانون کے تحت جب حاکم وقت حکم دے تو اس کو بھی بجالانا۔

اسلام میں خاندانی شرافت ونجابت محض ایک تعارف پہچان کیلئے ہے، اس پر اِسلامی شرافت کا مدار نہیں، وہ تو طاعت وتقویٰ پر ہے، خاندانی طور پر حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسب وحسب کا مربوط ہونا یہ مَوْهُوْبٌ مِّنَ اللّٰهِ ہے اور موہوب پر اترانا نہیں چاہئے بلکہ حمد وشکر بجالانا چاہیے۔ اصل شرافت وکرامت اسلام ہے اور پھر طاعت وتقویٰ کے بقدر انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عزت وکرامت کا مقام ملتا ہے۔ قرآن مجید نے حق تعالیٰ کی طاعت پر بلیغ انداز میں تاکید کی ہے اور پھر حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طاعت بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ کی طاعت کو اپنی طاعت کا مقام عطا کیا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهُ. (النساء ۸۰)

جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔ (شیخ الہندؒ)

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی حکم دیتے اور وہی عمل اختیار کرتے تھے جو حق جل مجدہ کی جناب میں محبوب ومقبول ہیں۔ پسندیدہ ہیں۔ اللہ پاک کو بھاتے ہیں اسی لئے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران۔۳۱)

اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو رسول اللہ کی اتباع کی کسوٹی پر پرکھنے کی ہدایت دی گئی ہے یعنی جو جس قدر حبیب اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی راہ چلے گا، آپ کی ہدایات پر عمل پیرا ہوگا، اسی قدر سمجھا جائے گا کہ حق تعالیٰ کی محبت کے دعوے میں سچا و پکّا

ہے تو اتباع رسول اور اطاعت رسول سے اطاعتِ باری تعالیٰ کا مقام ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا رتبہ اور یہی انسان کی عزت وشرافت اور کرامت و بزرگی کا معیار وحسب ہے۔ طاعت کا حسب دونوں جہاں کی بزرگی اور عزت کا باعث ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی کو فرمایا، **وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ**، طاعت میری عزت ہے کہ عزت اسی سے ملے گی اور یہی باعث نجات ہے۔

جہاد میری خصلت ہے

وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ اور جہاد میری خصلت ہے۔

قتال وجہاد کی اجازت

حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے توحید کی اشاعت کیلئے مبعوث فرمایا تا کہ انسانیت اینٹ و پتھر کی عبادت و پرستش سے نکل کر ایک اللہ کی عبادت کرے اور اپنا معبود ایک **اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ** کو بنائیں۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ربانی تعلیمات اور نور ھدایت سے جن لوگوں کا دل منور وروشن ہوگیا اُن کو بے ایمان لوگوں نے اپنی نگاہوں میں دشمن جان کر گھروں سے نکالا، مارا، ستایا اور طرح طرح کی ایذاؤں کا نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کا جرم اس کے سواء اور کچھ نہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو اپنا معبود بنا چکے تھے اور ایک اللہ کو اپنا رب مانتے تھے۔ یہ ہی جرم تھا اس جرم میں تقریباً تیرہ سال مسلمان نا قابل برداشت اذیت صبر وتحمل کے ساتھ جھیلتے رہے۔ جب بھی اہلِ ایمان حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی تکلیف واذیت کی حالت بتاتے۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام صبر واجر کی ہی تلقین کرتے اور دفاعی طور پر کسی بھی کاروائی سے قطعاً منع کرتے۔ اس درمیان میں تقریباً ستر آیتیں کم وبیش نازل ہوئیں جس میں

مسلمانوں کو جنگ وجدال اور جوابی کاروائی سے منع کیا گیا کیونکہ اِسلام **سلم** سے ہے اور **سلم** کا معنی ہے سلامتی وصلح۔اب جو مذہب دنیا کیلئے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو وہ جنگ وجدال کی کیونکر اجازت دیتا۔مسلمان طویل عرصے تک اس ظلم وستم کو جھیلتے رہے اور خاموشی کے ساتھ بارگاہِ حق کا دامن تھامے رکھا تیرہ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جوابی اور دفاعی کاروائی کی اجازت دی کہ تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دے لو اور زیادتی نہ کرو۔اس سلسلہ میں پہلی آیت سورہ حج میں نازل ہوئی:

قتال کی علت ظلم کو روکنا ہے

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا (الحج۔۳۹) حکم ہوا۔

ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اس آیت میں قتال کی علت اہل ایمان پر بے ایمانوں کی طرف سے ظلم وستم ہے۔چونکہ ان پر زیادتیاں کی گئیں ہیں اور ناحق ایذائیں پہنچائیں گئی ہیں۔اس لئے ان کو بھی دفاعی طور پر لڑنے کی اجازت دی گئی۔گویا کہ مظلومیت کو اس آیت میں اجازتِ قتال کی علت قرار دیا ہے۔اس لئے ہر بے ایمان سے جنگ وجدال نہیں۔اس کی تفصیل کتابوں میں ہے۔جس کا یہ مقام نہیں۔کہ کن کن سے قتال وجہاد ہے اور کن سے نہیں۔نیز یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کہ اگر جہاد کی اجازت نہیں ملتی تو زمین پر جو عبادت گاہیں اور اشاعتِ خیر کے مراکز ہیں بدقماش لوگ ان کو ہی ڈھادیں اور منہدم کردیں گے۔جب یادِ حق کی جگہیں بھی فراغت کے ساتھ قابلِ عبادت نہ رہیں گی تو پھر یہ دنیا کے تمام شرافت ونجابت رکھنے والوں کے لئے باعثِ ندامت وشرمندگی ہوگی کہ۔بدقماش وبدخو نے عبادت گاہوں کو بھی زمین پر رہنے نہ دیا۔اس لئے اللہ رب العزت نے اجازت دی کہ معاشرے میں

جو گندے و پلید عقیدے کے لوگ ہیں جب ان کی شرارت عبادت خانوں تک پہنچ جائے تو پھر دفاعی جدوجہد کر کے عبادت گاہوں اور شعائر الٰہی کی حفاظت کرو اور یہی تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصلت ہے۔ جب تک جان پر ظلم وستم ہو برداشت کرلو جب ایمان پر آنچ آنے لگے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارے مکان ودکان پر بات رہے برداشت کرو۔

اور جب صوامع - بِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ، نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجد میں يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا، جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے انہی کی حفاظت کیلئے تم کو اجازت دی گئی ہے، اگر تم پر ظلم نہ ہو تو پھر قتال نہیں تمہاری تمام عبادت گاہیں محفوظ ہوں تو بھی نہیں۔

الغرض اسلام کی جنگیں جارحانہ نہیں ہیں بلکہ مدافعانہ ہیں۔ آج بھی دنیا کے قانون میں ہر شخص کو اپنا اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کا پورا حق ہے اور اپنا اور اپنے عقیدہ کے دفاع کا قانونی حق ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر بتلا دیا کہ صرف مسلمان وہ قوم ہے جن کو محض توحید کے عقیدہ کی وجہ سے گھر سے نکالا گیا اور ہر طرح کی اذیت دی گئی۔

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ.

جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰)

تمام مذاہب کی حفاظت کی ضمانت

مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف انہی کے ذاتی، قومی، مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی۔ بلکہ اس لئے بھی کہ مسلمانوں نے جو معاہدات یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مختلف اقوام کے ساتھ ابھی حال ہی میں کئے تھے اور جس فراخ دلی سے ہر ایک

مذہب کیلئے مذہبی آزادی عطا کی تھی، اب اگر اس معاہدہ کی حفاظت میں، مسلمان اپنی جانوں کو نہ لڑا دیں گے تو سب مذہبوں کی آزادی ملیا میٹ ہو جائے گی اور سب کے مندر، سب کے گرجے، تہ خاک ہو جائیں گے۔ کیوں کہ جب کوئی قوم معاہدہ کی حفاظت کرنے والی ہی نہ رہے تو معاہدہ پر عمل کیوں کر ہوسکتا ہے۔ (رحمۃ للعلمین ۱/ ۱۱۰)

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

مذہب اسلام میں کلمہ شہادت کے بعد نماز پہلا فریضہ الٰہی ہے اور یہ تحفہ معراج النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ سے بلا واسطہ خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا۔ اور یہ وہ نادر فریضہ یا تحفہ ہے جس کے تخفیف و تسہیل کے خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ حضورِ حق میں آمد و رفت کے بظاہر سلسلہ سے بار بار عرض و نیاز اور ہم خطاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور نماز کو فلاح و کامیابی کا امت کے لئے ذریعہ بنایا گیا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ المومنون:۲

بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی، جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ (تھانویؒ)

② اور جن لوگوں کو حُبِّ جاہ و مال کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار ہو ان کو ربانی و رحمانی ہدایت دی گئی کہ

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (بقرہ:۴۵)

اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے۔ (تھانویؒ)

③ دوام واستمرار اور حفاظت کی تاکید رب العزت کی جانب سے دی گئی ارشاد ہوا:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (بقرہ:۲۳۸)

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کو (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔ (تھانویؒ)

④ نماز ایسی قابل اہتمام نعمت اور عبادت ہے کہ اگر باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا خطرہ اور اندیشہ ہو تو بھی چھوڑنے اور ترک کرنے کی اجازت نہیں اور اس عطیہ وتحفہ کو ہر صورت میں بجالانا ہے۔ ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا (بقرہ:۲۳۹)

پھر اگر تم کو (باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا) اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جس طرح بن سکے خواہ قبلہ کی طرف منہ نہ ہو، اور اگر رکوع اور سجدہ صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو) پڑھ لیا کرو (اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو اور ترک مت کرو) (حیات المسلمین۔۱۶۱)

غور کیجئے کس قدر تاکید ہے نماز کی ایسی سخت حالت میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

⑤ اگر دشمن کے مقابلہ کے موقع پر اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جاویں گے تو دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا تو ایسی حالت میں یوں چاہئے کہ (جماعت کے دو گروہ ہو جاویں پھر) ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (جب آپ تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بعد جو امام ہو اس کے ساتھ نماز میں) کھڑے ہو جاویں (اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جاویں تاکہ دشمن کو دیکھتے رہیں گے ارشاد ہے کہ) پھر جب یہ لوگ (آپ کے ساتھ) سجدہ کر چکیں (یعنی ایک رکعت پوری کر لیں) تو یہ لوگ (نگہبانی کے لئے) تمہارے پیچھے ہو جاویں، اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی (یعنی شروع بھی نہیں کی وہ بجائے اس پہلے گروہ کے امام کے

قریب) آجاوے اور آپ کے ساتھ نماز (کی ایک رکعت جو باقی رہی اسکو) پڑھ لیں، (یہ تو ایک ایک رکعت ہوئی اور دوسری رکعت اس طرح پڑھیں گے کہ جب امام دو رکعت پر سلام پھیر دے دونوں گروہ اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لیں) اور اگر امام چار رکعت پڑھے تو ہر گروہ کو دو ۲ دو رکعت پڑھاوے۔ اور دو، دو اپنے طور پر پڑھ لیں اور مغرب میں ایک گروہ کو دو رکعت پڑھاوے اور ایک گروہ کو ایک رکعت)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ (النساء ۱۰۲)

اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجاوے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں۔ (تھانویؒ)

غور کیجئے نماز کس درجہ ضروری چیز ہے کہ ایسی کشاکشی میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی، مگر ہماری مصلحت کے لئے اس کی صورت بدل دی کیوں کہ یہ ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کی ٹھنڈک، حضورِ حق میں حاضری ومناجات کے آداب جس خوبصورت انداز سے نماز کے لئے ارشاد ہوئے ہیں یہ شان کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى

الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِنْهُ (مائدہ۔۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (یہ چار چیزیں فرض ہیں وضو میں) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو، اس زمین پر سے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک وصاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرماوے تاکہ تم شکرادا کرو۔ (تھانویؒ)

بیماری میں اگر پانی سے نقصان ہو یا پانی نہ ملتا ہو تب تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم ہو گیا ایسے ہی نماز میں آسانی ہوگئی کہ اگر کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھنا جائز ہو گیا اگر بیٹھنے سے بھی تکلیف ہو تو لیٹنا جائز ہو گیا لیکن نماز معاف نہیں ہوئی۔

اسی لئے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ۔**

نماز میں جو خلل ڈالنے والی تھی اس کو حرام کردیا

شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ میں بھی فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ (المائدہ:۹۱)

شیطان یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ (تھانویؒ)

نماز کی کس قدر شان ظاہر ہوتی ہے کہ جو چیز اس سے روکنے والی تھی اس کو حرام کر دیا تاکہ نماز میں خلل نہ ہو۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ناخلف لوگ نماز کو برباد کرنے والے

فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا (مریم۔۵۹)

پھر انکے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے (تھانویؒ)

نماز کو برباد کرنا یہ ہے کہ اعتقاداً انکار کیا، یا عملاً کہ اس کے ادا کرنے میں یا حقوق و آداب میں کوتاہی کی۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہتمام کیا اور **قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ فِی الصَّلٰوۃِ**، کا عملی نمونہ پیش کیا۔ جو نماز کو برباد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیسی وعید سنائی۔ **فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا**، آخرت میں خرابی۔

نماز پر استقامت جواں مردوں کا کام ہے

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ (النور ۳۷)

جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پائی ہے اور نہ فروخت۔ (تھانویؒ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو رجال مرد کہا ہے جن کو خرید و فروخت یعنی

تجارت جیسی مشغولیت اللہ کی یاد سے اور نماز سے غفلت نہیں ہوتی، اور کیسے ہوگی کہ ہمارے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ، نماز کا اہتمام کر کے اپنی سعادت و ہدایت پر استقامت کی شان میں اضافہ کرتے ہیں اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (طٰہٰ۔۱۳۲)

اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے، اور خود بھی اس کے پابند رہیئے ہم آپ سے معاش (کموانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے۔ (تھانویؒ)

یہ حکم ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تا کہ دوسرے سننے والے سمجھیں کہ جب آپکو نماز معاف نہیں تو اوروں کو کیسے معاف ہو سکتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسا خود پابند رہنا ضروری ہے اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید رکھنا ضروری ہے۔

(حیات المسلمین۔۱۶۶)

قرآن مجید میں سب سے زیادہ نماز کا حکم دیا گیا اور عملی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عبادات میں نماز کی شان کو بلند رتبہ عطا کیا۔ چند قرآنی آیات پیش کی گئیں۔ اب چند حدیث پیش کی جاتی ہیں۔

نماز سے ایمان وکفر کا فرق واضح ہوتا ہے

(۱) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان بس ترک نماز کی کسر ہے۔ یعنی جب نماز چھوڑ دیا تو وکسر وعلامت مٹ

گئی اور کفر آ گیا چاہے بندہ کے اندر نہ آوے پاس ہی آ جاوے، مگر دوری تو نہ رہی۔

یہاں نماز چھوڑنے پر کتنی بڑی وعید ہے کہ وہ بندہ کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

نماز جنت کی کنجی ہے

②عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوۃ (دارمی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے۔

بے نمازی کے پاس دین نہیں

③عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا صَلٰوۃَ لَهٗ اِنَّمَا مُوْضِعُ الصَّلٰوۃِ مِنَ الدِّیْنِ کَمُوْضِعُ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔ (طبرانی اوسط وصغیر: حیات المسلمین۔ ۱۷۲)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اس کے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں۔ (طبرانی)

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ نمازوں کو ادا کرنے والے کی مثال پانچ وقت نہر میں غسل سے دی گئی ہے اور فرمایا:

مَثَلُ الصَّلٰوۃِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا

پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس نے نماز کی حفاظت کی تو اس کے لئے قیامت کے دن، نور، برہان اور نجات ہوگی۔ (دارمی)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس نے پانچوں نمازوں کی حفاظت

یعنی ادا کیا، وجبت له الجنة اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔

نماز کو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرۃ عینی میری آنکھ کی ٹھنڈک جو فرمایا ہے اس کے مشاہداتی انوارات وتجلیات تو مقام خاتمیت کی شان سے تو انہی پر منکشف وعیاں ہوئیں اور اُن کے نقش وقدم پر اولیاء وصلحاء۔ اور صدیقین پر جن کو احسان کی صفت بفضل الٰہی حاصل ہوتی ہیں اور وہ اَنْ تَعْبُدَاللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ کی شان میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم جیسے کودکِ ناداں تو بس اتنی سی بات جانتے ہیں کہ حق جل مجدہ نے فرمایا ہے واسجد واقترب۔ اور سجدہ کر اور نزدیک ہو۔ (شیخ الہندؒ)

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی

نماز اس کے نظارہ کا اک بہانہ بنی

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

(اقبال)

یعنی اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ اور صاحبِ قرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشاہدہ کے بعد فرمایا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَاَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ۔

(رواہ ابوداؤد، ابن کثیر: ۲ / ۲۰۱۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہو، اس لئے سجدے میں بہت دعا کیا کرو...... ایک دوسری حدیث میں ذیل کے لفظ بھی آئے ہیں:

فَاِنَّهٗ قَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ،
یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

نفل نمازوں کے سجدے میں دعا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماثور و منقول ہے قرب کی نزاکت و لطافت کو ذوقی و وجدانی طور پر شعور آگہی کے عالم میں محسوس کرنے کے لئے۔ حضورِ حق کی حاضری سے پہلے وضو میں سنت کا دھیان سے اہتمام کیجئے، ماثورہ دعاؤں کا التزام کیجئے، وضو سے گناہ و معاصی کے دھلنے کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر و اطلاعِ صادق کا یقین رکھئے۔

واذا أتاک الہم یحشد جیشہ
وشعرت انک بین اھلک مغترب
والحزن اقبل فی ثنایا غیمۃ
فاذا بدموع عینک تنسکب
فانسف جبال الہم منک بدعوۃ
ان الذی قصد المھیمن لم یخب
واقذف بسہم الصبر کل مصیبۃ
والجا لرب العرش وا سجدوا قترب

تنہائی کے سب دن ہیں، تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تشفی ہے، ہر آن تسلی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی، ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں، تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے، ہر روز یہی باتیں

معراج کی سی حاصل، سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں، اور ایسی کراماتیں؟!

بے مایہ سہی لیکن، شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

(مولانا محمد علی جوہر)

گھر سے نکلتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، ضرور پڑھیے تاکہ آپ کی حراست شیاطین ودجالی قوت وطاقت سے ہوکر رحمانی وملکوتی حفاظت ہوجائے اور مسجد جاتے ہوئے راستہ میں اس دعا کو بھی پڑھ لیں تاکہ ستر ہزار ملائکہ کی آپ کو معیت اور مغفرت نصیب ہوجائے جب تک آپ گھر واپس نہیں آجاتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ خُرُوْجِیْ ھٰذَا اِلَیْکَ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنَّہٗ لَمْ یُخْرِجْنِیْ اَشْرٌ وَّلَا بَطْرٌ وَّلَا سَمْعَۃٌ وَّلَا رِیَاءَ خَرَجْتُ ھربا وفرار من ذنوبی الیک۔ خرجتُ رجاء رحمتک وشفقا من عذابک وخرجت التّقاء سخطک وابتغاءَ مرضاتِک واسألک ان تعیذنی من النار برحمتک وفی روایۃ ان تنقذنی من النار برحمتک۔

نیز راستہ میں اس بات کا پورا دھیان ہو کہ ہر قدم پر گناہ مٹ رہا ہے اور نیکی درج ہورہی ہیں درجات بلند ہورہے ہیں اس دھیان سے قلب پر ایمانی کیفیت میں وفور ہوگا اور ذوق شوق کی ایک لہر دوڑ جائے گی اور حضورِ حق میں نیاز مندانہ نماز کی ادائیگی کیلئے اعضاء وجوارح میں لینت وامادگی قلب کی خشیت کے بقدر انابت کو، اطاعت وعبادت کی شکل میں بجالانے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ مسجد کے دروازہ

پر پہنچ جائیں گے گویا اب آپ اللہ کے گھر کے دروازہ پر پہنچ کر صاحبِ گھر کو مخاطب کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ،

مولا رحمت کا دروازہ میرے لئے کھول دے۔

یعنی جس طرح مسجد کا دروازہ کھلا ظاہر میں میرے قلب پر اپنی جانب سے انوارات وتجلیات اور ہدایت ورحمت کا دروازہ کھول دے۔ اب آپ اللہ کے گھر میں داخل ہو چکے تو اب دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرلیں۔ اگر آپ تحیۃ المسجد کے ساتھ تحیۃ الوضو، تحیۃ الغسل، اور مثلاً ظہر کی سنت ادا کرلیں تو آپ کو ۱۶ سولہ رکعت کا ثواب مل گیا۔ کیا مطلب یعنی سولہ رکعات سے جو قلب پر انوارات ملتے یا نازل ہوتے یا وہ قربِ الٰہی جو سولہ رکعات پر ملتا وہ آپ کو مل گیا۔ وہ معاصی وگناہ کے اثرات وظلماتِ قلب جو سولہ رکعات سے دھلتے وہ آپ کا دھل دیا گیا۔ اللہ والے اس کو محسوس کرتے ہیں اور ہم محسوس نہیں کرتے۔ مگر ظاہری بشاشت وفرحت اور دل کی کشادگی تو سبھی محسوس کرتے ہیں۔ یہی تو وہ نعمت ہے جس کو خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ - قلب کی طہارت سے مومن کو طمانیت وبشاشت نصیب ہوتی ہے۔ گناہ ومعاصی کی ظلمت وکدورت کے ختم ہونے سے مومن کو راحت وفرحت نصیب ہوتی ہے۔ اور نماز جب حالتِ احسان میں ادا ہوتی ہے تو آنکھ کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز تو نور علی نور تھی۔ نماز سے قربِ جمالیہ اور قربِ رحمانیہ کا آپ پر فیضان ہوتا تھا۔ اور نہ معلوم کیا کیا ارحم الراحمین کی جانب سے ابوابِ رحمت، رحمت للعالمین پر عیاں ہوتے ہوں گے اور قرب کی نئی نئی شان۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی جانب سے طے ہوتی ہونگی اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنکھ کی ٹھنڈک پہنچتی ہوگی۔ ہے تو یہ ایک نکتہ، مگر اس سے مقامِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ کیا ہے، اور امت کو یہ نعمت جنت میں ملے گی۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (السجدہ۔۱۷)

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔ (تھانویؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے آنکھ کی ٹھنڈک کا سامان جنت میں تیار کر رکھا ہے اور ہمارے خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جو عنایات باری تعالیٰ مومنین پر جنت میں ہوں گی وہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی درجہ میں نماز میں حاصل تھی۔ اور کسی درجہ میں قرۃ اعین کا فیضان نماز میں ہوتا ہوگا اور کچھ نہ کچھ مناسبت ہوگی۔

مومنین پر مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ، کا جنت میں مشاہدہ ہوگا۔ وہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز میں ہوتا ہوگا جو نعمت مومنین کو جنت میں میسر ہوگی حضرت کو اسی دنیا میں حاصل تھی اور وہاں تو آپ کی شان ہی مقام محمود اور یمین عرش رحمن کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حالت احسان کی نماز ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

معرفتِ حق اور لقاءِ حق

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا

قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ، وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیَّامُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ، وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَاَخَّرْتُ وَاَسْرَرْتُ وَاَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔

(رواہ احمد والشیخان ومالک والثلاثۃ۔ ترجمان۔ ۱/۳۰۲)

ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شب میں نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو کہتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں زمین وآسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا نور تو ہے، اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہے زمین وآسمان اور جو مخلوق اس میں ہے سب کا وجود قائم رکھنے والا تو ہے، اور تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تو سچا اور تیرا قول سچا ہے تیرا وعدہ سچا اور تیرا ملنا سچا ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت کی آمد حق ہے، اے اللہ میں تیرا ہی مطیع ہوا، تجھ پر ہی ایمان لایا، تجھ پر ہی بھروسہ کیا۔ تیری ہی طرف متوجہ ہوا، تیری ہی طاقت سے اپنے دشمن کا مقابلہ کیا، تیری ہی طرف فیصلہ کے لئے آیا، میرے گناہ جو میں کر چکا اور جو بعد میں کئے، جو پوشیدہ کئے اور جو کھلے طور پر کئے، سب بخش دے تو میرا معبود ہے، سوائے تیرے میرا کوئی اور معبود نہیں (اس حدیث کو امام احمد شیخین امام مالک اور سنن ثلاثہ نے روایت کیا ہے)۔

معرفت حق کا صحیح سراغ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناجات میں ملتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ ادعیہ واذکار کو لوگ غور سے نہیں پڑھتے، حالانکہ اسلام میں ربانی عظمت کا ٹھیک پتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت کا صحیح سراغ اسی نیم شب کے

نالہ و بکا میں ملتا ہے ایک دعا میں جو تین تین بار **وَلَكَ الْحَمْدُ** کہہ جاتا ہو ایک نماز میں جو ہر بار رکوع سے اٹھ کر ربنا لک الحمد کہتا ہو سوچو کہ اس کے قلب میں اپنے خالق کیلئے کتنا جذبہ حمد پنہاں ہوگا پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ **اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ مَادَارَتِ الْمَلَوَانِ۔** (ترجمان السنہ۔۱/ ۳۰۲)

عَنْ اَبُوْ سَلْمَةَ بِنْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَفْتَتِحُ صَلَا تَهُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ؟ قَالَتْ كَانَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهُ، اَللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرِيْلَ وَمِيكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِکَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلَفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ،

(رواہ مسلم۔ابن کثیر ۱۶۲۳/۲)

ابوسلمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز کا کس کلام سے آغاز کرتے تھے، ام المومنینؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ **اَللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرِيْلَ** (الخ)......اے اللہ جبریل و میکائیل و اسرافیل کے رب اے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والے اے باطن و ظاہر کو جاننے والے (قیامت کے دن) تو اپنے بندوں کے درمیان ان مسائل کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے مجھے اپنے حق سے مختلف فیہ مسائل میں حق کے راستہ پر چلا تو جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

طہارتِ قلب کا وقت

حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام، رات کی تنہائی و خاموشی میں وظیفہ عبدیت

اور حضورِ حق کی قربت و رحمت کو بیش از بیش حاصل کرنے اور عرض و نیاز کے لئے اس وقت کا انتخاب کرتے اور حمد و ثناء کے تسلسلِ پیہم سے حق تعالیٰ کی جناب میں حاضری دیتے اور تمام حقائق کا اعتراف و اظہار فرماتے تا کہ امت اپنے نبی خاتم کے نقش قدم پر جب اس سنت کو رات کی تاریکیوں میں اپنائے گی تو نور السموات والارض، نور ایمان و ایقان سے امت کے سینہ کو منور کرے گا عالم غیب سے وہ فتوحات ہوں گی اور ملیں گی جو نبی رحمت کو مل چکا ہے۔ اور یہ وقت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کیلئے رکھا ہے تا کہ فراغتِ قلب کے ساتھ طہارتِ قلب کی نعمت کو حاصل کریں۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حمد باری کے بعد فرمایا **انت الحق**۔ تو سچا ہے تو حق ہے یعنی عالم غیب میں جتنی چھپی ہوئی حقیقتیں ہیں وہ سب حق ہی حق ہیں مگر تو ان سب میں اعلیٰ و بلند و بالا حق میرا رب تو ہے تیری ربوبیت حق ہے تیری الوہیت حق ہے، تیری معبودیت حق ہے۔ تیری مسجودیت ہے۔ تیری صمدیت حق ہے۔ تیری احدیث حق ہے، تیری خالقیت ہے، تیری غفاریت حق ہے۔ تیری ستاریت حق ہے۔ الغرض تیری تمام صفات جمالیہ وجلالیہ سب حق ہی حق ہیں کیوں کہ تیری ذات حق ہے، تجھے تمام خلائق پر ہر تصرف کا حق ہے۔ تجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہاں میرا رب تو از راہ رحم و کرم کسی کو کچھ عطا کرنے کا طے کرلے اور اپنے ذمہ لے لے تو یہ حق بھی تجھے ہی ہے۔ **فلك الحمد** میرا رب تجھے سب کچھ کا حق ہے تیرا حق سب پر ہے۔ تو حق ہی حق ہے۔ واللہ اعلم ثمین

قوت یقین سے روحانی تربیت ہوتی ہے

وقولك الحق - اور تیرا قول سچا اور حق ہے۔ یعنی رب العزت کی ہر بات حق و سچ ہے، انسانیت کے فوز و فلاح، رشد و ہدایت اور مغفرت و سعادت کیلئے۔ عالم کی تخلیق

و پیدائش سے قیامت اور مابعد قیامت جتنی اطلاع حق جل مجدہ نے دی ہر وقت صداقت کے ساتھ من وعن پوری ہوتی رہی اور ہوتی رہیں گی یا اھلِ شقاوت وضلالت کے لئے جتنی وعیدیں آئیں وہ اپنے اپنے وقت پر اُن پر ظاہر ہوتی گئیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی اور مابعد قیامت بھی ہوں گی جو بات حق تعالیٰ نے کہ دی اس کو پورا ہونا ہے، ہر وعدہ ہر وعید تمام قصص وخبر سب حق ہیں۔ مومن جب اس بات کا اعادہ بار بار ،تکرار کے ساتھ استحضار رکھتا ہے تو اس کو ایک قوتِ یقین اور حق تعالیٰ کے کلام وآیاتِ بینات سے دلی دلچسپی، اُنس وقرار اور طلبِ حق کی شدید تر جستجو ہونے لگتی ہے اور پھر دستِ غیب سے اس کی روحانی تربیت کے اسباب پیدا ہونے لگتے ہیں، بات حق کی ہے وہ حق کی راہ لے جاتی ہے اور حق خود دستگیری کرتی ہے کیوں کہ اس کا ہر قول ہر بات حق ہے۔ جو حق تعالیٰ کی بات کو حق جان کر قدم اٹھاتا ہے حق خود اس کو منزل پر کامیابی وکامرانی کے ساتھ پہنچادیتی ہے، یہی اس کے قول کی صداقت وسچائی ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید واحادیث میں بے شمار موجود ہے۔

وعدۂ ربانی حق ہے

ووعدك الحق - اور تیرا وعدہ سچا وحق ہے۔ حق جل مجدہ نے اھل ایمان وایقان سے وعدے کئے ہیں وہ تمام وعدے برحق وسچ ہیں مثلاً جو اپنا رب اللہ تعالیٰ کو مان لے گا اور استقامت کے ساتھ اس پر جم جائے گا۔ اس پر نزول ملائکہ ہوگا۔ موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اور ان کو تسکین وتسلی دیں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے کہ فانی دنیا کا رنج وغم تم سے ختم ہوگیا اور تم پر

کوئی آفت نہیں آئے گی اس لئے نہ ڈرو نہ گھبراؤ اور ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی و روحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے اور جنت و نعیم کے جو وعدے تم سے کئے گئے تھے وہ اب پورے ہونے والے ہیں۔

اَلَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، جس کا تم سے وعدہ تھا...... مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر جب یقین کر کے عملی قدم اٹھاتا ہے تو اس پر سکینت وطمانیت کی کیفیت کا نزول ہوتا ہے اور پھر شھودی ووجدانی باطنی نعمت ملتی ہے، جس قدر حق کے وعدوں پر حقانیت کا وثوق واعتماد بڑھتا ہے اسی قدر غیبی حقائق کا انکشاف ہوتا رہتا ہے اور حجابات دور ہوتے رہتے ہیں۔موانعات اٹھتے رہتے ہیں اور وعدوں کا ظہور وقت پر ہونا حتمی و یقینی ہوتا ہے جن نفوسِ زکیّہ وطاہرہ کو تزکیہ وتہذیب کے بعد حق تعالیٰ کے وعدوں کی حقانیت وصداقت عینی ودیکھی ہوئی چیزوں سے زیادہ ہوجاتی ہے آج بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر وعدوں کی حقانیت وحقیقت کا انکشاف ہوتا رہتا ہے بس ظہور ان کا اپنے وقت پر ہوگا، اوران اشیاء کی حقیقت جو غیبی وعدوں کی شکل میں آج اھل ایمان سے کی گئی ہے اور اس کا ادراک غیبی وعدوں پر بلاچون و چرا اعمال صالحہ کی استقامت کے بعد نصیب ہوتی ہے جب عمل میں پختگی آجاتی ہے تو غیبی وعدوں کی حقیقت بھی منکشف ہوجاتی ہے اور پھر وعدہ مشاہدہ کی شکل میں عیاں ہوجاتا ہے اور یہ نعمت آج بھی اللہ والوں کو حاصل ہے، اللہ ہمارے حجابات وموانعاتِ معاصی وظلمات کو دور فرمادے۔آمین

علم وادراک کی حالت میں لقاء اللہ کا استحضار

ولقاءك حق-اور تیری ملاقات وملنا حق ہے۔آپ ایک لمحہ کے لئے تمام علائق سے علیحدہ ہوکر۔دل کو تمام جہت سے یکسو کر کے ذرا سوچیں کہ رسولِ خاتم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے کس استحضار اور دل کی گہرائی و گیرائی کے عالم میں بارگاہِ رب العزت میں حمد کے بعد فرمایا آپ حق، آپ کی بات حق، آپ کا وعدہ حق اور آپ کی لقاء وملاقات اور ملنا حق ہے۔ نماز بذات خود ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ رب العزت کا قرب بندہ کو حاصل ہوتا ہے پھر سجدہ میں بندہ اللہ رب العزت کے قریب نہیں بلکہ......

اَقْرَبَ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَسَاجِدٌ، کی کیفیت میں ہوتا ہے جس کی تفصیل ماقبل میں ہو چکی ہے۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بارگاہ بے نیاز میں نیاز مندانہ عرض کررہے ہیں کہ اللہ پاک، آپ کی لقا وملاقات حق ہے، علم وادراک اور حضوری استحضار کی وہ گھڑی کتنی علم وعرفان اور ایمان وایقان کی غیبی انوارات وتجلیات کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب سے رسول برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پُراز فیض آغوشِ رحمت میں لئے ہوئے ہوگی اور آپ نیازمندانہ بارگاہِ حق میں۔ لقاء حق کا اقرار واعتراف کررہے ہیں، اور وقت بھی نزولِ حق کا ہے، نہ معلوم قلبِ اطہر واز کا واجلی پر کیا کیا لطیف وخبیر کی جانب سے لطف وعنایات ہورہی ہوں گی، درحقیقت اللہ رب العزت کی معرفت جس کو تمام خلائق وملائک سے زیادہ حاصل تھی وہ ہی اس راز پنہاں کو عیاں وبیاں کرے گا اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس بارگاہ کا کسی بھی طرح حمد وشکر ادا ہوجائے جس کیلئے وہ مختلف پیرایہ اور اسلوب وانداز اختیار کرتا ہے کبھی حمد تو کبھی قول کی صداقت اور وعدہ کی حقانیت اور لقاء وملاقات کی بات کے ذریعہ اپنے قلبی ودیدہ باطن کی کیفیت کا اظہار کررہا ہے اور بے نیاز کی بارگاہ سے منصب ختم نبوت کے مناسب نیاز اور سبوح وقدوس سے قدسی صفات کی موجوں میں غوطہ لگا رہا ہے (وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٌ رُسُوْلُ اللّٰہِ رَبِّ

الْعٰلَمِیْنَ) پھر آپ نے جنت وجہنم اور قیامت کے حق ہونے کی بات کہی ہے اہل ایمان سے جنت کا وعدہ جس طرح حق ہے۔ بے ایمان سے جہنم کی وعید حق ہے، اور جزاء وسزاء کے لئے دونوں ہی ضروری ہیں۔

تعلیم کا انوکھا اسلوب

حضرت علیہ السلام نے پھر فرمایا:

لَكَ اَسْلَمْتُ الخ- یا اللہ میں تیرا ہی مطیع وفرماں بردار ہوا کہ تیری جانب سے بذریعہ وحی جو ہدایت ملی میں نے اس کی اطاعت کی۔ سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہی میرے لئے سرمایہ ومایہ ہے۔ امت کو ہدایت ملی کہ اطاعت میں ہی دارین کی عزت وکرامت ہے۔ اور یا اللہ تجھ پر ہی ایمان لایا، تجھ پر بھروسہ کیا۔ تیرے سوا میرا کون ہے۔ بس مجھے معافی دیدے کہ تیرے سواء معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی معاف فرمادے۔ آمین اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

لقاءِ خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

وَاَخْرَجُ اَحْمَد: اَنَّ مَلَکَ الْمَوْتِ جَاءَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ لِیَقْبِضَ رُوْحَهٗ، فَقَالَ اِبْرَاهِیْمُ یَا مَلَکَ الْمَوْتِ هَلْ رَأَیْتَ خَلِیْلًا یَقْبِضُ رُوْحَ خَلِیْلِهٖ؟ فَعَرَجَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی رَبِّهٖ، فَقَالَ، قُلْ لَّهٗ، هَلْ رَأَیْتَ خَلِیْلًا یَکْرَهُ لِقَآءَ خَلِیْلِهٖ؟ فَرَجَعَ، قَالَ فَاقْبِضْ رُوْحِیَ السَّاعَةَ۔ (شرح الصدور، شوق وطن ۷۲)

(ترجمہ) ملک الموت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تا کہ ان کی روح قبض کریں تو ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملک الموت سے فرمایا کیا دوست اپنے

دوست کی روح قبض کرتا ہے تو ملک الموت بارگاہ قدس میں واپس گئے اور پورا ماجرا سنایا، ارشاد باری ہوا ان سے کہو کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ دوست اپنے دوست سے ملنا پسند نہ کرتا ہو ملک الموت واپس آئے تو ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پھر ابھی فوراً میری روح قبض کرلو۔ (احمد)

دراصل آخرت میں ہی وہ تمام نعمتیں ملیں گی جن کا وعدہ ربانی ہوا ہے اور پوری زندگی اطاعت وعبادت میں گزاری ہے اور تمام نعمتوں سے اعلیٰ وبالا لقاءِ رحمن کی نعمت ہے۔ آخرت کا شوق بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام اللہ کو جب لقاء اللہ کی بشارت سنائی گئی فوراً اپنے کو سپرد فرمادیا حیات وزندگی اصل مقصود نہیں، حیات وزندگی اعمال صالحہ کی زیادتی کا ذریعہ وسیلہ ہیں۔ انابت واستغفار، اور توبہ کا محل ہیں اس لئے مومن کو پسندیدہ ہیں۔ اور اعمال صالحہ اور ایمان باللہ کی جزاء کا محل بعد الموت ہے اس لئے موت مومن کے لئے خیر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

عَنْ زُرْعَة بِنْ عَبْدُ اللّٰه رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُحِبُّ الْاِنْسَانُ الْحَیَاۃُ وَالْمَوْتُ خَیْرٌ لِّنَفْسِهٖ (شرح الصدور، شوق وطن ۴۷)

زرعۃ بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے بہتر ہے۔

شوق واختیارِ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ نَّبِیٍّ یَمْرِضُ اِلَّا خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃُ وَکَانَ فِیْ شَکْوَاهُ الَّذِیْ قَبَضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِیْدَۃٌ۔ فَسَمِعْتُهٗ

يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، فَعَلِمْتُ اِنَّهُ خُيِّرَ۔ (متفق علیہ شوق وطن ۔ ۷۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی ایسا نبی نہیں جس کو دنیا و آخرت کے رہنے میں اختیار نہ دیا گیا ہو اور آپ کو اُس مرض میں جس میں آپ کی وصال ہوئی ہے سخت بستگی آواز نے پکڑا، اس وقت میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، میں سمجھ گئی کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہوگا۔ (بخاری ومسلم) اس روایت سے حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شوق و اختیارِ آخرت یعنی آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مصر کے ایک عابد کا شوق

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تمہارے اس شہر مصر میں ایک عابد تھا، وہ مسجد سے باہر نکلا، جب رکاب میں پاؤں رکھا تو ملک الموت اس کے پاس آکھڑے ہوئے اس نے کہا۔

مَرْحَبًا لَقَدْ كُنْتَ اِلَيْكَ بِالْاَشْوَاقِ فَقَبَضَ رُوْحَهُ مَرْحَبًا

میں تمہارا مشتاق تھا پس انہوں نے اس کی روح قبض کرلی۔

(اخرجہ المروزی۔ شرح الصدور۔ شوق وطن ۷۳)

عبداللہ بن ابی زکریّا کا شوق الی اللہ

عبداللہ بن ابی زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو دو امر میں اختیار دیا جاوے ایک یہ کہ میری سو سال کی عمر ہو طاعتِ الٰہی میں، اور ایک یہ کہ آج ہی کے دن یا اسی گھڑی میری جان قبض کرلی جاوے، تو میں اسی کو پسند کروں کہ آج

ہی کے دن یا اسی گھڑی میں میری جان قبض ہو جاؤ گے۔ بوجہ اشتیاق کے اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اور نیک بندوں کی طرف......

شَوْقًا اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ وَاِلَى الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ۔

(اخرجہ ابونعیم۔شرح الصدور۔ ۷۴)

حضرت ابراہیم صائغؒ کو دیدارِ الٰہی کا شوق

طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ واثلہ کی روایت سے ابراہیم صائغؒ کا قول نقل کیا ہے۔ ابراہیم نے فرمایا دیدارِ الٰہی کے عوض اگر مجھے آدھی جنت مل جائے تو مجھے پسند نہیں پھر ابراہیم نے آیت:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ، ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ

ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے روک روک دیئے جاویں گے۔ پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

(التطفیف آیت۔ ۱۵، ۱۶، ۱۷۔ حضرت تھانویؒ)

پھر فرمایا ھذا سے اشارہ دیدار کی طرف ہے: **بہ ای بالرویۃ** (گلدستہ۔ ۲/ ۳۸۱)

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول

ابونعیم نے حضرت بایزید بسطامی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ ان سے اپنے دیدار کو آڑ میں کریگا تو وہ اسی طرح فریاد کرینگے جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کی فریاد کرینگے۔ (گلدستہ ۷/ ۳۸۳)

جنت میں دیدار الٰہی کا عقیدہ علماء وفقہا کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ

ناظرہ یعنی ''تروتازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش وبشاش تروتازہ ہونگے''۔

اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ۔ یعنی یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اھل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور سب علماء وفقہا کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں۔ وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے اور ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں خالق ومخلوق کے درمیان ان کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت وزیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت اور سمت سے اس کا تعلق ہوگا نہ کسی خاص شکل وصورت اور ہیبت سے۔ (معارف القرآن۔ ۸/۶۲۷)

مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ اور ہشاش وبشاش ہوں گے، اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدارِ مبارک سے روشن ہوں گی، قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہوچکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیوں کہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عاشقان را با قیامت روز محشر کار نیست
عاشقاراں جز تماشائے جمال یار نیست

آہ من العشق وحالاتہا حرق قلبی بحرارتہ
مانظر العین الی غیر کم اقسم باللہ وآیاتہ

آہ عشق اور کیفیاتِ عشق کی گونا گوں تپش نے میرے دل کو جلا دیا، اللہ اور کلام اللہ کی قسم میری آنکھ نے تو تمہارے سوا کسی (چیز) کو دیکھا بھی نہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ ھٰذِہِ النِّعْمَۃَ الَّتِیْ لَیْسَ فَوْقَھَا نعمۃ. آمین

الغرض اھلِ حق کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ایمان کو جنت میں حق جل مجدہ کا بلا کیف بلا جہت دیدار ہوگا اور یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ومنتِ کبریٰ ہے، جس کے مقابلے میں جنت کی تمام کی تمام نعمتیں ہیچ در ہیچ ہوں گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ”فقہ اکبر“ میں ہے

”وَیَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَھُمْ فِی الْجَنَّۃِ بِاَعْیُنِ رُؤُسِھِمْ بِلَا تَشْبِیْہٍ وَّلَا کَیْفِیَّۃٍ وَّلَا کَمِیَّۃٍ، وَلَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ خَلْقِہٖ مَسَافَۃٍ۔“

(شرح فقہ اکبر ص: ۱۰۰)

ترجمہ: ”اور اہلِ ایمان جنت میں سر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ شانہ کی زیارت کریں گے بغیر تشبیہ کے، بغیر کیفیت کے اور بغیر کمیت کے، اور حق تعالیٰ شانہ کے درمیان اور اس کی مخلوق کے درمیان مسافت نہیں ہوگی۔“

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”حادی الارواح“ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ جنت میں اہلِ ایمان کو دیدارِ الٰہی کی دولت وسعادت نصیب ہوگی، اور یہ احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے مروی ہیں: ابوبکر الصدیق، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، جریر بن عبداللہ بجلی، صہیب بن سنان رومی، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، ابوموسیٰ اشعری، عدی بن حاتم، انس بن مالک، بریدہ بن حصیب، ابورزین العقیلی، جابر بن عبداللہ، ابواُمامہ، زید بن ثابت، عمار بن یاسر، عائشہ اُمّ المومنین، عبداللہ بن عمر، عمار بن زیبہ، سلمان فارسی، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، ابی بن کعب، کعب بن عجرہ، فضالہ بن عبید، ایک نامعلوم الاسم صحابی، رضی اللہ

عنہم وعنا اجمعین ۔'' (التعلیق الصبیح ج:٦ ص:٢٠)

حق تعالیٰ کی رؤیت

① عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدُ اللّٰهِ الْبِجُلِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ! خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْبَدْرِ فَقَالَ: اِنَّكُمْ سَتَرُوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تَضَامُوْنَ فِيْ رِوَايَتِهٖ،

(اخرجه البخاری فی کتاب التوحید باب

قَوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ. اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

(الاحادیث القدسیہ رقم ۔ ٣٣٣)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودھویں کے چاند رات ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔ تم اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، بھیڑ نہیں کرتے تم (یا شک نہیں کرتے تم) اس کی رؤیت میں (یعنی حق جل مجدہ کے دیدار کے وقت تم ایک دوسرے سے ملو گے نہیں یعنی ہجوم نہیں ہوگا ہر شخص بفراغت اپنی جگہ رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا)۔

② عَنْ جَرِيْرُ بْنِ عَبْدُ اللّٰهِ الْبِجْلِيْ: قال كنا جلوسًا عند النبى صلى الله عليه وسلم فنظر الى القمر ليلة البدر ، فقال انكم ستعرضون على ربكم فترونه كما ترون هذ القمر لا تضامون فى رويته فان استطعتم ان لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس، وصلاةٍ قبل غروبها فافعلوا ثم قرأ۔ وسبّح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب (ہذا حدیث صحیح رواہ الترمذی ٢٥٤٧)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا عنقریب تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، پس تم اس کی زیارت کرو گے، جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اسکے دیکھنے میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں۔ پس اگر

تم سے ہو سکے کہ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز (یعنی نماز فجر) اور غروب آفتاب سے قبل کی نماز (یعنی نماز عصر) کے ادا کرنے سے مغلوب نہ ہو تو ایسا ہی کرو (یعنی نیند کے مشاغل کے غلبے کی وجہ سے یہ دونوں نمازیں فوت نہ ہونے پائیں، یعنی یہ دونوں نمازیں اہتمام سے پڑھو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ ق کی آیت ۳۹ پڑھی اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو، سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے۔ (ترمذی)

سکون وقرار کے ساتھ جمال حق کا نظارہ

دنیا میں جب لوگ کسی حسین چیز کو دیکھنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، اور سب اس کے دیکھنے کے لیے انتہائی درجہ مشتاق ہوتے ہیں تو ایسے موقع پر بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا مشکل ہوتا ہے، مگر چاند کا معاملہ اس سے مختلف ہے، مشرق ومغرب کے سبھی لوگ، بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، پورے اطمینان سے بیک وقت اس کو دیکھتے ہیں، اسی طرح جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، بیک وقت بے شمار خوش نصیب بندے اللہ پاک کی زیارت کریں گے، وہاں نہ کوئی دھکا مکی ہوگی نہ کوئی زحمت وکشمکش پیش آئے گی، سب لوگ سکون واطمینان کے ساتھ جمالِ حق کا نظارہ کریں گے (اور یہ مطلب تَضَامُّون تشدید میم کی صورت میں ہے)۔ اسی طرح جب چودھویں کا چاند سر پر ہوتا ہے تو دیکھنے والوں کو رؤیت میں ذرا شک نہیں ہوتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے بھی بے شک اللہ پاک ہی کی زیارت کریں گے، ان کو اس معاملہ میں ادنیٰ شک نہیں ہوگا (اور یہ مطلب تضامون بتخفیف میم کی صورت میں ہے)۔

نمازوں کے اہتمام سے جمالِ حق کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے

اور حدیث کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازوں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے

نمازوں کے اہتمام سے آدمی میں جمال حق کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ اعمال کے خواص ہیں، زکوٰۃ سے بخیلی دور ہوتی ہے، روزہ سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے حج سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح نماز سے اللہ کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے پس بندے جمالِ حق کو دیکھنے کے آرزومند ہیں وہ پانچویں نمازوں کا اہتمام کریں اور دو نمازوں کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ جو ان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا۔ (تحفۃ الالمعی ۶/ ۳۲۴)

پہلا فائدہ:

(۱) نماز مؤمنین کی معراج ہے۔ معراج کے معنی ہیں سیڑھی۔ یعنی نماز ترقی کا ذریعہ ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج سے سرفراز کیا گیا تھا، اور وصال حبیب نصیب ہوا تھا، مومنین بھی نماز کے ذریعہ ترقی کرتے ہیں اور آخرت میں ان کو بھی دیدار الٰہی کی نعمت سے جو کہ اخروی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے بہرہ ور کیا جائے گا، آخرت میں تجلیات کو سہارنے کی استعداد نماز کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔

متفق علیہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے چودہویں کا چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا، عنقریب تم اپنے پروردگار کو آشکارا آنکھ سے دیکھو گے، جیسے کہ تم اس چاند کو دیکھتے ہو، تم کوئی تکلیف نہیں دیئے جاؤ گے، اس کے دیکھنے میں پس اگر طاقت رکھو تم کہ نہ غلبہ کئے جاؤ تم (یعنی مشاغل تم پر غالب نہ آئیں) اس نماز پر جو طلوع آفتاب سے پہلے ہے (یعنی نماز فجر) اور اس نماز پر جو غروب آفتاب سے پہلے ہے (یعنی نماز عصر تو کرو تم۔ (مشکوۃ باب رویت اللہ عزوجل: حدیث نمبر ۵۶۵۵)

فجر وعصر کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ فجر راحت اور سستی کا وقت ہے اور عصر مشاغل دنیوی کا وقت ہے پس جوان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی نمازوں کا بدرجۂ اولی اہتمام کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی انہیں دو وقتوں میں ہو گا۔ (مظاہر حق)

غرض رویت باری کی خوش خبری کے ساتھ نمازوں کے اہتمام کی تاکید اسی لئے ہے کہ نمازیں ہی آدمی میں دیدار الٰہی کی استعداد پیدا کرتی ہیں۔

دوسرا فائدہ:

(۲) نماز محبوب الٰہی بننے کا اور اللہ کی رحمتوں کو لوٹنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے ایک خادم حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''مجھ سے مانگ'' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہشت کی رفاقت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کچھ اور مانگ لو، انہوں نے عرض کیا، میرا مطلب تو یہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تو اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر نمازوں کی کثرت سے (مشکوۃ حدیث نمبر ۸۹۶)

یعنی تیرا نفس تو نہیں چاہے گا، کیونکہ نفس پر نماز بہت بھاری ہے، مگر تو نفس کو مجبور کر اور بہت زیادہ نمازیں پڑھ، تاکہ میں آخرت میں ان نمازوں کے وسیلہ سے تیرے لئے اپنی رفاقت کی درخواست کرسکوں، اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی نماز کی مدد سے آخرت میں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔ نمازوں کا اہتمام کرنے والے محبوب الٰہی ہوں گے، اللہ کی رحمتوں کے حقدار ہوں گے اور جنت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ حاصل کریں گے۔ **اَللّٰھمَّ اجعلنا مِنھم**

تیسرا فائدہ:

(۳) جب نماز آدمی میں ملکہ اور فطرت بن جاتی ہے، تو بندہ اللہ کے نور میں مضمحل (متلاشی، بکھرنے والا، محو ہونے والا، گم ہونے والا) ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خطائیں مٹادی جاتی ہیں، سورۂ ہود آیت ۱۱۴ میں ہے:

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے ابتدائی حصہ میں نماز کا اہتمام کرو، یادرکھو نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں یعنی نیکیوں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ برائیوں کو مٹادیتی ہیں۔ جس طرح نہانے سے بدن کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور خزاں کے موسم میں پتے جھڑ جاتے ہیں، نمازوں اور دوسری نیکیوں سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیکیاں عملی توبہ بن جاتی ہیں۔

چوتھا فائدہ:

(۴) نیک بختی حاصل کرنے کے حجابات ثلاثہ میں ایک جہالت و بدعقیدگی کا حجاب بھی ہے۔ جب نماز کے افعال حضور قلب اور نیت صالحہ کے ساتھ انجام دیئے جائیں تو نماز سے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے، اور دل میں اللہ کی عظمت و اعتقاد پیدا ہوتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نماز سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں۔

پانچواں فائدہ:

(۵) نیک بختی حاصل کرنے میں حجاب دینا بھی مانع ہے۔ یعنی رِیت، رواج کا پردہ بھی حائل ہو جاتا ہے، جب نماز کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو ایک مسلمہ طریقہ بنالیا جاتا ہے تو وہ آفات دنیا سے اور رواجی برائیوں سے بچاتی ہے، سورۂ العنکبوت آیت ۴۵ میں ہے کہ نماز کی پابندی کیجئے بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے

روکتی ہے۔(وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ)

نماز فطرت ثانیہ اور خصلت راسخہ بن جاتی ہے تو رواجی برائیوں سے بچنے میں بے حد نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔

چھٹا فائدہ:

(٦) نماز مسلمانوں کا شعار ہے، اس کے ذریعہ مسلمان، کافر اور منافق سے ممتاز ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان عہد و پیمان نماز ہے، پس جس نے نماز کو ترک کر دیا، وہ کافر ہو گیا۔(رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی فی کتاب الایمان۔مشکوۃ حدیث نمبر ۵۷۴)

اسفار میں ہمیں اس کا خوب تجربہ ہوتا ہے جب کوئی مسلمان لوگوں کے درمیان نماز پڑھتا ہے تو اس کے اس عمل سے دین اسلام کا تعارف ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ:

(٧) سعادت حقیقیہ یہ ہے کہ بہیمیت، نفس ناطقہ کے تابع ہو جائے، اور خواہش عقل کی پیری کرے اس مقصد کی تحصیل کے لئے نماز جیسی کوئی چیز نہیں، نماز نفس کو خوگر بناتی ہے کہ وہ عقل کی تابعداری کرے اور عقل کے حکم پر چلے، پس سعادت حقیقیہ حاصل کرنے میں بھی نماز بڑی معین و مددگار ہوتی ہے۔

آٹھواں فائدہ:

(٨) نماز اللہ پاک کو بہ کثرت یاد کرنے کا ذریعہ ہے اور اللہ پاک کی یاد بہت بڑی چیز ہے، عاشق سے کوئی پوچھے تجھے محبوب کی یاد میں کیا ملتا ہے؟ وہ خود تو کچھ نہیں بتلا سکے گا، مگر اس کی وارفتگی سب کچھ بتا دے گی۔

ذکر، اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور آبِ حیات ہے، اللہ پاک کی یاد ہی سے ان کے دلوں کی دنیا آباد ہے، پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کو یاد رکھیں وہ نمازوں کو اس کا ذریعہ اور وسیلہ بنالیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ صفحہ ۷۴۱)

بندۂ ناتوان عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خوب وضاحت فرمادی اور پچھلے اوراق میں آپ سورۂ بقرہ کی آیت ۴۵ اور ۴۶ میں اللہ رب العزت کا فرمان پڑھ چکے ہیں کہ مدد طلب کرو صبر اور نماز سے اور نماز کے ذریعہ مدد و نصرت الٰہی اور قرب و فتح باب رحمت الٰہی نفس کے لئے دشوار ہے مگر خاشعین، جن کے قلوب میں خشوع، یعنی انابت الی اللہ ہو ان کے لئے دشوار نہیں، بلکہ آسان و سہل ہے، خاشعین کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی کہ

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (بقرہ:۴۶)

خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ نماز سے اور صبر سے معیت باری کا تحفہ تو ملتا ہی ہے، خشوع کی شان عطا ہوتی ہے اور نماز اور صبر دونوں کا اہتمام و التزام وہی بندہ کرے گا جس پر حق تعالیٰ کی ملاقات و دیدار کی تجلی کا نور قلب پر بکھیر رہا ہوگا۔ جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اضمحل فی نور اللہ سے حجۃ اللہ میں تعبیر کیا ہے۔

گویا حاصل یہ نکلا کہ قرآن و حدیث کے مجموعہ سے نماز کے اہتمام سے ملکہ راسخہ حاصل ہوتا ہے، اور نماز فطرت راسخہ کا جب مقام حاصل کر لیتی ہے تو بندہ نماز کے ذریعہ نورِ حق کا متلاشی رہتا ہے اور حالت نماز میں نورِ حق کی تجلی میں کھو جاتا ہے اور نمازی

پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کا افاضۂ تام ہوتا ہے اور یہ شان صرف نماز ہی کی ہے کہ بندہ پر دیدار الٰہی کی استعداد و صلاحیت کی محویت ڈالی جاتی ہے تا کہ آخرت میں نور مطلق حق جل مجدہ کا دیدار نصیب ہو۔ اور بندہ جب نماز میں دائمی حضوری اور نیت صالحہ کی پابندی کا اہتمام کرتا ہے تو نور حق کی تجلی کا افاضہ روز افزوں ہوتا ہی رہتا ہے اور استعداد و صلاحیت میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ بندہ ایسے لمحات و نفحات قدسیہ کی جستجو میں کوشاں رہتا ہے اور جبکہ ان کیفیات کا ادراک نماز ہی میں ہوتا ہے تو اسی کو حدیث میں **اَرِحْنِی یَا بَلَال** اور **قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ** اور **اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ** کی کیفیات کا حسب مراتب مشاہدہ یا مراقبہ ہوتا ہے، اللہ میں خشوع و خضوع والی احسان کی نماز عطا فرمائے۔ (آمین)

الغرض نماز سے تجلی ثبوتی کے اسرار کے ظہور کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ نماز افعال و اقوال کے مجموعہ کا نام ہے، جو وجودی چیزیں ہیں اور صفات ثبوتیہ بھی وجودی ہیں، لہٰذا نماز کی تجلی سے استعداد پیدا ہوگی دیدار الٰہی کے ثبوتی صفات کی، جو آخرت میں معین ہوگی لقائے رب تبارک و تعالیٰ کے لئے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ وَ كَرَمِكَ وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ يَا كَرِيْمُ آمِيْن

روزہ دار کے لئے دو مسرتیں: فطری اور روحانی

عنأَبَاهُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ هُوَلِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، إِذَا كَانَ يَوْمُ صِيَامِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ شَاتَمَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ

لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ. لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهِ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَرِحَ بِصَوْمِهِ" (رواہ البخاری ومسلم، الترغیب صفحہ ۸/۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حق جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے آدم کی اولاد کا ہر عمل اس کے لئے بجز روزہ کے وہ میرے لئے اور اس کی جزاء میں دونگا، اور روزہ ڈھال ہے، جب کسی کا روزہ ہو تو فحش کلامی نہ کرے، نہ ہی چیخے چلائے، اگر اس کو کوئی گالی دے یا لڑے تو کہہ دے بھائی میرا روزہ ہے، بھائی میرا روزہ ہے۔

اس ذات کی قسم جس قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ دار کے لئے دو خوشی ہے، جب وہ روزہ سے افطار کرتا ہے تو افطار کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو روزہ کی وجہ سے خوشی ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

روزہ دار کو دیدارِ الٰہی کی بشارت وخوشی

اس روایت میں دو مسرت وخوشی کا تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے۔ بقیہ دوسرے انعامات کے ساتھ، ایک جسمانی وفطری مسرت کہ روزہ دار جب روزہ کھولتا ہے تو کھانا پینا، جو نفس کا اور جسم کے تقاضے ہیں، جب پورا ہوتا ہے تو انسان کو فطری طور پر فرحت و مسرت اور جسمانی سیرابی وشادمانی ہوتی ہے، انگ انگ میں طراوت وحلاوت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور قوت وطاقت کی بہار پورے جسم میں پھیل جاتی ہے اور چہرہ وبشرہ پر محسوس ہونے لگتا ہے اور روزہ دار کھل جاتا ہے۔ یہ سب مسرتیں تو محض جسمانی تھیں۔ صاحب شریعت حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری دائمی ربانی و

روحانی مسرت کی بشارت سنائی ہے، وہ یہ کہ روزہ کی وجہ سے مومن کے اندر ایک ایسی قوت ایمانی راسخ ہوتی ہے اور گھر بنا لیتی ہے جس کی وجہ سے جب روزہ دار بندہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے ملاقات کرے گا اور دیدار ہوگا تو روزہ کی وجہ سے جو تنزیہی تجلی پیدا ہوئی تھی اب آخرت میں دیدار الٰہی کے وقت خوب فرحت و مسرت بخش دیدار ہوگا۔

نماز سے ثبوتی اور روزہ سے تنزیہی تجلی کا انعام

حاصل یہ کہ دیدار الٰہی کے لئے تجلی ثبوتی تو بندہ کے اندر نماز سے عطا ہوئی اور روزہ سے تنزیہی تجلی عطا ہوتی ہے یعنی صفات سلبی کے اسرار کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ روزہ رک مفطرات کا نام ہے یعنی چھوڑنا ہی چھوڑنا ہے جو سلبی چیزیں ہیں اور حق تعالیٰ کے دیدار کے لئے بندہ میں دونوں ہی استعداد ہونی چاہئے تا کہ دید کی حقیقی لذت سے آشنا ہو سکے۔ لہذا نماز سے ثبوتی تجلیات کی استعداد ودیعت کی گئی اور روزہ سے تنزیہی و سلبی صفات کی تجلی عطا ہوئی تا کہ بروز قیامت دیدار الٰہی کی دونوں صفات کی استعداد سے سبوح وقدوس جل مجدہ کی دید کی لذت سے شوقِ لقاء کی سیرابی تیز سے تیز تر ہو اور پھر **لذہ النظر الی جھک و الشوق الی لقاءِ ک** کی آرزو پوری ہوگی۔ اس لئے حق تعالیٰ نے مومنین کو دونوں ہی شان عبادت و اطاعت اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ اللھم انی اسئلک لذہ النظر الی وجھک والشوق الی لقاءک بنور وجھک الکریم آمین۔

ثبوتی و تنزیہی تجلی کا مفہوم

حق جل مجدہ کی دو شان ہے، یا اس کو یوں سمجھئے کہ اللہ رب العزت کی ذات کیلئے جس

قدر کمالات و کبریائی، عظمت وقدرت اور شانِ قدوسیت وسبوحیت، احدیث وصمدیت اور جملہ صفات باری کا شانِ کبریاء عزوجل کے اعتبار سے مومن بندہ کے دل میں خالق کی صفات جاں گزیں ہوگی اسی شان سے اعمال عبودیت بھی ادا ہوتی رہے گی۔

خواہ وہ افعال واعمال ہوں یا تنزیہ وتقدیس کے کلمات مبارکات ہوں۔ان اقوال وافعال کے ہوجانے کے بعد اللہ رب العزت کی جانب سے اس بندہ پر ثبوتی تجلی یعنی وہ نور جس سے قیامت کے دن حق جل مجدہ کے کمالات ہی کمات۔ اور تصور وسوچ سے ماوراء ثم ماوراء از وہم وگمان رب العزت کی شانِ کبریائی کا مشاہدہ ہوگا۔ایسا نور مومن کو نماز سے خوب اللہ عطا کرتا ہے کہ نماز تمام اقوال وافعال، خیر کا مجموعہ ہے اور دو نماز عصر وفجر کے اہتمام والتزام سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا خاص نور ودیعت ہوتا ہے کیونکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انہی دونمازوں کے وقت آخرت میں مومنین کو دیدار کی نعمت سے مالا مال کیا جائے گا، الغرض لب ولباب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے وقت ایک مشاہدہ کمالات باری تعالی کا ہوگا کہ عرش عظیم کا رب مرکز حسن وجمال اور صفات بے مثل ومثال لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے ان تمام کمالات کا مشاہدہ تجلیات ثبوتیہ سے عطا ہوتا ہے، یعنی تجلیات وانوارات ثبوتیہ اور کمالات ربانیہ کو دیکھنے اور برداشت کرنے کی قوت واستعداد بدرجہ اتم حق تعالیٰ ودیعت کردیں گے، تاکہ دیدار کی لذت سے خوب سیراب ہوسکے اور بہرہ ور ہو۔

اور تنزیہی وسلبی تجلی کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ میں از اول تا آخر تمام ہی افعال واعمال کا ترک یعنی نہ کرنا اور چھوڑنا ہے، کھانا، پینا، رفث، شہوت، وفحش کلامی، گالی گلوج، غیبت، چغلخوری، بدزبانی، بدکلامی، بدنگاہی وبدسماعی، بدگمانی وبدخیالی وغیرہ سے مکمل

دور اور کنارہ کش رہنا ہے۔ اعمال صالحہ میں ان تمام باتوں سے اجتناب و دوری اختیار کرنے سے اعمال صالحہ کی سلبی تجلیات و انوارات کی قوت و استعداد کے برداشت کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

یعنی بروز دیدار الٰہی تنزیہی و سلبی تجلی سے بندہ کو یہ لطف و سرور ہوگا کہ اللہ رب العزت کی ذات کے لئے جس طرح بلا مثال کمالات ذاتیہ و ثبوتیہ اعلیٰ و بالا از وہم و گمان ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ جملہ عیوب و نقائص سے بھی پاک اور وہم و گمان ہیں اور یہ تنزیہ، یعنی عیب سے پاکی کا مشاہدہ سلبی اعمال و افعال سے بندہ کو حق تعالی عطا کرتے ہیں، تاکہ دیدار کے وقت رب العزت کی دونوں صفات تجلیات ثبوتیہ کے ساتھ ساتھ تجلیات تنزیہ کا بھی مشاہدہ بدرجہ اتم و اکمل ہو۔ کمالات کے مشاہدہ کے سابقہ خامیوں کی بھی نفی ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ رب العزت جب اپنا دیدار اہل ایمان کو کرائیں گے تو فرشتوں کی زبان پر سبحانک اللھم ما عرفناک حق معرفتک و ما عبدناک حق عبادتک کے کلمات ہوں گے۔

ایک اصولی بات

یہاں پر شریعت ربانی کا یہ فلسفہ بھی واضح ہوگیا کہ اللہ رب العزت کے قانون میں امتثال اوامر کے ساتھ اجتناب نواہی بھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دونوں ہی تقوی و طہارت قلب کے لئے اہم رکن ہیں اور ایک سے تجلیات ثبوتیہ کا نور عطا ہوتا ہے یعنی امتثال اوامر سے ایسا نور الٰہی عطا ہوتا ہے جو بندہ پر اعمال خیر پر استقامت اور قوت راسخہ اور بصیرت و معرفت کا دروازہ کھولتا ہے؛ کیونکہ ثبوتی تجلی طمانیت و انشراح کے ساتھ حق تعالیٰ کی انابت کی طرف جذب کرتی ہے اور وہی تجلیات ثبوتیہ فضل الٰہی سے

معین ومدد بنتی ہے۔ اللھم ارزقنا بفضلک العظیم۔ اور اجتناب نواہی سے نفس کی امارگی ٹوٹتی ہے، خستگی غالب ہوتی ہے، سلبی وتنزیہی تجلی حسب اجتناب نازل ہوتی ہے پھر شکوک و شبہات مٹتے ہیں، طبیعت معصیت سے وحشت محسوس کرنے لگتی ہے؛ کیونکہ اجتناب نواہی سے تنزیہی صفات کی تجلی نازل ہوتی ہے اور جب تنزیہی تجلی سے مناسبت ہو جاتی ہے تو پھر وہی ہوتا ہے جس کی اطلاع حدیث قدسی صحیح میں آئی ہے کہ کنت سمعہ الخ کہ اللہ فرماتے ہیں میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ الغرض دیدار الٰہی کے لئے دونوں ہی تجلی کا نور اصل ایمان کو چاہئے۔ جو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو اوامر بھی عطا کئے اور نواہی بھی عنایت فرمائے تاکہ دونوں اعمال کے ذریعہ خواہ ثبوتی اعمال ہوں یا سلبی دونوں طرح کا نور بندہ کو عطا کیا جائے اور بروز دیدار بندہ اپنے معبود و مسجود حقیقی کو دونوں نور کی مدد سے نور السموات والارض کے نور مطلق کا دیدار کر سکے۔ اللھم ارزقنا لذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک بنور وجھک الکریم، آمین یا سمیع الدعا یا قریب یا مجیب۔

معزز حضرات کو صبح وشام جمالِ حق کا دیدار ہوگا

عَنْ ثُوَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اِبْنِ عُمَرَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً لَّمَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی جِنَانِہٖ، وَزَوْجَاتِہٖ، وَنَعِیْمِہٖ، وَخَدَمِہٖ وَسُرُرِہٖ مَسِیْرَۃَ اَلْفَ سَنَۃٍ، وَاَکْرَامُھُمْ، عَلَی اللّٰہِ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی وَجْھِہٖ غَدْوَۃٍ وَعَشِیَّۃً ثُمَّ قَرَأَ، رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **(وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ)** (رواہ الترمذی ۔ باب رویۃ الرب تبارک وتعالی ۔ کتاب صفۃ

الجنۃ۔ رقم ۲۵۴۹)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خدام اور (راحت کیلئے پھیلے ہوئے) تخت و کرسی و مسہریوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا و نظر کرے گا، یعنی اتنی دور تک اس کی نعمتیں پھیلی ہوئی ہوں گی، اور جنتیوں میں جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز شخص ہوگا وہ اللہ رب العزت کے روئے انور (چہرے مبارک) کی طرف صبح و شام زیارت کرے گا یعنی دیکھے گا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ قیامہ کی یہ آیتیں پڑھیں، بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ (ترمذی)

اہلِ سعادت کو حسب مراتب زیارت کی نعمت میسر ہوگی

اس حدیث میں ادنیٰ درجے کا جنتی اس شخص کو فرمایا گیا، جس کی جنت ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہوگی، اور دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سب سے آخری شخص جو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، اسے دنیا سے دس گناہ جنت ملے گی، ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں، کیوں کہ ہزار سال کی مسافت کا لفظ کثرت کے لئے استعمال ہوا ہے کیوں کہ عربی میں سب سے بڑا ہندسہ ہزار کا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں دیدار الٰہی کی دولت و نعمت حسب مراتب میسر آئے گی بعض اہل سعادت کو صبح و شام اس نعمت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ بعض کو جمعہ کے دن سوق الجنۃ میں ہفتہ وار زیارت ہوگی۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتینِ جنت کو سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقع پر یہ سعادت نصیب ہوا کرے گی۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی، دنیا میں معرفت ربانی کی طرح ہے پس دیدار بقدر معرفت ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اَرْزُقْنَا بِنُوْرِ وَجْھِکَ الْکَرِیْمَ، (معارف نبوی۔۸/۳۲۱)

قریب وبعید کو یکساں دیکھنا اور سننا نصیب ہوگا

اور آجری کی روایت میں ہے کہ۔ ادنیٰ جنتی وہ ہوگا جو اپنے ملک میں دو ہزار برس کی راہ کے بقدر (مسافت جنت) دیکھے گا اور آخرترین حصہ کو بھی اس طرح دیکھے گا جیسے قریب ترین حصہ کو دیکھے گا۔ (گلدستہ۔۷/۳۸۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ایک منادی مقرر فرمائے گا جو اتنی آواز سے ندا کرے گا کہ اگلے پچھلے سب سن لیں گے، اے اہلِ جنت اللہ نے تم سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا تھا اور زیارت کا بھی، اچھا ثواب جنت ہے اور مزید انعام رحمن کا دیدار حاصل ہونا ہے۔ ابن جریر وابن مردویہ۔
(گلدستہ:۳/۲۵۴)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ اُناس! یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، ھَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ؟ فَقَالَ ھَلْ تَضَارُّوْنَ فِی الشَّمْسِ لَیْسَ دُوْنَھَا سَحَابٌ؟ قَالُوْا! لَا، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ! ھَلْ تَضَارُّوْنَ فِی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ لَیْسَ دُوْنَہٗ سَحَابٌ؟ قَالُوْا: لَا! یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ فَاِنَّکُمْ تَرَوْنَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَذٰلِکَ، (الحدیث۔ بخاری کتاب الرقاق۔ باب الصراط جسر جھنم۔ الاحادیث القدسیہ۔ ۱۳۳)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کیا سورج کے دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے جب کہ اس پر کوئی بادل نہ ہو؟ صحابہ نے عرض کی نہیں یارسول اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کیا جب کوئی

بادل نہ ہوتو تمہیں چودھویں رات میں چاند دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ نہیں، یارسول اللہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح قیامت کے دن دیکھو گے۔ (بخاری)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَضَارُّوْنَ فِی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوْا: لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ فَهَلْ تَضَارُّوْنَ فِی الشَّمْسِ لَیْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ؟ فَقَالُوْا! لَا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: فَاِنَّکُمْ تَرَوْنَهٗ کَذَالِکَ، الحدیث بخاری کتاب التوحید۔ (الاحادیث القدسیہ۔ ۳۳۴)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ ؓ سے روایت ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں دقت و دشواری پیش آتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ حضرت نے فرمایا کیا سورج کو دیکھنے میں جبکہ اس پر بادل نہ ہو دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ، خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسی طرح حق تعالیٰ کو (بلامشقت ودقت قیامت کے دن) دیکھو گے۔ (الحدیث بخاری)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْنَا! یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالَ، هَلْ تَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، اِذْ کَانَتْ صَحْوًا؟ قُلْنَا لَا، قَالَ فَاِنَّکُمْ لَا تَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ رَبِّکُمْ یَوْمَئِذٍ، اِلَّا کَمَا تَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهَا (الحدیث بخاری کتاب التوحید) (الاحادیث القدسیہ۔ رقم ۳۳۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کی یارسول اللہ کیا

ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کیا سورج اور چاند کو دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے جبکہ آسمان بالکل صاف ہو! ہم نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس دن رب تبارک وتعالیٰ کے دیدار میں کوئی دشواری نہ ہوگی جس طرح چاند وسورج کو دیکھنے میں نہیں ہوتی۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْد الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْ اِنَّ نَاسافِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ؟ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ: قَالَ ھَلْ تَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الشَّمْسِ بِالظَّھِیْرَۃِ صَحْوًا لَیْسَ مَعَھَا سَحَابٌ؟ قَالُوْا لَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ مَاتَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلَّا کَمَا تَضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اَحَدِھِمَا۔

(الحدیث۔ رواہ المسلم الاحادیث القدسیہ رقم۔ ۳۴۱)

ترجمہ: حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لوگوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم لوگ قیامت کے دن اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں (ضرور دیکھیں گے) آپ نے ارشاد فرمایا کیا دن میں جب آسمان صاف ہو بادل نہ ہو تو سورج کو دیکھنے میں دقت ہوتی ہے؟ اور کیا چودھویں رات کے چاند کو جبکہ آسمان غبار و بادل سے صاف ہو دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے جواب دیا نہیں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا تمھیں کوئی دشواری نہ ہوگی اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھنے میں جس طرح کہ چاند وسورج کو دیکھنے میں دقت نہیں ہوتی۔

حسنیٰ وزیادہ

عَنْ صُھَیْب عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِہٖ (لِلَّذِیْنَ

اَحۡسَنُوۡا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَۃٌ) قَالَ: اِذَا دَخَلَ أَهۡلَ الۡجَنَّةِ الۡجَنَّةَ، نَادٰی مُنَادٍ، اِنَّ لَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ مَوۡعِدًا! قَالُوۡا: أَلَمۡ یُبَیِّضۡ وُجُوۡهَنَا وَیُنۡجِنَا مِنَ النَّارِ، وَیُدۡخِلۡنَا الۡجَنَّةَ؟ قَالُوۡا: بَلٰی فَیَکۡشِفُ الۡحِجَابُ: قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا اَعۡطَاهُمۡ شَیۡاً أَحَبَّ اِلَیۡهِمۡ مِنَ النَّظۡرِ اِلَیۡهِ،

(رواہ الترمذی۔ رقم ۲۵۴۸)

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَۃٌ (سورہ یونس آیت ۔ ۲۶)

جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے خوبی (یعنی جنت) ہے اور اس سے بڑھ کر حق جل مجدہ کا دیدار ہے، اس آیت کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو ایک ایک منادی پکارے گا کہ بے شک آپ حضرات کے لیئے حق تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے (یعنی ابھی حق جل مجدہ آپ اھل جنت کو ایک اور چیز عنایت فرمائیں گے) اھل جنت عرض کریں گے، کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید اور روشن نہیں کردیئے اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں عطا فرمادی کیا ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمادیا (یعنی تصور سے بالاتر جنت مل گئی اس کے بعد اب کون سا انعام باقی رہا اور اب کیا نعمت باقی رہ گئی جو ہمیں عنایت ہوگی) فرشتے کہیں گے کہ، جی ہاں (مگر ایک وعدہ ابھی باقی ہے۔ یعنی بے شک یہ سب چیزیں تمہیں دے دی گئی ہیں مگر اب بھی ایک نعمت باقی ہے) پس حجاب اٹھا دیا جائے گا (اور جنتی جمالِ حق جل مجدہ کا نظارہ کریں گے، اور لَذَّةَ النَّظۡرِ اِلٰی وَجۡهِكَ الۡکَرِیۡمِ، جو آپ ماضی میں پڑھ چکے ہیں اس کا لطفِ دید اٹھائیں گے اور یہ اتنی بڑی نعمتِ الٰہی ہوگی کہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی جو ان کو

دیدار جمال الٰہی سے زیادہ محبوب ہو (یعنی اھل بہشت و جنت کو جب جمالِ حق کا دیدار نصیب ہوگا تو ان کے نزدیک سب سے پیاری اور محبوب مرغوب چیز یہی دیدار الٰہی کی نعمت ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِنُوْرِ وَجْھِكَ الْكَرِيْمُ۔

جنت وزیارت

مَنْ صُهَيْب رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَادَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْاً اَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ، اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ فَمَا اُعْطُوْ شَيْأً اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِاِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ

(یونس ۲۶) رواہ مسلم الاحادیث القدسیہ رقم۔ ۳۹۲

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب اھل جنت جنت میں داخل ہوجائیں گے تو حق جل مجدہ ارشاد فرمائیں گے، تم چاہتے ہو کہ تمھیں کچھ زیادہ بھی دوں؟ وہ عرض کریں گے، کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا؟ اور دوزخ سے نجات نہیں دے دی؟ (اب اس سے بڑھ کر نعمت عظمیٰ کیا ہوسکتی ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تب حجاب و پردہ اٹھا دیا جائیگا (تو وہ حق جل مجدہ کے مبارک چہرے کا دیدار کریں گے) پس ان کو کوئی چیز ایسی نہیں دی گئی جو اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے جمال حق کے دیدار کرنے سے بڑھ کر ان کو محبوب ہو، پھر حضور علیہ الصلوٰہ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى زِيَادَةٌ جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے خوبی یعنی جنت ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا دیدار۔

(رواہ مسلم۔ الاحادیث اقدسیہ رقم۔ ۳۹۲)

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حجاب اٹھ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اھل جنت کے دلوں سے تمام خواہشات وطلب کو ختم وزائل کر دیں گے۔ دیدرویت کی لذت کے بعد دل میں کسی بھی قسم کی تمنا باقی نہیں رہ جائے گی اور امید سے بڑھ کر مزید مل گیا تو باقی کیا رہ گیا۔ اور اپنے فضل وکرم سے راضی کر دیں گے اور بندوں کو اپنی رضا عطاء کر دیں گے حقیقت ان تمام نعمتوں کی وہاں پہنچ کر آپ کے سامنے عیاں ہو گی اب تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو خوش کرنے کی سعی کیجئے اور بس۔ واللہ اعلم۔ ثمین۔

دیدارِ الٰہی سے آنکھ کا قرار وابدی سیرابی

عَنْ صُهَيْب رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تَلاَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ، لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ، وَقَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ، نَادٰى مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ اِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُرِيْدُ اَنْ يُّنْجِزَ كُمُوْهُ، فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا هُوَ؟ اَلَمْ يُثَقِّلِ اللّٰهُ مَوَازِيْنَنَا، وَيُبَيِّضُ وُجُوْهَنَا وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَيُنْجِنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَكَشَفُ الْحِجَابُ، فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ، فَوَاللّٰهِ مَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ، يَعْنِيَ اِلَيْهِ، وَلَا اَقَرَّ لِاَعْيُنِهِمْ،

(رواہ ابن ماجہ۔ الاحادیث القدسیہ۔ رقم ۳۹۵ روح المعانی۔ ۶ / ۹۷)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ یونس کی آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ) جن لوگوں نے نیکی کی ہے اس کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید برآں (اللہ کا دیدار) اس آیت کی تفسیر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب اھل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی جہنم میں، تو ایک منادی پکارے گا،

اے اھلِ بہشت و جنت، آپ حضرات کے لئے حق تعالیٰ کے پاس (یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے) ایک وعدہ ہے۔ رب العزت چاہتا ہے کہ وہ وعدہ آپ حضرات کا پورا کردے۔ اھل بہشت (تعجب و حیرانی سے) عرض کریں گے، آخر وہ کیا وعدہ ہے؟ کیا اللہ عزوجل نے ہمارے نامہ اعمال کو وزنی نہیں کردیا، اور ہمارے چہرے روشن نہیں کردئے۔ اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا، اور دوزخ وجہنم سے نجات دے دی (اس کے علاوہ اور کیا وعدہ تھا ہمیں یہ سب تو مل گیا اور اب باقی کیا رہ گیا ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا (یہ بات ہورہی ہوگی کہ) حجاب و پردہ اٹھا دیا جائے گا تو اہل جنت اللہ رب العزت کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے اھل جنت کو کوئی ایسی چیز نہیں دی جو اھل جنت کو دیدار جمال الٰہی سے زیادہ محبوب ہو۔ اور نہ دیدار کی نعمت سے زیادہ آنکھ کو قرار والی کوئی چیز ملے گی نہ ہوگی۔ (ابن ماجہ الاحادیث القدسیہ۔ ۳۹۵)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے لئے جنت کی نعمتوں میں سب سے لذیز تر، مسرت افزا اور محبوب ترین چیز محبوبِ حقیقی کی زیارت ہے، اور اس کو زیادۃ ''یا'' مزید، شاید اس لئے فرمایا کہ بندے کی حیثیت سے بہت ہی بالاتر چیز ہے، جس کا دنیا میں تو کیا جنت میں پہنچ کر بھی تصور نہیں کرسکتا تھا۔ (معارف نبوی۔ ۱/ ۳۲۰)

الغرض جس وقت حجاب ہٹا دیا جائے گا۔ یعنی جو رکاوٹ تھی ختم کردی جائے گی تو اس وقت اھل جنت کی نگاہیں جمالِ باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو آیت میں لفظ زیادۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مسلم میں حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا۔

حجاب اٹھا دیا جائے گا

پردہ و حجاب اٹھنے کا مطلب ہے کہ کبریائی کی چادر ہٹے گی، اللہ تعالیٰ اپنی عظمت

ورفعت سے نیچے اتریں گے تاکہ بندے ان کی زیارت کرسکیں، اللہ تعالیٰ کی شان اگر چہ اطلاقی ہے مگر بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کی کمزوری کی وجہ سے خاص تقییدی معاملہ فرماتے ہیں۔ (تحفہ۔۶/۳۲۵)

حدیث میں یہ جوفرمایا گیا کہ حجاب اٹھادیا جائے گا یہ حجاب خود بندوں پر ہے، حق تعالیٰ شانہ تو بے چون وچگون، اور یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس حجاب کی حقیقت کیا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ اس سے بندے کی نہایت پستی وذلت اور انتہائی ضعف و ناتوانی کا حجاب مراد ہو، جس کی وجہ سے وہ نورِ مطلق جل وعلا شانہ کی زیارت سے قاصر ہے۔ (معارف نبوی۔۱/۳۲۰)

اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال وکمال کا حجاب

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ، حِجَابُہُ النَّارُ لَوْ کَشَفَھَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَانَ وَجْھِہٖ کُلَّ شَیْءٍ اَدْرَکَہٗ بَصَرُہٗ ثُمَّ قَرَأَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ فَلَمَّا جَآئَھَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ،

(رواہ احمد ومسلم وابن ماجہ۔ ترجمان السنۃ۔ ۱/۲۹۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باری تعالیٰ نہ سوتا ہے، اور نہ سونا اس کی شان کے مناسب ہے، میزان عدل کو پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے (اس کے اور مخلوق کے درمیان) خود اس کا نور اس کا حجاب ہے، اگر وہ یہ حجاب اٹھادے تو اس کی ذات کے انوار جہاں تک نظر جائے سب کو پھونک ڈالیں، اس کی تائید میں ابوعبیدہؓ نے یہ آیت پڑھی: **فلما جاء ھا** - جب موسیٰ

آگ کے نزدیک پہنچے تو آواز آئی آگ میں جو تجلّی ہے وہ مبارک اور جو ہستیاں اس کے اردگرد ہیں وہ مبارک اور پاک ہے اللہ کی ذات جو سب جہان کا پروردگار ہے۔

(اس حدیث کو احمد۔ مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ترجمان السنۃ۔ ا / ۲۹۴)

صاحب ترجمان السنۃ کی رائے

یہاں اصل روایت میں نار کا لفظ ہے اور صحیح مسلم میں اس کی بجائے نور کا لفظ مذکور ہے چونکہ حقیقت کے لحاظ سے یہاں نور و نار میں چنداں فرق نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کا عام فہم ترجمہ نور ہی کر دیا ہے، ابوعبیدۃؓ نے لفظ نار ہی کی مناسبت سے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی ہے یعنی جب حضرت موسیٰؑ کو صورتِ نار میں تجلّی ہوئی تو معلوم ہوا کہ ذاتِ پاک کا حجاب نار تھا، جس کے پس پردہ اس کی تجلّی ہو رہی تھی، اس بابرکت نار اور بابرکت ماحول سے کسی نافہم کو یہ دھوکا نہ لگے کہ معاذ اللہ، اللہ کی ذاتِ پاک کہیں حقیقتاً آگ میں حلول کر آئی تھی، اس لئے فرمایا کہ وہ خود آگ اور سارے جہان کا پالنے والا ہے وہ جسم و جہت، حدوث و حلول کے آثار سے پاک و برتر ہے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کا حجاب مخلوق کی طرح باہر سے نہیں یہاں خود اس کے عظمت وجلال کے انوار ہی اس کا حجاب ہیں جس طرح کہ خود آفتاب کی کرنیں اور حسین کا حسن کبھی کبھی اس کے دیدار کے لئے حجاب بن جاتا ہے اسی طرح یہاں خود اس کی عظمت وجلال کے انوار ہی اس کا حجاب بن رہے ہیں، عقول انسانی نے بارہا شوخی کی اور چاہا کہ بے حجاب نظارہ کریں، مگر ہمیشہ خیرہ و متحیر ناکام واپس آئیں اب اس عالم میں بے حجاب دیدار کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ خود اس حجاب کو اٹھادے تو اس پر اُس کو تو قدرت ہے، مگر ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کی تاب لاسکیں، اربابِ عقول کا حصہ یہاں صرف اعتقادِ

عظمت ہے اور ارباب کشوف کا ذوق و وجدان۔ آنکہ چشد داند۔ (ترجمان السنہ: ۲۹۴)

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تم مرنے سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے۔ دارقطنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت: ربِ ارنی انظر الیك تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا موسیٰ مجھے کوئی زندہ مرے بغیر نہیں دیکھے گا اور نہ کوئی خشک اور نہ کوئی تر۔ مجھے صرف جنتی دیکھیں گے (جنت میں) انکی آنکھیں مردہ نہیں ہوں گی اور نہ ان کے جسم کہنہ ہوں گے۔
(گلدستہ۔ ۷/ ۳۸۳)

وہ نور تھا تو نظر جما کر کیسے دیکھتا

عن ابی ذر قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم هل رأیت ربّک قال نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے اپنے پروردگار کو (شبِ معراج میں) دیکھا تھا، آپ نے جواب دیا، نُوْرًا اَنِّیْ دیکھا تھا۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ترجمان السنہ۔ ۱/ ۲۹۶)

اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ کوئی نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ پڑھتا ہے، ہم نے نُوْرًا اَنِّیْ کے لفظ کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ بعض روایات میں رَأَیْتُ نورًا کا لفظ بھی موجود ہے، ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے، اگر نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ نور تھا میں اسے نظر جما کر بھلا کیسے دیکھ پاتا، اس بناء پر بارگاہ الٰہی میں نور ہی کا اطلاق ثابت ہوگا، قرآن و حدیث بارگاہ الٰہی کا جہاں ذکر کرتے ہیں، ماحول میں نور ہی نور کا پتہ دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ اسماء الٰہیہ میں اس کا ایک اسم ہی، النور، ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کا نور و جمال روشن ہے۔ مادیات کا عالم سرتاسر ظلمت و تاریکی ہے اور مجردات کا سرتاسر نور، یہ نور جس قدر لطیف اور قوی ہوتا جاتا ہے اسی قدر ادراکِ نظر و بصر سے باہر ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ جو ذاتِ پاک تجرد کے انتہائی مراتب میں ہے وہ تمام دنیا کے ادراکِ نظر و بصر سے بھی باہر ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ، اللہ کو کسی کی بصر نہیں پا سکتی۔

احادیث میں عالم مجردات کا جہاں تذکرہ ہے، وہاں اس کو نور ہی سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو اس نور پر قیاس نہ کرنا چاہیے، نورِ آفتاب سے نور بصر زیادہ اہم ہے اور نور بصر سے نور عقل زیادہ اہم پھر جو ان میں جس قدر اہم اور قوی ہے اسی قدر غیر محسوس ہے جب مادیات میں یہ نسبت ہے تو اس سے مجردات کا اندازہ کر لیجئے۔ (ترجمان السنۃ۔ ۱/۲۹۶)

ستر حجاب

عَنْ زُرَارَةَ بِنْ اَوْفی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ قَالَ لجبرئیلَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّکَ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيْلُ وقال یا محمدُ اِنَّ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ سبعین حجاباً من نورٍ لَوْ دَنَوْتُ مِنْ بَعْضِهَا لَاحْتَرَقْتُ

(ھذا فی المصابیح ورواہ ابو نعیم فی الحلیہ عن انس الا انہ لم یذکر فانتفض)

ترجمہ: زُرارہ بن اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ یہ سن کر وہ کانپ اٹھے، اور بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اس کے درمیان تو نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں کسی ایک کے نزدیک بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں، اس حدیث کو مصابیح میں ایسا ہی روایت کیا ہے ۔لیکن ابو نعیم نے اپنی کتاب الحلیہ میں بجائے زرارہ ؓ کے انس ؓ سے روایت کیا ہے اور

جبرئیل علیہ السلام کے کانپنے کا ذکر نہیں کیا۔ (ترجمان السنہ۔ ۱/ ۲۹٦)

بندۂ مقرب کے لئے حجابات اٹھا دیئے گئے

اس حدیث میں حجاب کا عدد ستر مذکور ہے ہوسکتا ہے کہ یہاں صرف کثرت مراد ہو جیسا کہ اردو میں بھی یہ عدد صرف کثرت کیلئے مستعمل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام مخلوق اور خاص نورانی مخلوق کے درمیان حجاب کا کچھ فرق بھی ملحوظ ہو۔ بہر حال نفس حجاب کا ثبوت یہاں بھی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام جیسے ملک معظم بھی سراپردہ عظمت وجلال سے دور دور گھوم رہے ہیں، وہ ذات ایک اور صرف ایک ہی ذات تھی جس کیلئے سب حجابات اٹھا کر اعلان کر دیا گیا تھا کہ آؤ اور اپنے پروردگار کے جمال کا بے پردہ نظارہ کرلو، سبحان اللہ وہ بندہ بھی کتنا مقرب بندہ ہوگا جس کیلئے وہ سارے حجابات اٹھا دیئے گئے جن میں سے جبرئیل جیسے ملک مقرب کیلئے ایک بھی نہ اٹھ سکا۔ (ترجمان السنہ۔ ۱/ ۲۹٦)

لقاء ورضاءِ باری

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ: یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ: یَقُوْلُوْنَ، لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ، فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَداً مِنْ خَلْقِکَ؟ فَیَقُوْلُ أَنَا أَعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذَالِکَ، قَالُوْا یَارَبِّ، وَاَیُّ شَیْئٍ اَفْضَلُ مِنْ ذَالِکَ؟ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ: فَلاَ اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ (اخرجہ البخاری فی کتاب الرقاق۔ الاحادیث القدسیہ رقم۔ ۳۹٦)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اھل جنت سے فرمائیں گے، اے اھل جنت (یعنی او جنتیوں) وہ

کہیں گے۔ بار بار حاضر ہیں ہم، اے ہمارے پروردگار، اور یہ حاضری ہمارے لئے سعادت ہے، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تم راضی وخوش ہو گئے، (یعنی جنت میں جو نعمتیں تم کو دی گئی ہیں ان پر تم راضی ہو؟) جنتی عرض کریں گے، ہمارے لئے کیا چیز مانع ہے کہ ہم خوش نہ ہوں، جبکہ آپ نے ہمیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں، جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب میں تمہیں ان سب سے بہتر وبڑھ کر ایک نعمت عطا کرتا ہوں، جنتی پوچھیں گے، ان سب سے بہتر و بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے؟ حق جل مجدہ فرمائیں گے وہ نعمت یہ ہے کہ اب میں نے تم پر اپنی رضا نازل کر دی یعنی اپنی خوشنودی اتارتا ہوں، اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (اہل جنت کو لقاء بھی مبارک ہو اور رضا بھی مبارک ہو) اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الرقاق میں نقل کیا ہے اور ترمذی میں ۲۵۵۱ الاحادیث القدسیہ ۳۹۶۔

دیدار الٰہی اور دائمی رضا کا تحفہ

جنت، اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت، دیدار الٰہی اور دائمی رضا کا تحفہ ہے سورۃ التوبۃ آیت ۷۲ میں ہے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑی نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس حدیث میں بھی اسی نعمت عظمیٰ کا تذکرہ ہے اور اعلانِ رضا اور دیدار الٰہی ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس لئے ان میں افضل کون ہے؟ یہ سوال خارج از بحث ہے۔ (تحفہ۔ ۶/ ۳۲۸)

جنت رضائے الٰہی کا مقام ہے

تمام نعمائے دنیوی واخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے، جنت بھی اس لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم

کی جسمانی وروحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا، مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

نورِ مطلق کا سلام و دیدار اور نور و برکت کی دائمی بقا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: بَیْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِیْ نَعِیْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ: فَرَفَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ، فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَیْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ: فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ! قَالَ وَذَالِکَ قَوْلُ اللّٰهِ، سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَبٍّ الرَّحِیْم (یٰسین:۵۷) قَالَ فَیَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ، فَلَا یَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِنَ النَّعِیْمِ، مَادَامُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ حَتّٰی یُحْجَبُ عَنْهُمْ وَیَبْقٰی نُوْرُهُ وَبَرَکَتُهُ عَلَیْهِمْ فِیْ دِیَارِهِمْ۔

(اخرج ابن ماجہ۔ الاحادیث القدسیہ رقم ۳۹۴۔ ترجمان السنہ۔ ۱/۲۹۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتی جنت کی نعمتوں وراحتوں میں مشغول ہوں گے، کہ اچانک اوپر سے ان کے سامنے ایک نور چمکتے ہوئے سامنے بلند ہوگا وہ سر اٹھائیں گے، کیا دیکھیں گے کہ رب تبارک وتعالیٰ اوپر سے ان پر جلوہ فرما ہے، اور فرما رہا ہے اے اہلِ جنت السلام علیکم قرآن کریم کی آیت **سلام قولا من رب رحیم** (سلام کہا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے) کا یہی مطلب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پھر رب العزت انھیں دیکھے گا اور یہ لوگ رب العزت کو دیکھا کریں گے، اور (جمال دیدار الٰہی میں ایسے مستغرق ومنہمک ہوجائیں گے کہ) جب تک رب العزت کی طرف نظر جمی رہے گی، جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات تک نہ کریں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان سے حجاب فرمائے گا (یعنی دیدار ختم ہوجائے گا) مگر (نورِ مطلق کا) نور اور برکت ان

کے ٹھکانوں، مکانوں میں باقی رہے گی۔(اس روایت کو ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا اور دارقطنی نے روایت کی ہے) (گلدستہ۔۷/۳۸۴)

حق تعالیٰ کا سلام صرف اہل جنت کا حصہ ہے

والد و اولاد، حاکم ومحکوم، احباب واعزہ کے سلام کی لذت سے تمام دنیا آشنا ہے، خالق کے سلام سے لطف اندوزی صرف اہل جنت کا حصہ ہے یہ تشریف وتکریم کی انتہاء ہے، جوذات کے نور حقیقی ہے اس کے احتجاب کے بعد نور کا بقا ایسا ہی ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد روشنی کا۔(ترجمان۔۱/۲۹۶)

صوفیاء کا مقام

صوفیہ کا مقصود سواء ذاتِ باری کے اور کچھ نہیں اس لئے اپنے اپنے درجات کے مطابق یہ گروہ اللہ کی ذاتی نور پاشیوں میں غرق ہوں گے (جنت کی اور کوئی نعمت سواء تجلیات ذاتیہ کے اپنی طرف ان کو مائل نہ کر سکے گی) دوسرے اہل جنت کے مشاغل مختلف ہوں گے، کھانا، پینا، گانا سننا، عورتوں سے قربت اور خواہشات کے مطابق دوسرے مشاغل میں انہماک ان کا پسندیدہ عمل ہوگا۔

ابونعیم نے ہمارے شیخ طریقت بایزید بسطامیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ اگر اوٹ کرلے گا تو جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کے لئے فریاد کریں گے اسی طرح وہ جنت کے اندر حجاب دیدار سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے اسی طرح وہ جنت کے اندر حجاب دیدار سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے۔
(گلدستہ۔۶/۶۲۴)

انہیں دیکھنے کی جو لو لگی
تو فقیر دیکھ ہی لیں گے ہم کبھی

وہ ہزار آنکھ سے دور ہوں
وہ پردہ نشیں سہی
ذوق نامش عاشق مشتاق را
از بہشت جاودانی خوش تراست
گرچہ درفردوس نعمت ہائے است
وصل اوازھرچہ دانی خوش تراست

یعنی اس کا نام عاشق مشتاق کے لیئے جنت سے بہتر ہے، گرچہ جنت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔لیکن اس کا وصل سب سے بہتر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرھندی رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ تحقیق

ہر شخص کے تعین (تشخیص) کا مبداءاللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہوتا ہے (کسی کا مبدأاسم رحمن ہے کسی کا اسم صمد ہے کسی کا قہار ہے غرض وجود مطلق نے کسی وصف خاص کے ساتھ جب ظہور کیا اور تعیینی جامہ پہنا تو مخلوق ظاہر ہوئی پس ہر شخص کا تعیین اور تشخص اللہ کے کسی نہ کسی اسم وصفی کا مظہر ہے) اب اس شخص کی جنت اسی اسم وصفی کے ظہور کا نام ہے، جو اس شخص کے تعیین کا مبدأ ہے، اور اس اسم وصفی کا ظہور اور جلوہ پاشی درختوں، دریاؤں، اعلیٰ مکانوں اور حور وغلماں کی شکل میں ہوتی ہے، اس انکشاف حقیقت کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جنت پاکیزہ مٹی والی، اور شیریں ہوگی۔

یعنی اس کے دریا شیریں ہوں گے اور اس کے پودے یہی (کلمات) ہیں یعنی سبحان اللہ، الحمدللہ، لاالہٰ الا اللہ اور اللہ اکبر اس کے بعد مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ درخت اور دریا (جو اسم وصفی کے مظہر ہیں اور جن کا نام جنت ہے) کبھی بلور وشیشہ کی طرح شفاف ہو جائیں گے اور ان کے ذریعے سے بے کیف رؤیت الٰہی کی نعمت

حاصل ہوگی، پھر کچھ وقت کے بعد ان کی شفافیت جاتی رہے گی اور اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور خود ان سے مومن دل بہلائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

کبھی جنت بذات خود مومن کے دل کا بہلاوا ہوگی اور کبھی رؤیت الٰہی کا آئینہ، اس کے بعد مجدد صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ جس طرح دنیا میں صوفی کو کبھی اسماء و صفات کے پردوں سے (چھن کر) تجلی ذات حاصل ہوتی ہے اور کبھی یہ پردے بھی اٹھ جاتے ہیں اور تڑپتی بجلی کی طرح جلوہ ذات ضوء افگن ہو جاتا ہے، اسی طرح آخرت میں دیدار الٰہی ہوگا، ہر جنتی کا ذات باری تعالیٰ سے تعلق اس اسم وصفی کے اعتبار سے ہوگا جو جنت کا مبدأ ہے اور جس کا ظہور جنت کی شکل میں ہوگا (کبھی جنت کی نعمتیں دیدار الٰہی کا آئینہ ہوں گی اور کبھی لوٹ کر اپنی اصل حالت پر آجائینگی) رؤیت الٰہی کی جنت میں جلوہ پاشی اس تڑپتی بجلی کی طرح ہوگی جو تھوڑی دیر کیلئے چمکتی ہے اور پھر چھپ جاتی ہے لیکن اس کی نورانیت اور برکت جنت کی نعمتوں اور درختوں کی شکل میں باقی رہے گی۔

(مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۱۰۰۔ گلدستہ۔ ۷ / ۳۸۴)

دوامی دیدار کن کو ہوگا

نعمت رؤیت سے ہمیشہ اور ہر وقت فیض یاب ہونے والے انبیاء ہوں گے یا پھر وہ اھل قربت ہوں گے جو ذات مقدس سے باوجود یہ کہ وہ تمام کیفیات اور اعتبارات سے پاک ہے وصل رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہوں گے جن کو ذات کی تجلی دوامی طور پر حاصل تھی۔ بجلی کے جھپکنے کی طرح ان پر جلوہ ذات کا پرتو افگن نہیں تھا (کہ ایک آن میں چمک پڑی اور جاتی رہی) مگر قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں ان کو دیدار میسر نہ تھا، لامحالہ آخرت میں میسر ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ کی روایت ابونعیم نے حلیہ میں

نقل کی ہے۔ مانع زائل ہو گیا تو آخرت میں دوامی دیدار حاصل ہونا ہی چاہیے۔
(۷/ ۳۸۳۔ گلدستہ)

اللہ کی زیارت میں کوئی شبہ نہیں

(حدیث) حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں چاند کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

اَمَا اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ هٰذَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَاتَضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِه، فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ عَلٰى اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا، فَافْعَلُوْا، ثُمَّ قَرَأَ جَرِيْرٌ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِى الْعَصْرَ وَالْفَجْرَ۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۲)

(ترجمہ) سن لو! تم عنقریب (قیامت اور جنت میں) اپنے رب کی زیارت اسی طرح سے کرو گے جیسے اس چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے نظر آنے میں تم کوئی دقت اور تکلیف محسوس نہیں کرتے پس اگر تم ہمت کرو کہ تم نماز فجر اور نماز عصر کو نہ چھوٹنے دو تو اس کی پابندی کرلو۔

پھر حضرت جریرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا

(اور تم سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد و بیان کرو) یعنی فجر اور عصر کی نماز ادا کرو۔ (تفصیل پہلے گذر چکی ہے)

زیارت ربانی مرنے کے بعد ہی ہوگی

(حدیث) حضرت عبادہ بن صامتؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں

کہ آپ نے دجال کا ذکر کیا پھر فرمایا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا"

تم جان لو تم اس وقت تک اپنے پروردگار کی زیارت نہیں کر سکتے جب تک کہ تم وفات نہ پالو

قریب سے کون زیارت کریں گے

(حدیث) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَرَوْنَ رَبَّهُمْ فِيْ كُلِّ جُمْعَةٍ، فِيْ رِمَالِ الْكَافُوْرِ، وَاَقْرَبُهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اَسْرَعُهُمْ اِلَيْهِ يَوْمَ الْجُمْعَةِ وَاَبْكَرُهُمْ غُدُوًّا۔

(ترجمہ) جنت والے کافور کے ٹیلوں پر بیٹھ کر ہر جمعہ اپنے رب کی زیارت کریں گے۔ ان میں سے سب سے زیادہ قریب سے (زیارت کرنے) والا وہ شخص ہوگا جو جمعہ کے دن جلدی جائے گا اور صبح کو جلدی اٹھتا ہوگا۔

اعلیٰ درجہ کا جنتی اللہ تعالیٰ کی صبح وشام زیارت کرے گا

حدیث: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اَدْنٰى اَهْلَ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لِمَنْ يَنْظُرُ اِلٰى جَنَانِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَنَعِيْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِيْرَةَ اَلْفِ سَنَةٍ، وَاِنَّ اَكْرَمَهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، مَنْ يَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِهٖ غَدْوَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ) الآیۃ۔

ترمذی کی وهذا اللفظ (۳۳۳۰)، مسند احمد ۲/ ۱۳، ۶۴، تفسیر ابن جریر ۲۹ حاکم ۲/ ۵۰۹، درمنثور (۶/ ۲۹۰)، البدور السافره (۲۲۴۱) بحواه ترمذی ودار قطنی ولالکائی وآجری، حادی الارواح ص ۴۰۲، ۴۱۰، مجمع الزوائد ۱۰/ ۴۰۱ بحواله ابویعلی والطبرانی۔

(ترجمہ) سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا جو اپنی جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خدمتگاروں

اور تختوں کو ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھتا ہو گا اور ان میں سے زیادہ مرتبہ کا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ اقدس کی صبح شام زیارت کرے گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ** اس دن (قیامت) میں اور جنت میں بہت سے چہرے تروتازہ ہشاش بشاش ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

ادنیٰ جنتی کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کا حال

”اَسْفَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ دَرَجَۃً رَجُلٌ یَدْخُلُ مِنْ بَابِ الْجَنَّۃِ، فَیَتَلَقَّاہُ غِلْمَانُہٗ، فَیَقُوْلُوْنَ: مَرْحَبًا بِسَیِّدِنَا قَدْ اُذِنَ لَکَ اَنْ تَزُوْرَنَا، فَتَمُدُّلَہٗ الزَّرَابِیُّ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً، ثُمَّ یَنْظُرُ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَشِمَالِہٖ فَیَقُوْلُ: لِمَنْ مَاھٰھُنَا؟ فَیُقَالُ: لَکَ حَتّٰی اِذَا انْتَھٰی رُفِعَتْ لَہٗ یَاقُوْتُہٗ حَمْرَاءُ، وَزَبَرْجَدَۃٌ خَضْرَاءُ لَھَا سَبْعُوْنَ شَعْبًا فِیْ کُلِّ شَعْبٍ سَبْعُوْنَ غُرْفَۃٍ، فِیْ کُلِّ غُرْفَۃٍ سَبْعُوْنَ بَابًا، فَیُقَالُ: اِقْرَاوَارَقَ، فَیُرْقٰی حَتّٰی اِذَا انْتَھٰی اِلٰی سَرِیْرِ مُلْکِہٖ، اَتَّکَأُ عَلَیْہِ، وَسَعَتِہٖ مِیْلٌ فِیْ مِیْلٍ، فَیَسْعٰی اِلَیْہِ صُحُفٌ مِنْ ذَھَبٍ، لَیْسَ فِیْھَا صُحْفَۃٌ فِیْھَا لَوْنٌ مِنْ لَوْنٍ اُخْتُھَا یَجِدُ لَذَّۃٍ آخِرُھَا، کَمَا یَجِدُ لَذَّۃٌ اَوَّلَھَا، ثُمَّ یَسْعٰی اِلَیْہِ اَلْوَانُ الْاَشْرِبَۃِ، فَیَشْرِبُ مِنْھَا مَا اشْتَھٰی، ثُمَّ یَقُوْلُ الْغِلْمَانُ: اُتْرُکُوْہُ وَاَزْوَاجُہٗ، فَیَنْطَلِقَ الْغِلْمَانُ، فَاِذَا حَوْرَاءُ مِنَ الْحُوْرِ جَالِسَۃً عَلٰی سَرِیْرِ مُلْکِھَا وَعَلَیْھَا سَبْعُوْنَ حُلَّۃٌ، لَیْسَ مِنْھَا حُلَّۃٌ مِنْ لَوْنِ صَاحِبَتِھَا، فَیَرٰی مخ سَاقِھَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ وَالْعَظْمِ وَالْکِسْوَۃِ فَوْقَ ذٰلِکَ سَنَۃً لَایَصْرِفُ بَصَرَہٗ عَنْھَا، ثُمَّ یَرْفَعُ بَصَرَہٗ اِلٰی

الْغُرْفَةِ، فَاِذَا اُخْرٰی اَجْمَلُ مِنْهَا، فَتَقُوْلُ: مَا آنَ لَکَ اَنْ یَّکُوْنَ لَنَا مِنْکَ نَصِیْبٌ؟ فَیُرْتَقٰی اِلَیْهَا اَرْبَعِیْنَ سَنَةً، یَصْرِفُ بَصَرَهُ عَنْهَا، ثُمَّ اِذَا بَلَغَ النَّعِیْمَ مِنْهُمْ کُلَّ مُبْلَغٍ، وَظَنُّوْا اَنَّهُ لَا نَعِیْمَ اَفْضَلَ مِنْهَا، تَجَلّٰی لَهُمُ الرَّبَّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی، فَیَنْظُرُوْنَ اِلٰی وَجْهِ الرَّحْمٰنِ، فَیَقُوْلُ: یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ، هَلِّلُوْنِیْ، فَیَتَجَاوَبُوْنَ بِتَهْلِیْلِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ یَقُوْلُ: یَادَاوٗدُ فَمَجِّدْنِیْ کَمَا کُنْتُ تُمَجِّدُنِیْ فِی الدُّنْیَا، فَیَمْجِدُ دَاوٗدُ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَ۔

(ترجمہ) ادنیٰ درجہ کا جنتی وہ شخص ہوگا کہ جب وہ جنت کے دروازہ سے داخل ہوگا تو اس کے غلمان (خدام) اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے ہمارے آقا کو خوش آمدید! آپ کو اجازت عطاء ہوگئی تو آپ ہم سے ملاقات فرمائیں۔ پھر اس کے لئے چالیس سال کے سفر کے برابر قالین بچھائے جائیں گے۔ پھر وہ اپنے دائیں بائیں دیکھے گا اور پوچھے گا یہ سب کس کے لئے ہے؟ تو کہا جائے گا یہ سب آپ کے لئے ہے حتی کہ یہ جب اپنی منزل تک پہنچے گا تو اس کے سامنے یاقوت احمر اور زبرجد اخضر کو پیش کیا جائے گا جس کے ستر حصے ہوں گے اور ہر حصہ میں ستر بالا خانے ہوں گے اور ہر بالا خانہ کے ستر دروازے ہوں گے۔ کہا جائے گا تلاوت کرتے جاؤ اور بالا خانوں میں چڑھتے جاؤ۔ چنانچہ وہ چڑھے گا حتیٰ کہ اپنی سلطنت کے تخت پر براجمان ہوگا اور اس کی ٹیک لگائے گا اس تخت کی لمبائی چوڑائی ایک ایک میل ہوگی، پھر اس کے سامنے فوراً سونے کے برتن پیش ہوں گے۔ ان میں سے کوئی برتن اپنے دوسرے برتن کی طرح کا کھانا نہیں رکھتا ہوگا ان میں سے اخیر والے کی لذت بھی اس کو ویسی ہی معلوم ہوگی جیسی کہ پہلے والے کی معلوم ہوگی۔ پھر اس کے سامنے پینے کی مختلف چیزیں پیش کی جائیں گی اور ان سے اپنی حسب خواہش جتنا چاہے گا نوش کرے گا۔ پھر خدام کہیں گے کہ اس کو اس کی بیویوں کے لئے چھوڑ دو چنانچہ خدام تو چلے جائیں گے اور فوراً

حوروں میں سے ایک حور اپنے تختِ شاہی پر بیٹھی نظر آئے گی، اس پر ستر پوشاکیں ہوں گی ہر پوشاک کا رنگ دوسرے سے جدا ہوگا، جنتی اس کی پنڈلی کے گودا کو بھی گوشت، ہڈی اور ملبوسات کے اندر سے ایک سال کے عرصہ تک (حسن ولذت اور نفاست کی وجہ سے) دیکھتا رہے گا۔ پھر اس حور کی طرف نظر کرے گا تو وہ کہے گی میں ان حوروں میں سے ہوں جو آپ کے لئے تیار کی گئی ہیں، پھر وہ جنتی اس حور کی طرف چالیس (سال) کے عرصہ تک دیکھتا رہے گا اس سے نظر نہیں ہٹائے گا۔ پھر اپنی نگاہ دوسرے بالاخانہ کی طرف اٹھائے گا تو اس میں) پہلی سے بھی زیادہ خوبصورت حور نظر آئے گی وہ کہے گی آپ کے نزدیک ہمارے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم آپ سے کچھ نصیب پائیں؟ تو وہ اس کے پاس چالیس سال تک اس حالت میں پہنچے گا کہ اس سے اپنی نگاہ کو نہیں پھیرتا ہوگا۔ پھر جب اس تک ہر طرح کی نعمتوں کی فراوانی ہوگی اور وہ جنتی سمجھیں گے کہ اب ان سے افضل نعمت کوئی نہیں رہی تو اس وقت رب تعالیٰ تجلی فرمائیں گے اور وہ اللہ رحمٰن کے چہرہ اقدس کی طرف نگاہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے جنت کے مکینو! میرا کلمہ طیبہ پڑھو تو وہ رحمٰن عزوجل کو لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ جواب دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے داؤد (علیہ السلام!) آپ میری ویسی ہی بزرگی بیان کریں جس طرح سے دنیا میں کیا کرتے تھے تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی بزرگی بیان فرمائیں گے۔

(ابن ابی الدنیا، دارقطنی (البدر والسافرہ: ۲۲۴۲) مطولا بہذا اللفظ وحادی الارواح ص ۴۰۳ بحوالہ دارقطنی مختصراً، الرد علی الجہیمہ امام داری ص ۵۱، ترغیب وترہیب بطولہ ۴/۵۰۶،)

زیارت کے وقت انبیاء صدیقین اور شہداء کا اعزاز

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جَاءَنِیْ جِبْرِیْل عَلَیْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اِنَّ فِیْ الْجَنَّةِ وَادِیًا اَفْیَحُ مِنْ مِسْکٍ اَبْیَضٍ اِذَا کَانَ الْجُمْعَةِ نَزَلَ الرَّبُّ تَعَالٰی مِنْ عِلِّیِّیْنَ عَلٰی کُرْسِیِّهٖ۔ ثُمَّ حَفَّ الْکُرْسِیَّ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ فَجَاءَ النَّبِیُّوْنَ حَتّٰی

يَجْلِسُوْا عَلَيْهَا ثُمَّ حَفَّ تِلْكَ الْمَنَابِرُ مُكَلَّلَةً مِنْ جَوْهَرٍ فَجَاءَ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءَ فَجَلَسُوْا عَلَيْهَا وَجَاءَ اَهْلُ الْغُرَفِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا عَلَى الْكَثِيْبِ ثُمَّ يَتَجَلّٰى لَهُمْ فَيَقُوْلُ اَنَا الَّذِيْ صَدَقْتُكُمْ وَعْدِيْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَهٰذَا مَحَلُّ كَرَامَتِيْ فَاسْأَلُوْنِيْ فَيَسْأَلُوْنَهُ حَتّٰى تَنْتَهِيَ بِهِمْ رَغْبَتُهُمْ ثُمَّ يَفْتَحُ لَهُمْ عَمَّا لَمْ تَرَ عَيْنٌ وَلَمْ يَخْطِرْ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ اِلٰى قَدْرِ مُنْصَرَفِهِمْ مِنَ الْجُمُعَةِ فَهِيَ يَاقُوْتَةٌ حَمْرَاءُ وَزَبَرْ جَدَةٌ خَضْرَاءُ مَطَّرِدَةٌ فِيْهَا اَنْهَارُهَا وَفِيْهَا ثِمَارُهَا وَاَزْوَاجُهَا وَخَدَمُهَا فَلَيْسُوْا اَشْوَقَ مِنْهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ لِيَزْدَادُوْا اُنْظُرْ اِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ

(ترجمہ) میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا جنت میں ایک وادی ہے جو سفید کستوری کو پھیلاتی ہے۔ جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ مقام علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہوں گے۔ پھر اس کرسی کے گرد نور کے ممبر نصب ہوں گے اور انبیاء کرام تشریف لا کر ان پر بیٹھیں گے، پھر ان منبروں کو (سونے کی کرسیاں) گھیرے میں لیں گی جن پر جوہر کے تاج سجائے گئے ہوں گے حضرات صدیقین اور شہداء تشریف لا کر ان کو زینت بخشیں گے۔ پھر بالا خانوں والے حضرت تشریف لائیں گے اور (کستوری کے) ٹیلوں پر تشریف رکھیں گے۔ اب ان کے سامنے (اللہ تعالیٰ) رونق افروز ہوں گے اور ارشاد فرمائیں گے میں ہوں وہ ذات جس نے تمہارے ساتھ اپنا۔ وعدہ پورا کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔ یہ میری بزرگی کا مقام ہے تم مجھ سے مانگو۔ چنانچہ (یہ تمام حضرات) اللہ تعالیٰ سے اتنا طلب کریں گے کہ ان کی رغبت اور شوق پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان حضرات کے لئے (انعامات کے ایسے دروازے کھلیں گے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا ہوگا ان کو یہ

نعمتیں آئندہ کے جمعہ تک کے لئے عنایت ہوں گی (پھر اللہ تبارک وتعالیٰ) اپنی کرسی پر صعود فرمائیں گے اس کے ساتھ شہدا اور صدیق بھی تشریف لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پھر بالاخانوں والے اپنے بالاخانوں میں جو ایک سفید موتی سے بنے ہوں گے نہ ان میں کوئی جوڑ ہوگا نہ پھٹن ہوگی میں لوٹ جائیں گے یا) یہ یاقوت احمر سے بنے ہوں گے اور زبرجد اخضر سے بنے ہوں گے (انہیں میں بالاخانے بھی ہوں گے اور ان کے دروازے بھی ہوں گے) ان میں نہریں چلتی ہوں گی اور ان کے (درختوں کے) پھل لٹکتے ہوں گے، ان میں ان کی بیویاں ہوں گی خدمتگار ہوں گے۔ مگر سب سے زیادہ ان کو جمعہ کے دن کے آنے کی طلب ہوگی (تاکہ ان کی عزت اور مرتبہ میں اور اضافہ ہو) اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کا (بھی) اضافہ ہو (اسی لئے اس جمعہ کے دن کو یوم مزید کہا گیا ہے)

وابویعلی- بریکٹوں سے باہر کا ترجمہ اوپر کی روایت کے مطابق ہے جسکو ابونعیم سے نقل کیا گیا ہے اور بریکٹوں کے اندر کے اکثر اضافے مجمع الزوائد میں سے لئے گئے ہیں۔

صفۃ الجنۃ ابونعیم (۳۹۵)، مجمع الزوائد (۱۰ / ۴۲۱) بحوالہ بزار وطبرانی الاوسط والحدیث فی اخبار اصفہان لابی نعیم مختصراً (۱ / ۲۷۸) وتاریخ بغداد (۳ / ۴۲۴-۴۲۵)، ابن ابی شیبہ (۲ / ۱۵۰-۱۵۱)، زوائد مسند بزار (کشف الاستار ۴ / ۱۹۴-۱۹۵)، قال الہیثمی رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوہ وابویعلی باختصار ورجال ابی یعلی رجال الصحیح، واحد اسناد الطبرانی رجالہ رجال الصحیح غیر عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان وقد وثقہ غیر واحد وضعفہ غیرہم واسناد البزار فیہ خلاف (مجمع الزوائد ۱۰ / ۴۲۱-۴۲۲)، ترغیب وترہیب ۴ / ۵۵۳، وابن الجوزی فی بستان الواعظین (۱۹۶ مفصلا)

اللہ تعالیٰ کی جنتیوں سے گفتگو

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ! فَیَقُوْلُوْنَ: لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرِ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ: ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ:

مَالَنَا لَا نَرْضٰی وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعطِ اَحَداً مِّنْ خَلْقِکَ، فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: یَارَبِّ وَاَیُّ شَیْئٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ؟ فَیَقُوْلُ: اُحِلَّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخطُ بَعْدَہٗ اَبَدًا"

صحیح ابن حبان (۷۳۹۷) ۱۰، ترغیب وترہیب ۴ / ۵۵۷، البعث والنشور (۴۹۰)، صحیح (۱۱ / ۴۱۵ مع فتح الباری)، مسلم ۴ / ۲۱۷۶ من طریق ابن المبارک۔ فبخاری (۱۳ / ۴۸۷) فتح باری) ومسلم (۴ / ۲۱۷۶) من طریق وہب صفۃ الجنہ ابونعیم (۲۸۲)، حلیۃ الاولیاء (۶ / ۳۴۲)، مسند احمد ۳ / ۸۸، زہد ابن مبارک نسخہ نعیم بن حماد (۴۳۰)، ترمذی (۲۵۵۵)، شرح السنہ بغوی (۴۳۹۴)، ۱۵ / ۲۳۱، معالم التنزیل بغوی (۱ / ۳۲۷)، الاسماء والصفات ص ۲۸۷، ۶۳۹، فتح الباری ۱۱ / ۴۲۲ بحوالہ دارقطنی فی الغرائب، تحفۃ الاشراف ۳ / ۴۰۵ بحوالہ سنن الکبریٰ للنسائی، الاحادیث القدسیہ ابوالقاسم بن لبان (۱۹)، التبصرہ ابن الجوزی ۱ / ۴۳۸،،

نابینا بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے اندھے دیکھیں گے

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے چہرہ اقدس کی زیارت کرے گا وہ اندھا ہوگا۔

(۱۔ابن ابی حاتم کتاب السنہ، لالکائی کتاب السنہ البدر السافرہ: ۲۲۵۸)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

یَا جِبْرِیْلُ مَا جَزَاءُ مِنْ سَلَبْتُ کَرِیْمَتُہٗ یعنی عَیْنَیْہِ قَالَ سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا قَالَ جَزَاؤُہُ الْحُلُوْلُ فِیْ دَارِیْ وَالنَّظْرُ اِلٰی وَجْھِیْ،

اے جبرائیل: اس بندہ کا کیا انعام ہے جس کی میں نے دونوں آنکھیں لے لی ہوں؟

انہوں نے عرض کیا تو آپ کی ذات پاک ہے ہمیں معلوم نہیں مگر جتنا آپ نے ہمیں علم عطا فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کا انعام یہ ہے کہ وہ میرے گھر میں داخل ہوگا اور میرے چہرہ کی زیارت کرے گا۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط وابن ابی حاتم واللالکائی۔ آخرت کے عجیب وغریب حالات ۶۸۷)

زیارت کے وقت جنت کی سب نعمتیں بھول جائیں گے

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ جنت والوں کے سامنے تجلی فرمائیں گے اور جنتی اللہ کی زیارت سے مشرف ہوں گے تو جنت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔ (الآجری۔ البدور السافرہ ۲۲۵۹)

عجب تیری ہے اے محبوب صورت
نظر سے گر گئے سب خوبصورت
تیری نگاہ نے مخمور کر دیا
کیا میکدے کو جاؤں تجھے دیکھنے کے بعد

ستر گنا حسن وجمال میں اضافہ

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں جب بھی اللہ تعالیٰ جنت کی طرف دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تو اپنے لوگوں کے لئے اور بہتر ہو جا تو وہ پہلے سے کئی گنا حسین وجمیل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے اندر رہنے والے اس میں داخل ہوں اور دنیا میں جو دن لوگوں کی عید کا ہوتا ہے اس میں وہ جنتی بھی جنت کے باغات میں اسی میعاد کے مطابق نکلا کریں گے اور ان پر جنت کی پاکیزہ خوشبو جلا کرے گی یہ اپنے پروردگار سے جس چیز کا سوال کریں گے اللہ تعالیٰ وہ کچھ ان کو ان کے حسن وجمال وغیرہ میں ستر گناہ زیادہ عطاء کرے گا، پھر جب یہ اپنی بیویوں کے پاس لوٹ کر واپس آئیں گے تو وہ بھی اسی طرح سے حسن وجمال میں بڑھ چکی ہوں گی۔

(ترجمہ) اللہ تبارک وتعالیٰ (جنت والوں کو پکار کر) فرمائیں گے۔اے جنت والو! تو وہ عرض کریں گے ہم حاضر ہیں ہمارے پروردگار اور سعادت آپ کی طرف سے ہے اور خیر آپ کے قبضہ میں ہے۔وہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ تو وہ عرض کریں گے ہمیں کیا ہو گیا ہم کیوں راضی نہ ہوں گے جبکہ آپ نے ہمیں اتنا نوازا ہے کہ اپنی مخلوق میں سے اتنا کسی کو نہیں نوازا۔تو وہ فرمائے گا میں تمہیں اس سے افضل نعمت عطاء نہ کروں؟ تو وہ عرض کریں گے اے رب! اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟ تو وہ فرمائے گا میں آپ سب حضرات کو اپنی رضا اور خوشنودی عطاء کرتا ہوں اب کے بعد (تم پر) کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

جنتیوں پر تجلی فرما کر اللہ تعالیٰ کا مسکرانا

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَضْحَکُ۔

(جولات فی ریاض الجنات بحوالہ مسلم، خطیب: تاریخ بغداد ۱۲/ ۲۰، اتحاف السادۃ ۹/ ۶۴۸، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۰۵،)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ (جنت میں) مومنین کی طرف مسکراتے ہوئے تجلی فرمائیں گے۔

(فائدہ) اللہ تعالیٰ کے مسکرانے کا معنی علم عقائد کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر اپنے فضل، نعمت اظہار شرافت کا نزول فرمائیں گے۔

کامل نعمت کیا ہے؟

حضرت علیؓ فرماتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی) کامل نعمت جنت میں داخل ہونا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا ہے۔ (لالکائی (البدور السافرہ:۲۲۴۶)، حادی الارواح ص ۴۰۹،)

اللہ تعالیٰ کی زیارت کس طرح کی جنت میں ہوگی

حدیث: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِذَا اَسْکَنَ اَھْلَ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ، وَاَھْلَ النَّارِ النَّارَ، بَعَثَ الرُّوْحُ الْاَمِیْنَ اِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ، فَقَالَ: یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ، اِنَّ رَبَّکُمْ یَقْرَئُکُمُ السَّلَامَ وَیَاْمُرُکُمْ اَنْ تَزُوْرُوْہُ اِلٰی فِنَاءِ الْجَنَّۃِ، وَھُوَ اَبْطَحُ الْجَنَّۃِ تُرَابُہُ الْمِسْکَ، وَحَصَاہُ الدُّرَّ وَالْیَاقُوْتُ، وَشَجَرُہُ الذَّھَبُ الرَّطْبُ، وَوَرِقُہُ الزُّبُرْ جَدَ، فَیَخْرُجُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مُسْتَبْشِرِیْنَ مَسْرُوْرِیْنَ غَانِمِیْنَ سَالِمِیْنَ، ثُمَّ یَحِلُّ بِھِمْ کَرَامَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالنَّظَرَ اِلٰی وَجْھِہٖ، وَھُوَ مَوْعِدُ اللّٰہِ اَنْجَزَ لَھُمْ، فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَنْظُرُوْنَ اِلٰی وَجْہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، فَیَقُوْلُوْنَ: سُبْحَانَکَ مَاعَبَدْنَاکَ حَقُّ عِبَادَتِکَ، فَیَقُوْلُ: کَرَامَتِیْ اَمْکَنْتُکُمْ جَوَارِیْ وَاَسْکَنْتُکُمْ دَارِیْ۔

(ترغیب والترہیب امام اصبہانی، البدور السافرہ (۲۲۴۷)، مسند احمد (۴/ ۱۱۔۱۲)، ابن ماجہ (۱۸۰)، حاکم ۴/ ۵۶۰،)

(ترجمہ) بلاشبہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ جنت والوں کو جنت میں اور دوزخ والوں کو دوزخ مین داخل کر چکیں گے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو جنتی حضرات کے پاس بھیجیں گے تو حضرت جبریل (پکار کر) فرمائیں گے اے جنت والو! آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کو حکم دیتا ہے کہ تم جنت کے میدان میں اس کی زیارت کو نکلو یہ میدان جنت کا ہموار حصہ ہوگا اس کی مٹی مشک کی ہوگی اور کنکر در و یاقوت کے ہوں گے اور درخت سرسبز سونے کے ہوں گے جس کے پتے زبرجد کے ہوں گے۔ چنانچہ جنت والے حضرات خوشی اور سرور کے ساتھ سلامتی اور غنیمت میں نکلیں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ

کی شان وشوکت اور زیارت چہرہ اقدس کے ساتھ سرخرو کیا جائے گا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا مقام ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں گے۔ اس وقت یہ رب العالمین کے چہرہ اقدس کی زیارت سے لطف اندوز ہوں گے اور کہیں گے آپ کی ذات پاک ہے ہم نے آپ کی عبادت اس طرح سے نہیں کی جس طرح سے آپ کی عبادت کا حق تھا۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے میری شان اور عظمت کے لائق یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنے قریب جگہ دی اور اپنے گھر میں رہائش عطاء کی۔

حضرت داؤد کی خوبصورت آواز، زیارتِ رب العزت اور مائدۃ الخلد

حدیث: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا سَكَنَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةِ اَتَاهُمْ مَلَكٌ، فَيَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَزُوْرُوْهُ، فَيَجْتَمِعُوْنَ، فَيَاْمُرَ اللّٰهُ تَعَالٰى دَاوُدَ لِيَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ، ثُمَّ يُوْضَعُ مَائِدَةَ الْخُلْدِ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَمَا مَائِدَةُ الْخُلْدِ؟: قَالَ: (زَاوِيَةٌ مِنْ زَوَايَاهَا اَوْسَعُ مِمَّا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، فَيَطْعَمُوْنَ ثُمَّ يَسْقُوْنَ ثُمَّ يَكْسُوْنَ، فَيَقُوْلُوْنَ: لَمْ يَبْقَ اِلَّا النَّظَرَ فِيْ وَجْهِ رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ، فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ فَيَخِرُّوْنَ سُجَّدًا، فَيُقَالَ لَهُمْ: لَسْتُمْ فِيْ دَارِ عَمَلٍ، اِنَّمَا اَنْتُمْ فِيْ دَارِ جَزَاءٍ)

(ترجمہ) جب جنتی جنت میں سکونت اختیار کرلیں گے تو ان کے پاس ایک فرشتہ آکر کہے گا اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو حکم دے رہے ہیں کہ تم لوگ اس کی زیارت کرو جب سب حضرات زیارت کے لئے جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم فرمائیں گے کہ وہ بلند آواز سے تسبیح وتہلیل ادا کریں۔ پھر مائدۃ الخلد کو بچھایا جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! مائدۃ الخلد کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس کے زاویوں میں سے ایک زاویہ (کنارہ) مشرق ومغرب کے درمیانی حصہ سے بھی زیادہ

وسیع ہو گا یہ جنتی اس سے کھائیں گے پھر پئیں گے پھر لباس پہنیں گے پھر کہیں گے اب کوئی بات باقی نہیں صرف اللہ عزوجل کے رخ زیبا کی زیارت ہی رہ گئی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے سامنے تجلی فرمائیں گے تو جنتی سجدہ میں گر پڑیں گے۔ مگر ان سے کہا جائے گا تم عمل کرنے کی جگہ نہیں رہتے ہو بلکہ انعام واکرام کی جگہ میں رہ رہے ہو (اس لئے سجدہ سے سر اٹھالو اور جنت کی نعمتوں میں مسرور رہو)۔

صفۃ الجنۃ ابونعیم اصبہانی (۳۹۷) ۳/۷/۲۳۳، البدور السافرہ (۲۲۴۷)، حادی الارواح ص ۳۴۰، ترغیب وترہیب (۴/ ۵۴۵۔۵۴۶)، اتحاف السادہ (۱۰/ ۵۵۳)

(فائدہ) تسبیح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے کو کہتے ہیں جبکہ تہلیل لا الہ الا اللہ کہنے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو سب مسلمان دیکھیں گے

حدیث: حضرت ابورزین (لقیطؓ) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم سب اپنے رب تعالیٰ کو قیامت کے دن انفرادی طور پر دیکھیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا اس کی کیا علامت ہو گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک انفرادی طور پر چاند کو نہیں دیکھتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ (تو اس چاند سے) بہت زیادہ عظمت والے ہیں۔

البدور السافرہ (۲۲۴۸)، مسند احمد (۴/ ۱۱۔۱۲)، ابن ماجہ، دارقطنی حاکم وصححہ ابوداؤد (۴۷۳۱) فی السنہ باب (۲۰)، حاوی الارواح ص ۳۹۵، تذکرۃ القرطبی ۲/ ۴۹۰،

زیارت میں ایک انعام یہ ہو گا کہ لڑکیاں خوبصورت آواز میں تلاوت کریں گی

حدیث: حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةَ لَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ عَلٰى كَثِيْبٍ مِنْ كَافُوْرٍ وَلَا يُرٰى طَرَفَاهُ، وَفِيْهِ نَهْرٌ جَارٍ حَافَتَاهُ الْمِسْكُ، عَلَيْهِ جَوَارٌ يَقْرَأْنَ الْقُرْآنَ بِاَحْسَنِ اَصْوَاتٍ، مَاسَمِعَهَا الْاَوَّلُوْنَ

وَالْآخِرُوْنَ، فَاِذَا انْصَرَفُوْا اِلٰی مَنَازِلِهِمْ اَخَذَ كُلُّ رَجُلٍ بِيَدِ مَنْ يَّشَاءُ مِنْهُنَّ، ثُمَّ يَمُرُّ عَلٰی قَنَاطِيْرِ مِنْ لُؤْلُؤٍ اِلٰی مَنَازِلِهِمْ، فَلَوْلَا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَهْدِيْهِمْ اِلٰی مَنَازِلِهِمْ مَا اهْتَدَوْا اِلَيْهَا، لِمَا يُحْدِثُ اللّٰهُ لَهُمْ فِيْ كُلِّ جُمْعَةٍ۔ (یحیٰی بن سلام (البدور السافرہ:۲۲۵۱))

(ترجمہ) جنتی حضرات کافور کے ٹیلوں پر جس کے دونوں کنارے نظر نہ آئیں گے بیٹھ کر ہر جمعہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کیا کریں گے کافور کے اس ٹیلہ پر ایک نہر جاری ہوگی جس کے دونوں کنارے مشک کے ہوں گے اس پر لڑکیاں ہوں گی جو نہایت خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن کریں گی جس کو نہ اگلے لوگوں نے سنا ہے نہ پچھلے لوگ سنیں گے، جب یہ حضرات اپنے محلات کی طرف واپس جانے لگیں گے تو ان میں سے ہر شخص ان لڑکیوں میں سے جس کو چاہے گا اس کے ہاتھ سے پکڑ لے جائے گا، پھر یہ اپنے گھروں میں جانے کے لئے موتیوں کے انباروں سے گذریں گے اگر اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گھروں تک پہنچنے کی ہدایت نہ کرے تو وہ ان تک کبھی نہ پہنچ سکیں یہ ان نعمتوں کی وجہ سے ہوگا جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر جمعہ کو تیار کی ہوں گی۔

زیارت کی شان وشوکت اور انعامات کی بھر مار

امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ:

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يُقَالُ لَهَا طُوْبٰی، يَسِيْرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ، وَرَقُهَا برود خُضْرٍ، وَزَهْرُهَا رِيَاطٌ صُفْرٍ، وَاَفْنَانُهَا سُنْدُسٍ وَاِسْتَبْرَقٍ، وَثَمَرُهَا حُلَلٌ وَصَمْغُهَا زَنْجَبِيْلٌ وَعَسَلٌ، وَبِطَحَاؤُهَا يَاقُوْتٌ اَحْمَرُ وَزَمَرُّدٌ اَخْضَرُ، وَتُرَابُهَا مِسْكٌ وَعَنْبَرٌ وَّكَافُوْرٌ اُصْفَرُ، وَحَشِيْشُهَا زَعْفَرَانٌ مُّوْلِعٍ، وَالْأَلَنْجُوْجُ يَتَأَجَّجَانِ مِنْ غَيْرِ وَقُوْدٍ، يَتَفَجَّرُ مِنْ اَصْلِهَا السَّلْسَبِيْلُ وَالْمَعِيْنُ

وَالرَّحِيْقُ، وَاَصْلُهَا مَجْلِسٌ مِنْ مَجَالِسِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَأْلَفُوْنَ وَمُتَحَدِّثُ لِجَمْعِهِمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ فِيْ ظِلِّهَا يَتَحَدَّثُوْنَ اِذْ جَاءَتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَقُوْدُوْنَ بِنَجَائِبَ جبلت مِنَ الْيَاقُوْتِ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهَا الرُّوْحُ مَزْمُوْمَةٍ بِسَلَاسِلَ مِنْ ذَهَبٍ كَانَ وُجُوْهُهَا الْمَصَابِيْحُ نَضَارَةً وَحُسْنًا، وَبَرُهَا خِزُّ اَحْمَرَ، وَمُرْعَزِيْ اَبْيَضُ، مُخْتَلَطَانِ لَمْ يَنْظُرِ النَّاظِرُوْنَ اِلٰى مِثْلِهَا حُسْناً وَبَهَاءً، ذُلِلَ مِنْ غَيْرِ مَهَانَةٍ، يَخْبَأُ مِنْ غَيْرِ رِيَاضَةٍ عَلَيْهَا رِحَالُ اَلْوَاحِهَا مِنَ الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ، مُغْصَفَةً بِاللُّؤْلُوِ وَالْمَرْجَانِ، صَفَائِحُهَا مِنَ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ، مُلْبِسَةً بِالْعَبْقَرِيِّ وَالْأُرْجُوَانِ، فَاَنَا خَوَالَهُمْ تِلْكَ النَّجَائِبِ، ثُمَّ قَالُوْا لَهُمْ: اِنَّ رَبَّكُمْ يَقْرَئُكُمُ السَّلَامَ، وَيَتَزَيَّدُ كُمْ لِتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ وَيَنْظُرَ اِلَيْكُمْ، وَتُكَلِّمُوْهُ وَيُكَلِّمُكُمْ، وَيَزِيْدُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَمَنْ سَعَتَهُ فَيَتَحُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ عَلٰى رَاحِلَةٍ، ثُمَّ يَطْلُقُوْنَ صَفاً مُعْتَدِلاً، لَايَفُوْتُ مِنْهُمْ شَيْءٍ شَيْئاً وَلَا يَفُوْتُ أذن ناقة أذن صاحبتها، وَلَا يَمُرُّوْنَ بِشَجَرَةٍ مِنْ اَشْجَارِ الْجَنَّةِ اِلاَّ أَتَحَفَتْهُمْ بِثَمَرِهَا، وَرُحِلَتْ لَهُمْ مِنْ طَرِيْقِهِمْ، كَرَاهَةً اَنْ تَثْلَمَ صَفُّهُمْ وَتُفَرِّقُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَرَفِيْقِهِ، فَلَمَّا رَفَعُوْا اِلَى الْجَبَّارِ، تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، اَسْفَرَ لَهُمْ عَنْ وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ، وَتَجَلّٰى لَهُمْ، عَنْ عَظْمَةِ الْعَظِيْمَةِ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ، قَالُوْا: رَبَّنَا اَنْتَ السَّلَامُ، وَلَكَ حَقُّ الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ فَقَالَ لَهُمْ رَبُّهُمْ: اِنِّيْ اَنَا السَّلَامُ وَمِنِّي السَّلَامُ،

وَلِیَ حَقُّ الْجَلَالِ وَالْکِرَامِ، مَرْحَباً بِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ حَفِظُوْا وَصِیَّتِیْ وَرَاعُوْا عَهْدِیْ، وَخَافُوْنِیْ بِالْغَیْبِ وَکَانُوْا مِنِّیْ مُشْفِقِیْنَ، قَالُوْا: اَمَا وَعِزَّتِکَ، مَاقَدَّرْنَاکَ حَقُّ قَدْرِکَ، وَلَا اَدَّیْنَا اِلَیْکَ حَقَّکَ، فَاذِنَ لَنَا بِالسُّجُوْدِ، فَقَالَ لَهُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: اِنِّیْ قَدْوَضَعْتُ عَنْکُمْ مُوْنَةُ الْعِبَادَةِ، وَاُرِحْتُ لَکُمْ اَبْدَانَکُمْ، فَطَالَ مَا اَنْصَبْتُمْ الْاَبْدَانَ وَاعْنَتَمِ الْوُجُوْهُ، فَالْآنَ اَفَضْتُمْ اِلٰی رُوْحِیْ وَرَحْمَتِیْ وَکِرَامَتِیْ فَاسْأَلُوْنِیْ مَاشِئْتُمْ، فَتَمَنَّوْا عَلٰی اَعْطِکُمْ اَمَانِیَّکُمْ، فَاِنِّیْ لَا اُجِیْزُکُمْ الْیَوْمَ بِقَدْرِ اَعْمَالِکُمْ، وَلٰکِنْ بِقَدْرِ رَحْمَتِیْ وَکِرَامَتِیْ وَطُوْلِیْ وَجَلَالِیْ فَمَا یَزَالُوْنَ فِی الْأَمَانِیِّ وَالْمَوَاهِبِ وَالْعَطَایَا حَتّٰی اِنَّ الْمُقَصِّرَ مِنْهُمْ لِیَتَمَنّٰی مِثْلَ جَمِیْعِ الدُّنْیَا مُنْذَ خَلْقُ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلٰی یَوْمِ اَفْنَائِهَا قَالَ لَهُمْ رَبُّهُمْ لَقَدْ قَصَرْتُمْ فِیْ اَمَانِیِّکُمْ، فَقَدْ اَوْجَبْتُ لَکُمْ مَا سَاَلْتُمْ وَتَمَنَّیْتُمْ وَزَادَتُکُمْ/عَلٰی مَاقُصِرَتْ عَنْهُ اَمَانِیِّکُمْ، فَانْظُرُوْا اِلٰی مَوَاهِبِ رَبِّکُمْ الَّذِیْ اَعْطَاکُمْ، فَاِذَا بِقِبَابٍ مِنَ الرَّفِیْعِ الْاَعْلٰی، وَغُرَفٍ مُبَیِّنَةٍ مِنَ الدُّرِّ وَالْمَرْجَانِ، اَبْوَابُهَا مِنْ ذَهَبٍ وَسُرُرُهَا مِنْ یَاقُوْتٍ، وَفُرُشُهَا مِنْ سُنْدُسٍ وَاِسْتَبْرَقٍ، وَمَنَابِرُهَا مِنْ نُوْرٍ یَتُوْرُ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاَعْرَاضِهَا نُوْرٌ کَشُعَاعِ الشَّمْسِ وَاِذَا قُصُوْرٌ شَامِخَةٌ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ، مِنَ الْیَاقُوْتِ یَزْهَرُ نُوْرُهَا فَلَوْلَا اَنَسخَرَ لَالْتَمِعُ الْاَبْصَارُ، فَمَا کَانَ مِنْ تِلْکَ الْقُصُوْرِ مِنَ الْیَاقُوْتِ الْاَبْیَضِ فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالْحَرِیْرِ

الْاَبْيَضِ، وَمَا كَانَ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ، فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالْعَبْقَرِيِّ الْاَحْمَرِ، وَمَا فِيْهَا مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَخْضَرِ، فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالسُّنْدُسِ الْاَخْضَرِ، وَمَا كَانَ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَصْفَرِ، فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالْاُرْجُوَانِ الْاَصْفَرِ مُمَوَّهٌ بِالزُّمُرُّدِ الْاَخْضَرِ وَالذَّهَبِ الْاَحْمَرِ وَالْفِضَّةِ الْبَيْضَاءِ وَقَوَاعِدُهَا وَاَرْكَانُهَا مِنَ الْيَاقُوْتِ وَشُرَفُهَا قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ، وَبُرُوْجُهَا غُرَفُ الْمَرْجَانِ، فَلَمَّا انْصَرَفُوْا اِلٰى مَا اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ، قُرِّبَتْ لَهُمْ بَرَاذِيْنُ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَبْيَضِ، مَنْفُوْخٌ فِيْ الرُّوْحِ، بِجَنْبِهَا الْوِلْدَانُ الْمُخَلَّدُوْنَ، وَبِيَدِ كُلٍّ مِنْهُمْ حِكْمَةٌ بِرْذَوْنٍ، وَاَعِنَّتُهَا مِنْ فِضَّةٍ بَيْضَاءَ مَنْظُوْمَةٍ بِالدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ سُرُوْجُهَا سُرُدٌ مَوْضُوْنَةٌ بِالسُّنْدُسِ وَالْاِسْتَبْرَقِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِمُ الْبَرَاذِيْنُ وَتَزِفُّ بِهِمْ وَتَنْظُرُ فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، فَلَمَّا انْتَهَوْا اِلٰى مَنَازِلِهِمْ وَجَدُوْا فِيْهَا جَمِيْعَ مَا تَطَوَّلَ بِهٖ رَبُّهُمْ عَلَيْهِمْ، مِمَّا سَأَلُوْهُ، وَتَمَنَّوْا وَاِذَا عَلٰى بَابِ كُلِّ قَصْرٍ مِنْ تِلْكَ الْقُصُوْرِ اَرْبَعَةُ جِنَانٍ، جَنَّتَانِ ذَوَاتَا اَفْنَانٍ، وَجَنَّتَانِ مُدْهَامَّتَانِ، فَلَمَّا تَبَوَّأَ وَمَنَازِلَهُمْ وَاسْتَقَرُّوْا قَرَارَهُمْ، قَالَ لَهُمْ رَبُّهُمْ: هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ قَالُوْا: نَعَمْ، رَضِيْنَا فَارْضَ عَنَّا، قَالَ: بِرِضَائِيْ عَنْكُمْ حَلَلْتُمْ دَارِيْ، وَنَظَرْتُمْ اِلٰى وَجْهِيْ، وَصَافَحْتُمْ مَلَائِكَتِيْ، فَهَنِيْئًا هَنِيْئًا، عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ، لَيْسَ فِيْهِ تَنْغِيْصٌ وَلَا تَصْرِيْدٌ، فَعِنْدَ ذَالِكَ قَالُوْا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ

شَكُوْرُ، الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ)۔

البدور السافرہ (۲۲۵۲) واللفظ منہ، ابن ابی الدنیا (۵۳) صفۃ الجنۃ ابونعیم (۴۱۱)، ترغیب و ترہیب منذری ۴ / ۵۴۶، نہایہ ابن کثیر ۲ / ۴۰۵ تفسیر ابن ابی حاتم، صفۃ الجنہ ابن کثیر ص ۱۶۹، الدر المنثور ۴ / ۶۰۔۶۱، حادی الارواح ص ۳۴۳، تفسیر ابن جریر طبری ۱۳ / ۱۴۸، قال الحافظ ابن کثیر وہذا مرسل ضعیف غریب واحسن احوالہ ان یکون من کلام بعض السلف فوہم بعض رواتہ فجعلہ مرفوعا ولیس کذلک واللہ اعلم (نہایہ ۲ / ۴۰۶)، وقال ابن القیم: ولا یصح رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحسبہ ان یکون من کلام محمد بن علی فغلط بعض لاء الضعفاء فجعلہ من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حادی الارواح ص ۳۴۴)، وقال المنذری: رفعہ منکر۔

(ترجمہ) جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے اس کے سایہ میں تیز رفتار سوار سو سال تک چل سکتا ہے اس کے پتے سبز چادروں کے ہیں، اس کے پھول ملائم نفیس ہیں، اس کی ٹہنیاں باریک اور موٹے ریشم کی ہیں، اس کے پھل پوشاکیں ہیں، اس کی گوند زنجبیل اور شہد ہے، اس کی وادی یاقوت احمر اور زمرد اخضر کی ہے، اس کی مٹی مشک، عنبر اور کافور اصفر کی ہے۔ اس کی گھاس چمکدار زعفران کی ہے، اس کی خوشبو کی لکڑی بغیر جلانے کے خوشبو دیتی ہے، اس کی جڑ سے چشمہ سلسبیل، چشمہ معین اور چشمہ رحیق پھوٹتے ہیں۔ اس کی جڑ جنتیوں کی مجالس کی جگہ ہے جہاں وہ ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کریں گے اور ان کے جمع ہو کر گفتگو کرنے کی جگہ ہے۔ چنانچہ وہ حضرات اسی طرح سے اس کے سایہ میں گفتگو میں مصروف ہوں گے کہ ان کے پاس فرشتے حاضر ہوں گے اور یاقوت سے پیدا شدہ (اونٹ کی) عمدہ سواریوں کو کھینچ کر لائیں گے پھر ان (اونٹوں) میں روح پھونک دی جائے گی (اور وہ زندہ ہو جائیں گے) ان کی باگیں سونے کی کڑیوں کی ہوں گی چمک دمک اور حسن کی وجہ سے ان کے چہرے گویا کہ چمکنے والے ستارے ہوں گے، ان کی اون سرخ ریشم کی ہوگی اور حسن کی وجہ سے ان کے چہرے گویا کہ چمکنے والے ستارے ہوں گے، ان کی اون سرخ ریشم کی ہوگی اور حسن کی وجہ سے ان کے چہرے گویا کہ چمکنے والے ستارے ہوں گے، ان کی اون

سرخ ریشم کی ہوگی اور چمکدار سفید پتھر کی طرح ملتی جلتی ہوگی دیکھنے والوں نے حسن ورعنائی میں ویسی (سواریاں) نہیں دیکھی ہوں گی از خود تابعدار ہوں گی بغیر مشقت کے اطاعت کریں گی۔ان پر کجاوے ہوں گے درا اور یاقوت کے: ان کو لولو اور مرجان کے نگینے جڑے ہوں گے اس کے سر کی ہڈیاں سرخ سونے کی ہوں گی ان کو تعجب انگیز سرخ لباس پہنایا گیا ہوگا ایسی خوبصورت سواریاں (یہ فرشتے) ان کے لئے بٹھائیں گے اور ان سے کہیں گے آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور تمہاری نعمتوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہے تا کہ تم اس کی زیارت کرسکو اور وہ تمہاری زیارت کرے تم اس سے گفت وشنید کرو اور وہ تم سے گفت وشنید کرے اور وہ اپنے فضل کے ساتھ اور وسعت کے ساتھ تمہارے انعامات میں ترقی بخشے تو ان حضرات میں سے ہر شخص اپنی اپنی سواری پر سوار ہو جائے گا اور ایک سیدھی صف کی شکل میں چلیں گے۔

اونٹنی کا کان دوسری اونٹنی کے کان سے آگے نہ بڑھے گا۔ یہ جنت کے درختوں میں سے جس درخت کے پاس سے گذریں گے وہ ان کو اپنے پھل کا تحفہ پیش کرے گا اور ان کے راستہ سے ہٹ جائے گا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ ان کی صف نہ ٹوٹے جائے اور کوئی دوست دوسرے دوست سے جدا نہ ہو جائے۔ پھر جب یہ اللہ جبار تبارک وتعالیٰ کے روبرو پیش ہوں گے تو وہ ان کے لئے رخ زیبا کو ظاہر کردیں گے اور ان کے سامنے تجلی فرمائیں گے اپنی عظیم عظمت کے ساتھ، ان کا تحفہ جنت میں سلام ہوگا چنانچہ یہ عرض کریں گے اے ہمارے رب آپ ہی سلام ہیں اور آپ ہی کے لئے جلال اور اکرام کا حق ہے۔ تو ان کا رب ان سے فرمائے گا میں ہی سلام ہوں اور میری ہی طرف سے سلامتی ہے اور جلال واکرام میرا ہی حق ہے خوش آمدید میرے بندو جنہوں نے میری وصیت کی حفاظت کی اور میرے عہد کی پاسداری کی اور پس پشت مجھ سے خوف کھایا اور مجھ سے ڈرتے رہے۔ وہ عرض کریں گے ہمیں آپ کی عزت کی قسم! جس طرح سے آپ کی قدر کا حق ہے ہم نے ویسی قدر نہیں کی اور نہ آپ کا حق ادا کیا آپ ہمیں سجدہ کرنے کی اجازت عطاء فرمائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے

فرمائیں گے میں نے تم سے عبادت کرنے کی مشقت ختم کردی ہے اور تمہارے بدنوں کو راحت میں کردیا ہے وہ زمانہ طویل ہو گیا ہے جو تم نے اپنے بدنوں کو (نماز وعبادت وغیرہ میں) کھڑے رکھا اور چہروں کو جھکایا اب تم میرے عیش میری رحمت اور شان وشوکت کی منزل تک پہنچ چکے ہو اب تم جو چاہو مجھ سے مانگو میرے آگے تمنا کرو میں تمہاری تمنائیں پوری کروں گا آج میں تمہارے نیک اعمال کے مطابق انعام واکرام سے نہیں نوازوں گا بلکہ اپنی رحمت اور شان وشوکت اور وسعت وجلال کے مطابق عطاء کروں گا چنانچہ جنتی حضرات خواہشات کرنے اور تحفہ جات اور عطیات کی وصولی میں مصروف رہیں گے حتیٰ کہ ان میں سب سے کم درجہ کا جنتی جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہے قیامت تک کی تمام دنیا کے برابر تمنا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تم نے اپنی خواہشات میں ابھی کافی کسر چھوڑی ہے جو کچھ تم نے مانگا اور تمنا کی ہے وہ سب تمہیں عطاء کرتا ہوں اور جو تم نے اپنی خواہشات میں کمی چھوڑی ہے اس کا (مزید) اضافہ کرتا ہوں اب تم ان عنایات اور عطیات کی طرف دیکھو جو تمہارے رب نے تمہیں عطاء فرمائے ہیں۔ تو بڑے اونچے اونچے اور بلند وبالا قبے ہوں گے اور موتیوں اور مرجان کے بالاخانے بنے ہوں گے۔ ان کے دروازے سونے کے ہوں گے۔ ان کے پلنگ یاقوت کے ہوں گے، ان کے بچھونے باریک اور موٹے ریشم کے ہوں گے، ان کے منبر ایسے نور کے ہوں گے جو بالاخانوں کے دروازوں اور صحن کو روشن کررہے ہوں گے سورج کی شعاع کی طرح، اور کچھ اور محلات ہوں گے جو اعلیٰ علیین میں جڑے ہوں گے یاقوت سے بنے ہوں گے ان کا نور خوب چمکتا ہوگا اگر اللہ تعالیٰ ان کے نور کو تابع نہ کرتے تو وہ نگاہ کی روشنی چھین لیتے۔ ان محلات میں سے جو یاقوت سے بنے ہوں گے ان میں سفید ریشم بچھا ہوگا اور جو یاقوت احمر سے بنا ہوگا اس میں سرخ ریشم بچھا ہوگا اور جو یاقوت احمر سے بنا ہوگا اس میں سرخ ریشم بچھا ہوگا اور جو یاقوت اخضر سے بنا ہوگا اس میں باریک سبز ریشم بچھا ہوگا اور جو یاقوت اصفر سے بنا ہوگا اس میں پیلا ریشم بچھا ہوگا اس کا لیپ زمرد اخضر اور سرخ سونے اور سفید چاندی کا ہوگا، اس کی دیواریں اور ستون یاقوت کے ہوں گے، اس کی گنبدی لولو کے گنبد کی

ہوگی، اس کے برج مرجان کے بالا خانے ہوں گے، جب وہ اللہ تعالیٰ کے عطیات کی وصولی کر کے واپس ہوں گے تو تر کی گھوڑوں (کی طرح کے ٹٹو) یا قوت ابیض کے بنے ہوئے پیش کئے جائیں گے جن میں روح پھونک دی گئی ہوگی، ان گھوڑوں کے ایک طرف ہمیشہ رہنے والے لڑکے ہوں گے ان میں سے ایک ہاتھ میں اس گھوڑے کی لگام ہوگی ان کی باگیں سفید چاندی کی ہوں گی جن پر در و یاقوت جڑے ہوں گے، ان کی زینیں تہ بتہ باریک اور موٹے ریشم کی ہوں گی چنانچہ یہ گھوڑے (ٹٹو) ان کو لے کر چلیں گے اور تیز رفتاری دکھائیں گے اور جنت کے باغات کی سیر کریں گے، جب یہ اپنے گھروں میں پہنچیں گے تو وہاں وہ سب کچھ موجود پائیں گے جو ان کو ان کے رب نے عطاء فرمایا تھا اور انہوں نے اس کا سوال اور تمنا کی تھی۔ پھر اچانک ان محلات میں سے ہر محل کے دروازہ پر چار قسم کی جنتیں ہوں گی دو باغ بہت سی شاخوں والے ہوں گے اور دو باغ گہرے سبز جیسے سیاہ۔ پھر جب یہ اپنے منازل میں پہنچیں گے اور آرام سے بیٹھیں گے تو ان سے ان کا رب پوچھے گا جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے اس کو سچ پایا؟ وہ عرض کریں گے جی ہاں ہم راضی ہو گئے آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم میری رضا ہی سے میرے گھر میں پہنچے ہو اور میرے چہرہ کو دیکھا ہے اور میرے فرشتوں سے مصافحہ کیا ہے پس مبارک ہو مبارک ہو یہ کبھی ختم نہ ہونے والی عطاء ہے اس میں کوئی بدمزگی اور بخشش میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ پھر اس وقت جنتی کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا بے شک ہمارا رب بخشش کرنے والا اور قدر دان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے دائمی جنت میں ٹھکانہ دیا نہ تو ہمیں اس میں کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ پہنچے گی۔ میں بڑھ

چکی ہوں گی۔

زیارت نہ ہونے سے بے ہوش ہونے والے حضرات

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ اس کے ایسے خواص بندے ہیں ان کے سامنے جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں رکاوٹ پڑ جائے تو وہ اسی طرح سے فریاد کرنے لگیں جس طرح سے دوزخی فریاد کریں گے۔

ابونعیم۔البدور السافرہ (۲۲۶۳)۔

روزانہ دو دفعہ دیکھنے والے کون ہوں گے

امام عمشؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ پر وہ لوگ فائز ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو صبح وشام دیکھا کریں گے۔ (بیہقی۔البدور السافرہ (۲۲۶۴))۔

کون سا مسلمان زیارت سے محروم ہوگا

حضرت یزید بن مالک دمشقیؒ فرماتے ہیں کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو مگر وہ قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے گا وہاں وہ عالم زیارت نہیں کر سکے گا جو ظلم کا حکم کرتا ہو کیوں کہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکے بلکہ وہ اندھا ہوگا۔

(مائتین للصابونی۔البدور السافرہ (۲۲۶۵))۔

ریا کار بھی زیارت سے محروم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (سورۃ الکہف آخری آیت)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات (اور زیارت) کی امید رکھتا ہے۔اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اس آیت کے متعلق

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے خالق کے رخ انور کی زیارت کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اس کی کسی کو خبر نہ کرے (یعنی ریاکاری نہ کرے)۔

آجری۔ البدور السافرہ (۲۲۶۰)، حادی الارواح ص ۴۱۳، عبداللہ بن المبارک۔
البدور السافرہ (۲۲۶۸)، حادی الارواح ص ۴۱۴،

حضرت ابوبکرؓ کے لئے خصوصی زیارت

حدیث: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَیَتَجَلّٰی لِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً،

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمام امتیوں کے لئے عام تجلی فرمائیں گے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے خاص تجلی فرمائیں گے۔

میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ
تیرے منہ پر کوئی نقاب نہیں

البعث والنشور (۴۹۳)، وکتاب الرؤیۃ للبیہقی وکتاب الرؤیۃ للدارقطنی، حاوی الارواح ص ۳۹۸ واللفظ منہ، کنز العمال (حدیث نمبر ۳۲۶۳۰) بحوالہ حاکم مطولا وتسفب و (حدیث نمبر ۳۲۶۲۹) بحوالہ ابن نجار۔ تاریخ بغداد (۱۲/ ۱۹)، اتحاف السادہ (۹/ ۵۸۲)

اللہ تعالیٰ قرآن سنائیں گے

حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں کہ (اعلیٰ درجہ کے) جنتی جنت میں روزانہ دو مرتبہ اللہ جبار کے حضور زیارت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے سامنے قرآن پاک پڑھ کر سنائیں گے اور قرآن سننے والوں میں سے ہر جنتی اپنی اس مجلس پر رونق افروز ہوگا جہاں وہ بیٹھا کرتا ہوگا گوہر یاقوت' زبرجد' سونے اور زمرد کے منبروں پر اپنے اپنے اعمال کے درجات کے مطابق بیٹھیں گے اور اس قراءت سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور اسے بڑھ کر کوئی عظمت والی اور حسین چیز نہیں سنیں گے۔ اس کے بعد وہ

اپنی سواریوں پر بیٹھ کر اپنی مسرور آنکھوں کے ساتھ ایسی ہی کل تک کے لئے واپس لوٹ آیا کریں گے۔ا

صفۃ الجنۃ ابونعیم اصبہانی (۲۷۰) حادی الارواح ص ۳۲۸ بحوالہ ابوالشیخ ابن حیان۔
نوادر الاصول حکیم ترمذی ص ۱۵۶

اللہ تعالیٰ کی اور جنتیوں کی باہمی گفتگو

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ. (سورۃ آل عمران/۷۷)

(ترجمہ) یقینا جو لوگ معاوضہ (یعنی نفع دنیوی) لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو (انہوں نے) اللہ تعالیٰ سے کیا (مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا) اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے (مثلاً حقوق العباد و معاملات کے باب میں قسم کھا لینا ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز، اور نہ ان (کو گناہوں سے) پاک کریں گے اور ان کیلئے دردناک عذاب (تجویز) ہوگا۔

(فائدہ) ان مذکورہ قسم کے لوگوں سے چونکہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اس لئے ان سے کلام محبت نہیں کریں گے اور اہل جنت سے چونکہ راضی ہوں گے اس لئے ان سے کلام فرمائیں گے یہ بات مذکورہ آیت سے بطور اقتضاء النص کے ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جنتیوں کو سلام کریں گے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (سورۃ یٰسین/۵۸)

ترجمہ: ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔ حدیث جابر میں ہے کہ جنتی حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ جھانک کر ان کو فرمائیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ. (اے اہل جنت تم پر سلام ہو)

ابن ماجہ فی مقدمۃ سننہ (۱۸۴) حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۶/۲۰۸، صفۃ الجنہ ابونعیم (۹۱) صفۃ الجنہ ابن ابی الدنیا در منثور (۵/۲۶۶) بحوالہ بزار وابن ابی حاتم والآجری فی الرؤیۃ وابن مردویہ وغیرہ۔ حادی الارواح

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورۃ التوبہ ۷۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہیشگی کے باغات میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

حق تعالیٰ کا اہل جنت سے خطاب کرنا بڑی نعمت ہوگی

(حدیث) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَالَنَا لَا نَرْضٰی وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا

مِنْ خَلْقِکَ؟ فَیَقُوْلُ اَلاَ اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ؟ فَقَالُوْا یَارَبَّنَا
وَاَیُّ شَیْئٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ؟ فَقَالَ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلاَ
اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔

زہد ابن المبارک (۲ / ۱۲۹)، مسند احمد (۳ / ۸۸)، بخاری (۱۱ / ۴۱۵ مع فتح البخاری) مسلم (الجنۃ ۹) تفسیر ابن جریر (۱۰ / ۲۶) ترمذی (حدیث نمبر ۲۵۵۸) حلیۃ الاولیاء (۶ / ۳۴۲) بدور سافرہ (۲۱۵۰) صفۃ الجنۃ ابن کثیر ص ۱۲۱، البعث والنشور بیہقی (۴۹۰) تذکرۃ القرطبی (۲ / ۴۹۲) صحیح ابن حبان (۱۰ / ۲۶۶)، جامع الاصول (۱۰ / ۵۳۴)، المتجر الرابح (۲۱۲۶) مشکوٰۃ (۵۶۲۶)، جمع الجوامع (۵۳۱۴)، اتحاف السادۃ (۹ / ۶۴۹)، کنز العمال (۳۹۲۸۷) تفسیر ابن کثیر (۴ / ۱۱۸)، درمنثور (۳ / ۲۵۷)، تفسیر معالم التنزیل (۱ / ۳۲۷) تفسیر ابن جریر (۱۰ / ۱۲۶) قرطبی (۱۸ / ۱۴۲) الاسماء والصفات (۲۲۱، ۵۰۲)

(ترجمہ) اللہ تبارک وتعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے اے جنت والو! تو وہ عرض کریں گے **لبیک وسعدیك** (ہم حاضر ہیں اور سعادت آپ ہی کی طرف سے ہے) اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے ہمیں کیا ہے ہم کس وجہ سے راضی نہ ہوں جبکہ آپ نے ہمیں اتنا عطاء فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق میں سے اتنا کسی کو عطاء نہیں کیا؟ تو (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے کیا میں آپ حضرات کو اس سے بھی افضل نعمت عطاء نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب کون سی نعمت اس سے افضل باقی رہ گئی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تمہارے لئے اپنی رضا نچھاور کی اب اس کے بعد میں کبھی بھی آپ حضرات پر ناراض نہیں ہوں گا۔

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ اللّٰهُ یَا عِبَادِیْ هَلْ تَسْأَلُوْنِیْ شَیْئًا
فَاَزِیْدُکُمْ؟ قَالُوْا یَارَبَّنَا وَمَا خَیْرٌ مِنْهَا اَعْطَیْتَنَا؟ قَالَ رِضْوَانِیْ اَکْبَرُ

(ترجمہ) جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے

بندو! تم مجھ سے کچھ مانگتے نہیں کہ میں تمہاری (نعمتوں میں) اضافہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب جو کچھ آپ نے ہمیں نوازا ہے اس سے بہتر کیا نعمت ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری رضا اور خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے۔

۔ تفسیر ابن کثیر ۲ / ۳۸۵، وقال الحافظ الضیاء المقدسی فی کتابہ صفۃ الجنۃ ہذا عندی علی شرط الصحیح، صفۃ الجنۃ ابن کثیر ص ۱۲۲، بزار ( ) طبرانی اوسط ( ) البدور السافرہ (۲۱۵۱) صحیح ابن حبان بلفظہ (۱۰ / ۲۶۵) (۷۳۹۶) درمنثور (۳ / ۲۵۷)، حلیۃ الاولیاء (۵ / ۱۳۲)۔

زیارت باری تعالیٰ کسی نیک عمل کے بدلہ میں نہیں ہوگی

اللہ تعالیٰ جنت تو اہل جنت کو ان کے عمل صالح (ایمان وعبادات) کے بدلہ میں عنایت فرمائیں گے مگر اپنے چہرۂ اقدس کی زیارت کو اضافی طور پر عطاء فرمائیں گے اس کو کسی عمل کے ثواب کا بدلہ قرار نہیں دیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" سے مراد تو جنت ہے اور "زیادہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اس دیدار کو "زیادہ" بہت عظیم ہے اعمال میں سے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لئے کہ یہ جنت سے بھی افضل ہے۔ (کنز المدفون۔ ص ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ کی زیارت دنیا میں کیوں نہیں کرائی گئی

اللہ تعالیٰ دنیا میں ہم سے پردہ میں کیوں ہیں جب کہ قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے کہ ہم آخرت میں اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا؟

اس کی علماء کرام نے بہت سی وجوہات تحریر کی ہیں:

① دنیا میں اس لئے زیارت نہیں کرائی تا کہ بندہ کے شوق اور محبت میں مزید اضافہ ہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وطن میں واپسی کا لطف طویل عرصہ تک سفر میں رہنے کے بعد ہی

آتا ہے

② ایک وجہ خوف وخشیت میں اضافہ کرانا مطلوب ہے

③ تا کہ طلبگاروں کو غیر طلبگاروں پر فضیلت حاصل ہو

④ اگر ان سے حجاب اٹھا دیا جاتا اور وہ دنیا میں ہی اس کی زیارت سے مشرف ہو جاتے تو وہ ذات باری کے جمال بے بہا میں ہی مستغرق ہو جاتے اور اپنے آپ سے اور دنیا میں نیک اعمال کی ترقی کے حصول سے بے پرواہ ہو جاتے آپ نے عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ تو قرآن شریف میں پڑھا ہی ہے کہ اس نے مصر کی ان عورتوں کو (جنہوں نے اس کو حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہونے پر انگشت نمائی کی تھی) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کے سامنے نکلو اور عورتوں کو کہا کہ لیموں کاٹو اس وقت میں جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو اپنے آپ کو بھول گئیں حتی کہ اپنے ہاتھوں کو چھریوں سے کاٹ بیٹھیں اور تکلیف کا ذرہ برابر احساس نہ ہوا۔ تو جب ان کی یہ حالت مخلوق کو دیکھنے سے ہوئی تمہارا کیا گمان ہے جب تم خالق کے جمال کو دیکھو گے تو تمہارا کیا حال ہو گا

⑤ فانی ہونے والا باقی رہنے والی ذات کو کب دیکھ سکتا ہے۔

اور یہ بات ذہن نشین رکھ لو کہ اللہ تعالیٰ پردہ میں نہیں ہے اگر وہ پردہ میں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز نے اس کو چھپا رکھا ہے (اور چھپانے والی چیز کے لئے اللہ کی عظیم ذات کو چھپانے کی فوقیت حاصل ہوگئی اور یہ بات بالکل غلط ہے اور) حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تو کوئی جہت ہے اور نہ کوئی مکان۔ بلکہ اے دیکھنے والے تو ہی حجاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر دنیا میں ایسی قوت نہیں رکھی کہ تو اس کو دیکھ سکے۔

(زاد المدفون: ص ۱۴۲)

فرشتے اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے؟

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ بعض ائمہ کے کلام میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت فقط مومن انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں کرسکیں گے ان حضرات نے ارشاد ربانی **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَار** سے استدلال کیا ہے کہ اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ آیت عام ہے جس کو مومنین کے حق میں دوسری آیت کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نہ دیکھنے والی آیت کے عموم میں داخل ہیں جبکہ امام بیہقیؒ نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ چنانچہ آپ کتاب الرؤیۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو اللہ نے جب سے پیدا کیا ہے صف بستہ کھڑے ہیں اور اللہ سبحانہ کے چہرہ اقدس کو دیکھ دیکھ کر سبحانک کہہ رہے ہیں (یعنی اے اللہ آپ کی ذات تمام عیبوں اور نقائص سے پاک ہے)

(کتاب الرؤیۃ امام بیہقی، البدور السافرہ (۲۲۶۹) الحبائک فی اخبار الملائک (۵۵۱) بحوالہ ابن عساکر حادی الارواح ص ۴۰۷، تاریخ کبیر بخاری ۲/۸)

فرشتے قیامت کے دن زیارت کریں گے

حدیث: حضرت عدی بن ارطاۃؒ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَلَائِكَةٌ قِيَامٌ تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ مَخَافَتِهٖ مَامِنْهُمْ مَلَكٌ تَنْحَدِرُ دَمْعَةٌ مِنْ عَيْنِهٖ اِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا يُسَبِّحُ وَمَلَائِكَةٌ سُجُوْدٌ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ لَمْ يَرْفَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ

وَلَا یَرْفَعُوْنَهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَصَفُوْفاً لَمْ یَنْصَرِفُوْا عَنْ مَصَافِّهِمْ وَلَا یَنْصَرِفُوْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ یَتَجَلّٰی لَهُمْ رَبُّهُمْ، فَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ، قَالُوْا: سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ کَمَا یَنْبَغِیْ لَکَ"۔

کتاب الرؤیۃ امام بیہقی البدور السافرہ (۲۲۷۰) الحبائک (۲۴) بحوالہ شعب الایمان بیہقی وابن عساکر وغیرہ کتاب العظمۃ ابوالشیخ (۵۱۷) تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۰۷تفسیر ابن کثیر ۸/ ۲۹۷، الحاوی للفتاوی ۲/ ۳۵۰ اتحاف السادۃ المتقین ۹/ ۱۲۶، ۱۰/ ۲۱۷، کنز العمال ۲۹۸۳۶، جمع الجوامع (۶۹۴۵) الفقیہ والمتفقہ ص ۱۰، حادی الارواح ص ۴۰۹، تاریخ اسلام امام ذہبی ۴/ ۱۰۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کے کندھے کے گوشت خوف کے مارے کانپتے ہیں ان میں سے کوئی فرشتہ ایسا نہیں کہ اس کی آنکھوں سے کوئی آنسو نکلے مگر (فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے) وہ حالت قیام میں تسبیح پڑھنے والے کسی نہ کسی فرشتے پر جا گرتا ہے، اور کچھ فرشتے ایسے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تب سے سجدہ میں ہیں۔ انہوں نے کبھی سر نہیں اٹھایا اور نہ قیامت تک سر اٹھائیں گے اور کچھ فرشتے رکوع میں ہیں انہوں نے بھی کبھی سر نہیں اٹھایا اور نہ کبھی قیامت تک سر اٹھائیں گے اور کچھ فرشتے صف بستہ ہیں جو اپنی صفوں سے کبھی نہیں ہٹے اور نہ قیامت تک ہٹیں گے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کے سامنے تجلی فرمائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور عرض کریں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے جس طرح سے لائق تھا ہم نے اس طرح سے آپ کی عبادت نہیں کی۔

جنت کے گھوڑے اور اونٹ

حدیث: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت میں گھوڑا بھی ہوگا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائینگے تو جب چاہے گا کہ یاقوت احمر کے گھوڑے پر سوار ہو اور وہ تمہیں جنت میں اڑاتا

پھرے تو تو سوار (ہو کر جنت کی اس طرح سے سیر کر سکے) گا ایک اور صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا جنت میں اونٹ ہوگا؟ تو آپ نے اس کو ویسا جواب نہ دیا جیسا کہ پہلے صحابی کو دیا تھا بلکہ فرمایا اگر آپ کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے تو آپ کیلئے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کا تمہارا دل چاہے گا اور تمہاری آنکھوں کو لذت ملے گی۔

اللہ کی زیارت کیلئے لے جانے والا گھوڑا

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَادَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جَاءَتْهُمْ خُيُوْلٌ مِنْ يَاقُوْتٍ اَحْمَرٍ لِهَا اَجْنِحَةٌ لَاتَرُوْثُ وَلَا تَبُوْلُ فَقَعِدُوْا عَلَيْهَا، ثُمَّ طَارَتْ بِهِمْ فِيْ الْجَنَّةِ فَيَتَجَلّٰى لَهُمُ الْجَبَّارُ فَاِذَارَاَوْهُ خَرُّوْاسُجَّدًا فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْجَبَّارُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: اِرْفَعُوْارُؤُوْسَكُمْ فَاِنَّ هٰذَالَيْسَ يَوْمَ عَمَلٍ اِنَّمَا هُوَ يَوْمُ نَعِيْمٍ وَكِرَامَةٍ۔ قَالَ فَيَرْفَعُوْنَ رُؤُوْسَهُمْ فَيَمْطُرُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ طِيْبًا فَيَمُرُّوْنَ بِكِثْبَانِ الْمِسْکِ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عَلٰى تِلْکَ الْكُثْبَانِ رِيْحًا فَتُهَيِّجُهَا عَلَيْهِمْ حَتّٰى اِنَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ وَاِنَّهُمْ لَشُعِثٌ غُبْرٌ۔

حدیث حسن زہد ابن مبارک ۲/۷۷، ابن جریر (تفسیر ۲۵/۵۸) شرح السنہ ۱۵/۲۲۲، مسند احمد ۵/۳۵۲، ترمذی (۲۵۴۶)، البدور السافرہ (۲۱۲۰) بیہقی، حادی الارواح ص ۳۲۹، وصف الفردوس (۱۶۸)۔

ترجمہ: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو ان کے پاس یاقوت احمر کے گھوڑے پیش ہوں گے جن کے پر بھی ہوں گے جو نہ تو لید کریں گے نہ پیشاب، یہ حضرات ان پر سوار ہوں گے اور یہ گھوڑے ان کو اٹھا کر اڑیں گے۔ اللہ جبار ان کے سامنے تجلی فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: اپنے سر اٹھا لو کیوں کہ یہ عمل کرنے کا دن

نہیں ہے یہ نعمتوں اور عزت و مرتبہ پانے کا دن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ جنتی اپنے سر اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر خوشبو پاشی کریں گے۔ پھر یہ مشک کے ٹیلوں کے پاس سے گذریں گے تو اللہ تعالیٰ ان ٹیلوں پر ایسی ہوا چلائیں گے کہ وہ ان جنتی حضرات کو معطر کردے گی حتیٰ کہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹیں گے تو یہ بال کھلے ہوئے مشک آلودہ ہوں گے۔

صفة الجنة ابونعیم (۴۲۹)، نہایہ ابن کثیر ۲/ ۵۱۵، کتاب العظمة ابوالشیخ، حادی الارواح، ۳۳۱، کتاب الشریعة آجری (۲۶۷)۔

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اللہ جل جلالہ سے ملاقات کی دُعا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

"اَسْاَلُکَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ۔

سنن النسائی، کتاب السھو، باب الدعا بعد الذکر (رقم ۳۰۶)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے ملنے کا شوق رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں ہمیشہ سے یہ اشتیاق تھا کہ میں اپنے رب سے ملاقات کروں۔ محب کا دل ہر وقت اپنے محبوب کے دیکھنے اور اس کے حسن میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس کے جلال کی طرف دیکھتا ہے تو اس کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا رعب پیدا ہوتا ہے اور جب اس کی مہربانیوں اور نعمتوں کی طرف دیکھتا ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب جنت کی نعمتوں کا مراقبہ کرتا ہے تو اس سے ملنے کا شوق جنم لیتا ہے۔

حدیث: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَالْمَوْتِ، وَلَذَّةَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْھِکَ، وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ، فِیْ غَیْرِ ضَرَاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةَ

مُضِلَّةٍ،

ترجمہ:اے اللہ! میں آپ سے وفات کے بعد سکون کی زندگی کی دعا کرتا ہوں، اور آپ کے چہرہ اقدس کی طرف نگاہ کرنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور آپ سے ملاقات کے شوق کی دعا کرتا ہوں بغیر کسی دکھ تکلیف کے اور بے راہ کرنے والے فتنہ کے۔ ماضی میں تفصیل گذر چکی ہے۔

لالکائی: کتاب السنہ، ابن ابی عاصم کتاب السنہ (۴۲۶)، البدور السافرہ (۲۲۳۴)، مسند احمد ۵ / ۱۹۱، حادی الارواح ص ۴۰۸ بہذا اللفظ واحمد ۴ / ۲۶۴ وحاکم ۱ / ۶۲۴ وابن حبان (۱۹۷۱) ونسائی ۵ / ۵۴ وکتاب التوحید ابن خزیمہ ص ۱۲، کتاب الرد علی الجہمیہ (۸۶)، حادی الارواح ص ۴۰۰۔

شوقِ دیدارِ الٰہی کے لئے سینے میں ایک گھر ہے (امام ابن قیمؒ)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات کو خوب سمجھ لو، اللہ تعالیٰ نے سینے میں ایک گھر پیدا کیا اور وہ دل ہے اللہ تعالیٰ نے اس دل میں ایک تخت بچھایا، اور اس میں اپنی رحمت سے جنت، مانوسیت، محبوبیت اور اپنے ملنے کا شوق کا دروازہ کھولا، اور احکامات کے اقسام میں سے تہلیل، تسبیح، تحمید اور تقدیس کے پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے درختوں پر اپنے کلام کی بارش برسائی۔ اس باغ کے وسط میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا درخت ہے۔ جو محبت، رجوع، خوف اور اس کی خوشی کے پھل اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیتا ہے اور اس درخت کو بطور پانی اور کھاد کے اس کے کلام کا تدبر اور اس کی سمجھ اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کو ڈالا جاتا ہے۔ اس گھر کے بیچ میں ایک قندیل لٹکا ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ونورِ ایمان اور توحید سے چمکایا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کے سکون کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے قریب محسوس کرتا ہے اور اس کو واقعتاً قریب ہی پاتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يَخْرُجُ الْعَارِفُ مِنَ الدُّنْيَا وَلَا يَقْضِيْ وَطَرَهُ مِنْ شَيْئَيْنِ: بُكَاؤُهُ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَشَوْقُهٗ اِلٰى رَبِّهٖ"، اللہ اھل الثنا والمجد (۱۰۵)

"یعنی عارف کا دل موت آنے تک دو چیزوں سے نہیں بھرتا۔
① اپنے نفس پر رونا۔ ② اپنے رب سے ملاقات کرنے کا شوق۔"

ابوعبیدہ خواص

④ وَكَانَ اَبُوْعُبَيْدَةَ الْخَوَّاصُ لَيَمْشِيْ فِي الطَّرِيْقِ ، وَيَصِيْحُ:
"وَاشَوْقَاهُ اِلٰى مَنْ يَرَانِيْ وَلَا اَرَاهُ"

حضرت ابوعبیدہ الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ راستے میں چل رہے ہوتے اور ایک دم چیخ مارتے ہوئے کہتے: "میں تو اپنے پروردگار سے ملاقات کا شوق رکھتا ہوں، جو مجھ کو دیکھتا ہے، لیکن میں اس کو نہیں دکھتا ہوں۔" (اللہ اھل الثناء والمجد ۱۰۵)

احمد بن عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پہچانتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خوف کھاتا ہے۔" (اللہ اھل الثناء والمجد۔ ۲۱۳)

اَللّٰهُ يَفْرَحُ بِقُرْبِهِ الْمُوْمِنُوْنَ، وَيَشْتَاقُ اِلٰى لِقَائِهِ الْمُتَّقُوْنَ۔

ترجمہ: ایمان والے اللہ تعالیٰ کی قربت سے خوش ہوتے ہیں اور متقی لوگ اس کے دیدار کا شوق رکھتے ہیں۔ (اللہ اھل الثناء والمجد۔ ۱۰۴)

سَاكِنٌ فِي الْقَلْبِ يَعْمُرُهٗ
لَسْتُ أَنْسَاهُ فَأَذْكُرُهٗ
غَابَ عَنْ سَمْعِيْ وَعَنْ بَصَرِيْ
فَسُوَيْدَا الْقَلْبِ تُبْصِرُهٗ

ترجمہ:

وہ ذات میرے دل میں بسی ہوئی ہے، اور یہی چیز میرے دل کو

آباد کیے ہوئے ہے، میں اس کو بھولا ہی نہیں ہوں کہ یاد کروں وہ اگرچہ میری آنکھوں اور کانوں سے دور ہے، لیکن میں دل کی گہرائیوں سے اس کو دیکھ رہا ہوں۔

جنتیوں کو اللہ کا سلام

جنت کی تمام نعمتوں میں سے سب سے زیادہ مزہ اللہ تعالیٰ کی زیارت میں آئے گا۔

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ عَلَيْهِمْ نُوْرٌ، فَرَفَعُوْا عَنْ رُؤُوْسِهِمْ، فَاِذَا الرَّبَّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ، وَذٰلِكَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ: (سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ)، قَالَ: فَيَنْظُرَ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ، فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيْمِ مَادَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ، حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ، وَيَبْقٰى نُوْرُهٗ وَبَرَكَةَ عَلَيْهِمْ فِيْ دِيَارِهِمْ۔

ترجمہ: جنتی حضرات اپنی اپنی نعمتوں میں مزے لے رہے ہوں گے کہ اچانک ان پر ایک نور چمکے گا اور وہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھیں گے کہ اس نے اوپر سے ان پر جھانکا ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

”السلام علیکم یا اھل الجنة“ (اے جنت والو السلام علیکم)

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

”سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ“

ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہیں گے جنت کی کسی بھی نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پردہ میں چلے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نور اور برکت کا اثر ان پر اُن کے محلات میں باقی رہے گا (اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ظاہر ہونا اور جھانک کر دیکھنا مکان اور حلول سے پاک ہے) تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

(جنت کے حسین مناظر۔ ۱۵۷۳۔ ابن ماجہ، (۱۸۴) ابن ابی الدنیا (۹۷)، دارقطنی، آجری (فی الرؤیۃ) البدور السافرہ: ۲۲۲۹)، حلیہ ابونعیم ۶ / ۲۰۸)، صفۃ الجنہ ابونعیم (۹۱)، ضعفاء عقیلی ۲ / ۲۷۴، کامل ۶ / ۲۰۳۹، موضوعات ابن جوزی ۳ / ۲۶۰، ۲۶۲، تفسیر ابن کثیر ۶ / ۵۷۰، البعث والنشور (۴۹۳)، مسند بزار (۳ / ۱۶۷)، مجمع الزوائد (۷ / ۹۸)، نہایہ ابن کثیر (۲ / ۴۷۴)، الشریعۃ آجری ص ۲۶۷ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ (۸۳۶) ۳ / ۴۸۲، الرؤیۃ دارقطنی (۵۲ / ۱)، الفوائد المنتخبہ عن ابی اشعب مخطوط (ورق ۴)، المقاصد السنیہ فی الاحادیث القدسیہ۔ ابوالقاسم علی بن لبان ص ۳۷۴، ترغیب وترہیب ۴ / ۵۵۳، حادی الارواح ص ۳۹۷، درمنثور (۵ / ۴۶۶))

آج بتاریخ ۱۸ صفر بروز پیر ۱۴۳۷ ہجری مطابق ۳۰ نومبر ۲۰۱۵ نماز ظہر سے قبل حق سبحانہ وتعالیٰ کے محض فضل اور احسان سے کتاب دیدارِ الٰہی کا شوق ایک بے بضاعت و بے حیثیت بندہ کمینہ سے مکمل ہوئی۔ حق جل مجدہ نے ہی توفیق دی تھی اور انہی سے امید قوی ہے کہ اس عاجز وناتواں سے اپنی جناب میں شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے اپنے قربِ خاص اور رضا سے نواز کر شوقِ دیدارِ الٰہی اور لذتِ نظر کی نعمت عطا فرمادے آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِكَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِكَ عَدَدَ خَلْقِكَ وِمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَرِضَاءَ نَفْسِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لاَ منتهى له دون علمك ولك الحمد حمدًا لامنتهى له دون مشيئتك وَلَكَ

اَلْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ کُلِّ طَرْفَةٍ عین اوتنفس نفس وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا جَزَاءَ لِقَائِلِهٖ اِلَّا رِضَاكَ وَلِقَائَكَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلاة تنجّينا بها من جميع الاحوال والآفات وتقضي لنا بها جميع الحاجات وتطهرنا بها من جميع السيئات وترفعنا بها عندك اعلى الدرجات وتبلغنا بها اقصى الغايات من جميع الخيرات في الحيات وبعد الممات انك على كل شئٍ قدير۔ اللّٰهم يا رب بجاه نبيك المصطفىٰ ورسولك المرتضىٰ طهر قلبي عن غيرك ومن كل وصف يباعدني عن مشاهدتك ومحبتك وامتني على السنة والجماعة والشوق الىٰ لقائك يا سميع الدعاء يا مجيب يا قريب ياشاهد ياحيُّ ياقيُّوم ياذا الجلال والاكرام ياذالمعروف ۔سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العٰلمين ۔سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم سبحانك اللّٰهم وبحمدك واشهدان لا اله الا انت واستغفرك واتوب اليك۔

العبد محمد ثمین اشرف قاسمی

ابن الحاج محمد ابراہیم نقشبندیؒ

متوطن مادھوپور، سلطانپور، سیتامڑھی، بہار

حال مقیم، مصلی الحبتور، بردبئ - امارات عربیہ متحدہ

۱۸/صفر ۱۴۳۷ ہجری - ۳۰/نومبر ۲۰۱۵ بروز پیر

❁❁❁❁❁❁❁❁

نعت شریف

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسن رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپؐ کے قدموں کی دھول ہے

اے رہروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستہ کا تو کانٹا بھی پھول ہے

ہر اک قدم پہ اس میں ضروری ہے احتیاط
عشق بتاں نہیں ہے یہ عشق رسول ہے

آئینِ مصطفی کے سوا حل مشکلات
یہ عقل کا فریب ہے نگاہوں کی بھول ہے